تجلیات صفدر
جلد سوم
تالیف
مناظر اسلام وکیل اہل سنت والجماعت
حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ
عنوانات وترتیب وتصحیح
مولانا نعیم احمد
استاذ جامعہ خیر المدارس ملتان
ناشر
مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

نام کتاب: تجلیات صفدر (جلد سوم)
مصنف : مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ
مرتب : مولانا نعیم احمد صاحب
مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان
کمپوزر : حافظ محمد نعمان حامد
تاریخ اشاعت :
ناشر : مکتبہ امدادیہ، ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان، پاکستان

ملنے کے پتے

مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور
مکتبۃ العلم، اردو بازار لاہور
اسلامی کتب خانہ، اردو بازار لاہور
کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی

فہرست تجلیاتِ صفدر

(جلد سوم)

نمبر شمار	مضامین	صفحہ

تجلیاتِ صفدر کی یہ تیسری جلد آنجناب کے ہاتھ میں ہے۔ ہم اپنی بساط کے مطابق "تجلیاتِ صفدر" کو نئے پیرائے میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں، اور الحمدللہ کافی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ جس کا اندازہ یقیناً قارئین کو ہوگا۔ اب اس تیسری جلد میں نماز کے درج ذیل اہم مسائل "حدیث سبحانک اللھم"، "مسئلہ قراءۃ خلف الامام"، "تحقیق مسئلہ آمین"، "نماز تراویح"، "مرد وعورت کی نماز میں فرق"، "گاؤں میں نماز جمعہ" اور اس کے ساتھ ساتھ ضرورتِ تقلید پر حضرت اوکاڑوی مرحوم کے جملہ مضامین کو یکجا جمع کر دیا گیا ہے، جس سے قاری پر تقلید کی اہمیت وضرورت خوب واضح ہو جاتی ہے۔

اس کتاب کی تصحیح میں حتی المقدور پوری کوشش کی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود جہاں غلطی محسوس کریں بندہ مرتب کو یا ناشر مکتبہ امدادیہ ملتان کو ضرور مطلع کریں۔

جزاکم اللہ احسن الجزاء

نعیم احمد

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ ولا نبوۃ بعدہ. اما بعد

میرے ایک عزیز دوست نے بتلایا کہ غیر مقلدین یہ شور و غوغا برپا کر دیا کہ حنفی نماز میں جو ثنا (سبحانک اللھم الخ) پڑھتے ہیں اس کی حدیث ضعیف ہے اور اس کا کوئی کامل ثبوت نہیں، اس کی بجائے دوسری دعائیں نہایت صحیح اور قوی احادیث سے ثابت ہیں مگر حنفی صرف اپنے امام کے مذہب کی وجہ سے ان کا انکار کرتے ہیں اور جب انکار بن نہیں پڑتا تو بلا دلیل کہہ دیتے ہیں کہ یہ دعائیں نوافل میں پڑھنے کی ہیں نہ کہ فرائض میں، اس وجہ سے اس عاجز ہیچمدان نے کتب احادیث وفقہ کی ورق گردانی کی اور بعض مشہور دعاؤں کو یکجا جمع کر دیا اور ان کی بابت تحقیق اور فقہی احکام کو تحریراً عرض کر دیا اب فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے۔

دعا اولیٰ:۔

عن ابی ھریرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسکت بین التکبیر وبین القراءۃ اسکاتۃ قال احسبہ قال ھنیۃ فقلت بابی انت وامی یا رسول اللہ اسکاتک بین التکبیر والقراءۃ ما تقول قال اقول

اللهم باعدبيني وبين خطاياي كما باعدت بين المشرق والمغرب اللهم نقني من الخطايا كما ينقي الثوب الابيض من الدنس اللهم اغسل خطاياي بالماء والثلج والبرد۔ ہم سے ابو ہریرۃ نے حدیث بیان کی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان تھوڑی دیر چپ رہتے تھے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ اس تکبیر اور قراءت کے درمیان کی خاموشی کے دوران کیا پڑھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پڑھتا ہوں۔ اللهم باعدبيني وبين خطاياي الخ (بخاری ص ۱۰۳ ج ۱۔ مسلم ص ۲۱۹ ج ۱ ابو داؤد ص ۱۰۷ ج ۱ نسائی ص ۱۰۹ ج ۱ ابن ماجہ ص ۵۹)

علامہ حلبیؒ اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں وهو اصح من الكل ومتفق عليه ومع ذالك انه لم يقل بسنية عينه احد من الائمة الاربعة (کبیری ص ۲۹۵) یعنی چاروں اماموں میں سے کوئی امام بھی خاص اس دعا کے سنت ہونے کا قائل نہیں اگرچہ سند نہایت صحیح ہے۔

دعا دوم:-

اخرج مسلم (ص ۲۰۹ ج ۱) ونسائی (ص ۱۰۹ ج ۱) و (ابو داؤد ص ۱۱۸ ج ۱) عن طريق حماد عن قتادة وثابت وحميد عن انسؓ ان رجلاً جاء ودخل الصف وقد حفزه النفس وقال الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه فلما قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوته قال ايكم المتكلم بالكلمات فارم القوم فقال ايكم المتكلم بها فانه لم يقل بأساً فقال رجل جئت وقد حفزني النفس فقلتها فقال لقد رأيت اثنى عشر ملكاً يبتدرونها ايهم يرفعها۔ ایک شخص نماز میں اس حالت میں شریک ہوا کہ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اس نے کہا "الله اكبر الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه" جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا "یہ کلمات کس نے

کہے تھے؟ اور اس نے کوئی نامناسب بات نہیں کی" پس وہ شخص بولا یا رسول اللہ! میں جب آیا تو میری سانس پھولی ہوئی تھی پس وہ کلمات میں نے کہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا جو ان کلمات کو عرش پر لیجانے کے لئے ان کی طرف لپک رہے تھے) اس حدیث میں کوئی موقع بھی متعین نہیں اسی لئے آئمہ اربعہ میں سے کوئی امام اس دعا کو نماز کی سنتوں میں ذکر نہیں کرتا۔

دعا سوم:-

اخرج مسلم (ص ۲۲۰ ج ۱) عن ابن عمرؓ قال بینما نحن نصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ قال رجل" فی القوم اللہ اکبر کبیراً والحمد للہ کثیراً وسبحان اللہ بکرۃً واصیلاً فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من القائل کلمۃ کذا و کذا قال رجل من القوم انا یارسول اللہ قال عجبت لھا فتحت لھا ابواب السماء وقال ابن عمرؓ فما ترکتھن منذ سمعت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ذالک.
(یعنی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک آدمی نے یہ دعا پڑھی اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کلمات کہنے والا کون تھا تو اس آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ان پر تعجب کیا کہ ان کلمات کے کہنے پر آسمان کے دروازے کھول دیے گئے اور ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب سے یہ بات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے میں نے کبھی ان کلمات کو ترک نہیں کیا۔) وقال ابو داؤد حدثنا عمرو بن مرزوق انا شعبۃ عن عمرو بن مرۃ عن عاصم العنزی عن ابن جبیر بن مطعم عن ابیہ انہ رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی صلوۃ قال عمرو لا ادری ای صلوۃ ھی فقال اللہ اکبر کبیرا اللہ اکبر کبیرا اللہ اکبر کبیرا الحمد للہ کثیرا الحمد

للّٰہ کثیرا وسبحان اللّٰہ بکرۃ واصیلا ثلاثا اعوذ باللّٰہ من الشیطان من نفثہ ونفخہ وھمزہ قال نفثہ الشعر ونفخہ الکبر وھمزہ الموتۃ (جبیر بن مطعمؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نماز میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھ رہے تھے۔ اللہ اکبر کبیرا (تین مرتبہ) الحمد للہ کثیرا (تین مرتبہ) سبحان اللہ بکرۃ واصیلا (تین مرتبہ) اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم من نفخہ ونفثہ وھمزہ) حدثنا مسدد ثنا یحییٰ عن مسعر عن عمرو بن مرۃ عن رجل عن نافع بن جبیر عن ابیہ قال سمعتُ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول فی التطوع ذکر نحوہ (پھر حضرت جبیر بن مطعمؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضورؐ کو نفل نماز میں یہ پڑھتے ہوئے سنا۔) (ابوداؤد ص ۱۱۸ ج ۱) فلت فیہ رجل لم یسم وھو عاصم العنزی المذکور اولاً اس سے معلوم ہوا کہ یہ دعا نفل نماز میں تھی۔

دعاءِ چہارم:

حدیث علیؓ:- اخرج الترمذی فی باب ما جاء عند افتتاح الصلوٰۃ باللیل (ص ۱۸۰ ج ۲) حدثنا الحسن بن علی الخلال نا سلیمان بن داؤد الھاشمی نا عبدالرحمٰن بن ابی الزناد عن موسیٰ بن عقبۃ عن عبداللّٰہ بن الفضل عن عبدالرحمٰن الاعرج عن عبیداللّٰہ بن ابی رافع عن علی بن ابی طالبؓ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ کان اذا قام الی الصلوٰۃ المکتوبۃ رفع یدیہ حذو منکبیہ ویصنع ذالک اذا قضی قرأتہ واراد ان یرکع ویصنعہ اذا رفع راسہ من الرکوع ولا یرفع یدیہ فی شیٔ من صلوتہ وھو قاعد فاذا قام من السجدتین رفع یدیہ کذالک فکبر ویقول حین یفتتح الصلوٰۃ بعد التکبیر وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفاً وما انا من المشرکین ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لِلّٰہ رب العالمین لا شریک لہ وبذالک امرت وانا من المسلمین اللھم انت

الملک لا الہ الا انت سبحنک انت ربی وانا عبدک ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنبی جمیعاً انہ لا یغفر الذنوب الا انت واھدنی لاحسن الاخلاق لا یھدی لاحسنھا الا انت واصرف عنی سیئھا لا یصرف عنی سیئھا الا انت لبیک وسعدیک وانابک والیک ولا منجا منک ولا ملجاء الا الیک استغفرک واتوب الیک ثم یقرأ فاذا رکع کان کلامہ فی رکوعہ ان یقول اللھم رکعت وبک آمنت ولک اسلمت وانت ربی خشع سمعی وبصری ومخی وعظمی للّٰہ رب العالمین فاذا رفع راسہ من الرکوع قال سمع اللّٰہ لمن حمدہ ثم یتبعھا اللھم ربنا لک الحمد ملاء السموٰت والارض وملاء ماشئت من شئ بعد فاذا سجد قال فی سجودہ اللھم لک سجدت وبک آمنت ولک اسلمت وانت ربی سجد وجھی للذی خلقہ وشق سمعہ وبصرہ تبارک اللّٰہ احسن الخالقین ویقول عند انصرافہ من الصلوٰۃ اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وانت الٰھی لا الہ الا انت (حضرت علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب فرض نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ شانوں تک اٹھاتے اسی طرح رکوع کے بعد کھڑے ہو کر بھی کرتے۔ اس کے علاوہ تشہد اور سجدوں وغیرہ کے دوران ہاتھ نہ اٹھاتے (رفع یدین نہ کرتے) پھر دو رکعتیں پڑھنے کے بعد کھڑے ہوتے تو بھی رفع یدین کرتے اور جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھتے ''وجہت وجہی'' سے ''اتوب الیک'' پھر قرأت کرتے اور رکوع میں جا کر یہ دعا پڑھتے ''اللھم لک رکعت'' سے ''رب العلمین'' تک پھر رکوع سے سر اٹھاتے وقت ''سمع اللہ لمن حمدہ'' اللھم ربنا لک الحمد من شئ بعد'' تک دعا پڑھتے پھر سجدے میں جاتے تو'' اللھم لک سجدت'' سے ''احسن الخالقین'' تک پڑھتے پھر نماز ختم

کرنے لگتے تو "اللھم اغفرلی" سے آخر تک دعا پڑھتے۔ ھذا حدیث حسن صحیح والعمل علی ھذا الحدیث عند الشافعیؒ وبعض اصحابنا وقال بعض اھل العلم من اھل الکوفۃ وغیرھم یقول ھذا فی صلوۃ التطوع ولا یقوله فی المکتوبۃ سمعت ابا اسماعیل یعنی الترمذی یقول سمعت سلیمان بن داؤد الھاشمی یقول وذکر ھذا الحدیث فقال ھذا عندنا مثل حدیث الزھری عن سالم عن ابیہ (انتھی کلام الترمذیؒ)

واخرج ابو داؤد فی باب ما یستفتح بہ الصلوۃ من الدعاء (ص ۱۱۸ ج ۱) بھذا السند مثله۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں وفیہ استحباب الاستفتاح بما فی ھذا الحدیث الا ان یکون اماماً لقوم لا یؤثرون التطویل (نووی شرح صحیح مسلم ص ۲۶۳، ج ۱) اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ اس دعا کو فرائض میں پڑھنے کے قائل ہیں، باقی رہا یہ کہ شوافع کے نزدیک یہ دعا پڑھنا سنت مؤکدہ ہے یا مستحب تو امام نوویؒ کے کلام سے معلوم ہوا کہ یہ دعا مستحب ہے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ مقتدی اتنی لمبی دعا سے تنگ نہ ہوں ورنہ مقتدیوں کی رعایت مقدم ہوگی اور اس کو ترک ہی کرنا پڑے گا۔

یہ یاد رہے کہ شوافع جو اس کے استحباب کے قائل ہیں ان کے استدلال کا دارومدار لفظ فی الصلوۃ المکتوبۃ پر ہے لیکن علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ غیر محفوظ ہے (آثار السنن ص ۹۲)

تحقیق:۔

اس حدیث کو امام مسلمؒ نے باب صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودعاءہ باللیل ص ۲۶۳، ج ۱ اور امام ترمذیؒ نے باب مذکور ص ۱۸۰، ج ۲ پر دو سندوں سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے مگر ان میں نہ یہ لفظ ہے نہ رفع یدین کا ذکر ہے، سند اول یوسف بن الماجشون عن ابی عن عبدالرحمن الاعرج الخ دوسری سند عبدالعزیز بن

ابی سلمة عن عمه الماجشون عن الاعرج الخ اور یہ دوسری سند ابوداؤد ص ۱۱۷، ج ۱ نسائی ص ۱۰۱، ج ۱ نے بھی روایت کی ہے۔ان میں سے کسی میں لفظ مکتوبہ اور رفع یدین کا نہیں ہے بلکہ امام مسلم کی ایک روایت میں تو صلوۃ اللیل کی تصریح ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر بلوغ المرام مترجم ص ۷۳ پر فرماتے ہیں وفی روایة له (مسلم) ان ذالک فی صلوة اللیل اور عون المعبود شرح ابوداؤد میں ہے واما مسلم فقید بصلوة اللیل وزاد لفظ من جوف اللیل (ص ۷۶، ج ۱) ان تین سندوں کے علاوہ نسائی نے باب افتتاح الصلوة بالتکبیر میں حضرت علیؓ کی اس حدیث کو ایک چوتھی سند سے روایت کیا ہے اور وہ سند یہ ہے ابن جریج عن موسیٰ بن عقبه عن عبدالله بن الفضل عن عبدالرحمن الاعرج عن عبیدالله بن ابی رافع عن علی بن ابی طالب (الحدیث) اس میں بھی نہ تو رفع یدین کا ذکر ہے نہ مکتوبہ کا لفظ واخرج النسائی قال اخبرنا یحییٰ بن عثمان الحمصی حدثنا ابن حمیر قال حدثنا شعیب بن حمزة عن محمد بن المنکدر وذکر آخر قبله عن عبدالرحمن بن هرمز الاعرج عن محمد بن مسلمة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا قام یصلی تطوعاً قال الله اکبر وجهت وجهی الحدیث (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز میں وجہت وجہی الخ دعا پڑھتے تھے) (ص ۱۰۱، ج ۱) واخبرنا یحییٰ بن عثمان الحمصی حدثنا ابو حیوة حدثنا شعیب عن محمد بن المنکدر عن جابر بن عبدالله عن النبی صلی الله علیه وسلم الحدیث مختصراً (ص ۱۰۵، ج ۱)

خلاصہ کلام :-

یہ حدیث تین صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمائی ہے۔

(۱) جابر بن عبداللہؓ۔ ان کی حدیث میں نہ مکتوبہ کا لفظ ہے اور نہ رفع یدین کا ذکر ہے۔

(۲) محمد بن مسلمہؓ۔ ان کی روایت میں رفع یدین کا ذکر نہیں اور مکتوبہ (فرض) کی

بجائے تطوعا (نفلی) کا لفظ ہے۔

(۳) علی بن ابی طالبؓ سے یہ حدیث چار سندوں سے مروی ہے جن میں سے تین سندوں میں نہ تو رفع یدین کا ذکر ہے اور نہ مکتوبہ کا لفظ، بلکہ صحیح مسلم شریف کی صحیح ترین روایت کے مطابق اس میں جوف اللیل اور صلوٰۃ اللیل کا ذکر ہے اور محدثین کے نزدیک یہی صحیح ہے اسی لئے امام مسلمؒ اور امام ترمذیؒ نے تصریحاً ان کو صلوٰۃ اللیل کے باب میں نقل کیا ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ہم اس چوتھی سند کی تحقیق کریں جو حضرت علیؓ کی تین صحیح سندوں اور دو صحابہ کرام کے خلاف ہے۔

اس چوتھی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن ابی الزناد ہے یہ دونوں باتیں اسی نے زیادہ کی ہیں (عبدالرحمٰن کے بارے میں ہیثمی نقل کرتے ہیں کہ امام نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ فیض القدیر شرح جامع صغیر میں اسی طرح ہے)

(۱) امام بخاریؒ (۲) امام مالکؒ (۳) امام ترمذیؒ کے نزدیک یہ راوی ضعیف ہے چنانچہ امام ترمذیؒ باب المسح علی الخفین میں حدیث مغیرہ بن شعبہ کے تحت نقل فرماتے ہیں قال محمد (بخاری) وکان مالک یشیر لعبدالرحمن بن ابی زناد (ص ۱۴، ج ۱) قال احمد بن حنبلؒ مضطرب الحدیث قال ابو حاتم لا یحتج بہ وقال عمرو بن علی ترکہ ابن مہدی (تہذیب التہذیب) ان چھ حضرات کے نزدیک تو یہ پہلے ہی ضعیف تھا اس پر آفت یہ ہی کہ آخری عمر میں اس کا حافظہ بالکل خراب ہو گیا تھا ھو صدوق تغیر حفظہ لما قدم بغداد وکان فقیہا من السابعۃ (تقریب) اس سے معلوم ہوا کہ جب سے آخری عمر میں وہ بغداد میں قیام پذیر ہوا اس کی کوئی روایت صحیح نہیں اور اس حدیث میں عبدالرحمٰن بن ابی الزناد سے روایت کرنے والا سلیمان بن داؤد الہاشمی ہے یہ بغدادی ہے (تقریب) (الغرض یہ حدیث بغداد میں روایت کردہ ہے) تو یہ سند باتفاق ضعیف ہوئی، پس اس میں یہ دونوں باتیں یعنی مکتوبہ کا لفظ اور رفع یدین کا ذکر جو دوسرے نہایت معتبر راویوں کے خلاف ہے مردود اور منکر ہوا پس ثابت ہو گیا کہ یہ دعا نوافل

میں پڑھ سکتا ہے کہ توپ والی روایت بالکل صحیح نہیں۔

رفع یدین:-

ہمارے غیر مقلد دوست اِس حدیث کو رفع یدین کے سنت ہونے کے ثبوت میں بھی ذکر کیا کرتے ہیں مگر تحقیق بالا سے معلوم ہوگیا کہ اِس حدیث میں رفع یدین کا ذکر کرنے میں ابن ابی الزناد منفرد ہے اور اُس کی وہ روایات سب ضعیف ہیں جو اُس نے بغداد میں بیان کیں۔

(۱) اخرج الدار قطنی فی کتاب العلل من طریق عبدالرحیم بن سلیمان عن ابی بکر بن عبداللّٰہ النھشلی عن عاصم بن کلیب الجرمی عن ابیہ عن علی بن ابی طالبؓ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ فی التکبیرۃ الاولیٰ التی یفتتح بہ الصلوۃ ثم لا یرفعھما فی شیٔ من الصلوٰۃ (یعنی حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر نماز میں کسی جگہ بھی رفع یدین نہ کرتے تھے)(درایہ) عبدالرحیم بن سلیمان صحاح ستہ کا اجماعی شیخ اور ثقہ ہے (تقریب) اور ابوبکر صدوق راوی بلا نزاع مسلم کا راوی ہے (تقریب) علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں امام احمد، یحییٰ بن سعید القطان اور عجلی سے اُس کا ثقہ ہونا نقل کرکے آخری فیصلہ یہ لکھا ہے کہ حسن الحدیث ہے پس یہ حدیث جو کہ حسن ہے ابن ابی الزناد کی حدیث کے خلاف ہے اور حضرت علیؓ کا عمل بھی اِسی کے موافق ہو رہا ہے۔

عمل حضرت علیؓ:-

(۲) اخرج ابو بکر بن ابی شیبہ قال حدثنا وکیع عن ابی بکر بن عبداللّٰہ بن نطاف النھشلی عن عاصم بن کلیب عن ابیہ ان علیؓ کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوۃ ثم لا یعود واخرج محمد بن الحسن فی الموطا اخبرنا محمد بن ابان بن صالح عن عاصم بن کلیب الجرمی عن ابیہ قال رایت

عن علی بن ابی طالب رفع یدیہ فی التکبیرۃ الاولیٰ من الصلوٰۃ المکتوبۃ ولم یرفعھما فیما سوی ذالک۔ (یعنی حضرت علیؓ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کرتے تھے اور پھر کسی جگہ رفع یدین نہ کرتے)

النہشلی:۔

علامہ ابن ترکمانی جوہر النقی میں فرماتے ہیں والنہشلی اخرج لہ مسلم والترمذی والنسائی وغیرھم ووثقہ احمد بن حنبل وابن معین وقال ابو حاتم شیخ صالح یکتب حدیثہ ذکرہ ابن ابی حاتم وقال الذھبی فی کتابہ رجل صالح تکلم فیہ ابن حبان بلاوجہ (یعنی مسلم ترمذی نسائی وغیرہ نے نہشلی کی احادیث کو لیا ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امام ابن معین نے اسے ثقہ کہا ہے۔ اور ابو حاتم فرماتے ہیں کہ نہشلی نیک شیخ ہے اس کی حدیث لکھی جائے۔ اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ نہشلی نیک آدمی ہے۔ اور ابن حبان نے اس پر بلاوجہ تکلم کیا ہے۔ (آثار السنن ص ۱۳۷)

محمد بن ابان بن صالح:۔

قال احمد لم یکن ممن یکذب وقال ابن ابی حاتم سألت ابی عنہ فقال لیس بالقوی یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ (لسان المیزان لابن حجرؒ)

بہرحال محمد بن ابان صالح للمتابعۃ ہے۔

(۳) اخرج ابوبکر بن ابی شیبہ حدثنا وکیع وابو اُسامہ عن شعبۃ عن ابی اسحاق قال کان اصحاب عبداللّٰہ واصحاب علی لا یرفعون ایدیھم الا فی افتتاح الصلوٰۃ ثم لا یعودون وسندہٗ صحیح جلیل (الجوھر النقی ص ۱۳۹ ج ۱) تہذیب التہذیب میں ہے کہ ابو اسحاق نے حضرت علیؓ کے پیچھے جمعہ پڑھا ہے اور تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ اس نے حضرت علیؓ کا خطبہ سنا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ابو اسحاق کی ملاقات حضرت علیؓ سے دو دفعہ ہوئی ہے ایک دفعہ جمعہ کے مجمع عام میں دوسری

دفعہ بھی اُن کے دعظ میں تو ابو اسحاق نے دیکھا کہ اس سارے مجمع میں جس میں صحابہ اور تابعین تھے جو حضرت علیؓ کے مقتدی اور ابن مسعودؓ کے بھی ساتھی تھے ایک شخص بھی رفع یدین نہیں کرتا تھا۔

معزز ناظرین! اب فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے کہ صحیح حدیث مرفوع اور حضرت علیؓ کے عمل اور آپ کے تمام مقتدیوں اور ساتھیوں کے اجماع و اتفاق کے خلاف ابن ابی الزناد کی منکر روایت کیا وزن رکھتی ہے، اب دو ہی باتیں ہیں کہ یا تو اس رفع یدین والی روایت کو بالکل بے اصل قرار دیا جائے یا منسوخ قرار دیا جائے کیونکہ حضرت علیؓ جیسے فدائی رسول کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ خود ایک محکم اور صحیح روایت بیان کر کے نہ خود اس پر عمل کریں نہ اپنے مقتدیوں کو ترغیب دیں۔

بالفرض اس حدیث میں ضعف کے ساتھ احتمال نسخ بھی موجود ہے اور حضرت علیؓ اور صحابہؓ تابعینؒ نے بالاتفاق اس حدیث پر عمل ترک کر دیا تھا تو اب اس کو سنت نہیں کہا جا سکتا۔

(۱) سبحانک اللھم کے دلائل:۔

اخرج النسائی قال اخبرنا عبداللّٰہ بن فضالہ بن ابراھیم ثنا عبدالرزاق حدثنا جعفر بن سلیمان عن علی بن علی عن ابی المتوکل عن ابی سعیدؓ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوۃ قال سبحنک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولا الہ غیرک (۲) اخبرنا احمد بن سلیمان حدثنا زید بن الحباب ثنی جعفر بن سلیمان عن علی بن علی الخ مثلہ (ص ۹۰ ج ۱) (۳) واخرج ابن ماجۃ حدثنا ابوبکر بن ابی شیبہ ثنا زید بن الحباب مثل النسائی بعینہ (ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع میں سبحانک اللھم پڑھتے تھے) (ص ۵۸) قال الھیثمی رواہ احمد ورجالہ ثقات (مجمع الزوائد ص ۲۶۵ ج ۲)

حدیث عائشہؓ :

(۴) اخرج الترمذی (ص ۲ ۶، ج ۱) وابن ماجة (ص ۵۹) من طریق حارثة بن ابی رجال عن عمرة عن عائشة قالت کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰة قال سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع میں سبحانک اللھم پڑھتے تھے) قال ابو عیسیٰ ھذا حدیث لا نعرفه الا من ھذا الوجه وحارثة قد تکلم فیه من قبل حفظه وابو الرجال اسمه محمد بن عبدالرحمن۔

(۵) واخرج ابوداؤد حدثنا الحسین (ثقه) بن عیسیٰ ثنا طلق بن غنام (ثقه) ثنا عبدالسلام بن حرب الملائی (ثقه) عن بدیل (ثقه) بن میسرہ عن ابی الجوزاء عن عائشةؓ قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا استفتح الصلوٰة قال سبحنک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع میں سبحانک اللھم پڑھتے تھے) قال ابوداؤد ھذا الحدیث لیس بالمشھور عن عبدالسلام بن حرب لم یروہ الا طلق بن غنام وقد روی قصة الصلوٰة عن بدیل جماعة لم یذکروا فیه شیأً من ھذا (ص ۱۱۹، ج ۱) قلت طلق بن غنام اخرج عنه البخاری فی الصحیح وعبدالسلام بن حرب اخرج له الشیخان و وثقه ابن حبان وابو حاتم وقد صحح الحاکم ھذا الحدیث واورد له شاھد وقال الحافظ اسناد رجاله ثقات" (کذافی عون الودود ص ۸۷) قال الطیبی والتوربشتی رواہ ابو داؤد فی جامعه وھو اسناد حسن" رجاله مرضیون (کذاعلی ھامش الترمذی ص ۳۴) الغرض اس حدیث کے تمام راوی نہایت ثقہ ہیں۔ رہا پہلی سند کے متعلق ترمذی کا یہ فرمانا کہ حارثہ کا حافظ بعض کے

نزدیک اچھا نہ تھا اور حارثہ کے سوا اس حدیث کو کوئی اور شخص روایت نہیں کرتا تو یہ غلط ہے کیونکہ ابوداؤد کی صحیح سند میں دوسرے طریق سے اور حاکم نے ایک تیسرے طریق سے بھی اس کو روایت کیا ہے اور اصول حدیث کا مسلمہ اصول ہے کہ ایسے راوی جس کے حافظہ میں غلطی ہو اگر کوئی متابع یا شاہد ہو تو دونوں سندیں صحیح ہوتی ہیں لہٰذا ابوداؤد اور ترمذی کی دونوں سندیں صحیح ہوئیں وھو المقصود والحمد للہ علی ذالک۔

حدیث انس بن مالکؓ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

(۶) **الطریق الاول** :- اخرج الطبرانی فی کتاب المفرد فی الدعا حدثنا محمود بن محمد الواسطی ثنا زکریا بن یحیی زحمویہ ثنا الفضل بن موسیٰ الشیبانی عن حمید الطویل عن انس بن مالک قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا استفتح الصلوۃ قال سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم افتتاح صلوۃ میں سبحانک اللھم پڑھتے تھے) قال الحافظ ابن حجر اسنادہٗ جید (الدرایہ ص ۷۰) الغرض اس سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

(۷) دوسری سند:- اخرج الدار قطنی فی سننہ فی باب ما یقال بعد تکبیرۃ الافتتاح (ص ۱۱۷) حدثنا ابو محمد بن صاعد ثنا الحسین بن علی بن الاسود ثنا محمد بن الصلت ثنا ابو خالد الاحمر عن حمید عن انسؓ قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوۃ کبر ثم رفع یدیہ حتی یحاذی با بھامیہ اذنیہ ثم یقول سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک (یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت تکبیر کہتے اور کانوں تک ہاتھ اٹھاتے اور پھر سبحانک اللھم پڑھتے) ثم قال اسنادہٗ کلھم ثقات (زیلعی ص ۳۲۰، ج ۱) وقال الھیثمی رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ موثقون (مجمع الزوائد ص ۱۰۷، ج ۲)

قلت تکلم بعض الناس فی الحسین بن علی من قبل حفظه وھو مدفوع بالمتابعة الجیدة والشاھد

(۸) الطریق الثانی:- اخرج الطبرانی فی کتابه المفرد فی الدعا حدثنا ابو عقیل انس بن مسلم الخولانی ثنا ابو الاصبغ عبدالعزیز بن یحییٰ ثنا مخلد بن یزید عن عائذ بن شریح عن انس بن مالکؓ ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان اذا استفتح الصلوٰة یکبر ثم یقول سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا اله غیرک (یعنی حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو تکبیر کے بعد سبحانک اللھم دعا پڑھتے) (زیلعی ص۳۲۱،ج۱) قلت عائذ بن شریح ضعیف وتابعه حمید فی الطریق الاول فهذا الطریق ایضاً صالح للاستشهاد الغرض حدیث انسؓ مجموعی اسانید کے اعتبار سے نہایت صحیح ہے۔

حدیث ابن مسعودؓ صاحب مطھرۃ والسواک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

(۹) اخرج الطبرانی فی معجمه حدثنا محمد بن عبداللّٰه الحضرمی ثنا ابو کریب ثنا فردوس الاشعری ثنا مسعود بن سلیمان قال سمعت الحکم یحدث عن ابی الاحوص عن عبداللّٰه (ابن مسعودؓ) قال کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا استفتح الصلوٰة قال سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا اله غیرک (یعنی حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم افتتاح صلوٰۃ میں سبحانک اللھم پڑھتے)

(زیلعی ص ۳۲۲،ج ۱)

(۱۰) حدیث واثلہؓ:- اخرج الطبرانی بطریق مکحول عن واثلةؓ ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یقول اذا افتتح الصلوٰة سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا اله غیرک (یعنی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو سبحانک اللھم پڑھتے) (زیلعی ص ۳۲۳، ج۱)

حدیث حکم بن عمیر الثمالی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم:

(۱۱) اخرج الطبرانی قال حدثنا محمد بن ادریس المصیصی والحسین بن اسحاق التستری قالا ثنا احمد بن النعمان الفراء المصیصی ثنا یحیی بن یعلی الاسلمی عن موسیٰ بن حبیب عن الحکم بن عمیر الثمالی قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعلّمنا اذا قمتم الی الصلوۃ فارفعوا ایدیکم ولا تخالف آذانکم ثم قولوا اللّٰہ اکبر سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک الحدیث (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تعلیم نماز دیتے ہوئے فرماتے تھے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو ہاتھوں کو اٹھاؤ اور سبحانک اللھم وبحمدک الخ پڑھو) (زیلعی ص ۳۲۳، ج۱) قال الهیثمی رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ یحییٰ بن یعلی الاسلمی وھو ضعیف (مجمع الزوائد ص ۱۰۲، ج۲)

تعاملِ خلفائے راشدین

(۱۲) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ:

اخرج امام محمدؒ فی کتاب الآثار اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم ان ناساً من اهل البصرة اتوا عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ لم یأتوہ الا لیسالوہ عن افتتاح الصلوۃ قال فقام عمر بن الخطاب فافتتح الصلوۃ وھم خلفہ ثم جھر فقال سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدّک ولا الہ غیرک قال بعد ربھنا ناخذ فی افتتاح الصلوۃ ولکن لا نری ان یجھر بذالک الامام ولا من خلفہ وانما جھر بذالک عمرؓ لیعلّمھم

ما سألوه عنه (یعنی عمرہ سے لوگ حضرت عمرؓ کے پاس صرف نماز کی افتتاحی دعا پوچھنے کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے تعلیم دینے کی غرض سے اونچی آواز میں سبحانک اللھم پڑھی لیکن یاد رکھیں کہ یہ اونچی آواز سے پڑھنا محض تعلیم کے لئے تھا مسنون نہیں)

(۱۳) اخرج مسلم (ص ۱۷۲ ج ۱) حدثنا محمد بن المهران الرازی قال نا الولید بن مسلم قال نا الاوزاعی عن عبدة ان عمر بن الخطاب کان یجهر بهؤلاء الکلمات یقول سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا اله غیرک (یعنی حضرت عمرؓ بعض اوقات تعلیم دینے کے لئے سبحانک اللهم اونچی آواز سے پڑھتے تھے) قال المدری رعبدة لا یعرف له سماع عن عمرؓ وانما سمع من ابنه عبداللّٰه ویقال انه رأی عمر رؤیة انتهیٰ وقال صاحب التنقیح انما اخرجه مسلم فی صحیحه لانه سمعه من غیره.

(۱۴) اخرج الحاکم فی المستدرک فی باب دعاء افتتاح الصلوة عن الاعمش عن الاسود عن عمر بن الخطابؓ انه کان یقوله وصححه (ص ۲۳۵ ج ۱).

(۱۵) اخرج الدار قطنی (ص ۱۱۳) والطحاوی (ص ۱۱۷ ج ۱) من طریق ابراهیم النخعی عن الاسود عن عمر بن الخطابؓ انه کان اذا افتتح الصلوٰة قال سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا اله غیرک (یعنی حضرت عمرؓ نماز شروع کرتے وقت سبحانک اللهم الخ پڑھتے تھے) قلت قال النیموی اسناده صحیح (آثار السنن ص ۹۲)

(۱۶) اخرج الدار قطنی فی کتاب العلل عن اسماعیل بن ابی عیاش عن عبدالملک بن حمید ابن ابی عیید عن ابی اسحاق السبیعی عن الاسود عن عمر بن الخطاب عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم مثله (حضرت عمرؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

سبحانک اللهم پڑھتے تھے) وقال الشافعیؒ فی رسالة اصول الفقه: ص ۳۸) فکان الذی یذهب الیه ان عمرؓ لا یعلم الناس علی المنبر بین ظهرانی اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم الا ما علمه النبی صلی الله علیه وسلم (امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یقیناً حضرت عمرؓ منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو وہی دعا سکھایا کرتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکھائی تھی) (بغیة الالمعی ص ۳۲۲)

(۷) ذکر الجصاص عن عمرؓ ان هذه الآیة یعنی فسبح بحمد ربک حین تقوم انه قول المصلی عند افتتاح الصلوة سبحانک اللهم وبحمدک ذکره الضحاک عن عمرؓ (حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ سورۃ ق اور سورت طور میں مذکور فسبح بحمد ربک حین تقوم سے مراد نماز کے شروع میں نمازی کا سبحانک اللهم کہنا ہی ہے) (احکام القرآن) قال الشیخ ابن الهمام ولما ثبت عن فعل الصحابة کعمر وغیره الافتتاح بعده علیه الصلوة والسلام بسبحانک اللهم مع الجهر به لقصد تعلیم الناس لیقتدوا ویأتسوا کان دلیلاً علی انه الذی کان علیه صلی الله علیه وسلم آخر الامر (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کبار صحابہؓ مثل عمرؓ وغیرہ کا سبحانک اللهم سے نماز شروع کرنا اور تعلیم کی غرض سے اونچا پڑھنا تاکہ لوگ یہ دعا پڑھیں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری معمول سبحانک اللهم پڑھنے کا تھا) (فتح القدیر) اور صاحب بحر الرائق نے دعا نمبر دوم کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے ان ذالک کان فی اول الامر ویدل علیه ان عمرؓ حین جهر بالثناء فقط لیقتدی الناس به ویتعلموا منه فهو ظاهر فی انه الذی کان آخر الامر فی الفرائض کذافی المرجاجة (یعنی دوسری دعا میں ابتداء اسلام میں تھیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے جو دعا اونچی آواز سے پڑھی وہ سبحانک اللهم ہی ہے اور یہ اس بات کی واضح

دلیل ہے کہ فرائض میں آخری امر سبحانک اللھم پڑھنے کا ٹھہرا) (ص ۲۳۸، ج ۱)

الحاصل:۔

حضرت عمرؓ کے فرمان کے مطابق یہی ثنا قرآن سے ثابت ہے اور امر خداوندی کا امتثال ہے اور یہی دعا حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے نزدیک ثابت تھی اور اسی دعا کو بر سر منبر انہوں نے لوگوں کو سکھایا، کسی ایک صحابی نے بھی اس پر انکار نہ فرمایا تو گویا اس ثنا پر تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو گیا ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جامع القرآن:

(۱۸) عن ابی وائل قال کان عثمانؓ اذا افتتح الصلوٰۃ یقول سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک یسمعنا ذالک رواہ الدار قطنی (زجاجۃ المصابیح ص ۲۳۶، ج ۱)

(۱۹) اخرج الطحاوی وسعید بن منصور عن ابی بکر صدیقؓ مثلہ

(۲۰) اخرج الطحاوی عن عبد اللہ بن مسعودؓ مثلہ (یعنی حضرت عثمانؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سبحانک اللھم پڑھتے تھے نماز کے شروع میں اور عثمانؓ مقتدیوں کو سناتے بھی تھے)

(۲۱) اخرج الامام محمد بن الحسن فی کتاب الآثار حدثنا ابو حنیفۃ قال ثنا حماد بن ابی سلیمان عن ابراھیم النخعی قال اربع یخفیھن الامام التعوذ وبسم اللہ الرحمٰن الرحیم وسبحانک اللھم وآمین ثم قال الامام محمد وبھذا ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ (ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ چار چیزوں میں امام اخفاء کرے تعوذ، بسم اللہ، سبحانک اللھم اور آمین میں)

(۲۲) واخرج عبدالرزاق بن ھمام اخبرنا الثوری عن منصور عن ابراھیم نحوہ

(۲۳) واخرج عبدالرزاق حدثنا حماد عن معمر نحوہ

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں واما اکثر اھل العلم فقالوا انما یروی عن

النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ کان یقول سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا الہ غیرک وھکذا روی عن عمر بن الخطاب وعبداللّٰہ بن مسعود والعمل علی ھذا عند اکثر اھل العلم من التابعین وغیرھم (امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم یہی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ نماز کے شروع میں سبحانک اللھم ہی پڑھا کرتے تھے اور تابعین وغیرہ میں سے اکثر کا اسی پر عمل ہے)(ص ۳۲، ج ۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں اعلم انہ قد ورد فی الاحادیث الصحیحۃ الادعیۃ والاذکار فی استفتاح الصلوۃ ومذھب ابی حنیفۃ ومحمد الاقتصار علی قولہ سبحانک اللھم وبحمدک الخ وکذالک عند احمد ومالک فی ظاھر مذھبھما وعند ابی یوسف یجمع بین سبحانک اللھم والتوجیہ وھو قولہ وجھت وجھی الخ وما روی ذالک فھو محمول علی التھجد بل النوافل مطلقاً وقال بعضھم محمول علی الابتداء کذا فی اللمعات (شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ صحیح احادیث میں نماز کے افتتاح میں مختلف دعائیں مروی ہیں۔ لیکن ابوحنیفہ، امام محمد اور امام مالک و امام احمد کے ظاہر مذہب میں یہ ہے کہ سبحانک اللھم پر اکتفا کیا جائے۔ جب کہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ سبحانک اللھم اور وجھت الخ کو جمع کیا جائے۔ لیکن یہ جمع کرنا بعض کے ہاں تہجد پر محمول ہے اور بعض کے ہاں ابتداء اسلام پر محمول ہے) (انجاح الحاجۃ علی ابن ماجہ ص ۵۹)وقال العلی القاری فی المرقات والتورپشتی والطیبی قد ذھب الیہ (سبحانک اللھم) الاجلۃ من علماء الحدیث کسفیان الثوری واحمد بن حنبل واسحاق بن راھویہ (یعنی بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان ثوری، امام احمد، اور اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے کہ نماز کے شروع میں سبحانک

اللھم پڑھی جائے) (کذا فی الزجاجہ ص ۲۲۸، ج ۱) قال الحلبیؒ بعد ذکر الادعیۃ وعند ابی حنیفۃ ومحمد ذالک کلہ محمول علی التھجد والتطوع فان الامر فیہ واسع وبزیدہ ما ثبت فی صحیح ابی عوانۃ وسنن النسائی انہ علیہ السلام اذا قام یصلی تطوعاً قال اللّٰہ اکبر وجھت الخ فیکون مفسرا لما فی غیرہ بخلاف سبحانک اللھم فان ما ذکرناہ یبین ان الامر المستقر علیہ فی الفرائض (یعنی سبحانک اللھم کے علاوہ جو ادعیہ ہیں وہ تہجد اور نوافل پر محمول ہیں کیونکہ تہجد اور نوافل میں وسعت ہوتی ہے اور صحیح ابو عوانہ اور سنن نسائی میں مذکور یہ روایت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نوافل میں وجھت وجھی الخ پڑھتے تھے بھی ہماری اس بات کی مؤید ہے اور دوسری روایات کے لئے مفسر ہے۔ جب کہ فرائض میں سبحانک اللھم پڑھنا امر مستقر ہے) (غنیۃ المستملی ص ۲۹۶)

اس سے معلوم ہوا کہ سبحانک اللھم الخ کے علاوہ جو دعائیں احادیث میں آئی ہیں ان کو نوافل میں پڑھ سکتا ہے مگر یاد رہے کہ نوافل میں بھی سبحانک اللھم کے بعد وہ دعا پڑھنا صحیح ہے۔ جیسا کہ مرقاۃ اور رد المحتار میں ہے۔

وفی رد المحتار والمرقاۃ وما ورد محمول علی النافلۃ بعد الثناء فی الاصح لحدیث البیھقی کان علیہ السلام اذا افتتح الصلوٰۃ قال سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک وجھت وجھی الخ کذا فی زجاجۃ المصابیح (ص ۲۳۰، ج ۱) اور جیسا کہ احادیث ذیل میں ہے۔

حدیث ابی سعید الخدریؓ:۔

اخرج ابو داؤد (ص ۷۸، ج ۱) والترمذی (ص ۲۲، ج ۱) من طریق علی بن علی عن ابی المتوکل عن ابی سعید الخدریؓ قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا قام الی الصلوٰۃ باللیل کبّر ثم یقول

سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا اله غیرک ثم یقول اللّٰه اکبر کبیرا ثم یقول اعوذ باللّٰه السمیع العلیم من الشیطان الرجیم من همزه ونفخه ونفثه، اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ نماز تہجد میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی اور دعا پڑھنا چاہتے تو سبحانک اللهم کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

اخرج البیهقی فی باب من روی الجمع بینهما اخبرنا ابو الحسن بن عبدان انبأ نا احمد بن عبید الصفار ثنا ابن ناجیة ثنا ابراهیم بن یعقوب الجوزجانی ثنا عبدالسلام بن محمد الحمصی ثنا بشر بن شعیب بن ابی حمزة ان اباه حدثه ان محمد بن المنکدر اخبره ان جابر بن عبدالله اخبره ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان اذا استفتح الصلوة قال سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا اله غیرک وجهت وجهی الخ قال البیهقی فی المعرفة وقد روی فی الجمع بینهما عن محمد بن المنکدر مرة عن ابن عمرؓ ومرة عن جابر ولیس بالقوی (زیلعی ص ۳۱۹ ج ۱)

اخرج الطبرانی فی معجمه حدثنا الحسین بن اسحاق التستری عن عبدالوهاب بن فلیح المکی ثنا المعافی بن عمران عن عبداللّٰه بن عامر الاسلمی عن محمد بن المنکدر عن عبداللّٰه بن عمرؓ قال کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا افتتح الصلوة قال وجهت وجهی للذی فطر السموٰت والارض حنیفاً مسلماً وما انا من المشرکین سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا اله غیرک ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العٰلمین لا شریک له وبذالک امرت وانا من المسلمین قال الهیثمی فیه عبداللّٰه بن عامر الاسلمی وهو ضعیف"

(مجمع الزوائد ص ۱۰۷ ج ۲) (زیلعی ص ۳۱۹ ج ۱)

اخرج اسحاق بن راھویہ عن اللیث بن سعد عن سعید بن یزید عن الاعرج عن عبید اللّٰہ بن ابی رافع عن علی بن ابی طالب عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ کان یجمع فی اول صلوٰتہ بین سبحانک اللھم وبحمدک وبین وجھت وجھی الی آخرہ قال اسحاق والجمع بینھما احب الیّ (زیلعی ص ۳۱۹ ج ۱) اسحاق نے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور اس کے مطابق مذہب بھی اختیار فرمایا ہے تو اسحاق بن راھویہ کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہوئی ابو حاتم کا محض گمان کی بناء پر اس کو بے اصل کہنا عنوی ہے بیکار ہے۔

ان چاروں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اور دعا ثنا کے علاوہ پڑھنی ہو تو سبحانک اللہ کے بعد پڑھے وہ بھی نوافل میں۔

خلاصہ کلام:

مندرجہ بالا روایات حدیث وفقہ سے امور ذیل ثابت ہوئے:

(۱) اسلام کے ابتدائی دور میں ثنا کی جگہ کوئی خاص دعا متعین نہ تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نوافل میں عموماً اور اگر کوئی کمزور سی روایت صحیح ہو تو فرائض میں احیاناً (کبھی کبھی) دیگر دعائیں پڑھ لیتے تھے آخر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا فسبح بحمد ربک حین تقوم تو ثنا سبحانک اللھم متعین ہوگئی اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صرف اسی ثنا کے پڑھنے کا حکم دیا اس کے علاوہ کسی اور دعا کے پڑھنے کا حکم نہیں دیا اور یہی ثنا سند مشہور سے ثابت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان سب دعاؤں میں سے کونسی دعا منتخب کی جائے اور اسے سنت قرار دیا جائے تو احناف نے خود کوئی انتخاب نہیں کیا بلکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ اور تمام صحابہؓ و تابعین کے انتخاب پر راضی ہوگئے کیونکہ خدا نے بھی فسبح بحمد ربک حین تقوم میں اسی دعا کو منتخب فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سبحانک اللھم الخ کے سوا کسی دوسری دعا کے

پڑھنے کا حکم نہیں دیا، صرف اسی پر مواظبت فرمائی، کسی اور دعا پر مواظبت ثابت نہیں اور خلفائے راشدین نے اپنے زمانہ میں برسر عام علی الاعلان صرف یہ دعا لوگوں کو تعلیم فرمائی اور کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا۔

پس ثنا (سبحانک اللھم وبحمدک الخ) بامر الٰہی، بحکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ومواظبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ومواظبت خلفائے راشدین و جماعت صحابہ کرامؓ سنت مؤکدہ ہے، اس کے علاوہ جتنی دعائیں ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی نہ خدا نے حکم دیا نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مواظبت فرمائی نہ آپ کے خلفاء راشدینؓ نے بلکہ کسی ایک صحابی نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دعاؤں میں کسی دعا کو سنت سمجھ کر نہیں پڑھا۔ زیادہ سے زیادہ ان کا جواز ثابت ہوگا مگر دوسری طرف ان میں نسخ کا احتمال بھی نہایت قوی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ دعائیں نزول آیت فسبح بحمد ربک حین تقوم سے پہلے کی ہوں اور صحابہ کرامؓ کا ان دعاؤں کو بالکل ترک فرما دینا بھی نسخ کی طرف مشیر ہے پس فرائض میں تو ان دعاؤں میں سے کسی کو سنت سمجھ کر پڑھنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ ان پر مواظبت ثابت نہیں پس وہ سنت نہ ہوئیں، ادھر سبحانک اللھم پر قولی فعلی مواظبت ثابت ہے پس اس کا تارک سنت مؤکدہ کا تارک ہوگا۔ اور فرائض میں ثنا اور دعاؤں کو جمع کرنا بھی مکروہ ہوگا کیونکہ تطویل اذکار فرائض میں مکروہ ہے اس لئے کہ مقتدی اس کے متحمل نہیں ہو سکتے، ان میں مریض، بوڑھے، مسافر، صاحب حاجت ہوتے ہیں، ہاں نوافل میں سبحانک اللھم کے بعد اگر ان دعاؤں میں سے کسی دعا کو پڑھ لے تو جائز ہے۔

پس حنفیہ کا مسلک تمام روایات کو جمع کر لیتا ہے کوئی ضعیف سے ضعیف حدیث بھی اس باب میں احناف کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ثنا کا سنت مؤکدہ ہونا بھی احادیث سے ثابت ہے، دوسری دعاؤں کا سنت مؤکدہ نہ ہونا بھی ثابت ہو گیا، ان کا جواز نوافل میں احادیث سے ثابت ہوا اور پھر نوافل میں جمع کرنا بھی احادیث سے ثابت ہو گیا۔ وللہ الحمد

اللہ علیٰ ذالک۔

غیر مقلدین کا مسلک:

اللھم باعد بینی الخ: ہمارے غیر مقلد دوست اس دعا کو سنت مؤکدہ خیال کر کے پڑھتے ہیں۔ یہ ان کی سخت غلطی ہے کیونکہ (۱) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس دعا کے پڑھنے کا حکم نہیں دیا (۲) نہ فعلی طور پر اس پر مواظبت فرمائی (۳) تمام صحابہ کرامؓ میں سے سوائے ابوہریرہؓ کے کسی اور صحابی کو اس دعا کا علم تک نہ تھا (۴) خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ میں سے کوئی ایک صحابی بھی اس کو نہ پڑھتا تھا اور نہ انہوں نے اپنے شاگردوں کو کبھی اس کی تعلیم دی (۵) اس پر احتمال نسخ کا بھی ہے کیونکہ **فسبح بحمد ربک حین تقوم** کے خلاف ہے پس یہ کسی طرح سنت نہیں ہو سکتی۔

الغرض غیر مقلد ایک غلطی تو یہ کر رہے ہیں کہ غیر سنت کو بلکہ محتمل نسخ کو سنت سمجھ رہے ہیں حالانکہ میں کبیری کے حوالہ سے نقل کر چکا ہوں کہ آئمہ اربعہ میں سے کوئی ایک امام بھی اس کے سنت ہونے کا قائل نہیں ہے۔

دوسری غلطی یہ کر رہے ہیں کہ سبحانک اللھم جو کہ سنت مؤکدہ ہے اس کو چھوڑ رکھا ہے۔

وجل ثناؤک لا یمنع من زیادته وان سکت عنه لا یؤمر به لانه لم یذکر فی الاحادیث المشهورة وقد روی عن ابن عباسؓ من قوله فی حدیث ذکره ابن ابی شیبه وابن مردویه فی کتاب الدعاء ورواه الحافظ ابن شجاع فی کتاب الفردوس عن ابن مسعودؓ ان من احب الکلام الی الله عزوجل ان یقول العبد سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک وجل ثناؤک ولا اله غیرک وابغض الکلام الی الله تعالیٰ یقول الرجل للرجل اتق الله فیقول علیک نفسک (یعنی جل ثناؤک کے الفاظ مشہور احادیث میں تو مروی نہیں لیکن ابن عباسؓ سے ابن ابی شیبہ میں اور ابن مردویہ کی کتاب الدعاء میں اور ابن مسعودؓ سے کتاب الفردوس میں یہ لفظ (جل ثناؤک) مروی ہے اس لئے

پڑھنے والے کو منع نہ کیا جائے اور نہ پڑھنے والے کو حکم دیا جائے) (کبیری ص ۲۹۵)

غیر مقلدین کے اوہام کا ازالہ

وہم اوّل:

غیر مقلدین دھوکہ دیتے ہیں کہ اللھم باعد بینی الخ سند کے اعتبار سے سب سے قوی ہے کیونکہ وہ صحیح بخاری شریف میں ہے جو کتاب اللہ کے بعد سب کتابوں سے صحیح ہے اس لئے اس کا پڑھنا افضل اور سنت ہے۔

تحقیق:

سبحانک اللھم الخ کے پڑھنے کا حکم قرآن کی آیت فسبح بحمد ربک حین تقوم الآیۃ سے ثابت ہے جو یقینا بخاری شریف سے بدرجہا صحیح ہے مگر بخاری شریف میں نہ اس دعا کے پڑھنے کا حکم ہے نہ وہاں اس دعا کا سنت ہونا لکھا ہے نہ افضل ہونا۔ یہ سب کچھ ایجاد بندہ اور بخاری شریف پر افترا ہے۔ بخاری شریف میں کسی چیز کا صرف مذکور ہونا اس فعل کے سنت ہونے کی دلیل نہیں جب تک مواظبت ثابت نہ ہو۔

(۱) مثلاً بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک کوڑی پر تشریف لائے فبال قائما یعنی کھڑے کھڑے پیشاب کیا۔ اب کوئی جاہل یہ کہنے لگے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا صحیح بخاری شریف میں نہایت صحیح سند سے مذکور ہے اس لئے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا سنت ہے اور افضل ہے تو کون اس کو تسلیم کرے گا، ہر فہیم کو یہی سمجھایا جائے گا کہ سنت بیٹھ کر پیشاب کرنا ہی ہے، کھڑے ہو کر پیشاب کرنا اگرچہ بخاری سے ثابت ہے مگر سنت نہیں، زیادہ سے زیادہ کسی خاص حالت میں اس کا جواز نکل سکتا ہے نہ کہ سنت ہونا۔

(۲) یا مثلاً بخاری میں ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نواسی حضرت امامہ کو اٹھا کر نماز پڑھی، (۳) اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ اور خانہ کعبہ کی طرف پشت کر کے قضائے

حاجت فرما رہے تھے۔ اب اگر کوئی شخص یہ شور کرے کہ بچی کو اُٹھا کر نماز پڑھنا اور بیت اللہ کی طرف منہ یا پشت کر کے قضائے حاجت کرنا سنت مؤکدہ ہے کیونکہ بخاری سے ثابت ہے اس لئے اِس سنت کو زندہ کرنا سو شہید کا ثواب ہے تو یہ اُس کی اپنی غلطی ہے۔ بخاری میں اُن کا سنت ہونا مذکور نہیں، اسی طرح بخاری میں صرف اتنا ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اور قرأت کے درمیان خاموش رہتے تھے، ابو ہریرۃ نے پوچھا کہ آپ کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے بتا دیا کہ اللهم باعد بینی الخ ساری عمر میں ابو ہریرۃؓ کے سوا آپ نے کسی شخص کو یہ دعا نہ بتائی نہ کسی اور صحابی کو معلوم تھی، یہ بھی ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اِس دعا کو پڑھا ہو جب نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ پڑھنا ثابت، نہ عام صحابہ کو سکھانا ثابت نہ اس کا حکم دینا ثابت نہ صحابہؓ کا اِس دعا کو نماز میں پڑھنا ثابت تو صرف بخاری میں مذکور ہونے سے اس کا سنت ہونا کیسے ثابت ہو گیا، الغرض یہ صحیح ہے کہ یہ دعا بخاری میں ہے مگر یہ صحیح نہیں کہ اس کا پڑھنا سنت ہے اور یہ مسئلہ تو آئمہ اربعہ کا اتفاقی ہے کہ یہ دعا سنت نہیں چنانچہ علامہ حلبی فرماتے ہیں وهو اصح من الكل. ومتفق عليه ومع ذالك انه لم يقل بسنته عيناً احد" من الائمة الاربعة (یعنی ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی اس دعا (اللهم باعد بینی) کے سنت ہونے کا قائل نہیں) (غنية المستملي شرح منية المصلي ص ۲۹۵) ہاں یہ بھی یاد رہے کہ جس قدر اس حدیث کی سند قوی ہے اُسی قدر اس میں احتمال نسخ کا بھی قوی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ آیت فسبح بحمد ربک حين تقوم سے پہلے کی ہو اور تمام صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفائے راشدین کا اس کو چھوڑ دینا بھی نہایت قوی دلیل اس کے نسخ کی ہے یہی وجہ ہے چاروں اماموں میں سے بعض نے اگرچہ دوسری دعاؤں کو سنت کہا ہے مگر اِس دعا کو کسی امام نے اور صحابی نے سنت نہیں کہا، ان سب کا متفق ہو کر اس دعا کو سنت نہ کہنا احتمالِ نسخ کو نہایت قوی کر دیتا ہے کیونکہ دوسری دعاؤں کو تو پھر بھی کسی نہ کسی امام نے سنت کہا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ان میں بعض کے نزدیک احتمال نسخ ہے بعض کے نزدیک نہیں، الغرض اُن میں احتمال

نسخ مختلف فیہ اور اس (اللھم باعدبینی الخ) میں احتمال نسخ وعدم سنیت متفق علیہ
افسوس ہے کہ ہمارے غیر مقلد احباب نے سند کی قوت پر تو نگاہ ڈالی مگر یہ نہ دیکھا کہ اس
میں احتمال نسخ اور عدم سنیت اس سے بھی زیادہ قوی ہے۔ الحاصل اس دعا کا سنت ہونا ہرگز
ہرگز ثابت نہیں من ادعیٰ فعلیہ البیان بالبرھان۔

وہم دوم :- غیر مقلدین کہتے ہیں کہ سبحانک اللھم الخ کی حدیث ضعیف ہے اس
لئے اس سے سنیت ثابت نہیں ہوسکتی۔

تحقیق :-

سبحانک اللھم الخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے جیسے کئی
ایک صحابہ کرامؓ کی روایات سے ثابت ہے جن میں سے بعض یقینا صحیح ہیں بعض حسن ہیں
اور بعض ضعیف بھی ہیں، سو ہمارا اصل استدلال صحاح وحسان سے ہے نہ کہ محض ضعاف
سے، یہ کہنا کہ سب سندیں ضعیف ہیں بالکل جھوٹ ہے، پھر خلفائے راشدین سے بھی
نہایت صحیح اور پختہ سندوں سے اس کا ثبوت ہے ادھر قرآن پاک میں بھی اس کا حکم موجود
ہے۔ بعض سندوں کے ضعیف ہونے کی وجہ سے سب سندوں کو ضعیف کہنا ایسا ہی مغالطہ ہے
جیسا کوئی شخص (منکر حدیث) کہے کہ چونکہ بعض حدیثیں ضعیف اور موضوع ہیں اس لئے
سب حدیثیں ناقابل عمل اور ضعیف ہیں یا مثلاً کوئی کہے کہ بعض سکے کھوٹے ہوتے ہیں اس
لئے دنیا میں کوئی سکہ کھرا نہیں یا مثلاً بعض لوگ چور جھوٹے دغاباز اور حرام کار، حرام خور اور
حرامی ہیں اس لئے دنیا کے سب لوگ چور جھوٹے، دغاباز، حرام کار، حرام خور اور حرامی ہیں
یا مثلاً بعض لوگ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں لہٰذا ہر مدعی نبوت جھوٹا ہے۔ اگر یہ
(قیاس) صحیح نہیں ہے تو پھر کسی ایک سند کے ضعف سے سب کو ضعیف کہہ دینا کس قدر غلطی
ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ اور سنت پر عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ اور دین کو اور احادیث کو اس
طرح سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے جس طرح صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفاء راشدینؓ نے سمجھا
اور دین مدون کروانے والے ائمہ مجتہدین کی محبت نصیب فرمائے۔

تحقیق مسئلہ قرأت خلف الامام

ناظرین با تمکین! موجودہ دور فتنوں کا دور ہے۔ نت نئے فتنے ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ ایک فتنہ مٹنے نہیں پاتا کہ دوسرا فتنہ سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس پر فتن دور میں لادینیت اور لامذہبیت کے طوفان اٹھ رہے ہیں۔ زندقہ کے سیلاب امنڈ رہے ہیں، اسلامی قوانین کا کھلے بندوں مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ الحاد کا عفریت برہنہ ہو کر ناچ رہا ہے۔ کفر کی طاقتیں اسلام کی بنیادوں پر حملہ آور ہیں۔ اسلام کے اساسی عقائد پر کلہاڑا چلایا جا رہا ہے۔ الحاد کی گھنگھور اور مہیب گھٹائیں ملک کے آفاق پر چھا رہی ہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ ملک میں بے حیائی، بے شرمی، عیاشی، فحاشی، بدمعاشی، افتراء پردازی، کذب بیانی، بدعہدی، بد سلوکی، بددیانتی، قتل و غارت، لوٹ مار، جفا کاری اور ستم شعاری جیسے مہلک امراض معاشرہ کی بنیادوں کو منہدم کر رہے ہیں اور معاشرہ کی خوبیوں اور اچھائیوں کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔

اس لئے اس پر آشوب دور میں اتحاد کی جتنی ضرورت و اہمیت ہے وہ اصحاب بصیرت اور ارباب دانش و بینش پر بخوبی عیاں ہے۔ عیاں راچہ بیاں۔ ان حالات کا تقاضا تو یہ تھا کہ مسلمانوں کے سب مکاتب فکر اپنے فروعی اختلافات کو مٹا کر اتحاد و اتفاق کے جذبات کے تحت ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر لادینی طاقتوں اور طاغوتی قوتوں کا تعاقب کر کے اتحاد کے گرز سے ان کا سر پاش پاش کر دیتے اور اتفاق کی قوت سے الحاد کے طوفان کا

رخ موڑ دیتے اور دہریت کے سیلابوں پر بند باندھ دیتے، مگر افسوس صد افسوس کہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا فرقہ جسے غیر مقلدین کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے حالات کی نزاکت اور زمانہ کے تقاضوں کو سمجھنے سے یکسر قاصر ہے۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ ملک میں الحاد پھیلتا جا رہا ہے۔ انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ پاکستان میں شجر اسلام پر خشت باری ہو رہی ہے۔ منکرین حدیث ملک میں دندنا رہے ہیں۔ برائیاں نشوونما پا رہی ہیں۔ مکروفریب کا بازار گرم ہے، اخلاقی گراوٹ انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی تقریروں اور تحریروں میں ملحدوں، زندیقوں اور منکرین حدیث کی تردید کی بجائے احناف پر خوب برستے ہیں، ان کا خاکہ اڑاتے اور انہیں اپنے سب وشتم کا ہدف بناتے ہیں۔ فروعی مسائل کو ہوا دینا اور پرامن فضا میں زہر گھولنا ان کا رات دن کا محبوب مشغلہ ہے۔ ان کے مقررین کی شعلہ فشانیاں اور ان کے اہل قلم کی جولانیاں احناف کی مخالفت اور ان کی تحقیر وتوہین اور تذلیل وتضحیک کے لئے وقف ہیں۔

کئی مقامات پر اس فرقہ نے بڑا اودھم مچا رکھا ہے بلکہ شور محشر برپا کر رکھا ہے۔ اس مکتب فکر کے سالانہ اجتماعات میں نہایت اشتعال انگیز اور شوقیہ انداز سے فروعی مسائل بیان کئے جاتے ہیں اور کھلم کھلا بلکہ علی الاعلان کو د بر ملا کہا جاتا ہے کہ جو لوگ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے ان کی نمازیں بےکار، باطل اور کالعدم ہیں اور یہ لوگ ساری عمر بے نماز رہتے ہیں۔ بیس بیس ہزار روپے کے کھلے اور انعامی چیلنج دیئے جاتے ہیں۔ خوب تعلیاں کی جاتی ہیں اور شیخیاں بگھاری جاتی ہیں اور عوام کو باور کرایا جاتا ہے کہ ان کے پاس ایک حدیث بھی نہیں۔ ہمارے اسلاف واکابر نے انہیں کبھی منہ نہیں لگایا، ان کو کبھی قابل اعتنا اور لائق التفات نہیں سمجھا کیونکہ ان کے پیش نظر ہمیشہ تعمیری پروگرام رہے ہیں۔

ہم حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ اور اپنے اکابر واسلاف کے طریق کار کے پیش نظر ان کی اشتعال انگیزیوں اور سوقیانہ پروپیگنڈے کو بڑے صبر وسکون اور تحمل و بردباری سے برداشت کرتے رہے۔ لیکن جب ہم نے دیکھا کہ ہماری شرافت کو کمزوری پر

محسوس کیا جو رہا ہے۔ علاوہ بریں غیر مقلدین کے علماء کی تقاریر و خطبات سننے والے عوام نے ہم سے بار بار استفسار کیا کہ کیا واقعی احناف احادیث سے تہی دامن ہیں۔ کیا ان کے پاس امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کے بارے میں ایک حدیث بھی نہیں تو بادل نخواستہ اس موضوع پر قلم اٹھانا پڑا اور ان کے بلند بانگ دعاوی اور مکروہ پروپیگنڈہ کی حقیقت کو طشت ازبام اور اظہر من الشمس کرنے کے لئے یہ رسالہ ترتیب دیا گیا، چونکہ احقر کی یہ پہلی تالیفی کاوش ہے اس لئے اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ اس کے طرز استدلال میں کوئی سقم اور خامی محسوس فرمائیں تو اس پر متنبہ فرما کر مشکور ہوں۔

خاکپائے اکابر بشیر احمد قادری
مدرس مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی
۱۵ نومبر ۱۹۷۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن کریم حق تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، وہ قرآن کریم جس سے گلستان ایمان میں رنگ و بو، بوستان اسلام میں تر و تازگی اور رونق ہے۔ جس سے باغ عالم کی بہاروں میں نکھار ہے۔ جس سے چمنستان کائنات میں نور اور روشنی ضیا اور رنگ ہے، جس کے حسن کی تابانیوں، جس کے جمال کی درخشانیوں اور جس کے کمال کی فراوانیوں کے سامنے گزشتہ آسمانی کتب ماند پڑ گئیں، جس نیر تاباں، جس آفتاب درخشاں اور جس سراج منیر کے ضو فگن ہونے کی بزم ہدایت کی روشن شمعیں اور محفل رشد کی فروزاں قندیلیں بجھ گئیں جس نے سابقہ کتب سماویہ اور صحف ربانیہ پر خط تنسیخ کھینچ دیا۔

جو حقائق و دقائق کا خزینہ، علوم و معارف کا دفینہ اور حکم و اسرار کا گنجینہ ہے جو خاتم الکتب ہے اور خاتم الانبیاء سید الاولین والآخرین امام المرسلین رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر نازل کی گئی۔ جس کی تنزیل کے بعد وحی و رسالت کا سلسلہ منقطع ہو گیا، جو کامل ضابطہ حیات ہے، جو مکمل دستور اور مدلل منشور ہے، جو ہمہ گیر مطالب، انقلاب انگیز

مضامین اور حیرت خیز تعلیمات و ہدایات پر حاوی اور مشتمل ہے۔

اگر اربوں دانشور کھربوں سال تک رات اور دن بلا انقطاع پے در پے اور مسلسل اس کی صفت و ثنا اور مدح و توصیف سے قرطاس پر ثبت کرتے رہیں تو پھر بھی اس کے حسن و جمال کے کھربویں حصہ کی ادنیٰ سے ادنیٰ جھلک بھی پیش کرنے سے یکسر قاصر اور یک قلم عاجز رہیں گے۔

جب اس کے کمال و جلال اور حسن و جمال کا یہ عالم ہے تو بتایئے پھر مجھ جیسا حقیر، فقیر، ناچیز ہیچمدان، کج مج زبان، قصیر البنان اور ضعیف البیان انسان کیا کرے اس کی شان بیان۔

چونکہ قرآن کریم کلام ربانی اور صحیفہ آسمانی ہے۔ ادلہ اربعہ میں اس کا مقام سب سے اونچا اور بلند و برتر ہے۔ اصول اربعہ میں قرآن کریم کو اولیت، افضلیت اور ارجحیت حاصل ہے اور یہ ہمارے باہمی اختلافات، اندرونی افتراقات اور مناقشات کا ناطق اور دوٹوک فیصلہ دے سکتا ہے اس لئے مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمام مسلمانوں کے لئے خواہ وہ کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں یہ لازم اور واجب ہے کہ جب ان میں کسی مسئلہ کے بارے اختلاف رونما ہو، باہمی آویزش اور کشمکش واقع ہو، کسی مسئلہ کے سلسلہ میں افتراق کا شکار ہو کر شیر و شکر ہونے کے بجائے باہم دست و گریباں ہوں، ان کا شیرازہ بکھرتا اور اتحاد پارہ پارہ ہوتا نظر آئے تو ادھر ادھر تاکنے، جھانکنے اور بھٹکنے کے بجائے سب سے پہلے وہ اس کلام ازلی و ابدی کی طرف رجوع کریں۔ اس متنازع فیہ مسئلہ کو قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کریں۔ اس بارے میں قرآن کریم سے ہدایات کے طالب ہوں۔ اگر قرآن کریم میں اس مسئلہ کا حل مل جائے تو اس کے مطابق اپنے اعتقادات و خیالات کو ڈھالنا، اس پر عمل پیرا ہونا، اس کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے لئے راہ عمل متعین کرنا اور اپنے اعمال و کردار کی اساس قرآنی انوار کی ضیا پاشیوں کی ضوء میں استوار کرنا مسلمانوں کے لئے ہر فرض سے بڑا فرض ہے کیونکہ قرآن کریم کا فیصلہ خالق کائنات کا فیصلہ ہے۔ اس کے فیصلہ کے بعد کسی مسلمان کے لئے اس سے انحراف،

اعراض، روگردانی، سرتابی اور انکار کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے "ومن ابتغی الھدی فی غیرہ اضلہ اللّٰہ و ھو حبل اللّٰہ المتین و ھو الذکر الحکیم و ھو الصراط المستقیم ..... ومن عمل بہ اجروا من دعا الیہ ھدی الی صراط مستقیم" (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۱۵۔ مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۱۸۶)

جو شخص (قرآن کو چھوڑ کر) اس کے غیر میں ہدایت کا متلاشی ہو تو وہ گمراہ ہو جائے گا (گمراہی و ضلالت کی تاریک وادیوں میں بھٹکتا پھرے گا) یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے۔ یہ ذکر حکیم اور صراط مستقیم ہے جو شخص (اس کی تعلیمات اور اصولوں پر گامزن اور) عمل پیرا ہو وہ اجر دیا جائے گا۔ "جس شخص نے اس کی تعلیمات کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جس نے لوگوں کو اس کی ہدایات و تعلیمات کی طرف دعوت دی وہ سیدھی راہ کی ہدایت دیا گیا"

بہر حال مسلمان کے لئے سعادت اور خوش بختی یہی ہے کہ وہ اپنے معتقدات و نظریات اور افکار و آراء کو قرآن کریم کی تعلیمات و ہدایات کے ماتحت کر دے اور اس کے ہر ہر اشارہ پر ہزار جان سے نچھاور ہونے کے لئے ہر وقت تیار رہے۔

حضرات آیئے! اب ہم اس متنازع فیہ مسئلہ (امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے) کو قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کریں۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم سے ہدایات کے طالب ہوں۔

جب ہم اس سلسلہ میں قرآن کریم سے استفسار کرتے ہیں تو قرآن کریم اس سلسلہ میں ہمیں نہایت واضح اور ناطق فیصلہ دیتا ہے صاف اور کھلی ہدایات سے نوازتا ہے۔

قرآن کریم کا ناطق اور دوٹوک فیصلہ ملاحظہ فرمایئے:

مسئلہ قرأت خلف الامام قرآن کریم کی روشنی میں

حق تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون (پ۹ سورۃ الاعراف)

اور جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور خاموش رہو تاکہ تم پر (حق تعالیٰ) کی رحمتیں نازل ہوں۔

جمہور سلف وخلف کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں حق تعالیٰ نے مسئلہ قرأت خلف الامام کو واضح، واشگاف اور آشکارا فرمایا ہے اور اس کے بارے میں صاف اور ناطق حکم صادر فرمایا ہے یعنی امام اور مقتدی دونوں کا کام اور وظیفہ الگ الگ متعین فرمایا ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے (امام قرأت کرے) تو مقتدیوں کا وظیفہ صرف اور صرف یہ ہے کہ نہایت توجہ کے ساتھ قرآن کریم کی طرف کان لگائیں اور خاموش رہیں۔ امام کا کام قرأت کرنا اور مقتدیوں کا وظیفہ خاموشی کے ساتھ توجہ کرنا ہے۔

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر اور تشریح میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ارشادات عالیہ اور اقوال مبارکہ پیش کر دیں کہ اس مقدس جماعت نے اس آیت کریمہ کا کیا مطلب سمجھا ہے۔

اس آیت کی تفسیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے

یوں تو سبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آسمان ہدایت کے روشن ستارے بلکہ چندے آفتاب ماہتاب تھے۔ ہر ایک اپنی جگہ مینارۂ نور تھا۔ ہر ایک تقویٰ کا پیکر، صدق کا پہاڑ اور علم وفضل کا پتلا تھا۔ لیکن بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علم وفضل، فقہی بصیرت، دانش وبینش، اور فہم وفراست میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ منجملہ ان کے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بعض ایسے جزوی فضائل حاصل تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی دوسرا ان کا شریک وسہیم نہ تھا۔

قرآن کریم کے معلمین میں یہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ممتاز اور فائق و برتر تھے۔ معلمین قرآن میں ان کا نمبر سب سے پہلا ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ قال النبی ﷺ استقرؤا القرآن من اربعۃ: من عبد اللہ بن مسعود و سالم مولی ابی حذیفۃ و ابی بن کعب و معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم (بخاری شریف ج ۱، ص ۵۳۱۔ ترمذی شریف ج ۲، ص ۲۲۲) حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ تم (صحابہ کرام) قرآن کریم ان چار حضرات سے سیکھو۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے، سالم رضی اللہ عنہ مولی ابی حذیفہ سے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے۔

حافظ الدنیا حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں۔

وان البداءۃ بالرجل فی الذکر علی غیرہ فی امر اشترک فیہ مع غیرہ یدل علی تقدمہ فیہ یعنی جو خوبی چند آدمیوں میں پائی جائے اس سلسلہ میں جس کا نام سب سے پہلے لیا جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خوبی اس میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔

اس حدیث کے راوی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ معلمین قرآن کریم میں چونکہ سب سے پہلا نام حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے اس لئے میں ان سے شدید محبت کرنے لگا ہوں۔ اور یہ میرے خاص محبوبوں میں سے ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

قال النبی ﷺ تمسکوا بعھد ابن ام عبد۔ (ترمذی شریف ج ۲، ص ۲۹۳)
حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہدایت اور حکم کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔

مسلم شریف ج ۲، ص ۲۹۳ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: عن عبد اللہ قال والذی لا الہ غیرہ ما من کتاب اللہ سورۃ الا انا اعلم حیث نزلت و ما من آیۃ الا انا اعلم فیما انزلت و لا اعلم

احدا ھو اعلم بکتاب للہ منی تبلغہ الا بل لرکبت الیہ۔

کہ اس خدا کی قسم جس کے بغیر کوئی دوسرا الٰہ نہیں قرآن کریم کی کوئی سورت اور کوئی آیت ایسی نہیں جس کا شان نزول مجھے معلوم نہ ہو کہ کس موقعہ پر اور کس حالت میں نازل ہوئی ہے۔ اور میں اپنے سے بڑا کتاب اللہ کا عالم کسی کو نہیں پاتا۔ اگر (اس وقت یعنی دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں) مجھ سے بڑا کوئی عالم ہوتا جس تک پہنچنا ممکن ہوتا تو میں اس کی طرف رجوع کر کے استفادہ کرتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو اس درجہ اور شان اور اس مرتبہ اور مقام کے حامل ہیں اور جو اپنی بعض غیر معمولی خصوصیات کی بنا پر بعض امتیازات کے بلا شرکت غیرے مالک ہیں ان سے اس آیت کریمہ کے بارے میں درج ذیل روایت منقول ہے۔

صلی ابن مسعود رضی اللہ عنہ فسمع اناساً یقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما آن لکم ان تفھموا اما آن لکم ان تعقلوا و اذا قری القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا لعلکم ترحمون (تفسیر ابن جریر ج۹ ص۱۰۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے (ایک دفعہ) نماز پڑھی اور چند آدمیوں کو انہوں نے امام کے ساتھ قرأت کرتے سنا جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم سمجھ بوجھ اور عقل و خرد سے کام لو جب قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے۔

آیت مذکورہ کی تفسیر رئیس المفسرین وحبر الامہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت اونچے درجہ کے مفسر مانے گئے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد تفسیر میں ان کا درجہ اور مقام تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی تھی۔

"اللھم فقھہ فی الدین و علمہ التاویل" (مسند احمد ج۱ ص۳۲۸۔ ابن کثیر ج۱ ص۳) اے اللہ ان (عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ) کو دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کریم کی

دین اور تفسیر میں مہارت عطا فرما۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

ضمنی الیہ رسول اللہ ﷺ قال اللھم علمہ الحکمۃ (ترمذی شریف ج ۲، ص ۲۲۲) کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اپنے سینے کے ساتھ بھینچ کر فرمایا کہ اے اللہ! اسے دین کی سمجھ اور دانائی عطا فرما۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی، عظیم المرتبت مفسر اور بے نظیر محدث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

قال عبد اللہ یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نعم ترجمان القرآن ابن عباس رضی اللہ عنہ (تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے بہترین ترجمان، مفسر اور شارح ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو مذکورہ فضائل و مناقب اور مآثر و مفاخر کے حامل ہیں اور جو تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد دوسرے نمبر پر ہیں وہ اس آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فی قولہ تعالی و اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا لعلکم ترحمون یعنی فی الصلوۃ المفروضۃ (تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۲۸۔ تفسیر ابن جریر ج ۹، ص ۱۰۳۔ کتاب القراءۃ ص ۸۸۔ روح المعانی ج ۹، ص ۱۵۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ و اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا کا شان نزول فرضی نماز ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے:

و ذکر البغوی عن المقداد انہ سمع ناسا یقرؤن مع الامام فلما

انصرف قال اما آن لکم ان تفقھوا و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا کما امرکم اللہ (تفسیر مظہری ج ۳، ص ۵۰۷)

امام بغویؒ نے حضرت مقداد بن اسود ﷺ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو امام کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا آپ نے ان لوگوں کو (ڈانٹتے ہوئے) فرمایا کہ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم عقل و دانش سے کام لو۔ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اسکی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر تابعینؒ عظام سے

تابعین عظام میں سب سے بڑے مفسر حضرت مجاہد بن جبیرؒ ہیں۔ یہ اپنے دور میں فن تفسیر کے سب سے بڑے امام تھے۔ حضرت سفیان ثوریؒ کا حضرت مجاہدؒ کے بارے میں یہ قول مشہور ہے۔

کان سفیان الثوری یقول اذا جاءک التفسیر عن مجاهد فحسبک به (تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۵) حضرت سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت مجاہد کی تفسیر تمہارے پاس پہنچ جائے تو پھر کسی اور تفسیر کی حاجت نہیں۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ: عرضت المصحف علی ابن عباس ﷺ ثلث عرضات من فاتحته الی خاتمته اوقفه عند کل آیة و اساله عنها۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۴) میں نے قرآن کریم اول سے لے کر آخر تک تین دفعہ رئیس المفسرین حضرت ابن عباس ﷺ پر پیش کیا۔ قرآن کریم کی ہر ہر آیت کریمہ پر حضرت ابن عباس ﷺ کو ٹھہراتا اور ان سے اس کے بارے میں سوال کرتا۔

آیت مذکورہ کی تفسیر حضرت مجاہدؒ سے:

عن مجاهد فی قوله و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا فی الصلوة (تفسیر ابن جریر ج ۹، ص ۱۰۳۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۲۸۱۔ کتاب القراءۃ ص ۱۰)

حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے کہ و اذا قرئ القرآن کا شان نزول نماز ہے۔

حضرت سعیدؒ بن مسیب سے:

عن سعید بن المسیب و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا قال فی الصلوۃ (تفسیر ابن جریر ج ۹، ص ۱۰۳۔ کتاب القراۃ ص ۹۱) حضرت سعیدؒ بن مسیب فرماتے ہیں کہ و اذا قرئ القرآن کا شان نزول نماز ہے۔

حضرت سعیدؒ بن جبیر تابعی سے:

عن سعید بن جبیر و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا فی الصلوۃ المکتوبۃ (تفسیر ابن جریر ج ۹، ص ۱۰۳۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۲۸۱)

حضرت سعید بن جبیر تابعی فرماتے ہیں کہ و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا فرضی نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت حسنؒ بصری تابعی سے:

عن الحسن فاستمعوا له و انصتوا قال فی الصلوۃ (کتاب القراۃ ص ۹۱)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت عبید بن عمیرؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ سے:

قال عبید بن عمیر و عطاء بن ابی رباح انما ذلك فی الصلوۃ و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا (تفسیر ابن جریر ج ۹، ص ۱۰۳) حضرت عبید بن عمیر تابعی اور حضرت عطاء بن ابی رباح تابعی فرماتے ہیں کہ و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا کا شان نزول نماز ہے۔

حضرت ضحاکؒ، ابراہیم نخعیؒ، قتادہؒ، شعبیؒ، سدیؒ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ سے:

قال الضحاك و ابراهیم النخعی و قتادة و الشعبی و السدی و عبد

الرحمن بن زيد بن اسلم ان المراد بذالك في الصلوة (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۱)

حضرت ضحاکؒ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت قتادہؒ، حضرت شعبیؒ، حضرت سدیؒ اور حضرت عبدالرحمن بن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا قول مذکورہ آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے میں نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

وذكر احمد بن حنبل الاجماع على انها نزلت في الصلوة وذكر الاجماع على انها لا تجب القراءة على الماموم حال الجهر (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۱۲۸)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس آیت کا شان نزول نماز ہے۔ نیز اس پر بھی علماء کا اتفاق نقل کیا ہے کہ جب امام جہر سے قرأت کر رہا ہو تو مقتدی پر قرأت واجب نہیں۔

ایک دوسرے مقام پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں۔

وقول الجمهور هو الصحيح فان الله سبحانه وتعالى قال واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون۔ قال احمد اجمع الناس على انها نزلت في الصلوة (فتاویٰ کبریٰ ج ۲ ص ۱۲۸)

جمہور کا قول ہی صحیح اور درست ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو تم اس کی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو تاکہ تم پر حق تعالیٰ کی رحمتوں کی بارش نازل ہو۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ سب لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول نماز ہے۔

مذکورہ حضرات کے علاوہ دیگر جلیل القدر مفسرین مثلاً صاحب تفسیر کشاف ج ۱ ص ۵۲۳ میں، علامہ بیضاوی ص ۳۰۹ میں، صاحب معالم التنزیل میں اور ابوسعود ج ۳ ص ۵۰۳ میں، صاحب تفسیر مظہری ج ۳ ص ۵۰۷ میں اور صاحب روح المعانی ج ۹ ص ۱۵۱

میں بھی زیبِ قرطاس فرما رہے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا شانِ نزول نماز ہے۔

ناظرین کرام! آپ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے لے کر علامہ آلوسی صاحب روح المعانی تک کی تفاسیر کی عبارات ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اس آیت کا شانِ نزول صرف نماز ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ سے یہ بات نقل کی جا چکی ہے کہ اس بات پر تمام اہلِ اسلام کا اجماع اور اتفاق ہے کہ اس کا شانِ نزول فقط نماز ہے۔ اور یہ اجماع نقل کرنے والے کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں بلکہ امام اہلِ سنت اور پیشوائے ملت یکے از ائمہ مجتہدین امام احمد بن حنبلؒ ہیں اور آپ یہ بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنا شاذ اور خلافِ اجماع ہے۔ ان وزنی دلائل اور معقول براہین کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص اس بات پر اصرار ہے کہ اس کا شانِ نزول خطبہ ہے یا یہ آیت کریمہ کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو سمجھئے کہ وہ تعصب کی خارزار وادی میں بھٹک رہا ہے اور غلو کے سنسان بیابان اور بے آب و گیاہ صحراء کی طرف لپک رہا ہے اور حق کے دامن کو ہاتھ سے جھٹک رہا ہے۔

غیر مقلدین کی ایک مضحکہ خیز حرکت:

غیر مقلدین کی ایک مضحکہ خیز حرکت یہ ہے کہ ان کو جہاں اپنے مطلب کی بات ملے گی خواہ وہ کتنی ہی ضعیف اور کمزور، کتنی ہی افواہ اور بے کار اور کتنی ہی بادِ ہوا اور بے بس کیوں نہ ہو اس کو سینے سے لگائیں گے، گلے کا ہار بنائیں گے، اس سے تمسک کریں گے اور اس کو مضبوطی سے تھامیں گے۔

لیکن جو بات ان کے مطلب اور مقصد، ان کے مذہب اور مشرب اور ان کی منشا اور رائے کے خلاف ہو خواہ وہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام، تبع تابعین کرام اور ائمہ ذی المجد والاحتشام سے ثابت ہو اس کو پس پشت ڈال دیں گے اس سے صرفِ نظر اور

اعراض کریں گے۔ اس میں بے جا تاویلات، رکیک توجیہات اور بیہودہ تاویلات کا دروازہ کھولیں گے۔ حقائق سے اغماض کریں گے۔ واقعات کو جھٹلائیں گے۔ صحیح احادیث سے چشم پوشی کریں گے۔ ضعیف احادیث سے استدلال کریں گے خواہ اس میں محمد بن اسحاق جیسے کذاب اور دجال راوی ہی کیوں نہ ہوں۔

غیر مقلدین کا یہ طرز عمل اور یہ نارو ا رویہ درج ذیل سطور سے پوری طرح واضح اور بے نقاب ہو جائے گا۔ بس ذرا چشم بصیرت کو وا کریں اور حقیقت بین نگاہوں سے درج ذیل معروضات کا مطالعہ فرمائیں۔

دیکھئے آیت مذکورہ کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اس کا شان نزول نماز ہے۔ تابعین فرماتے ہیں اس کا شان نزول نماز ہے، تبع تابعین فرماتے ہیں اس کا شان نزول نماز ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اس پر جمہور سلف و خلف کا اجماع نقل کرتے ہیں، ان دو ذی دلائل، براہین اور قوی بینات و حجج کا تقاضا تو یہ تھا کہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین عظام و تبع تابعین ذی شان رحمہم اللہ کی بات مان لی جاتی لیکن وہ غیر مقلد ہی کیا جو صحیح بات مان لے۔ چنانچہ غیر مقلدین نے یہ کیا کہ ان سب تفسیرات کو پس پشت ڈال کر سب سے اعراض کر کے ایک مفسر کی مرجوح تفسیر کو گلے لگایا، گلے کا ہار بنایا، اسے آنکھوں سے لگایا، دل میں بٹھایا، دماغ میں جمایا، اس بارے میں تشدد کر کے دشمنوں کو ہنسایا، دوستوں کو رلایا، مسلمانوں کو ستایا، سادہ لوح مسلمانوں کو بہکایا اور رلایا۔

وہ مرجوح تفسیر یہ ہے کہ آیت کریمہ کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم پوری توجہ اور خاموشی سے سنیں اور شور و غل نہ مچائیں۔

باوجودیکہ یہ تفسیر نہایت مرجوح بلکہ غلط اور باطل ہے لیکن چونکہ بظاہر ان کے مطلب و مقصد اور مسلک و مشرب کے موافق تھی اس لئے قبول کر لی گئی۔

جمہور سلف و خلف کی صحیح ترین تفسیر چونکہ ان کے مطلب و مشرب کے خلاف تھی اس لئے وہ ردی کی ٹوکری میں پھینک دی گئی بلکہ بڑے استحقار سے ٹھکرا دی گئی۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

اسے کہتے ہیں مطلب پرستی، خود غرضی، بحر تعصب میں غوطہ زنی اور دریائے غلو میں غواصی۔

جب انسان اندھے بہرے تعصب میں مبتلا ہو جاتا ہے تشدد کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتا ہے اور غلو کو شعار دوثار، تو وہ حقائق بینی کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ واقعات دیکھنے کی قابلیت سے محروم ہو جاتا ہے جس کے حافظ آشیاں دماغ کو تعصب کی کدورتوں نے گدلا کر رکھا ہو تو وہ حقائق دیکھے تو کیونکر، واقعات پرکھے تو کیسے؟

غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ یہ آیت کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی کئی وجوہ سے بالکل غلط اور باطل ہے۔

(۱) اس لئے کہ مذکورہ سطور میں احادیث صحیحہ، اجماع امت اور مفسرین کرام کی تصریحات سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس آیت کا شان نزول نماز ہے۔

پس ہمیشہ یہ کہنا کہ یہ آیت کریمہ کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے تفسیر بالرائے، بدعت سیئہ اور آیت کریمہ کی حقیقت کے انکار کے مترادف ہے حق تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسی بے جا جسارت اور ناروا و ناپسندیدہ حرکت سے محفوظ فرماوے۔ آمین۔

(۲) اس لئے کہ قرآن کریم میں کوئی ایک حکم بھی ایسا نہیں جس کی تعمیل صرف کفار پر واجب ہو اور مسلمانوں کے لئے اس پر عمل پیرا ہونا ممنوع و محظور ہو۔

(۳) اگر فریق ثانی کی یہ انوکھی منطق صحیح تسلیم کر لی جائے تو نہ معلوم ان کا قرآن کریم کے ان تمام احکام کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا جو بظاہر ایک کافر اور مشرک قوم کے بارے میں نازل ہوئے ہیں۔ مثلاً ایک مقام پر حق تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الا تشرکوا به شیئا و بالوالدین احسانا و لا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم و ایاهم و لا تقربوا الفواحش ما ظهر منها و ما بطن و لا تقتلوا النفس التی حرم الله الا بالحق ذلکم وصاکم به لعلکم تعقلون (پ ۸، رکوع ۶)

ترجمہ: "اے نبی کریم آپ فرما دیجئے کہ تم آؤ میں سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے کہ شریک نہ کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے، ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور ان کو، اور بے حیائی کے قریب نہ جاؤ جو ظاہر ہو اس میں سے اور جو پوشیدہ ہو اور نہ قتل کرو اس جان کو جس کو حرام کیا ہے اللہ نے مگر حق پر ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے تا کہ تم سمجھ جاؤ"

کیا فریق ثانی کی منطق کی رو سے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان احکام کے مخاطب صرف کافر اور مشرک ہیں، کفار و مشرکین کے لئے تو شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، قتل اولاد کا ارتکاب کرنا، فواحش و منکرات کے قریب جانا حرام اور گناہ ہے لیکن مسلمانوں کے لئے ان اعمال قبیحہ کا ارتکاب بالکل جائز اور مستحسن ہے۔ مومنوں کے لئے شرک کرنا اور قتل کرنا بالکل درست ہے۔

(۴) اگر بفرض محال یہ بات تسلیم کر بھی لی جائے کہ مذکورہ آیت کریمہ کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ کفار و مشرکین کو تو قرآن کریم کی تلاوت کے وقت شور و غل مچانے سے منع کیا گیا ہے لیکن مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت خوب شور و غل کیا کریں۔ کیا فرماتے ہیں علماء غیر مقلدین بیچ اس مسئلہ کے

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور ہے کیا آفتاب کا؟

(۵) نیز اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ آیت کریمہ کافروں اور مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے تب بھی اس کو کافروں میں منحصر سمجھنا اور مسلمانوں کو اس سے خارج کر دینا باطل ہے۔ حالانکہ اس کا شان نزول ہی مومنوں کی نماز ہے مگر افسوس صد افسوس کہ فریق مخالف بڑی جرأت اور جسارت سے یہ بات کہتا ہے کہ اس آیت کا جو اولین مصداق ہے اس کو یہ آیت شامل نہیں بلکہ یہ صرف کفار و مشرکین کو شامل ہے۔ یا للعجب۔

(۶) اگر مان بھی لیا جائے کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول کفار و مشرکین کا شور و

محل بچا ہے تو گزارش ہے کہ تمام علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کے کسی حکم اور آیت کو اس کے شان نزول اور خاص سبب پر منحصر کر دینا غلط اور باطل ہے۔ اس کو صرف سبب نزول میں محصور و مسدود سمجھنا ایک ایسی علمی غلطی ہے جس کا ارتکاب کوئی ادنیٰ طالب علم بھی نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم کی سینکڑوں ایسی آیات ہیں جو کسی خاص سبب کی وجہ سے نازل ہوئیں لیکن ان کا حکم چونکہ عام ہے اس لئے وہ اسی سبب پر محصور و مقصور اور بند و مسدود نہیں ہیں۔

دیکھئے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو لوگ حضور ﷺ کا بیٹا کہا کرتے تھے۔ قرآن کریم نے حکم دیا کہ رسول خدا ﷺ تم میں سے کسی بالغ مرد کے باپ نہیں۔ اس آیت کریمہ کا سبب گو خاص ہے لیکن حکم خاص نہیں بلکہ عام ہے۔ اس آیت مقدسہ کی رو سے جیسا کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کا بیٹا کہنا جائز نہیں، ایسا ہی زید، عمر، بکر اور خالد وغیرہ دیگر افراد واشخاص کو بھی حضور ﷺ کا بیٹا کہنا جائز نہیں۔ جس طرح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حکم ہے کہ ان کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے بلایا جائے، اسی طرح ہر شخص اور ہر فرد کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ اس کو اس کے باپ کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے۔

کیا غیر مقلدین حضرات اس آیت کریمہ کا یہ مطلب لیں گے کہ صرف حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیٹا کہنا منع ہے اور دوسرے افراد کو آنحضرت ﷺ کا بیٹا کہنا جائز ہے۔

مسئلہ قرأت خلف الامام احادیث نبویہ کی روشنی میں

پہلی حدیث: (بطریق سلیمان تیمی)

عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ قال ان رسول اللہ ﷺ خطبنا فبین لنا سنتنا و علمنا صلوٰتنا فقال اقیموا صفوفکم ثم لیؤمکم احدکم فاذا کبر فکبروا

و اذا قرا فانصتوا و اذا قال غیر المغضوب علیھم و لا الضالین فقولوا امین (صحیح مسلم ص ۱۷۴ ج ۱، ابوداؤد شریف ص ۱۴۰ ج ۱، ابن ماجہ ص ۶۱، مسند ابوعوانہ ص ۱۳۳، ج ۲، بیہقی ص ۱۵۵ ج ۱، مشکوۃ شریف ص ۸۱، دارقطنی ص ۳۲۸ ج ۲)

ترجمہ: "حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو) خطاب فرمایا پس آپ نے ہمیں سنت کی تعلیم و تلقین فرمائی اور نماز پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا۔ پس حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (نماز شروع کرنے سے قبل) اپنی صفیں درست کرلو، پھر تم میں سے ایک شخص تمہارا امام بنے جب وہ (امام) تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو، اور جب امام غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

وجوہ استدلال:

(۱): ناظرین با تمکین! یہ حدیث صریح صحیح اور مرفوع ہے اور ہمارے دعویٰ پر واضح اور واشگاف دلیل ہے۔ اس حدیث شریف میں حضور ﷺ نے بڑے اہتمام سے نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا اور نماز میں امام اور مقتدیوں کے فرائض، وظائف اور ذمہ داریوں کو بڑی وضاحت اور صراحت اور بڑے واضح اور متین طریقے سے بیان فرمایا کہ اس میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ و التباس اور شک وشبہ باقی نہ رہا۔

آپ ﷺ نے اس حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ قرأت کرنا صرف امام کا فریضہ، وظیفہ اور ذمہ داری ہے۔ مقتدیوں کا کام اور وظیفہ صرف اور صرف خاموشی، توجہ اور انصات ہے۔

چونکہ یہ روایت مطلق ہے اس لئے سری اور جہری دونوں قسم کی نمازوں کو شامل ہے لہٰذا اس حدیث کی رو سے مقتدیوں کے لئے کسی نماز میں بھی خواہ وہ جہری ہو یا سری امام کے پیچھے پڑھنے کی مطلق گنجائش نہیں۔

حضور ﷺ کا مقصد اس حدیث سے امام اور مقتدی کے فرائض اور وظائف پ

روشنی ڈالنا ہے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے امام اور مقتدی کے فرائض بیان کرتے وقت امام کے فرائض تو بیان کر دیئے ہوں اور مقتدی کے فرائض ترک کر دیئے ہوں۔ کیونکہ اگر آپ ﷺ ایسا کریں تو تبلیغ احکام میں کوتاہی کے مرتکب ہوں گے اور نبی ﷺ سے ایسی کوتاہی ناممکن ہے۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ حضور ﷺ بیان احکام کے وقت مقتدی کے فریضہ کو تو بیان نہ فرمائیں بلکہ اس فریضہ کی ضد اور الٹ اور عکس بیان فرمادیں۔ مثلاً اس کے ذمہ امام کے پیچھے قرأت کرنا فرض ہو لیکن آپ مقتدی کو قرأت کا حکم دینے کی بجائے اس کو قرأت نہ کرنے کا امر فرمائیں۔

ایک اور انداز سے:

(۲) امام اور مقتدی کے لئے جو افعال و اعمال فرض تھے وہ حضور ﷺ نے بڑی تشریح اور توضیح سے بیان فرمادیئے۔ تکبیر تحریمہ دونوں کے لئے فرض تھی اس کی فرضیت اذا کبر فکبروا کے الفاظ سے بیان فرمائی۔ رکوع دونوں کے لئے فرض تھا اس کی وضاحت اذا رکع فارکعوا (جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو) سے فرمائی۔ سجدہ دونوں کے لئے فرض تھا تو اس کی تشریح کے لئے آپ ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے اذا سجد فاسجدوا (جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو) کا جملہ صادر ہوا۔

جب حضور ﷺ نے امام اور مقتدی کے مشترکہ فرائض بیان فرمادیئے تو کیا وجہ ہے کہ آپ نے قرأت (جو بقول غیر مقلدین مقتدی کے لئے فرض ہے) کی فرضیت کے بیان سے نہ صرف پہلو تہی فرمائی بلکہ اس کی جگہ اس کی ضد انصات کو ذکر فرمایا۔ اگر قرأت مقتدی کے لئے بھی فرض ہوتی تو حدیث شریف کے الفاظ یوں ہوتے اذا کبر فکبروا و اذا قرأ فاقرؤا جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام پڑھے تو تم بھی پڑھو۔ لیکن حدیث شریف میں اذا قرأ فاقرؤا کی بجائے اذا قرأ فانصتوا کے الفاظ ہیں۔ اگر امام کے پیچھے قرأت فرض تھی تو رکوع سجود وغیرہ کی طرح اس کی فرضیت کی تشریح کیوں نہیں کی گئی۔

ایک اور طرز سے:

(۳) اگر بالفرض اس حدیث میں و اذا قرأ فانصتوا کے الفاظ بھی مذکورہ موجود ہوتے تب بھی یہ روایت اس پر دلالت کرتی کہ قرأت کرنا امام کا وظیفہ ہے نہ کہ مقتدیوں کا۔ ان الفاظ کے بغیر حدیث شریف کا مفہوم و مضمون اور مطلب یہ ہوتا:

جب تم نماز پڑھنا چاہو تو (پہلے) اپنی صفیں درست کرلو اور تم میں سے ایک شخص امامت کے فرائض انجام دے۔ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام غیر المغضوب علیهم و لا الضالین پڑھے تو تم آمین کہو۔ اگر مقتدیوں پر سورۃ فاتحہ فرض ہوتی تو و اذا قال غیر المغضوب علیهم و لا الضالین کے بجائے جمع کا صیغہ و اذا قلتم غیر المغضوب علیهم و لا الضالین فقولوا آمین ہوتا۔ جیسے کہ فقولوا آمین میں قولو جمع کا صیغہ ہے ایسے ہی یہاں بھی قلتم جمع کا صیغہ ہوتا۔

(صحیح مسلم ص ۱۷۶ ج ۱) کی ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ اذا قال القاری غیر المغضوب علیهم و لا الضالین فقال من خلفه آمین کہ جب پڑھنے والا غیر المغضوب علیهم و لا الضالین کہے تو جو اس کے پیچھے ہیں وہ آمین کہیں۔ اس حدیث میں پڑھنے کی نسبت صرف امام کی طرف ہوئی ہے، یہ اس امر کی واضح اور بین دلیل ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا صرف امام کا فریضہ ہے۔ مقتدی کا کام صرف خاموش رہنا اور انصات کرنا ہے ہاں البتہ آمین کہنے میں مقتدی برابر کے شریک ہیں۔

دوسری حدیث:

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا و اذا قرأ فانصتوا و اذا قال غیر المغضوب علیهم و لا الضالین فقولوا آمین و اذا رکع فارکعوا و اذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد (نسائی شریف ص ۱۰۷ ج ۱، ابن ماجہ شریف ص ۶۱، طحاوی شریف ص ۱۲۸، مشکوٰۃ شریف ص ۸۱ ج ۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ امام صرف اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، جب وہ امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب امام غیر المغضوب علیہم و لا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو۔

یہ حدیث بھی واضح طور پر امام اور مقتدی دونوں کے فرائض اور وظائف کی تعیین کرتی ہے کہ تمام نمازوں میں امام کا وظیفہ قرأت کرنا اور مقتدی کا وظیفہ خاموشی اور انصات ہے۔

تیسری حدیث:

عن جابر بن عبد اللہ قال قال النبی ﷺ من کان له امام فقراءة الامام له قراءة (ابن ماجہ شریف ص ۶۱)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو اس کو الگ پڑھنے اور علیحدہ قرأت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے اور امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے۔ اس حدیث شریف میں بھی سری اور جہری کی کوئی قید نہیں لہذا یہ بھی اپنے عموم پر ہونے کی وجہ سے ہر نماز کو شامل ہے۔

چوتھی حدیث:

عن انس رضی اللہ عنہ قال صلی بنا رسول اللہ ﷺ ثم اقبل علینا بوجهه فقال اتقرءون والامام یقرأ فسکتوا فسألهم ثلاثا فقالوا انا نفعل قال فلا تفعلوا (طحاوی شریف ج۱ ص۱۰۷)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ایک نماز پڑھا کر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا کہ کیا تم امام کے پڑھتے وقت (امام کی اقتداء

میں) پڑھتے ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے۔ آپ نے تین دفعہ دریافت فرمایا تب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا جی ہاں۔ حضرت ہم امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (آئندہ) ایسا مت کرنا۔

پانچویں حدیث:

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال کانوا یقرؤن خلف النبی ﷺ فقال خلطتم علی القرآن (طحاوی شریف ج ۱ ص ۱۰۶، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب القرأۃ ص ۱۴۳)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ حضور ﷺ کی اقتداء میں قرأت کیا کرتے تھے، حضور ﷺ نے ان کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگوں نے (میرے پیچھے پڑھ کر) مجھ پر قرآن کریم کی قرأت خلط ملط کر دی ہے۔

چھٹی حدیث:

عن الزہری عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال واذا قرأ فانصتوا (کتاب القرأۃ ص ۱۱۳)

ترجمہ: امام زہری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو۔

اس روایت میں بھی امام اور مقتدی دونوں کے وظائف پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ مقتدی کا وظیفہ تمام نمازوں میں خاموشی، سکوت اور انصات ہے اور امام کا فریضہ یہ ہے کہ وہ قرأت کرے، دونوں کے الگ الگ وظائف ہیں۔ ان میں اشتراک نہیں بلکہ تقسیم ہے۔

ساتویں حدیث:

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی خلف امام فان قرأۃ الامام لہ قرأۃ (طحاوی شریف ج ۱ ص ۱۰۶)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد

فرمایا کہ جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو اس کے لئے امام کی قرأت ہی کافی ہے۔ امام کا پڑھنا ہی اس کا پڑھنا ہے۔ اسے الگ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

آٹھویں حدیث:

عن جابر رضی اللہ عنہ قال ان رجلا صلی خلف النبی ﷺ فی الظہر او العصر وهو يقرأ فاومی اليه رجل فنهاه فابی فلما انصرف قال اتنهانی ان اقرا خلف النبی ﷺ فتذاکرا حتی سمع النبی ﷺ فقال رسول اللہ ﷺ من صلی خلف امام فان قرأة الامام له قرأة (کتاب القرأۃ ص۱۲۶)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ظہر یا عصر کی نماز میں حضور ﷺ کی اقتداء میں قرأت کی، اثناء نماز میں ایک شخص نے اس کو اشارۃً منع کیا لیکن وہ دوسرا شخص باز نہ آیا جب نماز سے فارغ ہو چکے تو قرأت کرنے والے شخص نے منع کرنے والے سے کہا کہ تم مجھے حضور ﷺ کے پیچھے پڑھنے سے کیوں روکتے ہو؟ وہ دونوں آپس میں تکرار کر رہے تھے کہ حضور ﷺ نے ان کی گفتگو سن کر فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہو تو اس کے لئے امام کی قرأت ہی کافی ہے، اس کو الگ پڑھنے کی ضرورت نہیں امام کا پڑھنا ہی مقتدی کا پڑھنا ہے۔

نویں حدیث:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ انصرف من صلوٰۃ جہر فیہا بالقرأۃ فقال ھل قرأ معی احد منکم آنفا فقال رجل نعم انا یا رسول اللہ قال: فقال رسول اللہ انی اقول ما لی انازع القرآن فانتھی الناس عن القرأۃ مع رسول اللہ ﷺ فیما جہر فیہ رسول اللہ ﷺ (موطا امام مالک ص۲۹۔ نسائی شریف ج۱ ص۱۰۶۔ ابو داؤد شریف ج۱ ص۱۲۱۔ ترمذی شریف ج۱ ص۴۲۔ ابن ماجہ ص۶۱۔ کتاب القرأۃ ص۱۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک جہری نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ پڑھا ہے (باوجودیکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے) ان میں سے صرف ایک شخص بولا کہ جی ہاں یا رسول اللہ میں نے آپ کے ساتھ قرأت کی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبھی تو میں (اپنے دل میں) کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کی قرأت میں جھگڑا کیوں کیا جا رہا ہے۔ منازعت اور کشمکش کیوں ہو رہی ہے، مجھ سے قرآن کریم کیوں چھینا جا رہا ہے۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جہری نمازوں میں قرأت کرنے سے رک گئے۔

یہ صبح کی نماز کا واقعہ ہے (ملاحظہ فرمایئے سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۷، اور سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۲۰) جس میں تقریباً تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے لیکن ان میں حضور ﷺ کے پیچھے پڑھنے والا صرف ایک شخص تھا اس کو بھی امام کے پیچھے قرأت کرنے پر ڈانٹا گیا۔

اگر امام کے پیچھے پڑھنا فرض ہوتا تو اس فریضہ کے ادا کرنے والے کو نہ ڈانٹا جاتا بلکہ اس کی تحسین وتصویب کی جاتی۔

جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم ﷺ کے پیچھے نہیں پڑھ رہے تھے بقول غیر مقلدین چونکہ وہ فرض کے تارک تھے اس لئے چاہئے تھا کہ ان کو فرض کے ترک پر ڈانٹا جاتا اور ان سے کہا جاتا کہ چونکہ تم ایک فرض کے ترک کے مرتکب ہوئے ہو اس لئے تمہاری نماز نہیں ہوئی لہذا نماز کا اعادہ کرو۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ فرض کے تارکین کو تو کچھ نہیں کہا گیا اور فاتحہ پڑھنے والے شخص کو ڈانٹ پلائی گئی۔

غیر مقلدین سے ہمارا ایک سوال ہے از راہ کرم وہ اسے حل کر کے شکریہ کا موقع دیں کہ کیا فرض ادا کرنے والوں کو ڈانٹا جاتا ہے یا فرض ترک کرنے والوں کو؟

قابل غور نکتہ:

حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی اقتداء میں قرآت کرنے کا حکم فرمایا ہوگا یا

نہیں۔ اگر آپ نے اپنی اقتداء میں پڑھنے کا امر فرمایا تھا تو پھر حضور ﷺ کا اپنے ارشاد گرامی کی تعمیل کرنے والے کو ڈانٹنا چہ معنی دارد؟ کیا یہ ممکن ہے کہ سرور کائنات ﷺ پہلے خود ہی ایک چیز کا حکم فرمادیں اور پھر اس کی تعمیل کرنے والے کو ڈانٹنا شروع کردیں۔

نیز اگر آپ نے امام کی اقتداء میں پڑھنے کا امر فرمایا تھا تو کیا بات ہے کہ سب صحابہ کرام ؓ میں سے صرف ایک شخص اس حکم کی تعمیل کرتا ہے اور باقی سب صحابہ کرام ؓ آپ کے ارشاد گرامی کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے تھے۔

صحابہ کرام ؓ جو شمع نبوت کے پروانے اور آفتاب رسالت کے دیوانے تھے جو آپ کے ادنیٰ اشارہ پر ہزار جان سے نچھاور ہونے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ آپ ﷺ ان دیوانگان شمع رسالت کو حکم فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت کیا کرو اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی لیکن صحابہ کرام ؓ کی اکثریت آپ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل پر آمادہ نہیں ہوتی بلکہ آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرتی ہے کیا صحابہ کرام ؓ سے یہ جسارت ممکن ہے۔ [illegible]

نیز یہ امر بھی قابل غور و لائق التفات اور خاص طور پر پیش نظر رکھنے کے لائق ہے کہ فریق ثانی کے مسلک کے مطابق حضور ﷺ نے مقتدیوں کو امام کے پیچھے پڑھنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اس کو مقتدیوں کے لئے فرض بھی قرار دیا۔ تو یہ کیسے باور کرلیا جائے کہ جو چیز آپ ﷺ کی منازعت، خلجان اور تکدر کا باعث بنی اور جس فعل پر آپ ﷺ نے اظہار ناراضگی اور ناپسندیدگی فرمایا اور آپ ﷺ نے جس حرکت کو ناپسند فرماتے ہوئے اس پر سرزنش کی اور ڈانٹا اور پھر اسی ناپسندیدہ فعل اور باعث خلجان عمل کو فرض بھی قرار دے دیا۔

فریق ثانی کے مسلک و مشرب کا حاصل اور لب لباب یہ نکلا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیچھے پڑھنے کو ناپسند بھی فرمایا ہے اور پسند بھی۔ اس سے منع بھی فرمایا ہے اور اس کا حکم بھی دیا ہے۔۔

قرأت سے منازعت، مخالجت، مخاصمت اور کشمکش ہوتی بھی ہے اور نہیں بھی ہوتی

اور حضور ﷺ نے امام کے پیچھے پڑھنے کے فعل کو ناپسند اور باعث تکدر ہونے کے باوجود فرض قرار دیا۔ حاشا وکلا رسول اللہ ﷺ کی شان عالی اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ بیک وقت دو متضاد باتوں کا حکم فرماویں۔ نیز صحابہ کرام ﷺ کی شان اس سے بہت اونچی ہے کہ حضور ﷺ ان کے لئے ایک امر کو ضروری قرار دیں لیکن صحابہ ﷺ اسے قابل اعتناء نہ سمجھیں بلکہ اس کی خلاف ورزی کا ارتکاب کریں۔

دسویں حدیث:

حضرت ابن عباس ﷺ سے ابن ماجہ میں ایک لمبی حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ، لب لباب اور ماحصل یہ ہے کہ حضور ﷺ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ ﷺ نے امامت کے فرائض حضرت صدیق اکبر ﷺ کو تفویض فرمائے تاکہ وہ لوگوں کو نماز پڑھایا کریں۔

ایک مرتبہ جب مرض میں قدرے تخفیف محسوس ہوئی تو حضور ﷺ دو آدمیوں کے سہارے آہستہ آہستہ چل کر مسجد میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ کی مسجد میں تشریف آوری سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نماز شروع کرا چکے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صفوں سے گزرتے ہوئے حضرت صدیق اکبر ﷺ کے پہلو میں جا پہنچے اور حضرت صدیق اکبر ﷺ پچھلی صف میں آگئے۔ ان کی جگہ حضور ﷺ مصلیٰ پر تشریف فرما ہوئے اور بیٹھ کر نماز پڑھنا شروع کی۔ اگلے الفاظ خصوصی طور پر قابل غور ہیں۔

وأخذ رسول الله ﷺ من القراءة من حيث كان بلغ ابو بكر ﷺ (ابن ماجہ شریف ص ۸۸) کہ حضور ﷺ نے قرأت وہیں سے شروع کی جہاں تک حضرت صدیق اکبر ﷺ قرأت فرما چکے تھے۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: فاستفتح النبي ﷺ من حيث انتهى ابو بكر ﷺ من القرآن (سنن کبریٰ بیہقی ج ۳ ص ۸۱) کہ پھر حضور ﷺ نے قرآن کریم کے اس حصے سے پڑھنا شروع کیا جہاں تک حضرت ابوبکر صدیق ﷺ قرأت فرما چکے تھے۔

ایک تیسری روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں: فاستتم رسول اللہ ﷺ من حیث انتھی ابو بکر من القراءۃ (طحاوی شریف ج ۱ ص ۱۹۷) کہ حضور ﷺ نے وہاں سے قراءت پوری کی جہاں تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ قراءت کر چکے تھے۔

یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ اس کے سب راوی ثقہ، ثبت اور حجت ہیں۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی پوری سورۃ فاتحہ رہ گئی تھی یا اس کا اکثر حصہ رہ گیا تھا اس لئے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام شدید بیمار تھے۔ دو آدمیوں کے سہارے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے مسجد نبوی میں رونق افروز ہوئے تھے۔ آپ کے دیر سے تشریف لانے میں معمول سے زیادہ وقت صرف ہو گیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کی تشریف آوری سے قبل نماز شروع فرما چکے تھے۔

ان حالات کے پیش نظر عقل و بصیرت اور انصاف و دیانت کا تقاضا تو یہی ہے کہ سورۃ فاتحہ اگر مکمل طور پر نہ پڑھی گئی ہوگی تو اس کا اکثر حصہ تو یقیناً پڑھا جا چکا ہوگا۔ مگر باوجود اس کے حضور ﷺ کی نماز ہوگئی آپ نے اس کا اعادہ نہ فرمایا اسے بیکار اور باطل قرار نہ دیا بلکہ اسے درست اور صحیح سمجھا۔ اگر امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہوتا تو حضور ﷺ کی یہ نماز نہ ہوتی آپ اسے باطل قرار دے کر اس کا اعادہ فرماتے۔ (یہ حضور ﷺ کی مرض الوفات کا واقعہ ہے اور عمر کے بالکل آخری لمحات کا ہے۔ مرتب)

گیارہویں حدیث:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال من ادرک رکعۃ من الصلوۃ فقد ادرکھا قبل ان یقیم الامام صلبہ (دار قطنی ج ۱ ص ۳۴۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے امام کو پشت سیدھی کرنے سے پہلے رکوع میں پا لیا اس نے رکعت کو پا لیا۔

اس حدیث شریف سے پوری وضاحت اور صراحت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے

کہ جس شخص نے امام کو رکوع میں پالیا اس نے رکعت کو پالیا یعنی اس کی رکعت ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ جو شخص امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہوگیا اس کے رکوع میں شریک ہونے سے پہلے امام فاتحہ پڑھ چکا ہوگا کیونکہ امام فاتحہ پڑھ کر ہی رکوع میں جاتا ہے۔ لیکن باوجودیکہ اس نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی یہ رکعت ہوگئی معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ورنہ اس شخص کی یہ رکعت نہ ہوتی۔

یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ غیر مقلدین حضرات بھی اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔

بارہویں حدیث:

عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ انہ دخل المسجد و النبی ﷺ راکع فرکع قبل ان یصل الی الصف فقال النبی ﷺ زادک اللہ حرصا و لا تعد۔ (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۹۰)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو حضور ﷺ رکوع میں چلے گئے تھے چنانچہ صف میں ملنے سے پہلے ہی وہ رکوع میں چلے گئے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ صف میں مل گئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیکی پر حریص کرے پھر ایسا نہ کرنا۔

یہ بات بالکل واضح اور ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر رکوع میں شامل ہو گئے تھے لیکن اس کے باوجود ان کی یہ رکعت ہوگئی۔ حضور ﷺ نے ان کی اس نماز کو کامل مکمل اور صحیح سمجھا اور ان کو نماز دہرانے کا حکم نہیں فرمایا۔ اگر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہر رکعت میں فرض اور رکن ہے تو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی یہ نماز کیسے درست ہوگئی اور ان کو دوبارہ پڑھنے کا کیوں نہ حکم دیا گیا۔

غیر مقلد حضرات کو بھی بذریعہ مجبوری یا دل نخواستہ اس حدیث کو صحیح ماننا پڑا ہے اور اس بات کا اقرار کرنا پڑا ہے کہ مدرک رکوع کی رکعت ہو جاتی ہے چنانچہ مولانا شمس الحق عظیم

آبادی التعلیق المغنی علی الدارقطنی میں لکھتے ہیں۔

وفی ذلک دلالۃ علی ادراک الرکعۃ بادراک الرکوع وقد روی صریحاً عن ابن مسعود و زید بن ثابت و ابن عمر رضی اللہ عنہم (التعلیق المغنی علی الدارقطنی ص ۳۴۷) اور اس (حدیث ابوبکرہ رضی اللہ عنہ) میں اس بات پر دلالت ہے کہ امام کو رکوع میں پانے والا رکعت پا لیتا ہے اور یہ مسئلہ حضرت ابن مسعود، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی صراحۃً روایت کیا گیا ہے۔

امام غیر مجتہد ثناء اللہ مولوی عبداللہ صاحب تفسیر ستاری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بیشک شرعاً مدرک رکوع مدرک رکعت ہے۔ احادیث نبویہ و تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کا کافی ثبوت پایا جاتا ہے مگر اس سے عدم وجوب فاتحہ پر استدلال کرنا محض غلط و باطل ہے۔ قراءت فاتحہ کا وجوب حالت قیام میں ہے نہ حالت رکوع میں، جب حالت بدل گئی حکم بھی بدل گیا۔ (تفسیر ستاری ص ۳۶۷)

جواب: تفسیر ستاری کے مصنف نے اس جواب میں قطعاً کوئی وزن اور معقولیت نہیں۔ مولوی صاحب موصوف کا جواب تو سر سر قیاس پر مبنی ہے جس کے متعلق یہ حضرات گلا پھاڑ پھاڑ کر اور چیخ چیخ کر یہ نعرہ لگایا کرتے ہیں اول من قاس ابلیس کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا۔ آگے بیان کی جائے گا کہ ابلیس کا قیاس کس نوعیت کا تھا۔ اور قیاس مجتہد کسے کہتے ہیں؟

پھر یہ بھی خوب رہی کہ جب حالت بدل گئی تو حکم بھی بدل گیا۔ اول تو اس کو ثابت کرنا چاہیے تھا کہ رکوع کرنے سے کیا حالت بدل گئی؟ کیا نماز ختم ہو گئی یا نمازی بدل گیا۔

آخر یہ مسئلہ کس حدیث سے آپ نے معلوم کیا کہ رکوع کرنے سے نمازی یا نمازی کی حالت بدل جاتی ہے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اور دوسری وہ احادیث جو رکوع پا لینے سے رکعت پانے پر دلالت کرتی ہیں، ان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی نظر میں رکوع قیام کے حکم میں ہے کہ سجدہ پا لینے سے رکعت نہیں ملتی اور رکوع پا

لینے سے رکعت مل جاتی ہے۔ جب رکوع بحکم قیام ہے تو رکوع سے حالت نہیں بدلی لہذا رکوع پالینے کی حالت میں رکوع میں قرأت فاتحہ فرض ہونی چاہیے۔

چنانچہ بعض صحابہ کرام ﷺ اس طرف بھی گئے ہیں کہ رکوع میں فاتحہ پڑھ لینی چاہیے۔ کتاب القرأۃ بیہقی کی درج ذیل روایت ملاحظہ فرماویں۔

عن حسان بن عطية عن ابی الدرداء ﷺ قال لا تترك الفاتحة خلف الامام زاد ابن ابی الحوزی و لو ان تقرأ و انت راكع، وفی رواية اخرى عن ابی الدرداء ﷺ قال لو ادركت الامام وهو راكع لأحببت ان اقرأ بفاتحة الكتاب (کتاب القرأۃ بیہقی ص ۵۲)

حسان ابن عطیہ حضرت ابو الدرداء ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ چھوڑو چاہے رکوع ہی میں پڑھو۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابو الدرداء ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں امام کو رکوع میں پاؤں تو اس کو پسند کروں گا کہ سورۃ فاتحہ رکوع ہی میں پڑھ لوں۔

اس اثر سے صاحب تفسیر ستاری کی بتائی ہوئی عبارت جو الزام سے پیوند زمین ہو جاتی ہے پس معلوم ہوا کہ رکوع سے حالت نہیں بدلی بلکہ رکوع میں قیام کی طرح قرأت فاتحہ ہو سکتی ہے۔ پس امام غرباء اہلحدیث کا یہ کہنا کہ جیسے شریعت کا یہ حکم ہے کہ کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی ویسے ہی شریعت کا یہ بھی حکم ہے کہ رکوع میں ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے، یہ احناف کے مسلک کے قوی، وزنی اور معقول ہونے کا اعتراف و اقرار ہے۔ جب رکوع میں مقتدی کے ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے اور رکوع میں پڑھنا فرض نہیں حالانکہ رکوع بحکم قیام ہے تو معلوم ہوا کہ حالت قیام میں بھی مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں بلکہ امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت تصور کی جائے گی۔

حق بات یہ ہے کہ جو لوگ مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو فرض قرار دیتے ہیں ان کو یا تو داؤد بن علی ظاہری کی طرح اس بات کا قائل ہو جانا چاہیے کہ رکوع پالینے سے

رکعت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ یا پھر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی طرح اس بات کے قائل ہو جائیں کہ امام کو رکوع میں پانے والا رکوع کی حالت ہی میں سورۃ فاتحہ پڑھ لے۔ اگر غیر مقلد حضرات جمہور کی طرح اس بات کے قائل ہوں گے کہ رکوع پالینے سے رکعت مل جاتی ہے اور رکوع میں فاتحہ پڑھنا فرض نہیں تو پھر وہ کسی طرح بھی مقتدی پر سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کو فرض نہیں کہہ سکتے۔

رہا یہ **اعتراض** کہ حنفیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے لئے قیام فرض ہے اور اس حالت میں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ صحابی کو قیام بھی نہیں ملا اور بغیر قیام کے ان کی وہ رکعت ہو گئی، پس معلوم ہوا کہ قیام بھی فرض نہیں ہے۔ حالانکہ احناف کے نزدیک قیام ارکان صلوٰۃ میں سے ایک اہم رکن ہے۔

جواب: معترضین حضرات سے ہماری گزارش ہے کہ وہ ارشاد فرمائیں کیا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے تکبیر تحریمہ بھی کہی تھی یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو حدیث میں اس کا ذکر کہاں ہے؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ تکبیر کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، تو ہم جواباً عرض کریں گے کہ قیام کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ تکبیر تحریمہ بدوں قیام کے صحیح نہیں ہوتی۔ علامہ شوکانیؒ اور امام طحاویؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ بغیر قیام کے صحیح نہیں ہوتی۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو ساری امت کے اجماع اور تعامل کے خلاف ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بغیر کسی کے نزدیک نماز صحیح نہیں ہوتی۔

تیرہویں حدیث:

عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ کل صلوٰۃ لا یقرأ فیھا بام الکتاب فھی خداج الا وراء الامام (کتاب القراءۃ بیہقی ص ۱۳۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر وہ نماز

جس میں سورۃ فاتحہ پڑھی جائے ناقص ہے مگر امام کی اقتداء میں جو نماز پڑھی جائے اس میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

چودہویں حدیث:

اخبرنا ابو سعد احمد بن محمد المالینی انا ابو احمد عبد اللّٰہ بن عدی الحافظ نا جعفر بن احمد الحجاج و جماعۃ قالوا انا بحر بن نصر نا یحیی بن سلام نا مالک بن انس نا وھب بن کیسان قال سمعت جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللہ عنہ یقول سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول: من صلی صلوۃ لم یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب فلم یصل الا وراء الامام (کتاب القراۃ بیہقی ص ۱۳۹)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ہم کو ابو سعد احمد بن محمد مالینی نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو احمد عبد اللہ بن عدی الحافظ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے جعفر بن احمد حجاج نے اور ایک جماعت نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے یحییٰ بن سلام نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے مالک بن انس نے بیان فرمایا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے وھب بن کیسان نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے سنا کہ جس شخص نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر امام کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز اس سے مستثنیٰ ہے یعنی وہ ہو جائے گی اور مقتدی کے لئے الگ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

پندرہویں حدیث:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ کل صلوۃ لا یقرأ فیھا بام الکتاب فھی خداج الا صلوۃ خلف الامام (کتاب القراۃ بیہقی ص ۱۷۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ پڑھی جائے وہ ناقص ہوتی ہے مگر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جاوے۔

(اس میں امام کے پیچھے پڑھنے کی ضرورت نہیں، وہ امام کے پیچھے پڑھے بغیر ہی ہو جاوے گی)

اس روایت میں خلف الامام اور ام الکتاب کی قید خاص طور پر ملحوظ خاطر اور پیش نظر رکھنی چاہئے اور یہ بھی پیش نظر رہے کہ اس حدیث شریف میں حضور ﷺ نے تمام نمازوں میں خواہ وہ جہری ہوں یا سری سورۃ فاتحہ کی قراءت کو ضروری، لازم اور واجب قرار دیا ہے مگر مقتدی کی نماز کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور مقتدی کے لئے پڑھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

مبارکپوری صاحب اور ان کے ہمنوا حضرات نے جہاں قراءت سے مراد علی شفا نفسہ کی تاویل کر کے جان چھڑانے کی کوشش کی ہے، ان کی یہ تاویل بھی باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اس حدیث شریف میں خاص طور پر ام الکتاب کی قید مذکور ہے جو ان کی مذکورہ تاویل کو غلط قرار دیتی ہے۔

مسئلہ قراءت خلف الامام

جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتووں کی روشنی میں

جمہور سلف و خلف کی تفسیر کی روشنی میں قرآن کریم کا واضح، ناطق، اور دو ٹوک فیصلہ پیش کیا جا چکا ہے۔ نیز اس بارہ میں صحیح، صریح اور مرفوع احادیث بھی پیش کی جا چکی ہیں۔ اب احقر مناسب سمجھتا ہے کہ شمع نبوت کے پروانوں اور آفتاب رسالت کے دیوانوں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و آثار، آراء و افکار اور فتاویٰ پیش کر دیئے جائیں۔ تاکہ ناظرین کرام پر یہ بات واضح ہو جائے کہ آفتاب نبوت سے براہ راست اکتساب فیض کرنے والوں نے امام کے پیچھے قراءت کرنے کے بارے میں کیا سمجھا ہے، اس بارے میں ان کے اقوال و فتاویٰ کیا ہیں۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اس سلسلہ میں جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

اکثریت احناف کی ہمنوا، ہم عصر اور مؤید ہے۔

نہ صرف یہ کہ ان سے امام کے پیچھے پڑھنے کی ممانعت وارد ہے بلکہ پڑھنے والوں کے لئے دھمکیاں اور وعیدیں بھی منقول ہیں۔

☆ حضرت مسروقؒ جو بہت بڑے تابعی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

قال وجدت علم اصحاب محمد ﷺ انتهى الى ستة: الى عمر و على و عبد الله و معاذ و ابى الدرداء و زيد بن ثابت ﷺ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۵)

میں نے صحابہ کرام ﷺ سے اکتساب فیض کرنے کے بعد دیکھا کہ ان سب کا علم چھ (بزرگ) صحابہ کرام ﷺ کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری دینی مسائل کی نشر و اشاعت اور ترویج کے لحاظ سے صحابہ کرام ﷺ کو تین طبقات پر منقسم کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ایک طبقہ وہ ہے جس سے دینی مسائل کی نشر و اشاعت اور ترویج کم ہوئی ہے۔ دوسرا وہ طبقہ ہے جو اس بارے میں متوسط رہا ہے۔ تیسرا وہ طبقہ ہے جس سے دینی مسائل و احکام کی نشر و اشاعت اور ترویج بہت زیادہ ہوئی ہے۔ مبارکپوری صاحب کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وكان المكثرون منهم سبعة عمر بن الخطاب و على بن ابى طالب و عبد الله بن مسعود و عائشة ام المومنين رضى الله عنها و زيد بن ثابت و عبد الله بن عباس و عبد الله بن عمر ﷺ۔

ترجمہ: جن صحابہ کرام ﷺ سے دین کی بہت زیادہ نشر و اشاعت ہوئی ہے ان میں سے یہ سات حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حسن اتفاق سے مذکورہ جلیل القدر، عظیم المرتبت صحابہ کرام ﷺ کی اکثریت اس

بارہ میں (امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کے سلسلہ میں) کا مسلک ذکر اللہ سبحانہ کے ساتھ ہے فللّٰہ الحمد علیٰ ذلک۔ اب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فتوے ملاحظہ فرمائیں:

فتویٰ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ:

عن عطاء انہ سأل زید بن ثابت عن القرأۃ مع الامام فقال لا قرأۃ مع الامام فی شیء من الصلوٰۃ (مسلم شریف ج۱ ص۲۱۵۔ نسائی شریف ج۱ ص۱۱۱۔ مسند ابوعوانہ ج۲ ص۲۰۷۔ طحاوی شریف ص۱۰۸)

حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں (خواہ سری ہو یا جہری) کوئی قرأت نہیں کی جا سکتی۔

مصنف ابن ابی شیبہ اور موطا امام محمد میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ ان الفاظ سے منقول ہے۔ عن زید بن ثابت قال من قرأ خلف الامام فلا صلوٰۃ لہ (موطا امام محمد ص ۱۰۲، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۶ ج۱) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ ص ۳۷۶ میں حضرت ابن ثوبان نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ اثر بایں الفاظ نقل فرمایا ہے۔ عن ابن ثوبان عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال لا یقرأ خلف الامام ان جہر و ان خافت۔

حضرت ثوبان حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں امام کے پیچھے نہ پڑھا جائے امام بلند آواز سے پڑھتا ہو یا پست آواز سے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ اس امر کی واضح اور بین دلیل ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی کو کسی نماز میں کسی قسم کی قرأت کا کوئی حق نہیں۔

فتویٰ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال اذا صلی احدکم خلف الامام فحسبہ قراءۃ

الامام و اذا صلی وحدہ فلیقرأ وکان عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہ لا یقرأ خلف الامام
(موطا امام مالک ص ۲۹، طحاوی شریف ص ۱۲۹، موطا امام محمد ص ۳۲)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تم میں سے جب کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کو امام کی قرأت ہی کافی ہے اور جب اکیلا اور تنہا پڑھے تو اس کو پڑھنا چاہئے اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے نہیں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر موطا امام محمد میں ان الفاظ سے روایت کیا گیا ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال من صلی خلف الامام کفتہ قراءتہ (موطا امام محمد ص ۳۳)
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے امام کی اقتداء میں نماز پڑھی اس کے لئے امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

فتویٰ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ:

عن وهب بن كيسان انه سمع جابر بن عبد اللّٰه رضی اللہ عنہ يقول من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصل الا وراء الامام (موطا امام محمد ص ۳۲) وہب بن کیسان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ جس شخص نے کوئی رکعت بغیر سورۃ فاتحہ کے پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے (یعنی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں)

اس اثر میں مبارک پوری صاحب کی یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ قرأت سے مراد جہر ہے کیونکہ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص کوئی رکعت پڑھے اور اس میں سورۃ فاتحہ جہر سے نہ پڑھے اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے زور سے نہ پڑھے اس سے یہ لازم آئے گا کہ منفرد پر سورۃ فاتحہ زور سے پڑھنا واجب ہے حالانکہ اہل اسلام میں اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال انصت للقرآن فان فی الصلوۃ شغلا و سیکفیک ذلک الامام (طحاوی شریف ص ۱۰۷۔ موطا امام محمد ص ۹۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۶) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امام کے پیچھے قرآن کے لئے خاموش رہو کیونکہ نماز میں (دوسرا) شغل ہے (یعنی قرآن کے اوامر و نواہی اور وعدہ وعید پر غور کرنا) اور تم کو (قرأت کے بارے میں) امام کافی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا دوسرا فتویٰ:

لیت الذی یقرأ خلف الامام ملئ فوہ ترابا (طحاوی شریف ص ۱۰۷)
وہ شخص جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے کاش کہ اس کا منہ مٹی سے بھرا جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فتویٰ:

امام عبدالرزاق اپنی مصنف میں داؤد بن قیس اور وہ محمد بن عجلان سے روایت کرتے ہیں۔ قال علی رضی اللہ عنہ من قرأ مع الامام فلیس علی الفطرۃ (مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۱۳۷۔ دارقطنی ج ۱ ص ۱۲۔ طحاوی ج ۱ ص ۱۰۷)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جس شخص نے امام کے پیچھے پڑھا وہ فطرت (سنت) پر نہیں ہے۔ یعنی وہ سنت پر عامل نہیں بلکہ بدعت کا پیروکار ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ فتویٰ مصنف ابن ابی شیبہ میں ان الفاظ سے مروی ہے:

من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرۃ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۶) جس شخص نے امام کے پیچھے پڑھا اس نے سنت کی خلاف ورزی اور مخالفت کی۔

مصنف عبد الرزاق اور کنز العمال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر با یں الفاظ منقول ہے: عن علی رضی اللہ عنہ قال من قرأ خلف الامام فلا صلوۃ لہ (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص

۱۲۹۔ کنز العمال ج ۸، ص ۱۸۲)

حضرت علی ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز نہیں ہوتی۔

فتوئی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ:

عن ابی جمرۃ رضی اللہ عنہ قال سألت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اقرأ و الامام بین یدی قال لا (طحاوی شریف ج ۱، ص ۱۲۹) حضرت ابو جمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جب امام میرے آگے قرأت کر رہا ہو تو کیا میں بھی قرأت کروں (پڑھوں) انہوں نے فرمایا نہیں۔

اس اثر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے صاف طور پر مقتدیوں کو امام کے پیچھے پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا دوسرا فتوئی:

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا

ان ناسا یقرؤن فی الظھر و العصر فقال لو کان لی سبیل لقلعت السنتھم (طحاوی شریف ج ۱، ص ۱۲۱) کہ کچھ لوگ ظہر اور عصر کی نماز میں (امام کے پیچھے) قرأت کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا" کہ اگر میرا بس چلے تو میں ان کی زبانیں (گدی سے) کھینچ لوں۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس فتوئی میں اگرچہ خلف الامام کی قید مذکور نہیں مگر معمولی غور و خوض، ادنیٰ سوچ و بچار، اور تھوڑے سے تفکر و تدبر کے بعد یہ بات بخوبی واضح، واشگاف اور روشن ہو جاتی ہے کہ امام اور منفرد کے لئے تو بالاتفاق پڑھنا ضروری ہے۔ امام اور منفرد کے بارے میں تو یہ شدید دھمکی ہو ہی نہیں سکتی لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ وعید شدید امام کے پیچھے قرأت کرنے والوں کے بارے میں ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال لیت فی فم الذی یقرأ خلف الامام حجرا (موطا امام محمد ص ۹۸، مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۸) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے پڑھنے والوں کے منہ میں پتھر پڑ جائیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ بایں الفاظ منقول ہے۔

عن نافع و انس بن سیرین قال قال عمر بن الخطاب تکفیک قراءۃ الامام (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۶) حضرت نافع اور انس بن سیرین سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مقتدی کو امام کی قراءت کافی ہے۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

عن سعد رضی اللہ عنہ قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرۃ (موطا امام محمد ص ۹۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۶)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری تمنا اور خواہش ہے کہ امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں انگارے بھر جائیں۔

فتویٰ حضرت ابن عمر و زید بن ثابت و جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم:

عن عبید اللہ بن مقسم انہ سأل عبد اللہ بن عمر و زید بن ثابت و جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم فقالوا لا یقرأ فی شیء من الصلوات (طحاوی شریف ص ۱۰۷)

عبید اللہ بن مقسمؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے امام کے پیچھے پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا تو ان سب حضرات نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی (سری ہو یا جہری) قراءت نہ کی جائے۔

فتویٰ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم:

اخبرنی موسیٰ بن عقبۃ ان رسول اللہ ﷺ وابا بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کانوا ینھون عن القراءۃ خلف الامام (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۹)

امام عبدالرزاقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے موسیٰ بن عقبہ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

ستر (۷۰) بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فتویٰ

قال الشعبی ادرکت سبعین بدریا کلھم یمنعون المقتدی عن القراءۃ خلف الامام (روح المعانی ج ۹ ص ۱۵۲) حضرت شعبیؒ جو بہت بڑے تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے ستر بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا وہ سب کے سب امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

مسئلہ قرأت خلف الامام تابعین عظام کے فتووں کی روشنی میں:

ناظرین کرام! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و آثار پیش کئے جا چکے ہیں۔ اب تابعین عظام کے کچھ آثار و فتاویٰ پیش کئے جاتے ہیں تاکہ ناظرین کرام معلوم کر سکیں کہ خیر القرون کے درخشندہ ستاروں اور آسمان ہدایت کے روشن سیاروں تابعین عظام کا قرأت خلف الامام کے بارے میں مسلک کیا تھا۔ انہوں نے اس بارے میں قرآن و حدیث سے کیا سمجھا ہے۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ کا فتویٰ:

عن مغیرۃ عن ابراھیم انہ کان یکرہ القراءۃ خلف الامام وکان یقول تکفیک قراءۃ الامام (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۷) حضرت مغیرہ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ امام کے پیچھے پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور

فرماتے تھے کہ مقتدی کو امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ کا فتویٰ:

عن ابی بشر عن سعید بن جبیرؒ قال سألته عن القرأۃ خلف الامام قال لیس خلف الامام قرأۃ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۷) حضرت ابو بشرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیرؒ سے امام کے پیچھے پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأت نہیں یعنی سری اور جہری دونوں قسم کی نمازوں میں قرأت نہیں۔

حضرت سعید بن مسیبؒ کا فتویٰ:

عن قتادۃ عن ابن المسیب قال انصت للامام (کتاب القرأۃ ص ۹۱)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ امام کی قرأت کے لئے خاموش رہو یعنی امام کے پیچھے قرأت کی ضرورت نہیں۔

حضرت محمد بن سیرینؒ کا فتویٰ:

عن محمد قال لا اعلم القرأۃ خلف الامام من السنۃ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۷، ج ۱) حضرت محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ میں امام کے پیچھے پڑھنے کو سنت نہیں سمجھتا یعنی میرے نزدیک امام کے پیچھے پڑھنا سنت کی خلاف ورزی کرنا اور بدعت کا ارتکاب کرنا ہے۔

حضرت علقمہ بن قیسؒ کا فتویٰ:

عن ابی اسحاق عن علقمۃ بن قیس قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام ملئ فوہ ترابا او رضفا (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۹، موطا امام محمد ص ۹۵)

حضرت ابو اسحٰق فرماتے ہیں کہ میری تمنا ہے کہ امام کے پیچھے پڑھنے والے کا منہ مٹی یا گرم

پتھر سے بھر جائے۔

حضرت اسود بن یزیدؒ کا فتویٰ:

عبدالرزاق بن ہمام اپنے مصنف میں سفیان ثوریؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ امام اعمشؒ اور وہ ابراہیم نخعیؒ اور وہ اسود بن یزیدؒ سے۔ وہ فرماتے ہیں: قال: وددت ان الذی یقرأ خلف الامام ملیٔ فوہ ترابا (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۹) میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے پڑھے اس کا منہ مٹی سے بھر جائے۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۶ میں حضرت اسود بن یزیدؒ سے یہ فتویٰ ان الفاظ سے مروی ہے۔ عن الاسود بن یزید لان اعض علی جمرۃ احب الی ان اقرأ خلف الامام۔ امام کی پیچھے پڑھنے سے میرے لئے یہ زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں منہ میں انگارہ رکھ لوں۔

حضرت عمرو بن میمونؒ کا فتویٰ:

عن اشعث عن مالک بن عمارۃ قال سئلت لا ادری کم رجل من اصحاب عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کلھم یقولون لا یقرأ خلف الامام منھم عمرو بن میمون (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۷) حضرت مالک بن عمارہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بے شمار شاگردوں سے (امام کے پیچھے پڑھنے کے بارے میں) سوال کیا ان سب نے (بالاتفاق) کہا کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے وہ شاگرد جن سے میں نے اس بارہ میں سوال کیا ان میں سے حضرت عمرو بن میمونؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت ضحاکؒ کا فتویٰ:

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۷ میں ہے۔ کان الضحاک ینھی عن القرأۃ

خلف الامام حضرت نہی کرتا ہی امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

ہشام بن عروہ اپنے والد ماجد حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں: انہ کان یقرأ خلف الامام اذا لم یجہر فیہ الامام

(موطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ ص ۱۰۰)

کہ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے صرف سری نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔

مسئلہ قرأت خلف الامام تبع تابعین کے فتووں کی روشنی میں

حضرت سفیان بن عیینہؒ:

امام سفیان بن عیینہؒ جو تبع تابعین میں بڑا اونچا اور ممتاز مقام رکھتے تھے وہ امام کے پیچھے مطلقاً (سری و جہری دونوں میں) قرأت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعدا کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ حدیث شریف "لمن یصلی وحدہ" (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۹) اس شخص کے لئے ہے جو تنہا نماز پڑھتا ہو۔ یعنی یہ حدیث منفرد کے بارے میں ہے کہ منفرد کے لئے پڑھنا ضروری ہے۔ مقتدی کے حق میں نہیں اس لئے کہ مقتدی کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔

امام سفیان بن عیینہؒ کے اس ارشاد (هذا لمن یصلی وحدہ) سے یہ بات بالکل عیاں اور اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ان کے نزدیک مقتدی کے لئے امام کے پیچھے مطلقاً پڑھنا جائز نہیں۔

حضرت سفیان ثوریؒ:

حضرت سفیان ثوریؒ سری اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأت

کے قائل نہ تھے چنانچہ مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں۔

قال سفیان الثوری واصحاب الرأی لا یقرأ خلف الامام فیما جہر و اسر (تحفۃ الاحوذی ص ۲۵۷) سفیان ثوریؒ اور اصحاب رائے کا مذہب یہ ہے کہ امام کے پیچھے سری اور جہری نمازوں میں نہ پڑھا جائے۔

امام عبداللہ بن وہبؒ:

رئیس المحققین سید المحدثین سند المفسرین امام العصر حضرت العلام جناب مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام عبداللہ بن وہبؒ کا مسلک بھی امام ابن عیینہؒ کی طرح یہ ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے۔ (فصل الخطاب ص ۸۰)

امام اوزاعیؒ:

امام اوزاعیؒ بھی امام کے پیچھے جہری نمازوں میں قرأت کی فرضیت کے قائل نہ تھے صرف سری نمازوں میں قائل تھے وہ بھی استحبابی طور پر نہ کہ وجوبا۔ چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں والمستحب طائفۃ کالاوزاعی وغیرہ من الشامیین یقرأھا استحبابا (فتاوی ابن تیمیہ ص ۱۴۷) امام اوزاعیؒ اور ان کے علاوہ شام کے علماء کا مسلک یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا صرف مستحب ہے یعنی اگر نہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ:

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بھی امام کے پیچھے پڑھنے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ جہری نمازوں میں پڑھنے سے روکتے تھے اور سری میں پڑھنے کی صرف اجازت دیتے تھے اور اس کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری جزء القرأۃ میں لکھتے ہیں:

قال ابو وائل عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال انصت للامام و قال ابن المبارک ان ھذا فی الجہر و انما یقرأ خلف الامام فیما سکت الامام (جزء القرأۃ ص ۱۲)

ابو وائل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ امام کے پیچھے

خاموش رہا کرو۔ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنی چاہئے اور سری نمازوں میں پڑھ لینا چاہئے ۔وہ بھی وجوبی طور پر نہیں۔

مولانا عبدالرحمان صاحب مبارکپوری تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں:

فان عبد اللّٰه بن مبارك لم يكن من القائلين بوجوب القرأة خلف الامام (تحفۃ الاحوذی ج ا ص ۲۵۷) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو امام کے پیچھے پڑھنے کو ضروری قرار دیتے تھے۔

امام زہریؒ:

حضرت امام زہریؒ جیسے حدیث کے عظیم امام بھی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔چنانچہ مولوی عبدالرحمن صاحب مبارکپوری (مشہور غیر مقلد عالم) تحفۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں۔

قال الزهريّ و مالكؒ و ابن المباركؒ و احمدؒ و اسحقؒ يقرأ فيما اسر الامام فيه و لا يقرأ فيما جهر به (تحفۃ الاحوذی ج ا ص ۲۵۰، مغنی ابن قدامہ ص ۶۰۹)

امام زہریؒ، امام مالکؒ، امام ابن مبارکؒ اور امام احمدؒ اور امام اسحٰقؒ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں مقتدی کو نہیں پڑھنا چاہئے اور سری نماز میں پڑھ لینا چاہئے۔

امام اسحٰقؒ:

مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری نے مذکورہ بالا عبارت میں امام اسحاقؒ بن راہویہ کا بھی وہی مسلک بیان کیا ہے جو امام زہریؒ، امام مالکؒ، حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ کا تھا کہ جہری نمازوں میں نہیں پڑھنا چاہئے۔

علامہ ابو الفضل شہاب الدین السید محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ اپنی مشہور اور بے نظیر کتاب "تفسیر روح المعانی" میں لکھتے ہیں:

و ذهب قوم الى ان المأموم يقرأ اذا اسر الامام و لا يقرأ اذا جهر و هو

قول عروۃ بن زبیر و احمد و اسحق (روح المعانی ص ۱۵۱) علماء کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی سری نمازوں میں پڑھے اور جہری میں نہ پڑھے۔ یہی قول ہے حضرت عروہ بن زبیرؒ کا اور امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کا۔

امام لیث بن سعدؒ:

اہل مصر کے امام حضرت لیث بن سعدؒ بھی امام کے پیچھے پڑھنے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام ابن قدامہؒ قمطراز ہیں۔

و ھذا مالکؒ فی اھل الحجاز و ھذا الثوریؒ فی اھل العراق و ھذا الاوزاعیؒ فی اھل الشام و ھذا لیث فی اھل مصر ماقالوا الرجل صلی و قرأ امامہ و لم یقرأ ھو صلوتہ باطلۃ (مغنی ابن قدامہ ص ۶۰۲ ج ۱)

یہ اہل حجاز کے امام مالکؒ ہیں اور یہ امام ثوریؒ ہیں جو اہل عراق کے امام ہیں اور یہ امام اوزاعیؒ ہیں شام والوں کے امام اور یہ لیث بن سعد امام اہل مصر ہیں۔ ان ائمہ مذکورہ میں سے کسی نے بھی یہ فتویٰ نہیں دیا کہ جب امام قرأت کر رہا ہو اور مقتدی نہ پڑھے تو اس کی نماز باطل اور بیکار ہوتی ہے۔

حضرات ائمہ مجتہدینؒ اور قرأۃ خلف الامام

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک:

حضرت امام اعظمؒ امام کے پیچھے مطلقاً سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل نہ تھے نہ جہری میں اور نہ سری میں۔

تفسیر ستاری کے مؤلف کی غلط بیانی اور دروغ گوئی:

تفسیر ستاری کا مؤلف تفسیر ستاری کے ص ۳۵۶ پر لکھتا ہے۔

”آیئے ہم آپ کو بتلائیں کہ امام صاحب کے اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول

قدیم، دوسرا قول جدید، علامہ شعرانی نے میزان کبریٰ میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد امام محمد کا یہ قول کہ مقتدی کو الحمد نہیں پڑھنی چاہئے، ان کا قدیم (پرانا) قول ہے۔ امام صاحبؒ اور امام محمدؒ نے اپنے اس پرانے قول سے رجوع کر لیا ہے اور مقتدی کے لئے الحمد پڑھنے کو مستحسن اور مستحب قرار دیا ہے۔"

مؤلف مذکور کو امام محمدؒ کی تصانیف اور فقہاء احناف کی مشہور و معروف اور معتبر و متداول کتب سے تو یہ قول نہ مل سکا تو انہوں نے آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہوئے علامہ شعرانی شافعی کی کتاب میزان الکبریٰ کا سہارا ڈھونڈا۔ "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" جب علماء احناف کی کتب اطراف عالم اور اکناف دنیا میں شرقاً و غرباً پھیلی ہوئی ہیں، امام محمد کی کتب "موطا امام محمد" اور "کتاب الآثار" عام طور پر دستیاب ہیں تو ان سے اعراض اور صرف نظر کر کے ایک دوسرے مکتب فکر کے عالم کی کتاب کی طرف رجوع کرنا از حد تعجب اور از بس حیرت کا باعث ہے۔ جب امام محمدؒ کی اپنی کتب میں اس سلسلہ میں تصریحات و تفصیلات موجود ہیں ان کو نظر انداز کر کے ایک دوسرے مسلک کے عالم کی کتاب کی طرف رجوع کرنا مطلب پرستی نہیں تو اور کیا ہے۔

ثانیاً مؤلف تفسیر ستاری کا یہ دروغ بے فروغ ہے کہ میزان الکبریٰ میں امام صاحبؒ کے دو قول مذکور ہیں اس لئے احقر نے یہ حوالہ تلاش کرنے کے لئے میزان الکبریٰ کا از اول تا آخر خوب گہرا مطالعہ کیا، مگر تلاش بسیار کے باوجود یہ حوالہ اس کتاب میں نہ مل سکا اس سلسلہ میں مؤلف مذکور نے اپنے مطلب برآری کے لئے اپنی طرف سے ایک بات گھڑ کر علامہ شعرانی کے سر تھوپ دی۔

احقر اس مقام کی تحقیق اور ریسرچ میں مختلف کتب کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ محقق عصر حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ کی شہرہ آفاق کتاب اعلاء السنن کی درج ذیل عبارت نظر افروز ہو کر بے حد مسرت کا باعث ہوئی کہ مولانا موصوف کی تحقیق بھی اس بارے میں یہی ہے کہ میزان الکبریٰ وغیرہ میں یہ بات سرے سے موجود ہی نہیں۔

موا؛ رقمطراز ہیں و لم اظفر بهذا الكلام في كتب العلامة الشعراني من الميزان و كشف الغمة و رحمة الامة (اعلاء السنن ص ۹۳ ج ۴)

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے مسلک کی تحقیق امام محمدؒ کی اپنی تصانیف سے کرلیں۔

امام محمدؒ اپنی مشہور کتاب "کتاب الآثار" میں رقمطراز ہیں۔

قال محمد لا ينبغي ان يقرأ خلف الامام في شيء من الصلوات

(کتاب الآثار ص ۱۸۷) امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی خواہ وہ جہری ہو یا سری نہیں پڑھنا چاہئے۔

امام محمدؒ اپنی معروف کتاب، کتاب الآثار میں ایک دوسرے مقام میں تحریر فرماتے ہیں۔ محمد قال اخبرنا ابو حنيفة قال حدثنا حماد عن ابراهيم قال ما قرأ علقمة بن قيس فيما يجهر فيه ولا فيما لا يجهر فيه ولا في الركعتين الاخريين ام القرآن ولا غيرها خلف الامام قال محمد وبه نأخذ لا نرى القراءة خلف الامام في شيء من الصلوة يجهر فيه او لا يجهر (کتاب الآثار ص ۱۶۳)

امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہمیں امام ابوحنیفہؒ نے خبر دی وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حمادؒ نے بیان کیا وہ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علقمہ بن قیسؒ امام کے پیچھے نہ جہری نمازوں میں پڑھتے تھے اور نہ ہی سری میں اور نہ دوسری دو رکعتوں میں نہ سورۃ فاتحہ اور نہ اس کے علاوہ کوئی دوسری سورت ...... امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہمارا مسلک بھی یہی ہے کہ ہم امام کے پیچھے پڑھنا جائز نہیں سمجھتے نہ جہری میں اور نہ ہی سری میں۔

امام محمدؒ موطا امام محمدؒ میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال محمد لا قراءة خلف الامام فيما جهر فيه ولا فيما لم يجهر فيه بذلك جاءت عامة الآثار وهو قول ابي حنيفة (موطا امام محمدؒ ص ۹۳) امام محمدؒ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے نہ جہری نمازوں میں پڑھا جائے اور نہ ہی سری میں۔ عام آثارو

روایات اسی پر دلالت کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کا قول بھی یہی ہے۔

امام ابن ہمامؒ فتح القدیر ج۱ ص۲۴۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

و الحق ان قول محمد کقولهما فان عباراته فی کتبه مصرحة بالتجافی عن خلافه فانه قال فی کتاب الآثار فی باب القرأة خلف الامام بعد ما اسند الی علقمة بن قیس انه ما قرأ قط فیما یجهر فیه و لا فیما لا یجهر فیه قال و به ناخذ لا نری القرأة خلف الامام فی شیء من الصلوٰة یجهر فیه او لا یجهر فیه و فی موطئه بعد ان روی فی منع القرأة فی الصلوٰة ما روی قال قال محمد لا قرأة خلف الامام فیما جهر فیه و فیما لا یجهر بذلک جاءت عامة الاخبار و هو قول ابی حنیفة۔ (فتح القدیر ج۱ ص۲۴۱)

حق بات یہ ہے کہ امام محمدؒ کا قول بھی (امام کے پیچھے نہ پڑھنے کے بارے میں) امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ جیسا ہے۔ اس لئے کہ امام محمدؒ کی تصانیف کی عبارات اس اختلاف کی صراحتاً نفی کرتی ہیں کیونکہ امام محمدؒ نے اپنی کتاب "کتاب الآثار" میں باب القرأۃ خلف الامام میں علقمہ بن قیس تک سند پہنچانے کے بعد کہا کہ علقمہ بن قیس نہ جہری نمازوں میں پڑھتے تھے اور نہ ہی سری میں۔ امام محمدؒ نے اس کے بعد فرمایا کہ ہمارا مسلک بھی یہی ہے کہ ہم امام کے پیچھے جہری اور سری نمازوں میں مطلقاً قرأت کے جواز کے قائل نہیں۔ "موطا امام محمد" میں بھی امام محمدؒ نے امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت کی روایات بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ امام کے پیچھے جہری اور سری نمازوں میں نہ پڑھنا چاہئے۔ عام روایات ممانعت کے بارے میں آئی ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول بھی یہی ہے۔

امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کا مسلک جب امام محمدؒ کی اپنی تصانیف میں بڑی صراحت اور وضاحت سے مرقوم و مسطور ہے تو ان کو چھوڑ کر دوسرے کتب فکر کے عالم کی کتب سے استدلال کرنا دراں حالیکہ وہ حوالہ اس کتاب میں مذکورہ مسطور اور مرقوم و منقول بھی نہ ہو، انتہائی دیدہ دلیری، انتہائی ناانصافی اور انتہائی کذب بیانی ہے۔ خلی اللہ المشتکی

ثانیاً بالفرض اگر امام محمدؒ کا یہ قول کہ وہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنے کو مستحسن سمجھتے تھے صحیح بھی ہو تو پھر بھی اس سے فریق ثانی کا مدعی ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ غیر مقلدین کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جہری اور سری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور امام محمدؒ کی عبارت سے زیادہ سے زیادہ استحباب واستحسان ثابت ہوتا ہے اور وہ بھی سری نمازوں میں۔ تو اس سے غیر مقلدین کا دعویٰ جو کہ امام کے پیچھے سب نمازوں میں سورۃ فاتحہ کی فرضیت کا ہے کیسے ثابت ہوا۔ دعویٰ اور دلیل میں مطابقت شرط ہے جو یہاں معدوم و مفقود ہے۔

امام مالکؒ کا مسلک:

امام دارالہجرۃ حضرت امام مالکؒ بھی امام کے پیچھے جہری نمازوں میں مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے حق میں نہ تھے اور سری نمازوں میں گو پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن وجوب وفرضیت کے قائل نہیں۔ چنانچہ موطا امام مالکؒ میں مرقوم ہے:

قال یحیی سمعت مالکؒ الامر عندنا ان یقرأ الرجل وراء الامام فی ما لا یجھر فیہ الامام بالقرأۃ و یترک القرأۃ فیما یجھر فیہ الامام بالقرأۃ (موطا امام مالک ص۲۹) (امام مالکؒ کے مشہور شاگرد) امام یحیٰی فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ سے سنا کہ ہمارا مسلک یہ ہے کہ آدمی (مقتدی) امام کے پیچھے سری نمازوں میں پڑھے اور جہری نمازوں میں نہ پڑھے۔

مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں: و قال الزھری و مالک و ابن المبارک و احمد و اسحق یقرأ فیما اسر فیہ و لا یقرأ فیما جھر بہ (تحفۃ الاحوذی ج۱ ص۲۵۷) امام زہریؒ، امام مالکؒ، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ سری نمازوں میں مقتدی قراءت کرسکتا ہے اور جن نمازوں میں امام بلند آواز سے پڑھتا ہے ان میں مقتدی کے لئے پڑھنے کی گنجائش نہیں۔

امام موفق الدین بن قدامہ حنبلیؒ رقمطراز ہیں: و حجۃ ذلک ان القرأۃ غیر

واجبة علی المأموم فیما جہر بہ الامام و لا فیما اسر نص علیہ احمد فی روایۃ الجماعۃ و بذلک قال الزہری و الثوری و ابن عیینۃ و مالک و ابو حنیفۃ و اسحٰق (مغنی ابن قدامہ ص۲۰۹)

حاصل کلام یہ کہ مقتدی پر قرأت واجب نہیں نہ جہری نمازوں میں اور نہ ہی سری میں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے یہ صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے جیسا کہ علماء کرام کی ایک جماعت نے ان سے نقل کیا ہے۔ امام زہریؒ سفیان ثوریؒ سفیان بن عیینہؒ امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ اور امام اسحاقؒ کا مسلک یہی ہے۔

مذکورہ تصریحات سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور واضح ہوا کہ امام مالکؒ کے نزدیک سری اور جہری دونوں قسم کی نمازوں میں مقتدی پر قرأت واجب نہیں۔ جہری نمازوں میں تو ان کے نزدیک پڑھنا منع ہے۔ سری نمازوں میں پڑھنے کی صرف اجازت ہے۔

امام شافعیؒ کا مسلک:

امام شافعیؒ کے مسلک کو سمجھنے میں بڑے بڑے حضرات نے ٹھوکر کھائی ہے۔ کسی نے کچھ کہا ہے اور کسی نے کچھ۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ دوسرے علماء کے اقوال پیش کرنے کے بجائے خود امام شافعیؒ کی اپنی کتاب "کتاب الام" سے ان کا مسلک نقل کر دیں۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ "کتاب الام" امام شافعیؒ کی جدید تصنیف میں سے ہے۔ یہ کتاب ان کتب جدیدہ میں سے ہے جو انہوں نے مصر میں تصنیف کیں۔ لہٰذا اگر ان کی کسی قدیم کتاب میں اس کے خلاف نظر آئے تو یہ قول جدید ان کے قول قدیم کے لئے ناسخ تصور ہوگا۔

امام شافعیؒ اپنی کتاب "کتاب الام" میں رقمطراز ہیں:

ونحن نقول کل صلوۃ صلیت خلف الامام و الامام یقرء قرأۃ لا

یسمع فیما قرا فیہا ۔ (کتاب الام ص ۱۵۳ ج ۷)

ترجمہ: "اور ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اور امام اسکی قراءت کرتا ہو جو سنی نہ جاتی ہو (آہستہ پڑھتا ہو) تو مقتدی اسکی نماز میں قراءت کرے۔"

امام شافعیؒ کی اس عبارت سے یہ بات بالکل صاف اور بے غبار ہو جاتی ہے کہ مقتدی کو جہری نمازوں میں امام کی اقتداء میں سورۃ فاتحہ پڑھنا درست نہیں، فرض ہونا تو درکنار جہری نمازوں میں مقتدی کا پڑھنا درست اور صحیح بھی نہیں۔ مقتدی صرف ان نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھ سکتا ہے جن میں امام کی قراءت سنی نہ جاتی ہو یعنی سری نمازوں میں۔

اس سے امام شافعیؒ نے "قراءۃ لا یسمع" (ایسی قراءت جو سنی نہ جاسکتی ہو) کی قید لگا کر مقتدی کا کام اور وظیفہ مقرر فرمادیا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی مذکورہ صاف صریح، واضح اور واشگاف عبارت کے بعد بھی اگر کوئی شخص اس بات کا دعوے دار ہو کہ امام شافعیؒ تمام نمازوں میں مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ کے وجوب کے قائل ہیں وہ حقائق سے آنکھیں بند کرکے اپنے مزعومہ خیالات اور موہومہ تصورات کی خارزار وادی میں بھٹک رہا ہے اسے آنکھوں سے تعصب کی عینک اتار کر آخرت کی مسؤلیت کے احساس کے پیش نظر مذکورہ عبارت کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ ان شاء اللہ اس پر حقیقت عیاں ہو جائے گی۔

امام احمد بن حنبلؒ:

امام احمد بن حنبلؒ بھی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے جواز کے قائل نہ تھے۔ بلکہ امام احمد بن حنبل جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنے کو شاذ اور خلاف اجماع قرار دیتے تھے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ رقم طراز ہیں۔

بخلاف وجوبہا فی حال الجہر فانہ شاذ حتی نقل احمد الاجماع علی خلافہ (فتاوی ابن تیمیہ ص ۲۷ ج ۱) ترجمہ: "یعنی سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے وجوب

کے طور پر پڑھنا شاذ ہے حتیٰ کہ امام احمدؒ نے اس کے خلاف اجماع اور اتفاق نقل کیا ہے۔"

امام موفق الدین ابن قدامہؒ تحریر فرماتے ہیں:

وجملة ذلك ان القراءة غير واجبة على المأموم فيما جهر به الامام و لا فيما اسر نص عليه احمد في رواية (مغنی ابن قدامہ ص۶۰۸ ج۱) ترجمہ: "حاصل کلام یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا نہ جہری نمازوں میں واجب ہے اور نہ ہی سری میں، علماء کی ایک جماعت نے امام احمد سے امام صاحب کا یہی مسلک نقل کیا ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوری لکھتے ہیں۔

قال الزهريؒ و مالكؒ و ابن المبارك و احمدؒ و اسحاقؒ يقرأ فيما اسر فيه و لا يقرأ فيما جهر به (تحفۃ الاحوذی ص۲۵۷ ج۱) ترجمہ: "امام زہریؒ، امام مالک، حضرت ابن مبارکؒ، امام احمد اور امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ سری نمازوں میں مقتدی قرأت کر سکتا ہے اور جہری میں پڑھنے کی اجازت نہیں۔"

مبارک پوری صاحب ایک دوسرے مقام پر تحریر کرتے ہیں:

وكذلك الامام مالك و الامام احمد لم يكونوا قائلين بوجوب قراءة الفاتحة خلف الامام في جميع الصلوات (تحفۃ الاحوذی ص۲۵۶ ج۱) ترجمہ: "اسی طرح (عبداللہ بن مبارک کی طرح) امام مالک اور امام احمد بھی امام کے پیچھے تمام نمازوں میں سورۃ فاتحہ کے وجوب کے قائل نہ تھے۔"

ناظرین کرام! دیکھئے ائمہ مجتہدین کے مسالک تفصیلاً باحوالہ بیان کئے جا چکے ہیں۔ غور فرمایئے ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی امام کے پیچھے مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ کی قرأت کی فرضیت یا وجوب کا قائل نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنے کو شاذ اور خلاف اجماع قرار دیتے ہیں اور سری نمازوں میں وجوب کے قائل نہیں۔ امام مالک بھی تمام نمازوں میں مقتدی کے لئے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو واجب نہیں سمجھتے۔ سری نمازوں میں گو پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن وجوب کے قائل نہیں اور

جہری میں پڑھنے سے منع فرماتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی مقتدی کے لئے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنا ہرگز نہیں۔ سری میں بھی صرف پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں، واجب نہیں کہتے۔ تو غیر مقلدین جو مقتدی کے لئے تمام نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرأت کو فرض قرار دیتے ہیں ان کے مسلک کی تائید جیسے قرآن و حدیث سے نہیں ہوتی ایسے ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام بھی ان کی پشت پناہی نہیں کرتا۔ کوئی ان کے سر پر ہاتھ نہیں رکھتا۔

محبوب سبحانی پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا فتویٰ:

حضرت پیران پیر بھی مقتدی کے لئے قرأت کو درست نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ رقم طراز ہیں: ان کان مأموما ینصت علی قراءۃ الامام و یفهمها (غنیۃ الطالبین ص ۳ ج ۲) اگر نماز پڑھنے والا مقتدی ہو تو اس کو امام کی قرأت کے لئے خاموش رہنا چاہئے اور اس کو امام کی قرأت سننے کی کوشش کرنی چاہئے۔

حضرت شیخؒ کے ظاہری الفاظ تو اسی بات کے آئینہ دار اور غماز ہیں کہ مقتدی کا وظیفہ تمام نمازوں میں یہ ہے کہ وہ نہایت توجہ، التفات، دھیان اور پورے انہماک سے امام کی قرأت سنے اور خود خاموش و ساکت رہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ:

حضرت شیخ الاسلام اپنے مشہور عالم فتاویٰ میں مسئلہ قرأت خلف الامام کا تجزیہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

وایضاً فالمقصود بالجهر استماع المأمومین ولهذا یؤمنون علی قراءۃ الامام فی الجهر دون السر فاذا کانوا مشغولین عنه بالقراءۃ فقد امر ان یقرأ علی قوم لا یستمعون لقراءته وهو بمنزلة من یحدث من لا یستمع لحدیثه ویخطب من لا یستمع لخطبته وهذا سفه تنزه عنه الشریعة ولهذا روی فی الحدیث

مثل الذی یتکلم و الامام یخطب کمثل الحمار یحمل اسفارا فھکذا اذا کان یقرأ و الامام یقرأ علیہ۔

ترجمہ: "اور نیز امام کے بلند آواز پڑھنے سے مقصد یہ ہے کہ امام پڑھے اور مقتدی سنیں اس لئے امام جہری نمازوں میں جب و لا الضالین پڑھتا ہے تو مقتدی بھی آمین کہتے ہیں اور سری نمازوں میں چونکہ مقتدی نہیں سنتے اس لئے وہ آمین بھی نہیں کہتے۔ اگر امام بھی پڑھ رہا ہو اور مقتدی بھی پڑھ رہے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم ایسے لوگوں کو سناؤ جو سننا نہیں چاہتے اور یہ ایسے ہی ہے کہ ایسی قوم کو وعظ کہو اور خطبہ دو جو سننے کے لئے آمادہ اور تیار نہیں۔ ایسی بات کہنا ایسی کھلی حماقت اور سفاہت ہے جس کا شریعت مطہرہ قطعاً حکم نہیں دے سکتی کیونکہ شریعت مقدسہ احمقانہ باتوں اور سفاہت آمیز چیزوں کا حکم نہیں دیا کرتی وہ اس سے دور اور وراء الورا، ثم وراء الوراء ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اس شخص کی مثال جو امام کے خطبہ دیتے وقت باتیں کر رہا ہو کسی سے محو گفتگو ہو ایسی ہے جیسے گدھے پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا گیا ہو۔ ایسا ہی وہ شخص ہے جو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھتا ہو۔ یعنی جیسے گدھا کتابوں سے مستفید و مستفیض نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہی وہ شخص ہے جو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے امام کی قرأت سے نفع نہیں اٹھا سکتا۔

ناظرین با تمکین! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ امام ابن تیمیہؒ نے امام کے پیچھے جہری نمازوں میں پڑھنے والوں کے بارے میں کیا فرمایا ہے۔ ان کو کس چیز سے تشبیہ دی گئی ہے۔ تشبیہ کی نزاکت ملاحظہ فرمایئے اور پھر امام کے پیچھے جہری نمازوں میں قرأت کرنے والوں کے اصرار پر غور فرمایئے کہ امام ابن تیمیہؒ کے فتویٰ کی رو سے وہ کیسی احمقانہ حرکت کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

ناظرین کرام! قرآن کریم کی آیت کریمہ، چند احادیث، صحابہ کرام و تابعین عظام، تبع تابعین عظام کی آراء و فتاویٰ، ائمہ مجتہدین کے مسالک، پیران پیر حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبد القادر جیلانی اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی عبارات کے

اقتباسات سے آفتاب نصف النہار کی طرح یہ امر واضح، المنشرح اور آشکارا ہو گیا کہ مقتدی کے لئے کسی نماز میں بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض اور واجب نہیں بلکہ ممنوع و محظور ہے اور یہ بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ منکرین قرآت خلف الامام صرف احناف ہی نہیں بلکہ جمہور اہل اسلام ہیں اور جمہور فقہاء و محدثین ہیں اور جو روایات پیش کی گئی ہیں وہ صحیح، صریح اور مرفوع ہیں، ان کے ۹۵ فیصد راوی ثقہ، ثبت، حافظ اور حجت ہونے کے علاوہ بخاری اور مسلم کے مرکزی راوی ہیں۔

فریق ثانی اگر تعصب کی عینک اتار کر اس دل کو نفو کی کثافتوں سے جھٹک کر آئینہ قلب کو تحزب کی کدورتوں سے صاف کر کے مذکورہ دلائل و براہین کا بغور مطالعہ کرے گا تو امید ہے کہ وہ دنیا کے تمام حنفی حضرات کو کھلے اور انعامی چیلنج دینے سے باز آ جائے گا اور ان کی نمازوں کو باطل، بے کار اور کالعدم قرار دینے کی بیباکانہ جسارتوں سے رک جائے گا۔ فریق مخالف کے معتدل مزاج، انصاف پسند اور سلیم الطبع اشخاص سے امید ہے کہ وہ مذکورہ براہین کو بنظر عمیق پڑھ کر اپنی پارٹی کے بے لگام اور متعصب مزاج اشخاص کو بدزبانی اور چیلنج بازی سے روک کر اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا کرنے میں ممد و معاون ہوں گے۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس رسالہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور اہل زیغ کے لئے اس کو باعث ہدایت بنا دے اور انہیں افراط و تفریط کے قعر ضلالت سے نکال کر صراط مستقیم پر گامزن فرما دے۔ آمین

احقر بشیر احمد قادری، مدرس مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی

تحقیق مسئلہ آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی سید المرسلین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین اما بعد

یہ عاجز تمام اہل اسلام کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ پاک و ہند میں تقریباً تیرہ سو سال سے اسلام پھیلا، یہاں اہل سنت والجماعت حنفی مقلدین اسلام، قرآن، احادیث اور فقہ لے کر آئے، یہاں کے لاکھوں غیر مسلموں کو مسلمان کیا۔ بے شمار مدارس بنائے جن میں کتاب و سنت اور فقہ حنفی پڑھائی جاتی، ہزاروں مساجد تعمیر کیں جن میں مسلک حنفی کے موافق نمازیں ادا کی جاتیں۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان سرگروہ غیر مقلدین لکھتے ہیں۔

”خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں اور اسی مذہب کے عالم، فاضل، مفتی، قاضی اور حاکم ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک جم غفیر نے مل کر فتاویٰ ہندیہ یعنی فتاویٰ عالمگیری جمع کیا اور اس میں شیخ عبدالرحیم دہلویؒ والد بزرگوار شاہ ولی اللہؒ بھی شریک تھے“۔

(ترجمان وہابیہ از نواب صدیق حسن خان ص ۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ انگریز کے دور سے قبل تمام عالم، مفتی، قاضی، حاکم، بادشاہ حنفی المذہب تھے، ایک عالم یا ایک حاکم یا ایک بادشاہ بھی غیر مقلد نہ تھا۔ انگریز کی پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کے تحت جب مسلمانوں میں خانہ جنگی کی بنیاد ڈالی گئی تو وہ مساجد جو بارہ سو سال سے عبادت گاہ تھیں، ذکر و تلاوت سے آباد تھیں اب میدان جنگ بن گئیں۔ مساجد میں اونچی آمین، بالجہر اور رفع یدین پر قتل و غارت ہوتا، رات کو مقلدین کی مساجد میں یہ لوگ غلاظت، نجاست، گندا بدبودار گوشت پھینک جاتے۔ کئی مسجدوں میں تالے لگے۔ کتنے مقدمے کھڑے ہوئے اور ہزاروں لاکھوں روپے برباد ہوئے۔ بارہ سو سال سے اسلامی اخلاق و تعلیمات کے سامنے غیر مسلم آنکھیں اونچی نہیں کر سکتے تھے۔ اب کافر ہنستے اور تالیاں بجاتے تھے اور مسلمان شرم سے سر اوپر نہ اٹھاتے تھے۔

یہ مسئلہ آمین بالجہر بھی ان مسائل میں سے ہے جس کو ہزاروں مسلمانوں کے خون سے سینچا گیا۔ لاکھوں روپے مقدمات کے ذریعہ اس کی بھینٹ چڑھ جائے اور سینکڑوں کتابوں کی سیاہی سے اس کی سیرابی کا سامان مہیا کیا گیا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ کس کی طرف سے ہوا جب کہ اس سے قبل بارہ سو سال تک پاک و ہند کی ایک مسجد کا نام نہیں لیا جا سکتا۔ جو کسی غیر مقلد نے بنائی ہو اور وہاں آمین بآواز بلند کہی جاتی ہو اور آج بیسیوں رسائل اور سینکڑوں مضامین اس کی حمایت میں لکھے جا رہے ہیں۔ انگریز کے منحوس عہد سے پہلے کا ایک رسالہ بھی پورے پاک و ہند کی تاریخ میں نہیں ملتا جو اس مسئلے پر ہو، تو ظاہر ہے کہ اس خانہ جنگی کی ساری ذمہ داری غیر مقلدوں پر عائد ہوتی ہے، جو شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کی مقصد برآری کا ذریعہ بنے۔

غیر مقلدوں کی سب سے بڑی کمزوری:

اگرچہ کئی فرق باطلہ سے بحث و گفتگو کا موقعہ ملا۔ بحث و گفتگو میں بنیادی مقدمہ اس دعویٰ کا ہوتا ہے جس کا اثبات یا ابطال مقصود ہو۔ جب تک اس دعویٰ کی وضاحت نہ کی

جائے دلائل وشواہد کی چھان پھٹک بے فائدہ ہوتی ہے۔ غیر مقلدوں کا یہ حال ہے کہ دعوے پر دعویٰ کرتے چلے جائیں گے لیکن اصل مسئلہ پوری وضاحت سے کبھی بیان نہ کریں گے۔

مسئلہ آمین جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں یہ وہ مسئلہ ہے جس پر تقریباً ایک صدی سے ہنگامہ کارزار برپا ہے۔ قتل و غارت، مقدمات، مساجد کے تقدس کی پامالی، اور بارہ صدیوں کے مسلمانوں کو یہودی، منکرین سنت کہہ کر نفاق و شقاق کی خلیجوں کو وسیع سے وسیع تر کیا جارہا ہے۔

اس پر انگریزی دور میں پچاسوں رسائل لکھے گئے لیکن کسی ایک رسالہ میں بھی مسئلہ کی پوری وضاحت نہیں۔ آخر یہ تقیہ بازی کیوں؟

اس لئے ضروری ہے کہ بحث ونظر سے قبل نقطہ اختلاف کا تعین کرلیا جائے۔

مسلک اہل سنت والجماعت:

اذکار وادعیہ میں افضل اخفاء ہے۔ اس لئے نماز میں تمام اذکار اور دعائیں، آہستہ پڑھی جائیں گی۔ ہاں کسی خاص عارض کی وجہ سے کہیں جہر ہو تو وہ خلاف اصل ہونے کی وجہ سے اپنے مورد پر بند رہے گا۔ چونکہ آمین بھی نماز میں دیگر ادعیہ کی طرح اذکار میں ہے اس لئے تمام نمازوں میں آہستہ کہی جائے گی۔

غیر مقلدین کا مسلک:

ا۔ غیر مقلدین جب نماز اکیلے پڑھتے ہیں تو ہر نماز میں خواہ فرض ہو خواہ سنت یا نفل، آمین آہستہ کہتے ہیں۔

۲۔ اگر فرض باجماعت ادا کریں تو امام اور مقتدی صرف چھ رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہتے ہیں۔ باقی گیارہ رکعات میں آہستہ آواز سے کہتے ہیں۔

۳۔ باقی تمام دعائیں اور اذکار ہر حال میں آہستہ پڑھتے ہیں۔ جیسے ثناء، تسبیحات رکوع، سجود، تشہد، درود، آخری دعائیں وغیرہ۔

الغرض ان کے دعوے کے تین حصے ہیں آج تک پہلے اور تیسرے حصے کو یہ زیر بحث نہیں لائے۔ ان کے آمین کے رسائل اس سے بالکل خالی ہیں۔ صرف دوسرے حصے پر یہ قلم اٹھاتے ہیں۔ لیکن اس میں بھی چار رکعات کی کوئی تخصیص نہیں دکھاتے کہ ہمارے یہ دلائل صرف چار رکعات سے متعلق ہیں۔ باقی گیارہ رکعات اس حکم میں داخل نہیں۔

باب اول

پہلے ہم مسلک اہل سنت والجماعت احناف کے مسلک کو مدلل کرتے ہیں۔

فصل اول: آمین کا تلفظ اور معنی

آمین ایک دعائیہ کلمہ ہے جس کے معنی ہیں اے اللہ قبول فرما چنانچہ اس کی تفصیل آرہی ہے۔ (ان شاء اللہ العزیز)

اس کا تلفظ الف کی مد کے ساتھ آمین، جیسا کہ حدیث میں ہے مد بها صوته

فصل دوم:

جہر کے معنی بلند آواز کے ہیں اور اخفاء کے معنی چھپانے کے ہیں۔

۱۔ اخفاء کا ادنیٰ درجہ ہے کہ دل میں تکلم ہو لیکن زبان اور ہونٹ شریک نہ ہوں۔

۲۔ اخفاء کا اوسط درجہ یہ ہے کہ دل کے ساتھ زبان بھی شریک ہو اور اپنے کان تک آواز جائے۔

۳۔ اخفاء کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ہمسایہ کی آواز قریب والا بھی سن لے۔

۴۔ جہر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ قریب والے دو چار سن سکیں یا ایک دو صفوں تک آواز جائے۔

۵۔ جہر کا اوسط درجہ وہ ہے جو روزانہ جہری قرأت میں ہوتا ہے۔ لا تجهر بصلوتك و لا تخافت بها و ابتغ بين ذلك سبيلا "یعنی اتنی آواز بلند بھی نہ ہو کہ دور دور جائے اور اتنی پست بھی نہ ہو کہ اپنے مقتدی بھی نہ سن سکیں تو درجہ اوسط یہ ہوا کہ چار پانچ

صفوں تک آواز پہنچ جائے۔

۲۔ جہر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ خوب کڑک کر الفاظ ادا کئے جائیں۔

فصل سوم: آمین دعا ہے

۱۔ لغت کی رو سے آمین ایک دعائیہ کلمہ ہے اور معانی لغویہ کے لئے اہل لغت کا بیان ہی دلیل ہوتا ہے اگرچہ اور کوئی دلیل نہ ہو۔

۲۔ قرآن پاک سے: قرآن پاک میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ قد اجیبت دعوتکما میں نے تم دونوں کی دعا قبول کر لی۔ حالانکہ تفسیر الدر المنثور میں حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عکرمہؒ، حضرت ابو صالحؒ، حضرت ابو العالیہؒ، حضرت ربیعؒ، حضرت زید بن اسلمؒ نے بیان کیا کہ دعا صرف حضرت موسیٰ نے فرمائی تھی۔ حضرت ہارونؑ نے موسیٰ کی دعا پر صرف آمین کہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو دعا گو فرمایا [ج ۳ ص ۳۱۵] اس سے صاف ظاہر ہے کہ آمین بھی دعا ہے۔

۳۔ صحیح بخاری شریف ج ۱ ص ۱۰۷ پر ہے: قال عطاء آمین دعاء اور ابن خزیمہ نے روایت کی ہے۔ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ اعطانی التامین ولم یعطہ احد من النبیین قبلی الا ان یکون اللہ قد اعطاہ ھارون یدعو موسیٰ و ھارون یؤمن حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اقدس ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے آمین عطا فرمائی ہے اور مجھ سے پہلے حضرت ہارونؑ کے سوا کسی نبی کو نہیں ملی حضرت موسیٰ دعا فرماتے تھے اور حضرت ہارونؑ آمین کہتے تھے۔

۴۔ جلالین، معالم التنزیل، مدارک التنزیل، مظہری وغیرہ تفاسیر میں بھی آمین کو دعا کہا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ دعا فرماتے تھے۔ اور حضرت ہارونؑ آمین کہتے تھے۔

پس دوپہر کے سورج کی طرح ظاہر ہو گیا کہ آمین دعا اور ذکر الٰہی ہے۔

فائدہ: قرآن پاک کی اس آیت کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ جب دعا مانگ رہے تھے تو حضرت ہارونؑ بالکل خاموش مگر متوجہ رہے۔ جب موسیٰ نے دعا ختم فرمائی تو آپ نے آمین فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دعا کرنے والا فرمایا۔ اسی طرح جب اہل سنت والجماعت امام سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے کہ مقتدی حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح خاموش اور متوجہ رہتے ہیں جب امام سورۃ فاتحہ ختم کرتا ہے تو مقتدی بھی آمین کہہ دیتے ہیں۔ تو وہ فاتحہ دونوں کی طرف سے شمار ہوتی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ ان قراۃ الامام له قراۃ کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے بھی ہوتی ہے (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۲، وج ۲ ص ۴۲۹)۔ تو اب غیر مقلدوں کا یہ شور کہ حنفی مقتدی کی نماز بلا فاتحہ ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ اور رسول مصطفیٰ ﷺ کے ارشاد سے بخلاف ہے۔

فصل چہارم:

اس بات کا ثبوت کہ دعا اور ذکر میں اصل آہستہ کہنا ہے۔ استدلال میں سب سے اول نمبر قرآن پاک کا ہے۔ دوسرے نمبر پر وہ احادیث جو قرآن پاک کے موافق ہوں پھر خلفائے راشدین کا تعامل۔

دلیل اول:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ادعوا ربکم تضرعا وخفیة انه لا یحب المعتدین دعا کرو اپنے پروردگار سے عاجزی اور خفیہ (آہستہ) بیشک اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ الاعتداء الجهر حد سے گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ بلند آواز سے دعا کرے یعنی آہستہ آواز سے دعا کرنے والا خدا کا محبوب ہے اور بلند آواز سے دعا کرنے والے کو خدا محبوب نہیں رکھتا۔

دلیل دوم:

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک بدوی آیا اور عرض کی کہ حضرت ہمارا خدا ہم سے دور ہے کہ میں بلند آواز سے خدا کو پکاروں یا نزدیک ہے کہ آہستہ دعا کروں۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی واذا سالک عبادی عنی فانی قریب جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو کہہ دو کہ بے شک میں قریب ہوں (تفاسیر مدارک وغیرہ) اس سے یہ معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ قریب ہے اس سے آہستہ دعا کرنی چاہئے۔

تیسری دلیل:

اللہ تعالیٰ سورۂ مریم کے شروع میں حضرت زکریا پر اپنی رحمت نازل فرمانے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان پر خصوصی رحمت اس لئے نازل ہوئی کہ انہوں نے اپنے رب سے آہستہ دعا کی۔ ذکر رحمۃ ربک عبدہ زکریا اذ نادی ربہ نداء خفیا

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ آہستہ دعا کرنے والے پر خدا تعالیٰ کی خصوصی رحمت نازل ہوتی ہے۔

چوتھی دلیل:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں واذکر ربک فی نفسک اپنے رب کو اپنے دل ہی دل میں یاد کرو۔ (اعراف ۲۰۳)

پانچویں دلیل:

حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ غزوہ خیبر کے لئے نکلے تو لوگ ایک میدان میں پہنچے، وہاں انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنی جانوں پر نرمی کرو بے شک تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے تم تو اس ذات کو پکارتے ہو جو سننے والی اور قریب ہے اور

وہ تمہارے ساتھ ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۰۵، مسلم ج ۲ ص ۳۴۶)

چھٹی دلیل:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خير الذكر الخفي و خير الرزق ما يكفي یعنی بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو ضروریات میں کفایت کرے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲، موارد الظمآن، تخیص صحیح ابن حبان بسند صحیح) (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۸، السراج المنیر ج ۲ ص ۲۶۲)

ساتویں دلیل:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ اس نماز کو جس کے لئے مسواک کی جائے ایسی نماز پر جس کے لئے مسواک نہ کی جائے ستر گنا فضیلت دیتے تھے۔ اور آپ نے فرمایا کہ بے شک اس ذکر کی فضیلت جو سننے میں نہیں آتا ستر گنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ تعالیٰ مخلوق کو ان کے حساب کے لئے جمع کرے گا اور اعمال کے لکھنے اور جمع کرنے والے فرشتے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے کہے گا آیا اس شخص کا کوئی نیک عمل باقی رہ گیا؟ تو فرشتے کہیں گے کہ اے اللہ! ہم نے کوئی چیز نہیں چھوڑی ان چیزوں میں سے جن کو ہم نے جانا اور جن کو ہم نے محفوظ رکھا مگر سب کا احاطہ اور شمار کر لیا اور لکھ لیا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس بندے سے فرمائیں گے کہ تیرے لئے میرے پاس ایک چھپی ہوئی چیز ہے جو اس کو نہیں جانتا اور میں اس کا بدلہ تجھے دوں گا اور وہ ذکر خفی ہے۔ (رواه أبو يعلى وفيه معاوية بن يحيى الصدفي وهو ضعيف) (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۸۱)

آٹھویں دلیل:

قال الحسن بن علي بين دعوة السر و العلانية سبعون ضعفا و لقد كان المسلمون يجتهدون في الدعاء و ما يسمع لهم صوت إن كان إلا همسا بينهم و

میں ربھم (معالم التنزیل)

ترجمہ: حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دعا پوشیدہ اور دعا ظاہر کے درمیان ستر درجہ کا فرق ہے اور تحقیق مسلمان دعا میں کوشش کرتے تھے یعنی پوشیدہ رکھنے کی کہ ان کی آواز سنی تک نہ جاتی تھی بس ان کی دعا اپنے اور خدا تعالیٰ کے درمیان پوشیدہ رہتی تھی۔

معلوم ہوا کہ سب صحابہ اور تابعین دعا میں نہایت اخفاء کرتے تھے۔ اب کتاب و سنت سے ثابت ہوگیا کہ خدا تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ آہستہ دعا کرو، وہ جہر کرنے والوں کو اپنا محبوب نہیں بناتا۔ خدا کی رحمت آہستہ دعا والے پر نازل ہوتی ہے جہر کرنے والے پر یہ شبہ ہے کہ شاید وہ خدا کو دور، بہرہ اور غائب جانتا ہے۔ اور آہستہ دعا کرنے والے کا ثواب ستر گنا زائد ہے۔ اب ایک شخص ایک روپیہ لگائے اور خدا کی محبوبیت اور رحمت سے دور بھی رہے۔ اور خدا کو دور اور بہرہ سمجھنے کا شبہ بھی ہو اور دوسرا ستر گنا کمائے اور خدا کی محبوبیت اور رحمت کا بھی مستحق ہو جائے۔ تو آپ کس کو پسند کریں گے۔

خلاصہ دلیل:

آمین دعا ہے (یہ قرآن، حدیث اور لغت سے ثابت ہے) اور دعا میں اصل اخفاء ہے۔

نتیجہ: آمین میں اصل اخفاء ہے وهو المطلوب

اب اس دلیل کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یا تو غیر مقلدین دلیل کے پہلے مقدمہ کو توڑیں قرآن حدیث اور لغت سے ثابت کر دیں کہ آمین دعا نہیں ہے یا دلیل کے دوسرے مقدمے کو توڑیں کہ دعا میں اصل اخفاء نہیں بلکہ قرآن، حدیث اور اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت کر دیں کہ دعا میں اصل اخفاء نہیں بلکہ جہر ہے۔ ورنہ دلیل کے دونوں مقدموں کو تسلیم کر لینے کے بعد ان کے نتیجے کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے دو اور دو چار تو ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دلیل کے مقدمات کو ماننا اور اس کے نتیجے کا انکار ایسی ہی جہالت ہے جیسے کوئی بچہ قاعدہ پڑھتے وقت ہجے تو درست پڑھے لیکن تلفظ غلط کرے۔ جیسے چاقو کے ہجے درست کرے چ ا ق و اور تلفظ کرے بندوق ... یا ہجے کرے تمر کے اور تلفظ کرے قادیان کا۔

یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے شوافع بھی اس دلیل کے سامنے جھک گئے ہیں۔ شوافع کے مشہور منطقی اور مناظر امام فخر الدین رازیؒ نے ہتھیار ڈال دیئے اور کہا کہ امام اعظمؒ کی دلیل زبردست ہے۔

فائدہ اول:

قرآن پاک کے ان ہی ارشادات اور روایات سے نماز کے باقی اذکار کا آہستہ پڑھنا ثابت ہوگیا۔ اسی لئے سب اہل سنت والجماعت ثناء، تعوذ، تسمیہ، تکبیرات انتقالات، تسبیحات رکوع وسجود، تشہد، درود شریف، دعائیں سب آہستہ پڑھتے ہیں۔

فائدہ دوم:

اصل قاعدہ یہی ہے کہ دعا اور ذکر آہستہ پڑھے جائیں کیونکہ خدا تعالیٰ تو دل کے بھیدوں سے بھی واقف ہیں۔ ہاں بعض اذکار میں خدا کی یاد کے ساتھ انسانوں کو اطلاع دینا بھی مقصود ہوتا ہے۔ اور انسان دل کی آواز کو سن نہیں سکتا اس لئے انسانوں کو سنانے کے لئے وہاں آواز بلند کی جاتی ہے جیسے

۱۔ اذان میں انسانوں کو بلانا۔ ۲۔ اقامت میں مقتدیوں کو بتانا مقصود ہوتا ہے۔ امام تکبیرات انتقالات اور سلام اونچی آواز سے کہتا ہیں۔ کیونکہ مقتدیوں کو اطلاع دینا مقصود ہے لیکن مقتدی اور اکیلے نمازی کو یہ ضرورت نہیں اس لئے وہ آہستہ کہتا ہے۔

باب دوم

مسلمان کے لئے سب سے مقدم قرآن پاک ہے۔ جب اس سے اس کا آہستہ کہنا ثابت ہوگیا تو اب احادیث کے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن مزید اطمینان اور قرآن پاک کے اس اصل کی مزید تائید کے لئے چند احادیث مبارکہ بھی ذکر کی جاتی ہیں۔

حدیث اول:

عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم و لا الضالین فقولوا آمین فانہ من وافق قولہ قول الملائکة غفرلہ ما تقدم من ذنبہ (صحیح بخاری ج۱ ص۱۰۸، نسائی ج۱ ص۹۴، ابوداؤد ج۱ ص۹۴)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول پاک ﷺ نے فرمایا جب امام غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کہے تو تم آمین کہو (اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں) پس جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافق ہوگی اس کے سابقہ سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

حدیث دوم:

عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ ﷺ قال اذا قال القاری غیر المغضوب علیھم و لا الضالین فقال من خلفہ آمین فوافق قولہ قول اھل السماء غفرلہ ما تقدم من ذنبہ (صحیح مسلم ج۱ ص۱۷۶)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب قاری (امام) غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کہے تو مقتدی آمین کہے۔ پس جب اس کا قول (آمین) آسمان والوں (فرشتوں) کے ساتھ موافق ہوا تو اس کے پہلے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

حدیث سوم:

عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم و لا الضالین فقال آمین فوافق آمین اھل الارض آمین اھل السماء غفر للعبد ما تقدم من ذنبہ مثل من لا یقول آمین کمثل رجل غزا مع قوم فاقترعوا فخرجت سھامھم و لم یخرج سھمہ فقال لم لم یخرج

سهمه فقيل له لم تقل آمين

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو آمین کہے پس اہل زمین سے جس کی آمین آسمان والوں کے ساتھ موافق ہوگئی اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور جو (اس موافقت کے ساتھ) آمین نہیں کہتا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو قوم کے ساتھ میدان جہاد میں ہو ہے باقی ساری قوم تو معروف جہاد ہو جائے، تیر چلائے لیکن اس شخص کا تیر ہی نہ چلتا ہو (اور وہ اپنی محرومی اور نامرادی پر حسرت سے) کہہ رہا ہو میرا تیر کیوں نہیں چلا تو اسے کہا جائے کہ تو نے آمین نہیں کہی تھی۔

ان روایات میں یہ حکم ہے کہ آمین اس وقت ہو جب امام ولا الضالین کہے اور آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہو جائے تو تمام گناہوں کی معافی کی خوشخبری ہے ورنہ محرومی اور نامرادی جیسا کہ تیر نہ نکلنے والی مثال میں ہے۔

فرشتوں کی آمین:

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کی آمین میں تین چیزیں ہیں۔

۱۔ وہ بغیر فاتحہ پڑھے صرف ختم فاتحہ پر آمین کہتے ہیں

۲۔ ان کی آمین کا وقت خاص وہی ہے جب امام ولا الضالین کہے وہ آمین کو اس وقت سے آگے پیچھے نہیں کرتے۔

۳۔ ان کی آمین کی آواز ہم نے کبھی نہیں سنی اور ظاہر ہے کہ وہ آہستہ آواز سے آمین کہتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کو بشارت:

ہم اہل سنت والجماعت خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس بشارت کے پورے پورے مصداق ہیں کہ وقت اور وصف میں ہر طرح ہماری آمین فرشتوں سے موافق ہے۔

ہماری آمین فرشتوں کی طرح ہے کہ جس طرح فرشتے امام کی فاتحہ کے ساتھ خود فاتحہ نہیں پڑھتے بلکہ خاموش اور غور سے سن کر جب امام کی فاتحہ ختم ہوتی ہے آمین کہتے ہیں۔ اسی طرح ہم اہل سنت احناف بھی۔

غیر مقلدوں کی نامرادی:

غیر مقلدین جس طرح سابقہ آیت قرآنیہ کے باغی ہیں اسی طرح انہوں نے آمین کہنے میں بھی فرشتوں کی مخالفت کی ہے۔

۱۔ یہ فرشتوں کے طریقہ کے خلاف بلند آواز سے آمین کہتے ہیں۔

۲۔ ان کی آمین کا وقت بھی فرشتوں کے ساتھ متحد نہیں ہوسکتا کیونکہ جماعت میں اکثر نمازی بعد میں آ کر شریک ہوتے ہیں ظاہر ہے اگر وہ خود فاتحہ نہ پڑھتے اور انتظار میں حنفیوں کی طرح خاموش کھڑے رہتے کہ کب امام ولا الضالین کہے اور جب ہم آمین کہیں تو پھر فرشتوں کے ساتھ موافقت وقت میں ممکن تھی لیکن یہ غیر مقلدین جب فاتحہ شروع کر لیتے ہیں اور بعد میں آنے کی وجہ سے ان کی فاتحہ ختم نہیں ہوئی اب اگر تو یہ اپنی فاتحہ کے درمیان آمین کہیں تو تحریف قرآن لازم آتی ہے کہ قرآن پاک کی سورۃ کے اندر وہ کلمہ کہا جو ختم سورت پر کہا جاتا تو وہ لوگ یحرفون الکلم عن مواضعہ کے مصداق ہو گئے۔ اگر وہ مقتدی اپنی فاتحہ ختم کرنے کے بعد آمین کہتے ہیں تو ایک تو فرشتوں کی مخالفت سے نامرادی اور بدقسمتی میں پڑے، دوسری طرف آمین کو بلند آواز سے کہنا بھی جاتا رہا۔ کیونکہ ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ان کے مقتدی باری باری جب جس کی فاتحہ ختم ہو آمین آمین پکارتا ہو۔ الغرض وصف اخفاء میں تو غیر مقلدوں کا امام اور تمام مقتدی فرشتوں کے مخالف ہیں اور وقت کے بارے میں اکثر مقتدی فرشتوں کے مخالف ہیں۔ گویا پوری نامرادی غیر مقلدوں کے حصہ میں آئی ہے۔

حدیث چہارم:

عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ فی حدیث طویل قال: قال رسول اللہ ﷺ اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤمکم احدکم فاذا کبر فکبروا و اذا قال غیر المغضوب علیھم و لا الضالین فقولوا آمین یجبکم اللہ فاذا کبر و رکع فکبروا و ارکعوا فان الامام یرکع قبلکم و یرفع قبلکم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فتلک بتلک قال: و اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا لک الحمد یسمع اللہ لکم (مسلم ج ۱ص ۱۷۴)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں نماز باجماعت کا طریقہ سکھایا اور فرمایا صفیں سیدھی کرلو پھر تم میں سے ایک امام بن جائے، پھر جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو پھر جب امام غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کہے تم آمین کہو، خدا تم سے محبت کرے گا۔ پھر جب امام اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرے تم بھی اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرو امام رکوع میں بھی پہلے جاتا ہے اور اٹھتا بھی مقتدی سے پہلے ہے اور جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تم ربنا لک الحمد کہو۔

استدلال:

اس حدیث میں تکبیر، رکوع وغیرہ میں تو امام اور مقتدی کو حکم دیا گیا ہے کہ دونوں ادا کریں اور فاتحہ اور آمین، تسمیع اور تحمید میں تقسیم کردی ہے۔ روایت کے آخری حصہ کا مطلب غیر مقلدین بھی یہی لیتے ہیں کہ ربنا لک الحمد آہستہ کہنی چاہئے اسی طرح آمین بھی آہستہ ہونی چاہئے۔

بعض غیر مقلدین کہہ کرتے ہیں کہ فقولوا آمین کا معنی ہے آمین بلند آواز سے کہو۔ حالانکہ یہ بلند آواز کا لفظ انہوں نے خود حدیث پاک میں ملالیا ہے۔ گویا یہ آنحضرت ﷺ کو مشورہ دے رہے ہیں کہ حضرت آپ کا یہ فرمان کافی نہیں ساتھ بلند آواز کا لفظ بھی

ہونا چاہیے تھا۔

ہم غیر مقلدین سے پوچھتے ہیں کہ کیا احادیث کے ان جملوں کا مطلب بھی یہی ہے فقولوا ربنا لک الحمد، ربنا لک الحمد بلند آواز سے کہو؟۔ قولوا التحیات للہ، التحیات بلند آواز سے کہو؟ فقولوا اللھم صل علی محمد، اللھم صل علی محمد بلند آواز سے کہو۔ یہاں غیر مقلد بھی بلند آواز کا لفظ شامل نہیں کرتے تو فقولوا آمین میں کیوں شامل کرتے ہو۔ افسوس کہ غیر مقلدین ایک ضدی فرقہ ہے جو ضد میں آکر قرآن کا بھی انکار کر جاتا ہے اور احادیث کے ترجمے بھی غلط کرتا ہے۔

حدیث پنجم:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا آمین فان الملائکۃ تقول آمین وان الامام یقول آمین فمن وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ (رواہ احمد والنسائی والدارمی باسناد صحیح) آثار السنن ج اص ۹۱ ورواہ ابن حبان فی صحیحہ (ج اص ۱۹۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے تم بھی آمین کہو بے شک فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہتا ہے۔ پس جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافق ہوگی اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

استدلال:

اس حدیث سے اہل سنت نے کئی طرح استدلال کیا ہے۔

۱۔ آنحضرت ﷺ نے مقتدی کو حکم دیا کہ وہ امام کی ولا الضالین سن کر آمین کہے۔ مقتدی کی آمین کو ولا الضالین کے ساتھ متعلق فرمانا صاف دلیل ہے کہ امام بلند آواز سے آمین نہیں کہتا۔

۲۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے آمین کہتے ہیں۔ یہ اس لئے بتانے کی ضرورت پیش آئی کہ فرشتوں کی آمین مقتدی سن نہیں سکتے۔ اسی طرح حضور ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ ان الامام یقول آمین یعنی امام بھی آمین کہتا ہے۔ یہ جملہ اس لئے ارشاد فرمایا کہ فرشتوں کی آمین کی طرح امام کی آمین بھی مقتدیوں کو نہیں سنائی دیتی۔ اگر مقتدی خود سن سکتے تو پھر آنحضرت ﷺ کا اطلاع دینا ایک لغو کام ہوگا۔ معاذ اللہ۔

ایک شبہ کا ازالہ:

ایک غیر مقلد کہنے لگا حضور ﷺ نے فرمایا اذا امن الامام فامنوا اس سے معلوم ہوا کہ امام بلند آواز سے آمین کہتا ہے۔ اس کی آمین سن کر تم بھی آمین کہو یہ بالکل ایسا ہے جیسے اس حدیث میں ہے اذا کبر فکبروا جب امام اللہ اکبر کہے تم بھی اللہ اکبر کہو تو ظاہر ہے کہ امام بلند آواز سے ہی اللہ اکبر کہتا ہے۔

میں نے کہا اس سے مقتدیوں کا بلند آواز سے آمین کہنا تو بالکل نہیں نکلا کیونکہ جیسے امام اللہ اکبر بلند آواز سے کہتا ہے تو مقتدی سن کر امام کے بعد اللہ اکبر کہتے ہیں مگر مقتدی آہستہ آواز سے اللہ اکبر کہتے ہیں۔ اس لیے "فامنوا" تو "فکبروا" کی طرح ہوا کہ جیسی مقتدیوں کی تکبیر آہستہ ہے ایسے ہی آمین آہستہ۔ رہا امام کا آمین کہنا تو اس کو امام کی تکبیر پر قیاس کرنا غلط ہے۔ کیونکہ امام اور مقتدی کی تکبیر کا ایک ہی وقت میں ہونا ضروری نہیں اس لئے اگر امام کی تکبیر سن کر امام کے بعد مقتدی اللہ اکبر کہہ دے تو بالکل جائز ہے۔ لیکن آمین کے متعلق بہت سی روایات آپ پڑھ چکے ہیں کہ امام، مقتدی اور فرشتوں کی آمین بالکل ایک وقت میں ہونی چاہئے۔ تو اب اذا امن کا معنی ہوگا اذا اراد الامام التامین جب امام آمین کہنے کا ارادہ کرے۔ اور ارادہ دل کی بات ہے پس جہر امام کا ثابت نہ ہوا۔

یا اذا امن الامام فامنوا کے معنی ہوں گے اذا بلغ الی موضع استدعی التامین فامنوا یعنی جب امام اس جگہ پر پہنچ جائے جو آمین کو چاہتا ہے تو تم آمین کہا کرو اور

یہ معنی دوسری حدیث اذا قال الامام غیر المغضوب علیهم و لا الضالین فقولوا آمین کے مطابق ہیں اور یہی معنی بعض علماء امت نے لئے ہیں۔

حدیث ششم:

عن علقمة بن وائل عن ابيه انه صلى مع رسول الله ﷺ فلما بلغ غير المغضوب عليهم و لا الضالين قال آمين و اخفى بها صوته (رواه احمد و ابوداؤد الطيالسي و ابو يعلى و الدارقطني و الحاكم و قال صحيح الاسناد و لم يخرجاه (زیلعی ج ۱ ص ۱۹۳) و اللفظ للدارقطنی)

حضرت علقمہ اپنے باپ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پس جب آپ ﷺ نے و لا الضالین پڑھا تو آمین کے وقت اپنی آواز کو پوشیدہ کیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث ہفتم:

عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر قال سمعت رسول الله ﷺ اذا قرأ و لا الضالين قال آمين و خفض بها صوته (ابن ابی شیبہ)

ترجمہ: حضرت حجر بن عنبس حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضور اقدس ﷺ نے جب و لا الضالین پڑھا تو آمین کہی اور اپنی آواز کو پست کر لیا۔

حدیث ہشتم:

عن الحسن ان سمرة بن جندب و عمران بن حصين رضي الله عنهما تذاكرا فحدث سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ انه حفظ عن رسول الله ﷺ سكتتين سكتة اذا كبر و سكتة اذا فرغ من قرأة غير المغضوب عليهم و لا الضالين فحفظ سمرة وانكر عليه عمران بن حصين فكتبا في ذلك الى ابي بن كعب رضی اللہ عنہ فكان في كتابه اليهما ان سمرة قد حفظ (رواہ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۲ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ترجمہ: حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے درمیان مذاکرہ ہوا تو حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھے خوب حفظ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دو سکتے فرماتے تھے ایک تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسرا غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کے بعد۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کیا اور یہ طے پایا کہ اس کے متعلق حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو لکھیں چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ واقعی حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے خوب یاد رکھا ہے۔

حدیث نہم:

عن الحسن عن سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ انه کان اذا صلی بهم سکت سکتتین اذا افتتح الصلوة واذا قال و لا الضالین سکت ایضا هنیهة فانکروا ذلک علیه فکتب الی ابی بن کعب فکتب الیهم ابی ان الامر کما صنع سمرة (رواه احمد و الدارقطنی و اسناده صحیح (آثار السنن ج ۱ ص ۹۲)

ترجمہ: حضرت حسن حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جب بھی نماز پڑھاتے تو دو سکتے کرتے ایک نماز شروع کرتے ہی، دوسرا و لا الضالین کے بعد پس لوگوں نے اس پر انکار کیا۔ پس انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو اس کے متعلق لکھا تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ بے شک حکم یہی ہے جیسا حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔

حدیث دہم:

عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا کبر سکت هنیهة و اذا قال غیر المغضوب علیهم و لا الضالین سکت هنیة و اذا قام فی الرکعة الثانیة لم یسکت وقال الحمد للّٰہ رب العالمین (ابوبکر بن ابی شیبہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت

تو تکبیر کہتے تھے تھوڑا سا سکتہ کرتے تھے۔ اور جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہتے تھے تب بھی تھوڑا سا سکتہ کرتے تھے۔ اور جب دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے تھے تو سکتہ نہ کرتے تھے بلکہ کہتے تھے۔ الحمد للہ رب العالمین

استدلال:

ان تینوں احادیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ دو سکتے فرماتے تھے۔ ایک پہلی تکبیر کے بعد ثنا پڑھنے کے لئے اور دوسرا سکتہ ولا الضالین کے بعد اور آپ احادیث میں بار بار پڑھ چکے ہیں کہ ولا الضالین کے بعد آمین ہوتی ہے اور اس حدیث میں سکتہ کا لفظ ہے جس سے ثابت ہوا کہ جس طرح حضور ﷺ ثنا آہستہ آواز سے پڑھتے تھے۔ اسی طرح آمین بھی آہستہ آواز سے کہتے تھے۔ نیز دریافت طلب امر یہ ہے کہ ولا الضالین کے بعد سکتہ آمین کہنے کے لئے تھا یا کسی اور چیز کے لئے؟ اگر آمین کے لئے تھا تو ثابت ہو گیا کہ آمین آہستہ کہنی مسنون ہے۔ اور اگر یہ سکتہ کسی اور چیز کے لئے تھا تو یہ بعد آمین ہوا بعد ولا الضالین نہ ہوا حالانکہ حدیث کے الفاظ ہیں اذا فرغ من قرأة ولا الضالین۔

اس واسطے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ یہ سکتہ آمین کہنے کے لئے تھا۔

ان احادیث میں حفظ کا لفظ ہے۔ یعنی جس طرح حافظ قرآن کو خوب یاد رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کو خوب یاد تھا اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے اس کو امر یعنی حکم فرمایا ہے گویا یہ آنحضرت ﷺ کا حکم بھی ہے اور غیر مقلد تو کان سے دوام مراد لیا کرتے ہیں۔

آمین بلند آواز سے کہنے سے دوسرے سکتے کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے اور سنت کی مخالفت لازم آتی ہے۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم:

آنحضرت ﷺ نے اختلاف کا ذکر فرماتے ہوئے اختلاف سے بچنے کا زریں

اصول بیان فرمایا علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین تم میرے طریقے اور میرے خلفاء کے طریقے کو لازم پکڑو گویا احادیث میں اختلاف کے وقت وہ احادیث راجح اور معمول بہا قرار دی جائیں گی۔ جن کے موافق خلفائے راشدین کا عمل ہوگا۔

عن ابی وائل قال کان علی رضی اللہ عنہ و عبداللہ لا یجہران ببسم اللہ الرحمن الرحیم و لا بالتعوذ و لا بالتامین (رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ ابو سعد البقال و ہو ثقۃ مدلس۔ مجمع الزوائد ج۲ ص۱۰۸)

ترجمہ: ابو وائل سے روایت ہے کہ خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز میں نہ بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے تھے نہ تعوذ اور نہ آمین بلند آواز سے کہتے تھے۔

عن ابی وائل قال لم یکن عمر و علی یجہران ببسم اللہ الرحمن الرحیم و لا بآمین (رواہ ابن جریر الطبری فی تہذیب الآثار الجواہر النقی ج۱ ص۱۳۰)

ترجمہ: ابو وائل سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز میں پڑھا کرتے تھے نہ آمین بلند آواز سے کہا کرتے تھے۔

روی ابو معمر عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ انہ قال یخفی الامام اربعا التعوذ و بسم اللہ الرحمن الرحیم و آمین و ربنا لک الحمد (عینی شرح ہدایہ)

ترجمہ: ابو معمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا امام چار چیزیں آہستہ آواز سے پڑھے تعوذ، بسم اللہ الرحمن الرحیم، آمین، ربنا لک الحمد۔

ایک حقیقت:

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک خلیفہ کا بھی بلند آواز سے آمین کہنا ثابت نہیں اور نہ ہی ان چاروں خلفاء کے مقتدیوں کا کبھی بھی آمین بلند آواز سے کہنا ثابت ہے۔ بلکہ خلافت راشدہ میں کسی ایک شخص کا آمین بالجہر کہنا ثابت نہیں اگر کسی غیر مقلد میں کوئی دم خم ہے تو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک خلیفہ سے یا پورے دور خلافت

راشدہ میں ایک بھی مسجد یا ایک بھی شخص کی نشان دہی کریں کہ وہ آمین بالجہر کا قائل تھا اور بلند آواز سے آمین نہ کہنے والوں کو معاذ اللہ یہودی اور بے دین خیال کرتا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

عن ابراهيم قال خمس يخفيهن الامام [illegible] اللهم وبحمدك والتعوذ وبسم الله الرحمن الرحيم وآمين واللهم ربنا لك الحمد (رواه عبد الرزاق واسناده صحيح۔ آثار السنن ج ۱ ص ۹)

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فتویٰ دیا کہ امام پانچ چیزوں کو آہستہ پڑھے **سبحانک اللھم، اعوذ باللہ، بسم اللہ الرحمن الرحیم، آمین اور ربنا لک الحمد**

حضرت علامہ ابراہیم نخعیؒ سید التابعین ہیں۔ آپ دار العلم کوفہ کے مفتی تھے۔ یہ شہر دار العلم تھا۔ ہزاروں محدثین اور فقہاء کا مسکن تھا۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ عہد صحابہ ہی میں پیدا ہوئے اور عہد صحابہ ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کی جلالت علم کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں آپ فتویٰ دیتے تھے۔ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم ہی میں حضرت علامہ نخعیؒ نے آمین کے آہستہ کہنے کا فتویٰ دیا۔ لیکن کسی ایک صحابی نے اس پر انکار نہ فرمایا کہ یہ فتویٰ خلاف سنت ہے حالانکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تاریخ کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ سنت کے کس قدر شیدائی تھے۔ وہ اپنی جان، مال، عزت، آبرو سب کچھ اتباع سنت کے لئے نچھاور کرنے کے لئے ہر آن تیار رہتے تھے۔ لیکن آہستہ آمین کے فتویٰ کے خلاف نہ کسی صحابی کی آواز اٹھتی ہے نہ تابعی کی اور نہ تبع تابعی کی۔ نہ کوئی تقریر آہستہ آمین کے خلاف ہوتی ہے۔ نہ کوئی رسالہ لکھا جاتا ہے۔ نہ تو کسی مسجد میں لڑائی جھگڑا کر کے مناظروں کے چیلنج دیئے جاتے ہیں نہ ہی بلند آواز سے آمین نہ کہنے والوں کو معاذ اللہ یہودی، مخالف سنت کے القاب سے نوازا جاتا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ حضرت وائل بن حجر صحابی رضی اللہ عنہ جن کی روایت کو آمین بالجہر کی دستاویز سمجھا جاتا ہے۔ وہ بھی اس وقت کوفہ میں موجود ہیں لیکن اس فتویٰ کے خلاف کوئی حدیث نہیں پڑھتے۔ نہایت پرسکون ماحول ہے یہاں پاک و ہند میں بھی انگریز کے دور سے پہلے

ایسا ہی پرسکون ماحول تھا۔ نہ کوئی رسالہ آمین بالجہر پر لکھا گیا نہ ان بارہ صدیوں میں کوئی ایسی تقریر ہوئی جس میں بلند آواز سے آمین نہ کہنے والوں کو یہودی، منکرین نبوت ورسالت کہا گیا ہو نہ کسی مسجد میں ایسا جھگڑا ہوا لیکن جونہی انگریز کے منحوس قدم اس زمین پر آئے بس اس سفید آقا کے اشاروں پر یہاں کے مسلمانوں کو لڑانا بعض لوگوں نے سب سے بڑا دینی فریضہ سمجھ لیا۔ اور کوئی جلسہ، کوئی تقریر ان خرافات سے خالی نہ رہی۔ سینکڑوں رسالے لکھے گئے، ہزاروں تقریریں ہوئیں اور ملی اتفاق واتحاد کو اس آگ میں جھونک دیا گیا جو آج تک بجھنے کا نام نہیں لیتی۔ الحاصل یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ نمازوں میں آہستہ آواز سے آمین کہتے ہیں ان کا یہ مسئلہ قرآن پاک کے ساتھ موافقت، نبی اکرم ﷺ کے عمل سے مطابقت، ملائکہ ارض وسماء کے ساتھ موافقت رکھتا ہے اور اس مسئلہ میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی متابعت ہے اور خیر القرون صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین اور تبع تابعین کے تعامل کی حمایت ان کو حاصل ہے ان کو آج ایک ایک زبان سے سوسو گالیاں دیتا کہ مقلد ہے، جاہل ہے، اندھا ہے، اس کے گلے میں پھندا ہے، بیدل ودماغ کا گدھا ہے، بدعتی ہے، مشرک ہے، بے دین ہے، جیسا کہ اکثر غیر مجتہدین نے اپنی تحریر وتقریر میں یہ طرز تخاطب اختیار کر رکھا ہے ایسا ننگ انسانیت طرز تخاطب وہی شخص اختیار کیا کرتا ہے جو استدلال سے تہی دامن ہو اور اس تہی دامنی کا اس کو احساس بھی ہو۔

باب سوم

اس باب میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ غیر مقلدیت کی زنبیل میں کیا ہے۔ وہ اپنے رسالوں میں کیا لکھتے ہیں اور کس برتے پر وہ مناظروں کے چیلنج دے دے کر سکون سے بسنے والے مسلمانوں کی نیند حرام کرتے ہیں اور ہر مسجد اور ہر گھر کو میدان جنگ بنا دیتے ہیں۔

ا۔ اس بارے میں سب سے پہلی بات تو یہ یاد رکھنی چاہئے کہ ان کا ہر مجتہد، ہر مصنف اور ہر مناظر اپنے مسئلہ کے تقریباً اسی فیصد پہلو کو ایسا چھپاتا اور تقیہ کے صندوق میں

ایسا بند کرتا ہے کہ کسی کو خواب میں بھی پتہ نہ چلے، وہ یہ ہے کہ جب یہ لوگ تنہا نماز ادا کرتے ہیں تمام فرائض، سنن اور نوافل میں آہستہ آواز سے آمین کہتے ہیں ان تمام جگہوں میں آہستہ آمین کہنے کے ان کے پاس کیا دلائل ہیں، اس پر آج تک انہوں نے نہ کوئی رسالہ لکھا، نہ کوئی مناظرہ کیا، نہ کوئی دلیل بیان کی، بلکہ جتنے رسائل اور مضامین مسئلہ آمین پر ان لوگوں نے آج تک لکھے ہیں ان میں کبھی بھول کر بھی یہ تذکرہ نہیں کیا کہ ہم بھی اکثر جگہ آمین آہستہ آواز سے کہتے ہیں۔

۲۔ اس بارے میں دوسری بنیادی بات یہ تھی کہ نماز کے تمام اذکار اور دعائیں یہ لوگ بھی آہستہ آواز میں پڑھتے ہیں صرف آمین کو ہی ان لوگوں نے تمام تسبیحات اور دعاؤں سے کیوں مخصوص کر لیا ہے اس تخصیص کی کیا دلیل ہے کہ مقتدی سوائے آمین کے باقی سب کچھ آہستہ آواز سے پڑھیں، اس بنیادی بات کو بھی ان لوگوں نے بالکل ہی نظر انداز کر رکھا ہے۔

۳۔ مسئلہ کا تیسرا پہلو یہ تھا کہ جو شخص باجماعت نماز ادا کرے وہ صرف چھ رکعات میں آمین بلند آواز سے کہے اور بقیہ گیارہ رکعتوں میں آہستہ آواز سے کہے۔ یہاں بھی گیارہ رکعتوں میں آہستہ آمین کہنے کے ثبوت کو شاید اس لئے نظر انداز کر جاتے ہیں کہ گیارھویں سے خاص نفرت ہے تو وہ گیارہ کا عملی ثبوت فراہم کر دیں لیکن صرف چھ رکعتوں میں تخصیص کا تو کوئی ثبوت ہوتا۔ اس تخصیص کے لئے کوئی صریح آیت یا صریح حدیث انہوں نے کبھی ذکر نہیں کی اور نہ قیامت تک دکھا سکتے ہیں ان شاء اللہ العزیز۔

ہمارا مسئلہ چونکہ ایک پہلو ہی رکھتا ہے (یعنی ہر نماز میں آمین آہستہ کہنی چاہئے) اس لئے ہمارے سابقہ دلائل کافی شافی اور وافی ہیں اس کے برعکس چونکہ غیر مقلدوں کا مسلک چار پہلو رکھتا ہے اس لئے ہر پہلو پر تفصیلی گفتگو کی جاتی ہے اور میں یہاں ایک ایسی گفتگو درج کرتا ہوں:

پہلا حصہ:

نماز کے تمام اذکار اور دعائیں تم لوگ آہستہ ادا کرتے ہو صرف آمین بلند آواز سے۔ اس تخصیص کی کیا دلیل ہے؟

۱۔ کیا قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی ہے جس میں یہ تخصیص ہو کہ نماز کے تمام اذکار آہستہ ادا کرو اور صرف آمین بلند آواز سے کہو، ہمارا چیلنج ہے کہ پورے قرآن پاک میں کوئی صریح ایک بھی آیت نہیں ہے۔

۲۔ اسی طرح دنیا کے کتب خانوں میں کوئی ایسی حدیث موجود نہیں ہے جس میں یہ صراحت اور وضاحت ہو کہ نماز کے باقی تمام اذکار آہستہ ادا کرو مگر آمین بلند آواز سے کہا کرو۔

دوسرا پہلو:

کہ جب نمازی اکیلا نماز ادا کرے تو خواہ نماز فرض ہو یا نفل یا سنت، اس کی ہر رکعت میں آمین آہستہ آواز سے کہے۔

اس بارے میں ان لوگوں نے منفرد یعنی اکیلے نمازی کی جو تخصیص کی ہے، یہ نہ کسی آیت قرآنی سے صراحتاً ثابت ہے نہ کسی حدیث نبوی ﷺ سے صراحتاً ثابت ہے۔ غیر مقلدین حضرات میں اگر علم واستدلال کا ذرہ بھی موجود ہے تو وہ صراحتاً یہ تخصیص کتاب و سنت سے دکھائیں، ورنہ کبھی اہل سنت والجماعت کو تنگ نہ کیا کریں۔ دیدہ باید۔

ایک ضروری نوٹ:

شاید میرے بعض حنفی دوست خیال کریں کہ یہ مسئلہ فروعی اور اجتہادی نوعیت کا ہے اس لئے بعض ائمہ میں مختلف فیہ ہے تو مطالبہ میں اتنی سختی نہیں چاہئے تو میں عرض کروں گا کہ یہ آپ کا سوچ ہے غیر مقلدین اس مسئلہ کو ہرگز ہرگز اجتہادی نہیں سمجھتے بلکہ ان کا اعلان ہے کہ یہ مسائل مثلاً آمین بالجہر، قرأت خلف الامام، رفع یدین اجتہادی مسائل نہیں ہیں ان

کے نزدیک یہ اختلاف حق و باطل کا اختلاف ہے اس لئے غیر مقلدوں کا فرض ہے کہ وہ دلائل ایسے پیش کریں جو ثبوت اور دلالت میں قطعی ہوں اور متعارض یا مرجوح نہ ہوں۔

تیسرا پہلو مقتدیوں کی آمین کا مسئلہ:

غیر مقلدوں کا مسئلہ یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے فرضوں کی صرف چھ رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہیں اور باقی گیارہ رکعتوں میں آہستہ آواز سے کہیں۔

اس کے متعلق مندرجہ ذیل باتیں یاد رکھیں۔

۱۔ قرآن پاک میں یہ مسئلہ ہرگز ہرگز موجود نہیں ہے کہ مقتدی صرف چھ رکعتوں میں امام کے پیچھے آمین بلند آواز سے کہیں اور باقی گیارہ رکعتوں میں آہستہ آواز سے کہیں۔

۲۔ آنحضرت ﷺ کی ایک بھی قولی حدیث نہیں ہے جس میں یہ وضاحت اور صراحت ہو کہ مقتدی امام کی اقتداء میں صرف چھ رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہیں باقی گیارہ رکعات میں آہستہ آواز سے۔

۳۔ صحیح بخاری شریف، صحیح مسلم شریف، نسائی، ابوداؤد، ترمذی ابن ماجہ وغیرہ کسی حدیث کی کتاب میں ایک بھی حدیث صحیح یا حسن ایسی نہیں ہے جس میں یہ صراحت ہو کہ آنحضرت ﷺ کے مقتدی آپ کی اقتداء میں چھ رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہتے تھے اور باقی گیارہ رکعات میں آہستہ۔

۴۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے کہیں یہ ثابت نہیں کہ وہ بحالت اقتداء چھ رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہتے تھے اور باقی گیارہ رکعتوں میں آہستہ۔

۵۔ خلافت راشدہ کے پورے دور میں یہ ہرگز ہرگز ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مقتدی ان خلفاء کی اقتداء میں چھ رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہتے تھے اور گیارہ رکعات میں آہستہ۔

آپ حیران ہو رہے ہوں گے کہ جب قرآن ان کے سر پر ہاتھ نہیں رکھتا اور

بخاری و مسلم نے بھی ان کو رد کر دیا ہے باقی اصحاب صحاح نے بھی ان قیموں اور مسکینوں کو لاوارث قرار دے دیا ہے تو آخر یہ کس بھروسے پر مسلمانوں میں سر پھٹول کرا رہے ہیں۔

ایک دفعہ میں نے ان کے ایک بہت بڑے مولوی سے پوچھا کہ مقتدیوں کی آمین کے بارے میں آپ کے پاس کوئی صحیح صریح حدیث ہے انہوں نے فرمایا بخاری و مسلم وغیرہ میں تو کچھ نہیں صرف ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ترک الناس التامین سب لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دیا ہے اور رسول پاک ﷺ جب سورۃ فاتحہ ختم کرتے تو آمین کہتے تھے یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے تھے پھر مسجد گونج جاتی تھی۔ (ابن ماجہ ص ۶۱)

میں نے کہا یہاں مقتدی آپ نے کس لفظ سے سمجھ؟ اس نے کہا یہاں مقتدی کا لفظ صراحتاً تو موجود نہیں لیکن مسجد کے گونجنے سے قیاس یہی ہوتا ہے کہ یہ مقتدیوں کی آواز ہی سے گونج پیدا ہوتی تھی۔

میں نے کہا آپ کے نزدیک تو قیاس کرنا شیطان کا کام ہے آپ نے یہ شیطانی کام کر کے اپنی اجتہادی شان کو داغدار کرایا ہے۔

پھر یہ جملہ جس پر آپ نے یہ قیاس کی عمارت کھڑی کی ہے خود بے بنیاد ہے اور عقل و نقل اس کے حصے بخرے کر رہے ہیں ذرا سنیے۔

۱۔ یہی روایت ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۴ اور مسند ابو یعلیٰ (آثار السنن ج ۱ ص ۹۲) پر بھی موجود ہے۔ مگر وہاں یہ گونج پیدا کرنے والا جملہ نہیں ہے۔

۲۔ اس کی سند کا راوی بشیر بن رافع ہے۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۴۷ پر امام بخاریؒ، امام احمدؒ، امام ابن معینؒ، امام نسائیؒ سے اس کا ضعیف ہونا نقل کر کے پھر ابن حبان سے تو یہ نقل کیا ہے کہ یروی اشیاء موضوعة وہ بالکل جھوٹی حدیثیں روایت کیا کرتا تھا۔ اور علامہ ابن عبدالبرؒ نے کتاب الانصاف میں لکھا ہے کہ محدثین کا اتفاق ہے کہ اس کی روایات کا شدت سے انکار کیا جائے اور اٹھا کر پھینک دیا جائے۔

۳۔ اس کا دوسرا راوی ابن عم ابی ہریرہ ہے جو مجہول ہے کیا اس جھوٹی اور بناوٹی روایت کے نقل ہوتے پر سارا فسادو عناد بے پا کیا جارہا ہے۔

۴۔ یہ جملہ قرآن پاک کے صراحۃً خلاف ہے۔ کیونکہ اس روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی آمین کی آواز تو صرف پہلی صف تک گئی۔ لیکن آپ کے خیال میں مقتدیوں کی آواز آنحضرت ﷺ کی آواز سے اتنی زیادہ بلند تھی کہ مسجد گونج اٹھی۔

اس جھوٹی روایت سے یہ معلوم ہوا کہ معاذ اللہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی کھلم کھلا قرآن پاک کی مخالفت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی یعنی اپنی آواز کو نبی پاک ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔ ورنہ تمہارے اعمال اکارت جائیں گے۔ اب یہ جھوٹی روایت بتاتی ہے کہ صحابہ کرام ﷺ خاص طور پر مسجد میں اور نماز میں حضور اکرم ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر اس قرآنی حکم کی مخالفت کرتے تھے۔ اور اپنی نمازوں کو برباد کر دیتے تھے۔

۵۔ اس جھوٹی روایت میں مسجد نبوی ﷺ کے گونجنے کا ذکر ہے حالانکہ گونج پختہ اور گنبد دار عمارت میں پیدا ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ کے دور میں مسجد نبوی کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی جس میں گونج پیدا ہونا ہی محال ہے۔

الغرض آپ نے جس جملے پر اپنے قیاس کی بنیاد رکھی تھی اس کا یہ حال ہے کہ قرآن کی بارگاہ میں اس جملے کو گزر نہیں ہو سکتا۔ عقل نے اس کے منہ پر تھوک دیا ہے۔

۶۔ اب یہ بھی سنئے کہ خود غرضی اور مطلب پرستی کے تحت جناب نے قرآن کو چھوڑا، علم و عقل سے منہ موڑا۔ سب صحابہ ﷺ کی نمازوں کو برباد مان لیا۔ لیکن دیکھو اب یہی جھوٹی روایت کس طرح تمہارا رستہ بند کرتی ہے۔

اس کا پہلا جملہ یہ ہے کہ ترک الناس التامین لوگوں نے آمین چھوڑ دی ہے اور آپ تسلیم کرتے ہیں کہ اس حدیث میں آمین بالجہر کا ذکر ہے کیونکہ آپ لوگ اس روایت کو آمین بالجہر کے ثبوت ہی میں پیش کرتے ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس جملے سے

ایک شخص کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ کوئی شخص بھی بلند آواز سے آمین کہنے والا نہ تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا وصال ۵۹ھ میں ہوا ہے اور آپ نے خلافت راشدہ کو بھی دیکھا تو معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور کبار تابعین میں سے ایک شخص بھی بلند آواز سے آمین نہ کہتا تھا۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور ۹۰ھ تک عام ہے اور اس وقت لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم یا تابعین ہی تھے۔

۷۔ میں نے پوچھا کہ تمام ذخیرہ حدیث سے یہ ایک جھوٹی روایت آپ نے سچے باندھی تھی لیکن افسوس ہے کہ یہ چھ رکعت اور گیارہ رکعت کی تفصیل اس میں بھی نہیں، یہ آپ نے کہاں سے لیا کہ مقتدی چھ رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہیں اور باقی گیارہ رکعات میں آہستہ۔

اب اس شخص کی حالت قابل دید تھی، شرم سے سر جھکائے ہوئے تھا میں نے دو تین بار جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر پوچھا کہ حضرت کچھ تو فرمایئے، آخر نہایت شرمسار ہو کر کہنے لگا کہ جناب اس بارے میں ہمارا قیاس ہے۔ میں نے کہا کہ قیاس تو کار شیطان ہے آپ سارا قرآن اور ساری حدیثیں قیاس کے رد میں پڑھ جایا کرتے ہیں۔ آخر آج یہ کیا قصہ ہے خیر بتایئے کہ قیاس سے کیسے ثابت ہوا کہ مقتدی چھ رکعات میں بلند آواز سے آمین کہے اور گیارہ رکعات میں آہستہ آواز سے۔

تو اس نے کہا کہ جناب ہمارے قیاس میں آمین قرآن پاک کے تابع ہے اگر قرآن پاک بلند آواز سے پڑھا جائے تو آمین بھی بلند آواز سے کہی جائے گی اور جب قرآن پاک آہستہ پڑھا جائے گا تو آمین بھی آہستہ کہی جائے گی۔

میں نے کہا بہت خوب کسی نے خوب کہا ہے جس کا کام اسی کو ساجھے، اور کرے تو ٹھینگا باجے، محترم یہ تو بتایئے کہ کیا آپ کے مقتدی امام کے پیچھے قرآن بلند آواز سے پڑھتے ہیں کہنے لگا نہیں، میں نے کہا جب وہ فاتحہ آہستہ آواز سے پڑھتے ہیں تو آپ کے قیاس کے مطابق بھی ان کو آمین آہستہ آواز میں کہنی چاہیے اب تو اس پر سکتہ طاری تھا کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

میں نے کہا یہ ہے مقلدوں کی مار کہ ان سے ڈر کر قرآن سے منہ موڑا، عقل کو

چھوڑا اصحابہ رضی اللہ عنہم کی نمازوں کو برباد تو یا شیطان کی خاہ بوسی بھی کی مگر مقلدین کے سامنے اجتہاد بے گور و کفن تڑپ رہا تھا۔ اور کوئی اس کا جنازہ پڑھنے والا نہ ملتا تھا۔ اور فبہت الذی کفر کا منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔

ایک دوسرے مجتہد صاحب سے گفتگو ہوئی، میں نے پوچھا جو مقتدیوں کو آپ امام کی اقتداء میں چار رکعات میں بلند آواز سے آمین کا حکم دیتے ہیں اور گیارہ رکعات میں آہستہ آمین کا یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے یا رسول اللہ ﷺ کا، کہنے لگا یہ نہ خدا کا حکم ہے نہ رسول کا، میں نے کہا کیا آنحضرت ﷺ کے مقتدی ایسا کرتے تھے یا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مقتدی؟ کہنے لگا ان سے بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ میں نے کہا آخر یہ مقتدیوں کو مسئلہ کہاں سے بتایا اس نے کہا کہ بخاری میں ہے عن ابن الزبیر رضی اللہ عنہ و من من خلفه حتى ان للمسجد للجة کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے آمین کہی تو وہاں کے مقتدیوں نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھی میں نے کہا یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مقتدیوں سے اس طرح چار رکعتوں میں بلند آواز سے آمین کہنا ثابت نہیں ہو سکا خلافت راشدہ کا دور ختم ہونے کے کئی سال بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ خیر آپ پہلے یہ بتائیں کہ بخاری میں اس روایت کی کوئی سند ہے؟ کہنے لگا نہیں بخاری نے اگر چہ اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی لیکن امام بخاریؒ کی تعلیقات حجت ہیں کیونکہ ہمیں ان کی علمی مہارت پر کلی اعتماد ہے میں نے کہا یہی اعتماد تو تقلید ہے افسوس ہے کہ آپ کا اجتہاد اتنا سخت جان ہے کہ شرک کی دلدل میں پھنس کر بھی اس کی توحید میں فرق نہیں آتا۔

پھر اس میں صرف ایک وقت کا ذکر ہے اور اس سے سنت کیسے ثابت ہوگی اور اس میں تو یہ بھی ذکر نہیں کہ یہ آمین نماز کے اندر تھی یا نماز کے بعد اور اگر نماز کے اندر تھی تو سورۃ فاتحہ کے بعد تھی یا قنوت نازلہ کے وقت جب اس میں اتنے احتمالات ہیں تو استدلال کیسا؟

پھر کیا آپ کے نزدیک قرآن و حدیث کو چھوڑ کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی تقلید شخصی جائز ہے یا شرک، اور اگر جناب نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی تقلید شخصی کر لی ہے تو وہ تو ہاتھ چھوڑ کر نماز

پڑھا کرتے تھے اور وہ عیدین میں اذان بھی کہتے تھے اور اقامت بھی۔ (معارف السنن ص ۴۰۳ بحوالہ تہذیب الآثار طبری) بلکہ طحاوی شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۲۷، ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۹۸ میں ہے کہ وہ سرے سے آمین ہی نہ کہتے تھے (ص ۱۲۰ ج ۱) نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

کہنے لگا عطاء نے دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو آمین کہتے دیکھا، میں نے کہا سرے سے یہ ہی ثابت نہیں کہ عطاء کی ملاقات دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہوئی ہو اور یہ تو بالکل ہی غلط ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے وقت کسی ایک شہر میں دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم موجود ہوں۔

ازاں بعد جب خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ۲۰ رکعت تراویح شروع ہوئیں اس کو تو آپ بدعت کہتے ہیں تو اب ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے فعل سے استدلال کر کے اس کی تقلید شخصی کر کے مشرک کیوں بنتے ہو؟

پھر بھی ان روایات میں یہ نہیں ہے کہ چھ رکعات میں بلند آواز سے اور باقی گیارہ رکعات میں آہستہ۔

ہمارا تو ایسے اجتہاد کو دور سے سلام ہے کہ کبھی شرک کی دلدل میں پھنسے، کبھی بدعت کی وادی میں بھٹکے، کبھی کسی کی تقلید شخصی کرے لیکن پھر بھی مقلدین کے سامنے ہتھیار ڈال دے۔

الغرض مقتدیوں کا امام کے پیچھے چھ رکعتوں میں بلند آواز سے اور باقی گیارہ رکعتوں میں آہستہ آواز سے آمین کہنا نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدیوں سے ثابت ہے نہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مقتدیوں سے۔

آخر جب اسے کوئی دلیل نہ ملی تو کہنے لگا چونکہ امام کا آمین بالجہر کہنا ثابت ہے اس نئے مقتدیوں کے مسئلے کو ہم نے اسی پر قیاس کر لیا ہے، میں نے کہا یہ عجیب بات ہے کہ آخر کار آپ کے اجتہاد کی تان قیاس پر ہی آ کر ٹوٹتی ہے تقریروں اور تحریروں میں اس کو کار شیطانی کہا جاتا ہے اور اندرون خانہ قیاس کے سامنے سجدے کیے جاتے ہیں۔

اچھا یہاں قیاس کس طرح فرمایا ہے؟ کہنے لگا جب امام بلند آواز سے کہتا ہے تو مقتدیوں کو بھی بلند آواز سے آمین کہنی چاہئے۔

میں نے کہا اول تو امام کے لئے بھی یہ ثابت نہیں تو بناء قیاس ہی غلط ہے دوسرے یہ کہ امام تو تمام تکبیرات بھی بلند آواز سے کہتا ہے۔ سمع اللہ لمن حمدہ بھی بلند آواز سے کہتا ہے السلام علیکم و رحمۃ اللہ بھی بلند آواز سے کہتا ہے تو جناب کے قیاس پر تو مقتدی کو بھی یہ سب کچھ بلند آواز سے کہنا چاہئے اب تو مجھے کہنا پڑا۔

در کفر ہم ثابت نہ ای زنار را رسوا مکن

دعویٰ کا چوتھا حصہ

امام کا آمین بالجہر کہنا:

غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ ہر موحد مرد و زن چھ رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہنا اور گیارہ رکعتوں میں آہستہ آواز سے کہنا سنت مؤکدہ ہے۔

غیر مقلدین کا یہ اقرار ہے کہ قرآن پاک کی کسی آیت میں ہمارا یہ مسئلہ مذکور نہیں ہے اس لئے وہ اپنے استدلال کی بنیاد حدیث پر رکھتے ہیں۔

حدیث کا استدلال دیکھنے سے پہلے یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ آمین کہنا بھی سنت مؤکدہ ہے اور اس کا بلند آواز سے کہنا بھی سنت مؤکدہ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آمین کا سنت مؤکدہ ہونا تو آنحضرت ﷺ کی قولی احادیث سے ثابت ہے۔ آپ نے خود بھی آمین کہہ کر اس کا حکم دیا۔ پھر اس پر ترغیب کے لئے بار بار فرمایا کہ اس میں فرشتے بھی تمہارے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ اور مزید ترغیب کے لئے بار بار یاد دہانی کرائی کہ آمین کہنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور آمین نہ کہنے والے کی نامرادی بھی آپ نے مثال دے کر سمجھائی۔ یہ تمام احادیث آپ باب دوم میں پڑھ چکے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر غیر مقلدین آمین کی طرح آمین کو بلند آواز سے کہنا بھی سنت مؤکدہ ہے تو آنحضرت ﷺ کا کوئی حکم دکھایا جائے کہ حضور ﷺ نے حکم دیا ہو کہ تم نماز میں چھ رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہا کرو اور یہ بھی دکھایا جائے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ ان چھ رکعتوں میں اونچی آواز سے آمین کہنے کی وجہ سے تمہیں یہ یہ ثواب ملے گا اور نہ کہنے میں تم اس ثواب سے محروم ہو گے۔

لیکن بار بار مطالبہ کے باوجود آج تک غیر مقلد مجتہدین شرمائے اور منہ چھپائے بیٹھے ہیں، کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ آنحضرت ﷺ کا حکم اور اس پر ترغیب اور مزید ثواب کا کوئی وعدہ دکھا سکے۔

ہم حیران ہیں کہ نماز فجر کے بعد اشراق پڑھنے والے کو ایک حج اور ایک عمرہ کے ثواب کا وعدہ ہو جو صرف ایک نفل کام ہے سنت نہیں اور نماز عصر کی پہلی چار سنتیں جو غیر مؤکدہ ہیں ان پر جنت میں محل کی خوش خبری حضور اقدس ﷺ کے ارشادات میں مل جائے۔ لیکن آمین بالجہر جو ایسی سنت مؤکدہ ہو کہ ہر مسجد میں لڑائی اور فساد اس بنا پر کھڑا ہو جاتا ہو۔ اس کا نہ تو رسول پاک ﷺ حکم دیں نہ اس کا کوئی زیادہ ثواب بتائیں۔

ایک ضروری وضاحت:

۱۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پریس نہ تھا کہ کسی کتاب میں تمام مسائل تفصیل کے ساتھ لکھ دیئے جاتے اور جو شخص آتا اسے وہ کتاب دے دی جاتی اس لئے آنحضرت ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ مثلاً نماز پڑھائی تو بلند آواز سے پڑھ کر ان نومسلموں کو نماز کا طریقہ تعلیم فرما دیا۔ مثلاً: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں متفق علیہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز ختم فرماتے تو بلند آواز سے تکبیر فرماتے (بخاری ج ۱ ص ۱۱۷، مسلم ج ۱ ص ۲۱۷، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۳) اس کے متعلق امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ صرف تعلیم کے لئے تھا (کتاب الام ج ۱ ص ۱۱۰، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۸۴، نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۱۷، فتح الباری

ج ۲ ص ۲۶۹، عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۲۶)

۲۔ اسی طرح بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کبھی کبھی ظہر کی نماز میں کوئی بلند آواز سے آیت پڑھتے کہ مقتدی سن لیتے (عن قتادہ رضی اللہ عنہ) یہ بھی صرف تعلیم کے لئے ہوتا تھا۔

۳۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ رات کو نماز پڑھی۔ میں نے سنا کہ آپ پڑھ رہے تھے اللہ اکبر و المجبروت (نسائی ص ۱۱۳)

۴۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے اور آپ سے سورہ لقمان کی آیت سنا کرتے تھے۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۱۳)

۵۔ اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کا آنحضرت ﷺ سے رکوع سجود کی تسبیحات اور تشہد اور دعائیں سننا بکثرت احادیث میں آتا ہے۔

۶۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز میں سبحانک اللھم بلند آواز سے پڑھا جیسا کہ کتاب الآثار امام محمدؒ اور شرح معانی الآثار طحاوی میں مذکور ہے۔

الغرض اس زمانہ میں طریقہ تعلیم یہی تھا۔ آج کل بھی مدارس میں جب بچوں کو نماز کا طریقہ سکھایا جاتا ہے تو وہ سب ساری نماز بلند آواز سے پڑھتے ہیں لیکن کوئی اس کو سنت مؤکدہ نہیں کہتا۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا بلند آواز سے آمین کہنا بھی حضرت وائل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے جو نومسلم تھے۔ ظاہر ہے کہ جب ان لوگوں نے اسلام قبول کیا تو یقیناً ان کو نماز کا طریقہ سکھایا گیا تو اگر آنحضرت ﷺ نے ان کی تعلیم کے لئے مثل قرأت ظہر یا دیگر اذکار و ادعیہ کے اگر آمین بھی بلند آواز سے کہہ لی ہو تو اس سے ہمیں انکار نہیں، ہمیں تو اس کے سنت مؤکدہ ہونے سے انکار ہے۔ اس کو ایک اور مثال سے سمجھیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ روزہ کی حالت میں مباشرت (بوس و کنار) فرما لیتے تھے تو اس کے ثبوت کا ہمیں انکار نہیں، ہاں اگر

کوئی اس کو روزہ کی حالت میں سنت مؤکدہ کہنا شروع کر دے اور روزہ کی حالت میں مباشرت نہ کرنے والے مرد و عورت کا روزہ ناقص اور خلاف سنت بتائے تو ہم اس کا انکار کریں گے۔ اسی طرح صرف حضور کا بلند آواز سے آمین کہنا دکھا دینا اس کے سنت ہونے کا ثبوت نہ ہوگا جب تک اس پر دوام ثابت نہ کریں یا آخری وقت تک آمین کہنا نہ ثابت کریں۔

اس وضاحت کے بعد اب گزارش ہے کہ کبھی تو ان کے مناظرین جب اپنے عوام پر اپنا رعب جماتے ہیں یا اپنی مسجد اجتہاد کو رونق بخشتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چار سو صحیح حدیثیں ہیں اور ان کے دل و دماغ میں یہ بات پیوست کرتے ہیں کہ دیکھو حنفی ایک ہی مسئلے میں چار سو احادیث کے منکر ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ آمین بالجہر کی اگر کسی روایت کو کھینچ تان کر حسن تک لایا جا سکتا ہے وہ صرف حضرت وائل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات ہیں اور بس اب مرزا جی تو پانچ کو پچاس گنتے تھے۔ یہ دو چار کو چار سو بنالیں، وہ ایک نقطہ لگاتے تھے یہ دو لگالیں تو بس اسی قسم کے جھوٹ ان لوگوں کے اجتہاد کی رونق ہیں، اگر یہ لوگ جھوٹ نہ بولیں تو ان کے اجتہاد کی منڈی سنسان ہو جائے۔

حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث:

۱۔ حجر بن عنبس روایت کرتے ہیں کہ وائل رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی آپ نے آمین کہی مد بہا صوتہ۔ (ترمذی ص ۳۴ دارقطنی ص ۱۲۷)

اس روایت کا مدار حضرت سفیان ثوریؒ پر ہے، سفیان ثوری کے دس شاگرد ہیں جن میں سے ۹ شاگرد یحییٰ بن سعید، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبداللہ بن یوسف، محمد بن یوسف، قبیصہ، وکیع، محاربی، علاء بن صالح، یحییٰ بن سلمہ تو اس حدیث میں مد بہا صوتہ کہتے ہیں جو جہر پر نص نہیں ہاں صرف ایک شاگرد محمد بن کثیر رفع بہا صوتہ کہتا ہے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۴، دارمی ص ۱۴۸) یہ کثیر الغلط ہے (تقریب)

پس صحیح روایت مد بها صوته ہے اور رفع بها صوته کثیر الغلط اور شاذ ہے۔
مد بها صوته کا یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ آپ نے آمین کے الف کو کھینچ کر لمبا کر کے پڑھا۔ یہاں جہر مراد نہیں کیونکہ دوسرے باب میں آپ صحیح سندوں سے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے خفض بها صوته اور اخفی بها صوته بھی روایت کیا ہے جس کے معنی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ آواز سے آمین کہی۔

۱۔ سفیان ثوریؒ کوفی ہیں اور غیر مقلد جب اپنے نشہ اجتہاد میں مست ہوتے ہیں تو کہا کرتے ہیں کہ کوفہ والوں کی روایت بے نور ہوتی ہے۔ (حقیقت الفقہ) نہ معلوم آج کیوں کوفہ والوں کے سامنے سجدہ سہو ہو رہا ہے۔

۲۔ نیز یہ سفیان ثوریؒ خود آمین آہستہ آواز سے کہا کرتے تھے اور غیر مقلد حضرات جب اپنی اجتہادی ترنگ میں ہوں تو کہا کرتے ہیں کہ جو آمین آہستہ کہتا ہے وہ منکر سنت ہے، یہودی ہے لیکن آج غرض سامنے ہے مطلب برآری کرنی ہے اس لئے ایسے شخص کی روایت کو بھی سر آنکھوں پر رکھا جا رہا ہے۔

۳۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بھی آخر کوفہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ اور انہیں کے ہم مسلک تھے دیکھئے اب غیر مقلد ان کا اسلام بھی مانیں گے یا نہیں۔

دوسرا طریق:

عبد الجبار اپنے باپ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی۔ ورفع بها صوته (نسائی ج ۱ ص ۸۹)

۲۔ سمعته وانا خلفه میں نے آپ کی آمین سن لی میں آپ کے پیچھے تھا۔ (نسائی ج ۱ ص ۹۴)

۳۔ فسمعناها منه ہم نے آپ کی آمین سن لی۔ (ابن ماجہ ص ۶۲)

۴۔ قال آمین مد بها صوته۔ آواز کو کھینچا (دار قطنی ج ۱ ص ۱۲۷)

۳۔انہ سمع یقول آمین اس نے آمین سنی (مسند احمد)

۴۔فقال آمین یجھر، آمین کہا بلند آواز سے (مسند احمد)

پہلا راوی:

یہ روایت عبد الجبار کی ہے اور امام بخاری، ابن معین، ترمذی، نسائی وغیرہ سب متفق ہیں کہ عبد الجبار نے اپنے باپ سے کوئی روایت نہیں سنی (ترمذی ص ۲۲۹، نسائی ج ۱ ص ۱۴۷، شرح الہدایہ ج ۳ ص ۱۰۴) پس یہ روایت مرسل ہوئی۔

دوسرا راوی:

ابو اسحاق سبیعی ہے جس کا حافظہ آخری زمانہ میں صحیح نہیں رہا تھا (نووی ص ۲۱، تقریب) اور اس کی مرسلات بالکل قبول نہیں جیسا کہ ابن معین نے کہا ہے ــــــ لا شی۔ (ترمذی کتاب العلل ص ۵۶۴)

پس یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔

پھر چھ سندوں میں ہر سند کا لفظ علیحدہ ہے کہ حضور ﷺ نے بلند آواز سے آمین کہی آواز کتنی بلند تھی وہ اسی روایت میں ہے۔

حضرت وائل رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے تھے۔انہوں نے سن لی۔تو اتنی آواز کو کہ ایک دو قریبی آدمی سن لیں یہ جہر مطلوب نہیں ہے۔

دیکھو اگر امام جہری نمازوں میں قرأت صرف اتنی آواز سے پڑھے کہ صرف قریب کے ایک دو آدمی سن لیں۔ یا تکبیرات انتقال صرف اتنی آواز سے کہے کہ صرف قریب کے ایک دو آدمی سن لیں تو سب نمازی کہیں گے کہ اس نے جہر نہیں کیا۔تو اس حدیث سے جہر ثابت ہی نہ ہوا۔

۳۔پھر یہ ایک آدھ دفعہ کا قصہ ہے۔کیونکہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نئے نئے اسلام لائے تھے اس لئے ان کی تعلیم کے لئے جہر کر لیا ہو تو ہمیں مضر نہیں۔

۳۔ اس حدیث میں یہ بھی وضاحت نہیں کہ حضور ﷺ نے چھ رکعات میں تو جہر فرمایا تھا اور باقی گیارہ میں آہستہ آواز سے آمین کہی تھی۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کا اپنا فیصلہ:

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی بلند آواز سے آمین کہنے کی روایت بسند ضعیف مروی ہے۔ اور آہستہ آمین کی صحیح سند سے۔ پھر اونچی آمین کے متعلق فرمایا کہ حضور ﷺ نے فقال آمین ثلاث مرات (رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ ثقات (مجمع الزوائد ج۲ ص۱۸۷) یعنی آپ نے ساری عمر میں صرف تین دفعہ آمین کہی۔ اب یہ بھی خود حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے پوچھئے کہ یہ بلند آواز سے آمین حضور ﷺ نے کیوں کہی تھی۔ فرماتے ہیں ما اراہ الا لیعلمنا (رواہ الدولابی والتعلیق الحسن حاشیہ آثار السنن ج۱ ص۹۲) اس کی سند میں یحییٰ بن سلمہ بن کہیل ہے۔ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ جمہور نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور وضاحت کی ہے کہ جو روایات اس سے اس کا بیٹا روایت کرے وہ منکر ہیں اور یہ روایت اس کے بیٹے کی نہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص۱۶۱) نیز ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس سے استدلال کیا ہے وہ ایک صحیح السند حدیث کو منسوخ کرنے کے لئے جو حدیث لائے ہیں اس کی سند میں یحییٰ بن سلمہ ہے۔ (عرف الشذی ص۱۲۸)

یعنی یہ ہماری تعلیم کے لئے کہی تھی۔ لیجئے فیصلہ ہو گیا کہ جہر آمین صرف تعلیم کے لئے تھی اور آہستہ آمین سنت تھی۔ اسی لئے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے بعد میں ایک دفعہ بھی آمین کہنا ثابت نہیں اور آپ نے سکونت کوفہ میں اختیار فرمائی تو وہاں آپ نے کبھی آمین بالجہر پر مناظرہ نہ کیا۔ کیونکہ تمام اہل کوفہ بالاتفاق آہستہ آمین کہتے تھے۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے جس کو غیر مقلدین بیس تیس نمبر دے کر بیان کرتے ہیں۔ تاکہ ناواقفوں کو مرعوب کر سکیں۔

نوٹ: حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں رب اغفرلی آمین آتا ہے اس کی

سند میں عبدالجبار العطاردی ہے وہ ضعیف ہے (میزان)

بحث حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی متاخر الاسلام راوی ہیں۔ جب یہ اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ نے ان کی تعلیم کے لئے بھی بلند آواز سے آمین کہی ہوگی۔

ا۔ چنانچہ ابو سلمہ اور سعید کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور ﷺ نے بلند آواز سے آمین کہی (دار قطنی ج ا ص ۱۲۷، حاکم ج ا ص ۲۲۳) سند کا مدار اسحق بن ابراہیم پر ہے جس کو ابوداؤد اور نسائی نے ضعیف کہا ہے اور محمد بن عوف محدث حمص نے جھوٹا کہا ہے (کاشف للذہبی) (میزان الاعتدال ج ا ص ۸۵)

اور دوسرا راوی عبداللہ بن سالم ہے جو ناصبی تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ حضرت کی مدد سے ہی ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو شہید کیا گیا ہے (میزان الاعتدال)

یہ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آمین بالجہر نہیں کرتے تھے تو ان کے خلاف اسحاق جیسے کذاب اور عبداللہ بن سالم جیسے بے دین ناصبی کی روایت پیش کرنا ان ہی مجتہدوں کا کام ہے جن کو انگریزوں نے مسند اجتہاد پر بٹھا کر اہلحدیث کا نام الاٹ کیا ہو۔

نوٹ: دار قطنی نے سنن میں تو اس روایت کو حسن کہہ دیا صرف حمایت مذہب میں لیکن اصل حقیقت اس کے خلاف تھی اس لئے خود ہی کتاب العلل میں اس کو ضعیف کہہ دیا۔ آج کل غیر مقلدوں کے مجتہدین سنن دار قطنی سے اس روایت کا حسن ہونا تو نقل کرتے ہیں لیکن کتاب العلل سے ضعیف ہونا بیان نہیں کرتے اسی فریب اور خیانت پر ان کا مذہب قائم ہے۔

۲۔ دار قطنی ج ا ص ۱۲۷ میں ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت درج ہے کہ حضور ﷺ نے بلند آواز سے آمین کہی مگر دونوں کی سند میں بحر السقاء ہے جسے خود

دارقطنی نے ہی ضعیف کر دیا ہے۔

پھر یہ ایک واقعہ ہے جو یقیناً تعلیم کے لئے تھا جیسا کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے صراحتہً یہ فرمادیا پھر کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو مستقل سنت مؤکدہ سمجھا؟ اس کے متعلق آپ خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے پڑھ آئے ہیں کہ ترک الناس التامین کہ بلا استثناء سب لوگوں نے بلند آواز سے آمین ترک کر دی تھی۔

حدیث ام حصین رضی اللہ عنہا:

ام حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک حدیث بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کی آمین انہوں نے عورتوں کی صف میں سن لی (زیلعی ج ۱ ص ۳۷۱)

اس کی سند میں ایک تو اسماعیل بن مسلم مکی ہے جس کو امام احمد، امام ابن معین، امام ابن المدینی، امام نسائی، ابن حبان، بزار اور حاکم سب نے ضعیف کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۳۲)

دوسرا راوی ہارون الاعور ہے جو رافضی ہے (میزان الاعتدال) تو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مسلک کے خلاف رافضیوں اور جھوٹوں کی روایت کیسے حجت ہو سکتی ہے۔

۲۔ پھر یہ صرف ایک واقعہ ہے اگر حضور اکرم ﷺ نے عورتوں کی تعلیم کے لئے ایک دفعہ بلند آواز سے آمین کہہ دی تو کیا اس سے دوام اور سنت مؤکدہ ہونا ثابت ہو جائے گا؟

۳۔ آپ صحیح احادیث میں یہ پڑھ آئے ہیں کہ فرشتوں، امام اور مقتدیوں کی آمین یک وقت ہونی چاہئے۔ حضرت ام حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو عورتوں کی صف میں حضور اقدس ﷺ کی آمین سن لی۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ آپ کے مقتدیوں نے آمین بلند آواز سے نہیں کہی تھی۔ ورنہ حضور اکرم ﷺ کی آواز عورتوں کی صف میں نہ پہنچ سکتی بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی آواز میں دب جاتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت لاتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی آمین سنی لیکن سند میں یحییٰ بن عدی جس کے متعلق تقریب میں لکھا ہے: "صدوق یخطی" سچا مگر خطا کار تھا۔ اور دوسرا راوی ابن ابی لیلیٰ ہے۔ رفع یدین کے باب میں اس کو ضعیف ثابت کرنے میں اپنے دماغ کا سارا پانی خشک کر دیتے ہیں چنانچہ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ حدیث خطاء ہے اور ابن ابی لیلیٰ خراب حافظے والا ہے پھر اس میں مستقل عادت کا ذکر نہیں، دوام سے ساکت ہے اور چار رکعت کی تخصیص پر بھی اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

ادھر خود حضرت علی رضی اللہ عنہ آمین بالجہر نہ کہتے تھے۔ گویا ان کے نزدیک بھی اس روایت سے آمین بالجہر کی سنیت ثابت نہ تھی تو جب باب مدینۃ العلم اس روایت سے جہر آمین کی سنیت نہ سمجھ سکے تو ان نا سمجھ مجتہدوں کی ٹرٹر کون سنتا ہے؟

کون ہے جو حدیث و محل حدیث کو ان سے زیادہ سمجھ سکتا ہو یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو اس حدیث سے جہر آمین کی سنیت نہ سمجھ سکے۔ ورنہ اس کے خلاف ان کا عمل قطعاً نہ ہوتا تو دوسرے کسی کو کس نے یہ حق دیا ہے کہ اس حدیث سے آمین بالجہر پر استدلال کرے۔

حضرات! آپ کے سامنے غیر مقلدوں کے ڈھول کا پول آ گیا، رات دن شور ہے کہ ہم احادیث پر عمل کرتے ہیں، ہم ہی اہل حدیث ہیں۔ دوسروں کو حدیث کا منکر سمجھتے ہیں اور ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ وہ قیاس پر عمل کرتے ہیں لیکن اپنا یہ حال ہے کہ ایک حدیث بھی ایسی ان کے پاس نہیں ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہو کہ آمین بلند آواز سے کہا کرو۔

۲۔ اور نہ ہی کوئی ایسی حدیث دکھا سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے آمین بالجہر پر کوئی ترغیب دی ہو اور مزید اجر و ثواب کا وعدہ دیا ہو۔

۳۔ اور نہ ہی کوئی ایسی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ساری عمر بلند آواز سے آمین کہی ہو۔

۴۔ اور نہ ہی یہ چھ رکعت میں جہر اور گیارہ رکعت میں اخفاء کی تقسیم کسی حدیث میں دکھا سکتے ہیں۔

۵۔ نہ ہی کسی صحیح حدیث میں یہ دکھا سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے مقتدی آپ کے پیچھے چھ رکعتوں میں بلند آواز سے اور باقی گیارہ رکعتوں میں آہستہ سے آمین کہتے تھے۔

۶۔ نہ ہی کسی حدیث میں یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے مقتدی غیر مقلدوں کے ہمنوا تھے۔

۷۔ بلکہ خلافت راشدہ اور عہد نبوی ﷺ میں ایک مسجد کا حوالہ نہیں دے سکتے جہاں علی الدوام چھ رکعتوں میں جہراً اور گیارہ رکعتوں میں سر آمین کہی جاتی ہو۔

جن دو چار ضعیف اور کمزور روایتوں کا سہارا لیا جاتا ہے، ان میں صرف اتنا ہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کسی وقت آمین بلند آواز سے کہی یہ ایسا ہی ہے جیسے آنحضرت ﷺ نے کبھی کبھار ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت بلند آواز سے پڑھی لیکن یہ آپ ﷺ کا ہمیشہ کا عمل نہ تھا اس لئے ظہر وعصر میں کسی آیت کا بلند آواز سے پڑھنا کسی کے نزدیک بھی سنت نہیں ہے۔

ان روایات میں ہرگز یہ تصریح نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ ساری عمر آمین بالجہر فرماتے رہے، اس بارے میں غیر مقلدین کے پاس صرف اور صرف قیاس ہے (اور وہ بھی ادنیٰ درجہ جس کو استصحاب حال کہتے ہیں) کہ جب حضور ﷺ نے بلند آواز سے آمین کہی تو کہتے رہے ہوں گے لیکن ان کا یہ قیاس خلاف نصوص ہے۔

جس قسم کی یہ روایات ہیں اسی قسم کی روایات میں یہ صراحت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف تین بار بلند آواز سے آمین کہی اور وہ بھی تعلیم کے لئے تو اب اگر ان روایات پر عمل ضروری ہے تو زیادہ سے زیادہ ساری عمر میں تین بار، وہ بھی امام ہونے کی حالت میں، وہ بھی جب کسی کو مسئلہ تعلیم دینے کا موقع آئے، آمین بلند آواز سے کہہ لیں تو

ہمیں انکار نہیں لیکن اس کو ساری عمر مستقل سنت مؤکدہ قرار دینا اور ترک کرنے والوں کو یہودی اور منکر حدیث کہنا بالکل بے دلیل ہے اسے کہتے ہیں چوری اور سینہ زوری۔

غیر مقلدوں کا آخری حربہ:

غیر مقلدوں کا جب چاروں طرف سے ناک میں دم ہو جاتا ہے، مسند اجتہاد سنسان ہو جاتی ہے تو پھر گالیوں پر اتر آتے ہیں، کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بار بار ارشاد فرمایا ہے کہ جو آمین بالجہر نہیں کہتا وہ یہودی ہے، یہودی آمین بالجہر سے جلتے ہیں حسد کرتے ہیں۔

حالانکہ جس طرح پہلی باتیں جھوٹ ہیں، یہ بھی بالکل جھوٹ ہے۔ اولاً تو ان روایتوں میں سے کوئی روایت صحیح ہی نہیں ہے۔

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں طلحہ بن عمرو ہے جو سخت ضعیف ہے (دیکھو تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۳ اور تنقیح الاوطار ج ۲ ص ۲۲۹)

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ضعیف ہے پھر اس میں آمین کے ساتھ سلام اور "ربنا لک الحمد" کا بھی ذکر ہے۔ دیکھو بیہقی سنن کبریٰ ج ۲ ص ۵۶ بلکہ قولِ قبلہ کا بھی ذکر ہے (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۸)

تو غیر مقلدین جو سلام اور "ربنا لک الحمد" بلند آواز سے نہیں کہتے وہ کم از کم ۲/۳ یہودی تو ہو گئے اور اگر کبھی نماز پڑھیں تو پھر تو آمین بھی آہستہ کہتے ہیں تو مکمل یہودی ہونے میں کیا شبہ رہا۔

اصل بات یہ ہے کہ حسد کے لئے صرف علم ضروری ہے۔ جہر ضروری نہیں ربنا لک الحمد آہستہ کہا جاتا ہے۔ مگر یہود کو علم ہے تو حسد کرتے ہیں۔

دیکھو ہم اہل سنت والجماعت آہستہ آواز سے آمین کہتے ہیں تو غیر مقلدین

یہودیوں سے بھی زیادہ جلتے ہیں کیونکہ یہودیوں نے نہ کبھی آمین کہنے والوں کو مناظرے کا چیلنج دیا، نہ ان کے خلاف رسالے لکھے، نہ ان کی مسجدوں میں فتنہ فساد کھڑا کیا۔ اس کے برعکس حنفی جب آمین آہستہ کہتے ہیں تو دیکھو غیر مقلدوں کو کتنا حسد ہوتا ہے تقریریں کرتے ہیں، رسالے لکھتے ہیں، گالم گلوچ اور دنگا فساد پر اتر آتے ہیں۔

حسد کے معنی:

حسد کے معنی تو یہ ہوتے ہیں کہ محسود (جس سے حسد کیا جائے) میں کوئی ایسا کمال ہو جو حاسد میں نہ ہو اس لئے حاسد کی قسمت میں صرف جلنا ہی رہ جاتا ہے اور بس۔ اور حسد کے آثار یہ ہیں کہ محسود کے خلاف پروپیگنڈہ کرے، گالم گلوچ پر اتر آئے۔

اب بتایئے کہ آمین بالجہر میں کون سی خوبی اور کمال ہے یا زیادہ ثواب ہے کہ حنفی غیر مقلدوں پر حسد کریں یا تو وہ ثابت کر دیتے کہ آمین بالجہر پر حضور اکرم ﷺ نے مزید ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اب وہ ثواب حنفیوں کو نصیب نہیں ہوتا اس لئے ہم پر جلتے ہیں۔

جب وہ جہر ثابت نہ کر سکے تو اب حنفیوں کو حسد کرنے کی کیا ضرورت! ہاں البتہ احناف جو آہستہ آمین کہتے ہیں، اس میں ان کو فرشتوں کی موافقت نصیب ہوتی ہے اور اس پر مزید ثواب کا وعدہ بھی ہے کہ سب پہلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور قرآن پاک سے آہستہ دعا پر خدا کی رحمت کا تذکرہ ملتا ہے اور ایک روایت سے اس کا ثواب ستر گنا زیادہ ثابت ہوتا ہے۔ پھر خلفائے راشدین ؓ کی موافقت کا اجر بھی مزید ہے تو احناف کی آمین پر حسد کیا جا سکتا ہے۔

یہود بھی اگر حسد کریں گے تو حنفیوں کی آمین پر کہ صرف زبان ہلانے سے فرشتوں کی موافقت، نبی کی موافقت، گناہوں کی معافی، خدا کی رحمت اور ستر گنا ثواب ان کو مل رہا ہے چنانچہ سلام اور ربنا لک الحمد پر بھی ان کو حسد ہے حالانکہ سب آہستہ کہتے ہیں۔

غیر مقلدوں کی آمین پر یہودی کیا حسد کریں گے جو سترگنا ثواب سے محروم ہیں، فرشتوں کی موافقت سے محروم ہیں اور اکثر امت کے نزدیک دعا و ذکر بالجہر بدعت ہے، اس میں بدعت کا شبہ ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کے فرمان انکم لا تدعون اصم ولا غائبا۔ ان کی آمین میں یہ شبہ آتا ہے کہ شاید خدا کو بہرا اور غائب جانتے ہیں تو بتایئے ایسی آمین پر کوئی کیوں حسد کرنے لگا۔

الغرض اس حسد کے بارے میں بھی یہ حاسدین اول تو ضعیف روایات نقل کرتے ہیں، پھر ان میں جہر کا نام تک نہیں، پھر حسد کے معنی سے بھی یہ بے چارے بے خبر ہیں۔ اصل میں یہ حسد میں اتنے جل بھن گئے ہیں کہ نہ سر کی خبر ہوتی ہے نہ پیر کی۔ اور حاسدوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ بات کچھ بھی نہیں، بس شور و شغب، وہ پکڑا وہ مارا۔ . . .
اب یہیں دیکھئے کہ ان روایات میں نہ جہر کا ذکر نہ چار رکعتوں کی تفصیل، نہ کوئی ایسا حریہ ثواب مذکور جس پر حسد کیا جائے۔ لیکن ان حاسدوں نے فوراً احناف پر چسپاں کرنا شروع کردیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں ان حاسدین سے محفوظ رکھیں۔ (آمین)

فصل اوّل

تراویح کے متعلق رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی:

(۱) عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من قام رمضان ايماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه (رواه الجماعة، آثار السنن ص ۲۴۴) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے تراویح پڑھی تو اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

(۲) عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يرغب الناس في قيام رمضان من غير ان يامرهم بعزيمة امر فيه فيقول من قام رمضان ايماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه رواه النسائي (زجاجة المصابيح ص ۲۶۳، ج ۱) ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو تراویح پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے اور ان کو عزیمت کے ساتھ حکم نہ فرماتے۔ (بلکہ) فرماتے کہ جو ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے نماز تراویح پڑھے گا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

(۳) عن عبدالرحمٰن بن عوفؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اللّٰہ تبارک وتعالی فرض صیام رمضان علیکم وسننت لکم قیامہ فمن صامہ وقامہ ایمانا واحتسابا خرج من ذنوبہ کیوم ولدتہ امہ اخرجہ النسائی بسند حسن وسکت عنہ (اعلاء السنن ص ۴۸ ج ۷) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کئے ہیں اور میں نے اس کی تراویح کو تمہارے لئے سنت بنایا ہے پس جو شخص اس کے روزے رکھے اور اس کی تراویح پڑھے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے تو وہ گناہوں سے ایسے پاک صاف ہو جائے گا کہ جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔

(۴) عن سلمان الفارسیؓ قال خطبنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی آخر یوم من شعبان فقال یاایھاالناس قد اظلکم شھر عظیم شھر مبارک" شھر فیہ لیلۃ القدر خیر من الف شھر شھر جعل اللّٰہ صیامہ فریضۃ وقیام لیلہ تطوعاً من تقرب فیہ بخصلۃٍ من الخیر کان کمن ادی فریضۃً فیما سواہ ومن ادی فریضۃ فیہ کان کمن ادی سبعین فریضۃ فیما سواہ الحدیث رواہ البیھقی فی شعب الایمان (زجاجۃ المصابیح ص ۵۳۱ ج ۱ ورواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ (کذافی فضائل رمضان) حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کی آخری دن ہمیں وعظ فرمایا کہ تمہارے اوپر ایک بہت بڑا اور مبارک مہینہ آ رہا ہے، اس میں شب قدر ہے جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے۔ اللہ نے اس کے روزوں کو فرض کیا ہے اور اس کے رات کے قیام (تراویح) کو ثواب کی چیز بنایا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں کسی نیکی کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرے ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں اس نے فرض ادا کیا اور جو شخص اس مہینے میں فرض ادا کرے وہ ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں ستر فرض ادا کرے۔

الحاصل:۔ یہ چار ارشادات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں جن میں آپ نے رمضان المبارک کی راتوں کو عبادت کرنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا کہ جو مومن حصول ثواب کی نیت سے قیام کرے (یعنی تراویح پڑھے) تو اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور وہ ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ آج ہی بطن مادر سے پیدا ہوا اور یہ تو ایسا برکت والا مہینہ ہے کہ اس میں ایک نفل پڑھنے کا ثواب باقی مہینوں میں فرض پڑھنے کے برابر ہوتا ہے۔ آپ کا مقصد یہ ہے کہ اس ماہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت کی جائے۔

فصل دوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک عمل:

(۱) عن عائشة رضی اللّٰہ عنھا قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا دخل رمضان لم یأت فراشہ حتی ینسلخ رواہ البیھقی (زجاجۃ المصابیح ص ۲۶۲ ج ۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ آتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے ختم ہونے تک اپنے بستر پر تشریف نہ لاتے۔

(۲) عن عائشةؓ قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یجتھد فی رمضان مالا یجتھد فی غیرہ رواہ مسلم (کذا فی فتاوی مولانا عبدالحی ص ۱۲۲ ج ۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینے میں عبادت میں وہ محنت کرتے جو غیر رمضان میں نہ کرتے۔

(۳) عن عائشة رضی اللّٰہ عنھا قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا دخل رمضان تغیر لونہ وکثرت صلوتہ وابتھل فی الدعاء واشفق لونہ رواہ البیھقی فی شعب الایمان کذا فی العزیزی ص ۱۲۷ ج ۳ (اعلاء السنن ص ۶۳ ج ۷) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ داخل ہوتا تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ تبدیل ہو جاتا اور نماز زیادہ ہو جاتی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ پورا رمضان شب بیداری فرماتے تھے۔

عشرہ اخیرہ۔ (۴) عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر شد مئزرہ واحیا لیلہ وایقظ اھلہ. متفق علیہ (زجاجۃ المصابیح ص ۵۸۴، ج ۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب اخیر عشرہ (رمضان کا) آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تہہ بند کس لیتے اور شب بیداری فرماتے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار رکھتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشرہ اخیرہ میں آپ اپنے گھر والوں کو بھی اپنے ساتھ بیدار رکھتے تھے۔

(۵) عن جبیر بن نفیر عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال صمنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یقم بنا شیئاً من الشھر حتی بقی سبع فقام بنا حتیٰ ذھب ثلث اللیل فلما کانت السادسۃ لم یقم بنا فلما کانت الخامسۃ قام بنا حتیٰ ذھب شطر اللیل فقلت یا رسول اللہ لو نفلتنا قیام ھذہ اللیلۃ قال فقال ان الرجل اذا صلی مع الامام حتیٰ ینصرف حسب لہ قیام لیلۃ قال فلما کانت الرابعۃ لم یقم بنا فلما کانت الثالثۃ جمع اھلہ ونساءہ والناس فقام بنا حتیٰ خشینا ان یفوتنا الفلاح قال قلت ما الفلاح قال السحور ثم لم یقم بنا بقیۃ الشھر رواہ الخمسۃ واسنادہ صحیح (آثار السنن ص ۲۴۶، ج ۲) حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزے رکھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تراویح نہ پڑھائی یہاں تک سات راتیں باقی رہ گئیں تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تراویح پڑھائی یہاں تک کہ رات کا تہائی حصہ گذر گیا پھر جب (آخر سے) چھٹی رات تھی تو آپ نے ہمیں تراویح پڑھائی

یہاں تک کہ آدھی رات گذر گئی پس میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ہمیں اس رات باقی حصہ میں بھی نفل پڑھاتے رہیں ۔۔۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک جب آدمی امام کے ہمراہ نماز ادا کرتا ہے یہاں تک کہ جب وہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اس کے لئے پوری رات کے قیام کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ پھر جب (آخر سے) چوتھی رات تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تراویح نہ پڑھائی پھر جب تیسری رات تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل وعیال اور لوگوں کو جمع فرمایا اور ہمیں نماز تراویح پڑھائی یہاں تک کہ ہم ڈر گئے کہ کہیں سحری فوت نہ ہو جائے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیہ راتیں بھی ہمیں نماز تراویح نہ پڑھائی۔

اس حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کو جمع کر کے تین روز تراویح کی نماز پڑھائی اور قیام رمضان کے تین درجے عمل سے ظاہر فرمائے۔

(۱) تہائی رات تک (۲) نصف رات تک (۳) تمام رات سحری تک تراویح پڑھنا

خلاصہ:- ان احادیث سے تین طرح کے عمل ثابت ہوئے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا مبارک عمل:-

آپ رمضان المبارک کا پورا مہینہ تمام رات نماز میں گزارتے تھے۔

(۲) اہل بیت:- رمضان کے آخری دس دنوں میں آپ کے گھر والے بھی تمام رات نہ سوتے تھے۔

(۳) عام لوگوں کے لئے رات کی عبادت کے تین درجے ہیں افضل ترین یہ ہے کہ تمام رات عبادت میں گزار دیں اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل اتباع ہے۔

چنانچہ حضرت پیران پیر سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اما قیام جمیع اللیل فھو فعل الاقویاء الذین سبقت لھم منہ العنایۃ واحاط علی قلوبھم التوفیق ونور الجلال ثم الجمال فجعل القیام باللیل موھبۃ لھم وخلعۃ لم یسلبہ منھم

مولاهم عزوجل حتی اللقاء وقد روی عن عثمانؓ انه کان یحیی اللیل بر کعۃ واحدۃ یختم فیھا القرآن وذکر من اربعین رجلاً من التابعین انھم کانوا یحیون اللیل کلّہ ویصلّون صلوۃ الغداۃ بو ضوء العشاء اربعین سنۃ صحّ النقل عنھم واشتھر (غنیۃ الطالبین بحوالہ تنویر المصابیح ص ۳۵)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اعلم ان احیاء اللیل کلہ شان الاقویاء الذین تجردوا للعبادۃ للہ تعالیٰ وتلذذوا بمناجاتہ وصار غذاء ھم وحیات لقلوبھم فلم یتعبوا بطول القیام وردوا المنام الی النھار فی وقت اشتغال الناس وحکی ذلک علی سبیل التواتر عن اربعین رجلاً من التابعین وکان فیھم من واظب اربعین سنۃ (احیاء العلوم بحوالہ تنویر المصابیح ص ۳۶) چنانچہ صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد کے صاحب ہمت لوگ تمام رات قیام کرتے رہے ہیں، خود اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے۔ والذین یبیتون لربھم سجداً وقیاماً (جو لوگ رب کے لئے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے رات گذار دیتے ہیں) اور فرماتے ہیں کانوا قلیلاً من اللیل ما یھجعون (وہ رات کو تھوڑا سا حصہ سوتے تھے) چند مثالیں عرض ہیں۔

(۱) عمر بن الخطابؓ:۔ کان عمر بن الخطابؓ یصلی بالناس العشاء ثم یدخل بیتہ فلا یزال یصلی الی الفجر (تاریخ ابن کثیر) یعنی حضرت عمرؓ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کر اپنے گھر میں تشریف لاتے اور فجر تک نماز پڑھتے رہتے۔

(۲) عثمان بن عفانؓ:۔ کان یحیی اللیل کلہ (حلیہ ابی نعیم) یعنی حضرت عثمانؓ تمام رات عبادت کرتے۔

(۳) ابن عمرؓ:۔ کان یحیی اللیل (ابو نعیم) یعنی تمام رات عبادت کرتے۔

(۴) تمیم الداریؓ:۔ کان تمیم الداریؓ یختم القرآن فی رکعۃ

وربما ردد الآية الواحدة الليل كله حتى الصباح (کتاب الانساب للسمعانی) یعنی تمیم داریؓ ایک رکعت میں (مکمل) قرآن ختم کر ڈالتے اور بعض اوقات ایک ہی آیت کو صبح تک ساری رات (نماز میں) دہراتے رہے۔

(۵) شداد بن اوسؓ:- انه كان اذا دخل الفراش يتقلب على الفراش لا ياخذه النوم فيقول اللهم ان النار اذهب عنى النوم فيقوم فيصلى حتى يصبح شداد بن اوسؓ جب بستر پر تشریف لاتے تو کروٹیں بدلتے رہتے اور ان کو نیند آتی پھر فرماتے کہ لوگ میری نیند لے گئے پس کھڑے ہو کر صبح تک نماز پڑھتے۔

تابعین و من بعدھم:-(۲) عمیرؒ اخرج الترمذی فی ابواب الدعاء عن مسلمة بن عمرؓ کان عمیر يصلی كل يوم الف ركعة ويسبح مأة الف تسبيحة (عمیرؒ روزانہ ہزار رکعت نماز پڑھتے اور ایک لاکھ مرتبہ تسبیح پڑھتے۔)

(۷) اویس قرنیؒ:- کان اویس القرنی اذا امسی یقول هذه ليلة الركوع فيركع حتى يصبح وكان اذا امسى يقول هذه ليلة السجود فيسجد حتى يصبح (ابو نعیم) اویس قرنیؒ ایک شام کو کہتے کہ یہ رکوع کی رات ہے اور ساری رات رکوع میں گذار دیتے اور ایک شام کہتے کہ یہ سجدہ کی رات ہے اور ساری رات سجدہ میں گذار دیتے۔

(۸) علامہ شعبیؒ:- کان من العابدين وفرض على نفسه فی كل يوم الف ركعة (ابو نعیم) علامہ شعبیؒ عبادت گذار لوگوں میں سے تھے اور روزانہ ہزار رکعت نماز اپنے ذمے لگائی ہوئی تھی۔

(۹) مسروقؒ:- اتنی عبادت کرتے کہ آپ کی پنڈلیاں ہر وقت متورم رہتی تھیں (تاریخ ابن کثیر)

(۱۰) الاسود بن یزید نخعیؒ:- عن ابراهيم النخعي قال كان الاسود يختم

القرآن فی رمضان فی کل لیلتین و کان یختم فی غیر رمضان فی کل ست لیال (ابو نعیم) ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ آپ رمضان کے مہینے میں ہر دو راتوں میں ایک قرآن ختم کرتے اور غیر رمضان میں ہر چھ راتوں میں مکمل قرآن ختم فرماتے۔

(۱۱) سعید بن المسیبؒ:۔ احد الفقہاء السبعۃ من اہل المدینۃ واحد الحفاظ من التابعین عن عبدالمنعم بن ادریس عن ابیہ قال صلی سعید المسیب الغداۃ بوضوء العشاء خمسین سنۃ یعنی سعید بن المسیبؒ پچاس سال تک عشاء کے وضوء سے صبح کی نماز پڑھتے رہے۔

(۱۲) عروہ بن الزبیر بن العوامؒ:۔ احد الفقہاء السبعۃ قال الذہبی کان یقرأ کل یوم ربع الختم من المصحف ویقوم اللیل فما ترک الا لیلۃ قطعت رجلہ (العبر فی اخبار من غبر) یعنی آپؒ روزانہ چوتھا حصہ قرآن پڑھتے اور رات کو نماز پڑھتے رہتے۔ ایک دن یہ عبادت نہ کر سکے تو پاؤں کاٹ دیے گئے۔

(۱۳) امام المحدثین والمفسرین قتادہ بن دعامہ:۔

ان قتادہ کان یختم القرآن فی کل سبع لیال مرۃ فاذا جاء رمضان ختم فی کل ثلاث لیال مرۃ فاذا جاء العشر ختم فی کل لیلۃ مرۃ (ابو نعیم) قتادہؒ سات راتوں میں ایک قرآن ختم فرماتے اور رمضان المبارک میں ہر تین راتوں میں اور رمضان کے اخیر عشرہ میں ہر رات قرآن ختم فرماتے۔

(۱۴) سعید بن جبیرؒ:۔ مقتل الہاشمیؒ انہ قرأ القرآن فی رکعۃ فی بیت الحرام (یعنی ایک ہی رکعت میں پورا قرآن پڑھا) وقال وقاء بن ایاس قال لی سعید بن جبیر فی رمضان امسک علی المصحف فما قام من مجلسہ حتیٰ ختم القرآن۔ یعنی ایک ہی مجلس میں پورا قرآن ختم کر دیے۔

(۱۵) سلیمان التیمیؒ:۔ عن عبداللہ بن المبارک قال قام سلیمان

التیمی اربعین سنة امام الجامع بالبصرة یصلی العشاء والصبح بوضوء واحد یعنی سلیمان تیمی چالیس سال تک عشاء اور فجر کی نماز ایک ہی وضوء سے پڑھتے رہے۔

(۱۲) منصور بن زاذان:۔ کان اذا جاء رمضان ختم القرآن فی ما بین المغرب والعشاء ختمتین وکانوا یؤخرون العشاء فی رمضان الی ان یذهب ربع اللیل (ابو نعیم) منصورؒ رمضان المبارک میں مغرب اور عشاء کے درمیان دو قرآن ختم کرتے اور اس وقت لوگ عشاء کی نماز چوتھائی رات تک مؤخر فرماتے۔

فائدہ:۔ حکیم عبدالسلام کے حلقہ میں حضرت مولانا سید احمد شہیدؒ اور مولانا سید اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحی صاحبؒ تینوں موجود تھے۔ مولوی عبدالحی صاحب نے وعظ فرمایا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے اوقات میں بھی برکت عطا فرما دیتے ہیں اور جو کام کئی روز میں نہیں ہو سکتا وہ اس کو چند گھنٹوں میں کر لیتے ہیں چنانچہ بعض لوگ عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں اور یہ مضمون اس انداز سے بیان فرمایا کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ خود مولانا کو بھی یہ کرامت حاصل ہے اور مولوی اسماعیل صاحب کے متعلق تو صراحت کے ساتھ فرمایا کہ یہ عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں۔ اس بنا پر لوگ مولوی اسماعیل صاحب کو لپٹ گئے اور کہا کہ حضرت ہم کو بھی اس کرامت کا مشاہدہ کرا دیجئے چنانچہ گومتی (لکھنؤ کے قریب ایک ندی کا نام ہے) کے پل پر لوگ اکٹھے ہوئے اور مولانا نے ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کر دیا

(حکایات اولیاء ص ۷۶)

میں کہتا ہوں کہ اہل اللہ کے اوقات میں برکات کا ہونا احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ الغرض بے شمار اولیاء کرام ومحدثین تمام رات عبادت کرتے تھے اور کسی نے اس پر انکار نہ فرمایا، ہاں کسی کی زیادہ نفل عبادت فرائض و واجبات میں مخل ہو تو اس مخل ہونے کی بنا پر اس پر انکار درست ہے نہ کہ مطلق عبادت نفل سے انکار۔ اس کی مثال یوں

سمجھئے کہ احادیث میں ہے بعض لوگوں نے اپنا اکثر مال راہِ خدا میں دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا اور فرمایا کہ تمہارا سب کچھ خرچ کر کے اپنے وارثوں کو مفلس کر دینا اچھا نہیں بلکہ بہتر ہے کہ اپنے وارثوں کے لئے چھوڑ دو مگر جب حضرت ابوبکر صدیقؓ سارا مال لے کر آئے اور حضرت عمرؓ نصف مال لے کر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا کیونکہ یہ دونوں حضرات ہمت و توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اسی طرح جو شخص حقوق کی رعایت کرتے ہوئے شب بیداری کرے تو وہ اولوا العزم لوگوں میں شمار ہوگا، اس قسم کی مثالیں بے شمار ہیں، قیام اللیل ابونعیم کی حلیۃ الاولیاء اور کتب طبقات میں اس قسم کے متواتر واقعات موجود ہیں، میں صرف دو تین مثالیں اور ذکر کرتا ہوں۔

(۱۷) الامام الہمام سید الفقہاء والمحدثین الامام الاعظم ابوحنیفہ النعمان بن ثابتؒ:۔

امام صاحبؒ کے متعلق تو یہ امر نہایت شہرت پذیر ہے کہ آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی اور آپ تمام رات عبادت میں گزارتے تھے، ملاحظہ ہو مقدمہ ہدایہ، احیاء العلوم، مناقب الرجال، مشکوٰۃ وغیرہ۔

(۱۸) امام شافعیؒ:۔ اخرج ابو نعیم عن الربیع بن سلیمان صاحب الشافعیؒ یقول کان الشافعیؒ یختم فی کل شھر رمضان ستین ختمۃ ما منھا شیٔ الا فی الصلوۃ. یعنی امام شافعیؒ رمضان المبارک میں ساٹھ قرآن مجید نماز میں ختم فرماتے۔

(۱۹) امام احمد بن حنبلؒ:۔ اخرج ابو نعیم فی الحلیۃ عن عبداللہ بن احمد قال کان لابی فی کل یوم ولیلۃ ثلاث مأۃ رکعۃ فلما مرض من الاسواط ضعفتہ فکان یصلی کل یوم ولیلۃ مأۃ وخمسین رکعۃ وکان قرب من الثمانین. یعنی امام احمدؒ روزانہ تین سو رکعات نماز پڑھتے پھر جب بیمار ہو گئے تو ضعف کی وجہ سے ڈیڑھ صد رکعات نماز پڑھتے۔

(۲۰) امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری صاحب الصحیح رحمۃ اللہ علیہ:۔

قال الحاکم ابو عبداللہ الحافظ اخبرنی محمد بن خالد حدثنا مقسم بن سعید قال کان محمد بن اسماعیل البخاری اذا کان اول لیلۃ من شھر رمضان یجتمع الیہ اصحابہ فیصلی بھم ویقرأ فی کل رکعۃ عشرین آیۃ وکذلک الی ان یختم القرآن وکان یقرأ فی السحر ما بین النصف الی الثلث من القرآن فیختم عند السحر فی کلّ ثلاث لیالٍ وکان یختم بالنھار فی کل یوم ختمۃ ویکون ختمہ عند الافطار کل لیلۃ ویقول عند کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ (مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۲) یعنی امام بخاریؒ تراویح کے علاوہ تہجد بھی پڑھتے اور تہجد میں ہر تیسرے دن قرآن ختم کرتے تھے۔

الحاصل:۔ قیام اللیل وقیام رمضان کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تمام رات عبادت میں گزار دے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا مبارک عمل یہی تھا اور اس زمانے سے آج تک باہمت لوگوں کا عمل اسی پر رہا ہے، کسی نے اس کو بدعت نہیں کہا اور اوسط درجہ یہ ہے کہ نصف شب تک قیام کرے اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ ثلث لیل تک قیام کرے۔

فائدہ اوّل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیبات اور عمل سے ثابت ہو گیا کہ آپ رمضان المبارک میں رات کو باقی گیارہ مہینوں سے زیادہ عبادت کرتے تھے

فائدہ دوم:۔ جن اکابر کی عبادت کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ تمام رات کا قیام تراویح با جماعت کے بعد کیا کرتے تھے دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ تراویح کے بعد یہ تمام اکابر تہجد ادا فرماتے تھے اور کسی نے ان پر انکار نہیں فرمایا تو رمضان میں ان اکابر کا تہجد پڑھنا بھی حد تواتر کو پہنچ چکا ہے سو اس کا انکار تواتر کا انکار ہے۔

فائدہ سوم:۔ عبادات مذکورہ بالا سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ اکابر تراویح و تہجد میں ختم قرآن کا خاص اہتمام کرتے تھے۔

فائدہ چہارم:۔ اس فصل کی پہلی احادیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم تمام رمضان میں عموماً اور عشرۂ اخیرہ میں خصوصاً رات کو نہ سوتے تھے اور حدیث ابی ذرؓ سے معلوم ہوا کہ تیئیسویں رات آپ ثلث رات میں تراویح پڑھا کر گھر تشریف لے گئے اور پچیسویں رات نصف رات کے بعد گھر جا کر آپ سوئے تو نہیں لا محالہ قیام فرمایا ہوگا تو استنباطاً آپ سے بھی تہجد کا ثبوت ہوا جیسا کہ حضرت شیخ العصر بحر العلوم مولانا گنگوہیؒ نے ذکر فرمایا ہے۔

فصل سوم

جماعت تراویح

(۱) عن عروة ان عائشة رضي الله عنها اخبرته ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج ليلة من جوف الليل فصلى في المسجد وصلى رجال بصلوته فاصبح الناس فتحدثوا فاجتمع اكثر منهم فصلى فصلوا معه فاصبح الناس فتحدثوا فكثر اهل المسجد من الليلة الثالثة فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى فصلوا بصلوته فلما كانت الليلة الرابعة عجز المسجد عن اهله حتى خرج لصلوة الصبح فلما قضى الفجر اقبل على الناس فتشهد ثم قال اما بعد فانه لم يخف على مكانكم ولكني خشيت ان تفرض عليكم فتعجزوا عنها فتوفي رسول الله صلى الله عليه وسلم والامر على ذلك رواه الشيخان (آثار السنن ص ۲۴۶) عروۃ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ آدھی رات کے وقت گھر سے نکلے اور مسجد میں تشریف لا کر نماز ادا فرمائی اور کچھ لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ لوگوں نے صبح کی تو واقعہ بیان کیا۔ تو پہلے کی نسبت زیادہ لوگ جمع ہو گئے اور آپ کے ہمراہ نماز ادا کی، پھر لوگوں نے صبح کی اور واقعہ بیان کیا، تو تیسری رات مسجد والے اور زیادہ ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

تشریف لائے نماز پڑھی تو لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی، پھر جب چوتھی رات ہوئی تو مسجد لوگوں (کی تعداد) سے تنگ ہوگئی (یعنی بہت کثرت سے لوگ آئے مسجد میں جگہ نہ رہی) یہاں تک آپ صبح کی نماز کے لیے باہر تشریف لائے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پوری فرمائی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے تشہد پڑھا پھر فرمایا حمد وصلوٰۃ کے بعد بات یہ ہے کہ تمہارا یہاں ہونا مجھ پر مخفی نہیں لیکن میں نے محسوس کیا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے، پھر تم اس سے عاجز ہو جاؤ (یعنی پڑھ نہ سکو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور معاملہ اسی طرح رہا۔

(۲) عن زید بن ثابتؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتخذ حجرۃ فی المسجد من حصیر فصلی فیها لیالی حتی اجتمع علیه ناس ثم فقدوا صوته لیلۃ وظنوا انه قد نام فجعل بعضهم یتنحنح لیخرج الیهم فقال مازال بکم الذی رأیت من صنیعکم حتی خشیت ان یکتب علیکم ولو کتب علیکم ما قمتم به فصلوا ایها الناس فی بیوتکم فان افضل صلوۃ المرء فی بیته الا الصلوۃ المکتوبۃ رواہ الشیخان (آثار السنن ص ۲۳۶) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں چٹائی کا ایک حجرہ بنایا اس میں چند راتیں نماز ادا فرمائی، یہاں تک کہ لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے، پھر ایک رات لوگوں نے آپ کی آواز نہ سنی اور انہوں نے سمجھا کہ آپ سو گئے ہیں بعض لوگوں نے کھنکھارنا شروع کیا، تاکہ آپ ان کے پاس تشریف لے آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا معاملہ (یعنی کثرت سے آنا) جو میں نے دیکھا اسی طرح رہا یہاں تک کہ میں ڈر گیا کہ (یہ نماز) تم پر فرض نہ کر دی جائے، اور اگر تم پر فرض کر دی جاتی تو تم اسے ادا نہ کر سکتے، اے لوگو! اپنے گھروں میں (یہ نماز) پڑھو، بلاشبہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی اپنے گھر میں نماز بہتر ہے۔ یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

(۳) حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ فصل دوم نمبر ۵ پر گذر گئی۔

فائدہ اول:- ان احادیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا باجماعت تراویح پڑھانا ثابت ہوا اور آپ نے فرض ہونے کے خوف سے جماعت ترک فرمادی تاہم مواظبت حکمی ان سے ثابت ہوتی ہے۔

فائدہ دوم:- سب اہل علم اس امر سے واقف ہیں کہ اولاً صلوٰۃ خمسہ سے قبل مکہ شریف میں تہجد کی نماز فرض تھی جیسا کہ سورۃ مزمل کی ابتدائی آیات سے ظاہر ہے پھر ایک سال بعد مکہ مکرمہ میں ہی سورۃ مزمل کا آخری حصہ نازل ہوا جس سے تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

رمضان المبارک کے روزے آپ کے مدینہ شریف لانے کے بعد ۲ھ میں فرض ہوئے اُس وقت آپ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو قیام رمضان اور تراویح کی ترغیب دی جب کہ تہجد کی فرضیت کو منسوخ ہوئے کئی سال گزر چکے تھے اور جس حکم کی فرضیت ایک دفعہ منسوخ ہو چکی ہو اُس کے دوبارہ فرض ہونے کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا پس آپ کا فرضیت کے خوف سے تراویح کی جماعت کو ترک کر دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ تراویح کی نماز تہجد کے علاوہ تھی کیونکہ تہجد کی فرضیت کا تو اب احتمال ہی نہ ہو سکتا تھا اور تراویح کی فرضیت کا خوف تھا فافترقا۔

(۴) عن ثعلبة بن ابي مالك القرظيؓ قال خرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ذات ليلة في رمضان فرأى ناساً في ناحية المسجد يصلّون فقال ما يصنع هؤلاء قال قائل يا رسول اللّٰه هؤلاء ناس ليس معهم القرآن وابي بن كعب يقرأ وهم معه يصلّون بصلوته قال قد احسنوا واصابوا ولم يكره ذلك لهم رواه البيهقي في المعرفة واسناده جيد (آثار السنن ص ۲۴۷)

حضرت ثعلبہ بن ابی مالک القرظی رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں ایک رات تشریف لائے لوگوں کو مسجد کے ایک کونے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ نے فرمایا "یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟" ایک کہنے والے نے کہا، اے اللہ تعالیٰ کے

پیغمبر! ان لوگوں کو قرآن پاک یاد نہیں اور ابی بن کعب پڑھتے ہیں اور یہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں آپ نے فرمایا "تحقیق انہوں نے اچھا کام کیا اور تحقیق انہوں نے صحیح کام کیا اور یہ بات آپ نے ان کے لئے ناپسند نہیں فرمائی" یہ حدیث بیہقی معرفت میں نقل کی ہے۔

(۵) عن ابی ہریرۃ قال خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاذا اناس فی رمضان یصلون فی ناحیۃ المسجد فقال ما ھؤلاء فقیل ھؤلاء ناس لیس معھم قرآن وابی بن کعب یصلی بھم وھم یصلون بصلوتہ فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اصابوا ونعم ما صنعوا رواہ ابو داؤد (زجاجۃ المصابیح ص ۳۴۳ ج ۱) وفیہ مسلم بن خالد ضعفہ بعضھم ووثقہ ابن معین فی روایتہ عنہ وابن حبان واخرج لہ غیر حدیث فی صحیحہ وقال ابن عدی ارجو لا باس بہ وھو حسن الحدیث (ملتقطاً من زجاجۃ ص ۳۴۳، ج ۱) یعنی حضورؐ ایک رات رمضان میں (مسجد نبوی کی طرف) نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ مسجد کے ایک کونے میں نماز پڑھ رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کون ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو قرآن یاد نہیں اس لئے وہ ابی بن کعب کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے بہت اچھا کام کیا۔

فائدہ:۔(۱) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں مسجد نبوی میں حضرت ابی بن کعبؓ باجماعت تراویح پڑھاتے تھے آپ نے دیکھ کر اس کی تحسین فرمائی۔

(۲) ان دونوں حدیثوں میں یہ جملہ ھؤلاء ناس لیس معھم قرآن سے ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ صحابہ اتنا قرآن بھی نہ جانتے تھے جس سے نماز ادا ہو سکے کیونکہ صحابہ کرام کے متعلق یہ تو احتمال ہی نہیں ہو سکتا۔ اس کا مطلب لامحالہ یہی ہے کہ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پورا قرآن حفظ یاد نہ تھا وہ پورا قرآن تراویح میں سننے کے لئے

حضرت ابی بن کعبؓ کے پیچھے تراویح پڑھتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ تراویح میں پورا قرآن ختم کرنے کو سنت سمجھتے تھے جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویب فرما دی۔

(۶) عن عبد الرحمٰن بن عبد القاری انہ قال خرجت مع عمر بن الخطاب لیلۃً فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسہ ویصلی الرجل فیصلی بصلوتہ الرھط فقال عمرؓ انی اری لو جمعت ھؤلاء علی قارئ واحد لکان امثل ثم عزم فجمعھم علی ابی بن کعبؓ ثم خرجت معہ لیلۃً اخری والناس یصلون بصلوۃ قارئھم قال عمرؓ نعمت البدعۃ ھذہ والتی تنامون عنھا افضل من التی تقومون یرید آخر اللیل وکان الناس یقومون اولہ رواہ البخاری (ج ۱ ص ۲۶۹) (زجاجۃ المصابیح ص ۳۲۳، ج ۱) عبد الرحمٰن بن عبد القاری سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا میں عمر بن خطابؓ کے ساتھ رمضان کی ایک رات کو مسجد میں گیا۔ سب لوگ متفرق اور منتشر تھے، کوئی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور کسی کے پیچھے بہت سے لوگ اس کی نماز کی اقتداء کئے کھڑے تھے۔ اس پر عمرؓ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ اگر تمام مسلمانوں کو ایک امام کے پیچھے جماعت کر دی جائے تو زیادہ اچھا ہو۔ چنانچہ آپ نے جماعت بنا کر ابی بن کعبؓ کو اس کا امام بنا دیا پھر دوسری رات میں آپ کے ساتھ ہی نکلا تو لوگ اپنے امام کے پیچھے نماز (تراویح) پڑھ رہے تھے۔ (یہ منظر دیکھ کر) عمرؓ نے فرمایا۔ یہ نیا طریقہ کس قدر بہتر اور مناسب ہے۔ لیکن (رات کا) وہ حصہ جس میں یہ سو جاتے ہیں۔ اس سے بہتر اور افضل ہے جس میں یہ نماز پڑھتے ہیں۔ آپ کی مراد رات کے آخری حصہ (کی فضیلت) سے تھی کیونکہ لوگ نماز رات کے شروع ہی میں پڑھ لیتے تھے۔

(۷) عن نوفل بن ایاس الھذلی قال کنا نقوم فی عھد عمر بن الخطابؓ فی المسجد فیتفرق ھھنا فرقۃ وھھنا فرقۃ وکان الناس یمیلون الی احسنھم صوتاً فقال عمرؓ اراھم قد اتخذوا القرآن اغانی اما واللہ لئن استطعت لاغیرن ھذا

يمسكن الا ثلاث ليال حتى امر ابيا فصلى بهم رواه البخاري في خلق افعال العباد وابن سعد وجعفر الفريابي واسناده صحيح (آثار السنن ص ۲۴۸)

(۹) عن عبدالله بن ابي بكرؓ قال سمعت ابيّ يقول كنا ننصرف في رمضان من القيام فنستعجل الخدم بالطعام مخافة فوت السحور وفي أخرى مخافة الفجر رواه مالك (عبداللہ بن ابوبکر فرماتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب ہم رمضان میں تراویح سے فارغ ہوتے تو اپنے نوکروں کو جلدی کھانا لانے کا کہتے سحری فوت ہونے کے ڈر سے)

فائدہ:- نمبر ۱۔ ان روایات اور مابعد کی روایات سے ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ کے عہد سے باقاعدہ نماز تراویح کی جماعت شروع ہوئی کیونکہ اب فرضیت کا خوف نہ تھا اور موافقت خلفاء اور صحابہ کی ثابت ہوئی ان سے جماعت کا تراویح میں سنت ہونا ثابت ہوا۔

(۲) روایت نمبر ۹ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے ان تراویح پڑھنے والوں کو ایک دوسری نماز کے پڑھنے کی ترغیب دی جو آخر لیل میں ہوتی ہے اور اس نماز کو تراویح سے افضل قرار دیا ظاہر ہے کہ وہ نماز تہجد ہے جس سے تہجد اور تراویح کا علیحدہ علیحدہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

مسئلہ جماعت:- والسنة فيها الجماعة لكن على وجه الكفاية حتى لو امتنع اهل المسجد عن اقامتها كانوا مسيئين ولو اقامها البعض فالمتخلف عن الجماعة تارك للفضيلة لان افراد الصحابة يروى عنهم التخلف (هداية ص ۱۵۱ ج ۱) هذا عند اكثر المشائخ ومنهم من قال من صلى التراويح منفردا كان تاركا للسنة وهو مسيئ" (حاشية هداية)

واقامتها بالجماعة سنة ايضاً (منية المصلي) (تراویح میں جماعت مسنون سنت کفایت کے طور پر یعنی اگر تمام مسجد والے تراویح کی جماعت نہ کرائیں تو وہ سب گنہگار ہوں گے اور اگر کچھ جماعت سے پڑھیں تو نہ پڑھنے والے فضیلت کے تارک ہوں گے یہ اکثر مشائخ کے ہاں ہے۔ جب کہ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ جو بھی اکیلے تراویح

پڑھے گا وہ سنت کا تارک ہوگا اور گنہگار ہوگا) اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص جماعت سے تراویح نہ پڑھے تو وہ فضیلت کا تارک ہے۔

وان صلی احد فی بیتہ بالجماعۃ حصل لہم ثوابہا وفضلہا ولکن لم ینالوا فضل الجماعۃ التی تکون فی المسجد لزیادۃ فضیلۃ المسجد وتکثیر جماعۃ واظہار شعائر الاسلام (کبیری ص ۳۸۴) (یعنی اگر کوئی شخص گھر میں باجماعت تراویح پڑھ لے تو اسے اس (جماعت) کا ثواب تو مل جائے گا لیکن جامع مسجد کی فضیلت اور مسجد اور تکثیر جماعت کی فضیلت اور شعائرِ اسلام کے اظہار کی فضیلت وثواب سے محروم ہوجائے گا)

فصل چہارم

بیس رکعت تراویح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے:- (۱) اخرج ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ حدثنا یزید (بن ھارون) انبأ نا ابراھیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباسؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر واخرجہ الطبرانی وعبد بن حمید والبیہقی نحوہ' ولفظ البیہقی عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان فی غیر جماعۃ عشرین رکعۃ والوتر (کذافی تحفۃ الاخیار فی احیاء سنۃ سید الابرار لمولانا عبدالحی لکھنویؒ)قلتُ ھو حسن" او مقبول" (ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔ اور بیہقی کے الفاظ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔)

تحقیق صحت حدیث:

(۴) یہ امر عقلاً شرعاً اور عرفاً بالکل مسلّم ہے کہ کسی کی تصدیق وتائید یا ابطال وتردید کے دو ہی طریقے ہیں (۱) قول (۲) فعل۔ قولی تصدیق یہ ہے کہ زبان سے کسی کی تصدیق کر لی جائے اور فعلی تصدیق یہ ہے کہ اس شخص کی بات کو عملی جامہ پہنا دیا جائے اسی طرح قولی تردید تو یہ ہے کہ زبان سے کسی کو جھٹلا دیا جائے اور فعلی تردید یہ ہے کہ عملی طور پر اسے نظر انداز کر دیا جائے با لکل یہی مسئلہ اصول حدیث میں مسلّم ہے چنانچہ صحیح حدیث دو قسم کی ہوتی ہے۔

(۱) جس کے ہر ایک راوی کی عدالت وضبط ائمہ حدیث نے بیان کی ہو پھر وہ سند متصل بھی ہو اور شذوذ وعلت خفیہ سے پاک ہو۔

(۲) جس کو اہل علم نے تلقی بالقبول کر لیا ہو یہ اہل علم کی فعلی تصدیق ہے اس کے بعد قولی تصدیقات یعنی سند کے ایک ایک راوی کی تفتیش کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ فعلی تصدیق زیادہ قوی ہوتی ہے اس لحاظ سے صحیح حدیث کی دو تعریفیں ہوئیں۔ (۱) ھو الخبر الواحد المتصل المسند بنقل عدل تام الضبط غیر معلل ولا شاذ (۲) (الف) علامہ جلال الدین سیوطیؒ نظم الدرر میں فرماتے ہیں المقبول ما تلقاہ العلماء بالقبول وان لم یکن له اسناد صحیح۔ امام سخاویؒ شرح الفیۃ الحدیث میں فرماتے ہیں اذا تلقت الامة الضعیف بالقبول یعمل به علی الصحیح حتیٰ انه ینزل منزلة المتواتر فی انه ینسخ المقطوع به ولھذا قال الشافعیؒ حدیث لا وصیة لوارث لا یثبته اھل الحدیث ولکن العامة تلقته بالقبول وعملوا به حتیٰ جعلوه ناسخاً لآیة الوصیة للوارث۔ (یعنی اگر کسی ضعیف حدیث کو امت قبول کر لے تو اس پر عمل کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ بمنزل متواتر کے ہو جائے گی جس سے کسی قطعی دلیل آیت کو منسوخ بھی کیا جا سکے گا۔ اسی لئے تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں

کہ لا وصیة لوارث اگرچہ اسے محدثین ثابت نہیں کرتے لیکن تلقی بالقبول کی وجہ سے اسے اس آیت کے لئے ناسخ بنا دیا ہے جس میں وارث کی وصیت کا ذکر ہے) علامہ حافظ ابن حجرؒ الافصاح علی نکت ابن صلاح میں لکھتے ہیں ومن جملة صفات القبول التی لم یتعرض لها شیخنا الحافظ یعنی ابن العراقی ان یتفق العلماء علی العمل بمدلول الحدیث فانه یقبل حتی یجب العمل به وقد صرح بذلک جماعة من ائمة الاصول ومن امثله قول الشافعیؒ (المذکور) (یعنی کسی حدیث کے مقبول ہونے کی صفات میں سے ایک صفت یہ ہے کہ علماء اس حدیث کے مدلول پر عمل پر متفق ہو جائیں پس ایسی حدیث مقبول ہوگی اور اس پر عمل واجب ہوگا۔ ائمہ اصول نے اس کی تصریح کی ہے۔ جن میں امام شافعیؒ بھی ہیں) ترمذی پڑھنے والے پر تو یہ اصول تو نہایت واضح ہے کہ امام ترمذیؒ اکثر مقامات پر سند پر جرح نقل کر کے پھر لکھ دیتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر عمل ہے جس سے ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اگرچہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح نہیں مگر اہل علم کی قبول تصدیق کی وجہ سے قابل عمل و مقبول ہوگی چنانچہ امام سیوطیؒ تعقبات میں جمع بین الصلاتین کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں اخرجه الترمذی وقال حسین ضعفه احمد وغیره والعمل علیه عند اهل العلم فاشار بذلک ان الحدیث اعتضد بقول اهل العلم وقد صرح غیر واحد بان من دلیل صحة الحدیث قول اهل العلم به وان لم یکن له اسناد یعتمد علی مثله (العقبات ص ۱۲) علامہ ابن عبدالبر مالکی اسی اصول کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں لما حکی الترمذی ان البخاری صحح حدیث البحر الطهور ماءه واهل الحدیث لا یصححون مثل اسناده لکن الحدیث عندی صحیح لان العلماء تلقوه بالقبول (تدریب الراوی ص ۱۵) یعنی البحر الطهور ماءه والی حدیث کو امام بخاری نے صحیح فرمایا ہے اور محدثین نے اسے صحیح نہیں کہا (ترمذی فرماتے ہیں کہ) لیکن یہ حدیث

میرے نزدیک صحیح ہے کیونکہ علماء کی تلقی بالقبول اسے حاصل ہے) الغرض آئمہ اصول کی تعریحات سے واضح ہے کہ صحت حدیث کا مدار صرف سند پر ہی نہیں بلکہ اہل علم کے تلقی بالقبول پر بھی ہے۔ اگر کوئی حدیث سند کے اعتبار سے خواہ کتنی ضعیف کیوں نہ ہو مگر اسے تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو جائے تو وہ نہ صرف قابل عمل ہو جاتی ہے بلکہ بعض حالات میں اس پر عمل واجب ہو جاتا ہے اور امام شافعی وغیرہم تو فرماتے ہیں کہ تلقی بالقبول کا شرف اتنا بڑا شرف ہے کہ بعض اوقات ایسی حدیث متواتر کا درجہ اختیار کر لیتی ہے اور اس کے ساتھ قرآن کی قطعی آیت کو بھی منسوخ کیا جا سکتا ہے۔ امام بخاری بھی اس اصول پر کاربند ہیں اور جبکہ اسلام عملی دین ہے تو اس میں تعامل کی اہمیت کا انکار کرنا در اصل اسلام کو عملی کی بجائے نظری بنانا ہے اور جبکہ یہ اصول مسلم ہے تو خلفائے راشدین، صحابہ، تابعین اور مابعد کے تیرہ سو سال کے تمام مسلمانوں کے تعامل سے زیادہ تعامل اور کیا ہو سکتا ہے، اس لحاظ سے یہ (ابن عباس کی مذکورہ بالا) حدیث نہایت صحیح اور قابل ترجیح ہو جاتی ہے پس ہمارے غیر مقلد دوستوں کا اس بات میں ورق سیاہ کرنا کہ فلاں فلاں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، نہ ان کو مفید ہے نہ ہم کو مضر کیونکہ ان سب اقوال سے یہی ثابت ہوگا کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ جو حدیث تلقی بالقبول کا درجہ حاصل کر لے وہاں سند کا ضعف بالکل مضر نہیں کیونکہ وہ ایک عملی حقیقت بن چکی ہے اور نظری بحثوں سے بالا ہو چکی ہے، ہاں اگر ہمارے غیر مقلد دوست اس کے تلقی بالقبول میں شک کریں تو ان کے ذمہ لازم ہے وہ عہد فاروقی کے آخری دور سے لے کر تیرھویں صدی ہجری کے ابتدائی دور تک پوری اسلامی دنیا میں کسی ایک مسجد کی نشاندہی کر دیں کہ فلاں مسجد میں تراویح کی جماعت بیس رکعت سے کم ہوتی تھی، میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ وہ انشاء اللہ العزیز اس پورے دور میں ساری اسلامی دنیا میں ایک مسجد بھی ایسی نہ بتا سکیں گے جہاں بیس سے کم تراویح باجماعت پڑھائی جاتی ہوں تو پھر اس سے بڑھ کر اس حدیث پر تعامل کا ثبوت اور کیا ہوگا؟ اور

ایسے مذ بردست تعامل کے بعد پھر اس کی سند کی تحقیق کرنا گویا بدیہی کو نظری بنانا ہے۔

بیس رکعت کی حدیث کی محدثانہ تحقیق:۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث کی سند پر ہمارے بعض احباب نے بہت لے دے کی ہے سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ہے جو سخت ضعیف ہے۔

ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ:۔

بڑے نیک اور دیندار شخص تھے یہ صاحب مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ کے دادا ہیں اپنے زمانہ میں واسط کے قاضی تھے نہایت عادل تھے۔

عدالت:۔

امام بخاریؒ کے استاذ الاستاذ حضرت یزید بن ہارون [1] جو بہت بڑے حافظ حدیث اور نہایت ثقہ ہیں وہ ابوشیبہ کے محکمہ عدالت میں کاتب تھے اور شب و روز کے واقف کار تھے، ابوشیبہ کے متعلق فرماتے ہیں: **ما قضی علی الناس یعنی فی زمانہ اعدل فی قضاء منہ** (تہذیب التہذیب ص ۱۴۵ ج ۱) احادیث میں یہ بات نہایت واضح ہے کہ عادل قاضی قیامت کے دن عرش کے سایہ میں نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے اور ابوشیبہ نہ صرف عادل بلکہ اعدل ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قاضی کی عدالت کی شرطیں راوی کی عدالت کی شرطوں سے سخت ہیں تو جب امام یزید بن ہارون جیسے جلیل القدر محدث فقیہ ابوشیبہ کو قضاء میں اعدل فرما رہے ہیں تو ابوشیبہ کے متدین اور اعدل فی الروایت ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے، جب ایسے شخص (عادل قاضی) کے متدین کی خود خدا اور رسول تعریف فرماتے ہیں۔

---

[1] آپ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے، دیگر اکابر شیوخ کے علاوہ حضرت امام اعظمؒ سے سند حدیث حاصل کی امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین، ابن ابی شیبہ کے علاوہ ایک ایک حلقہ میں ستر ہزار تک تلامذہ کا اجتماع ہوتا تھا، بیس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں، حضرت علی بن المدینیؒ جو امام بخاریؒ کے استاد ہیں کہا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ کسی کو حافظ الحدیث نہیں دیکھا، ۲۰۶ھ میں وصال ہوا۔

(تہذیب الاسماء واللغات للنووی بحوالہ سیرۃ النعمان مختصراً)

حفظ وضبط:۔

اصول حدیث میں ثقہ راوی میں دو باتوں کا ہونا ضروری ہے (۱) عدالت یعنی اس کا دیندار ہونا (۲) حفظ وضبط یہ کہ راوی کا حافظہ پختہ ہو اور بات کو خوب یاد رکھتا ہو، ابو شیبہ کے تدین وعدالت پر تو امام یزید بن ہارون کی مفسر شہادت کے بعد شبہ ہی نہیں ہو سکتا لیکن یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید ابو شیبہ کا حافظہ خراب ہو اور اس وجہ سے وہ ضعیف ہو۔ لیکن یہ شبہ بھی غلط ہے، علامہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ نمبر ۷ا صفحہ ۶۸ پر فرماتے ہیں ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ الحافظ اس سے معلوم ہوا کہ ابو شیبہ کا حافظہ بھی قوی تھا لہٰذا جس کا تدین اور حفظ وضبط محدثین کے اصول پر ثابت ہو گیا اور ابو شیبہ اس روایت میں کسی ثقہ کا مخالف بھی نہیں تو حدیث کے صحیح ہونے میں کیا شبہ رہا کیونکہ حدیث صحیح کی تعریف کیا ہے۔

ھو خبر الواحد (۱) المتصل السند (۲) بنقل عدل (۳) تام الضبط (۴) غیر معلل بقادح (۵) ولا شاذ تو اب یہ حدیث متصل السند بھی ہے ابو شیبہ عادل بلکہ اعدل بھی ہے اور حافظ تام الضبط بھی کسی راوی کی مخالفت بھی نہیں کرتا کہ شذوذ کی وجہ پائی جائے اور کوئی علت قادحہ بھی نہیں پھر کونسی وجہ ہے اور کیا جواز ہے کہ ابو شیبہ کی اس حدیث کو ضعیف کہا جائے۔

ابو شیبہ پر جرح:۔

امام ذہبیؒ میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کذبہ شعبۃ لکونہ یروی عن الحکم عن ابن ابی لیلیٰ انہ قال شھد صفین من اھل بدر سبعون فقال شعبۃ کذب واللّٰہ لقد ذاکرت الحکم فما وجدنا شھد صفین احد من اھل بدر غیر خزیمۃ قلتُ سبحان اللّٰہ اما شھدھا علیؓ واما شھدھا عمار (میزان الاعتدال) امام احمدؒ ایک روایت میں ضعیف فرماتے ہیں اور دوسری میں فرماتے ہیں متروک الحدیث قریب من الحسن بن عمارۃ، امام بخاری۔ نسائی۔ ابوداؤد۔ ابو حاتم، ابو علی نیشا

پوری۔ صالح جزرہ۔ دار قطنی وغیرہ نے اُسے ضعیف کہا ہے۔ قال ابو الاحوص ممن روی عنہ شعبۃ من الضعفاء ابو شیبۃ قال ابن عدی لہ احادیث صالحۃ وھو خیر من ابراھیم بن ابی حیۃ (تہذیب التہذیب ص۱۴۵ ج۱) ۱؎

ابو شیبہ کے متعلق یہ متضاد اقوال دیکھ کر آپ یقیناً حیران ہوں گے کہ یہ کیا ہے مگر جس شخص کی نظر کتب اسماء الرجال پر ہے وہ جانتا ہے کہ راویوں کے متعلق اس قسم کا اختلاف کوئی انوکھی بات نہیں ہے ثقہ سے ثقہ راوی کو بھی بعض نے ضعیف کہہ دیا ہے اور ضعیف سے ضعیف راوی کو بھی بعض نے ثقہ کہہ دیا ہے اس لئے کسی راوی کے متعلق صحیح فیصلہ کرنے کے لئے تین چیزوں کی پرکھ ضروری ہے (۱) جارح کی حیثیت (۲) جرح کا سبب اور صیغہ جرح کا مرتبہ (۳) تعدیل کی اور معدل کی حیثیت۔

جارحین:

کتب اسماء الرجال پر نظر رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ بعض جارحین نہایت متشدد ہیں وہ ذرا ذرا سی بات پر جرح کر دیتے ہیں، بعض نہایت متساہل ہیں اور بعض متوسط یا معتدل ہیں قال الحافظ ابن حجر فی نکتہ علی ابن صلاح ان کل طبقۃ من نقاد الرجال لا یخلو من متشدد ومتوسط فمن الاولی شعبۃ ۲؎ وسفیان الثوری وشعبۃ اشد منہ ومن الثانیۃ یحیی القطان وابن مھدی ویحیی اشد منہ ومن الثالثۃ یحیی بن معین واحمد بن حنبل ویحیی اشد من احمد ومن

۱؎　مطلب یہ کہ یہاں جو ہمارے غیر مقلد دوست شعبہ کی جرح کو ثابت کرنے کے لئے اُن کو بہت ذی شان قرار دیتے ہیں اور ثقہ بھی کہا ہے مگر آمین کہنے کی حدیث میں جب یہی شعبہ سند میں آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس ایک ہی حدیث میں شعبہ نے تین غلطیاں کی ہیں یہی شعبہ جب جابر جعفی کو جو حدیث گھڑنے والا ہے امام القراءۃ للامام البخاری ص۱۰۶ کا راوی ہے ثقہ کہتے ہیں تو غیر مقلد حضرات الگ جا بیٹھتے ہیں۔

۲؎　شعبہ کا تشدد ترمذی کتاب العلل ص۶۶۳ پر بھی ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح معمولی معمولی بات پر جرح کی۔ عبد الملک بن ابی سلیمان اور حکیم بن جبیر جیسے حفاظ حدیث کو متروک قرار دے دیا ہے حالانکہ یہ صحاح کے مرکزی راوی ہیں اور ان کی روایت ہے (ترمذی ص۲۵ ج۱) اور عبد الملک مذکور میزان فی العلم (ترمذی ص۶۶۵)

الرابعة ابو حاتم والبخاری و ابو حاتم اشد من البخاری۔

(الرفع والتکمیل ص ۹ للمولانا عبدالحی لکھنوی)

متشددین:۔

شعبہ۔ ابوحاتم۔ نسائی۔ ابن معین۔ یحییٰ القطان۔ ابن حبان۔ ابن جوزی۔ ابن تیمیہ وغیرہ

متعصبین:۔ جوزجانی۔ ذہبی۔ بیہقی۔ دارقطنی۔ خطیب وغیرہ۔

متساہلین:۔ ترمذی، حاکم وغیرہ۔

معتدلین:۔ احمد۔ ابن عدی وغیرہ۔

اقسام جرح:۔ جس طرح جرح کرنے والے کئی قسم کے ہیں اسی طرح جرح بھی کئی قسم کی ہوتی ہیں مگر سب اقسام دو کی طرف راجع ہیں۔

(۱) جرح مفسر:۔ جس میں جرح کرنے والا جرح کا سبب بیان کر دے کہ یہ راوی عدم تدین کی وجہ سے یا حافظہ کی خرابی کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس دعوے پر وضاحت بھی کرے۔

(۲) جرح مبہم:۔ جس میں جرح کا کوئی سبب بیان نہ کرے ویسے ہی ضعیف، لیس بالقوی، متروک وغیرہ کہہ دے۔

ایک مغالطہ کی اصلاح:۔ سلف میں حدیث کی صرف دو قسمیں تھیں صحیح اور ضعیف اور متاخرین محدثین نے تین قسمیں بیان کیں صحیح۔ حسن۔ ضعیف۔ اس بحث کو العلامۃ المحدث القاضی الشیخ حسین بن محسن الانصاری الیمانی نے اپنے رسالہ التحفۃ المرضیہ میں نہایت بسط سے لکھا ہے۔ قال ابن تیمیۃ اثبات الحسن اصطلاح الترمذی وغیر الترمذی من اھل الحدیث لیس عندھم الا صحیح وضعیف والضعیف عندھم ما انحط عن درجۃ الصحیح ثم قد یکون متروکاً وھو ان یکون متھما او کثیر الغلط وقد یکون حسناً (التحفۃ المرضیہ ص ۲۷۰)

(یعنی حسن کی اصطلاح ترمذی کی وضع کردہ ہے جب کہ ان کے علاوہ محدثین کے ہاں حدیث کی دو قسمیں ہیں صحیح اور ضعیف اور ضعیف وہ ہے جو صحیح کے درجے سے کم ہو پھر جا بے وہ

متروک ہو اور متروک وہ ہے جو متہم یا کثیر الغلط راوی سے ہو یا ہو بے حسن ہو۔)

الحاصل:۔ بقول ابن تیمیہؒ امام ترمذی سے پہلے حدیث حسن کو بھی ضعیف کہا جاتا تھا ان کے نزدیک حدیث ضعیف دو قسم کی تھی قابل عمل نا قابل عمل، امام ترمذیؒ نے قابل عمل کے لئے حسن کی اصطلاح وضع فرمائی اور نا قابل عمل کے لئے ضعیف۔ اس لئے سلف محدثین میں سے کسی کا قول ضعیف دیکھ کر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ من کل الوجوہ ضعیف ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ حسن ہو اور حسن بالاتفاق قابل عمل ہے۔

ابو شیبہ کی جرح کا حال:۔

ابو شیبہ کے متعلق جرح کے جو اقوال اوپر نقل کئے گئے ہیں۔ ان کے متعلق تین باتیں یاد رہیں:

اوّل:۔ جن لوگوں نے جرح کی ہے ان میں سے شعبہ کے سوا کوئی بھی ابو شیبہ کا معاصر نہیں، جب انہوں نے ابو شیبہ کو دیکھا ہی نہیں تو ان کی جرح یقینا شعبہ کی تقلید ہے۔

دوم:۔ شعبہ کے سوا کسی ایک محدث نے بھی ابو شیبہ پر مفسر جرح نہیں کی بلکہ مبہم جرح کی ہے الغرض ابو شیبہ میں مفسر اور مبین السبب جرح کرنے والا صرف ایک شخص شعبہ ہے، باقی سب بعد کے زمانہ میں شعبہ کے مقلد یا ناقل ہوئے ہیں، اب شعبہ کی جرح کا حال ملاحظہ ہو۔

شعبہ کی جرح:۔ یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ شعبہ کا نام متشددین میں سرفہرست ہے، ابو شیبہ پر اس کی جرح یہ ہے کہ اس نے حکم کے واسطہ سے ابن ابی لیلیٰ سے روایت کی ہے کہ جنگ صفین میں اہل بدر میں سے ستر (۷۰) صحابہ شامل تھے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ حکم سے جب میں نے مذاکرہ کیا تو ہم اس فیصلہ پر پہنچے کہ اہل بدر میں سے خزیمہ کے سوا کوئی بھی جنگ صفین میں موجود نہ تھا۔

امام ذہبیؒ:۔ فرماتے ہیں سبحان اللہ (یعنی بڑے تعجب کی بات ہے) کہ جنگ صفین میں حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ کا ہونا نہایت ظاہر ہے اور یہ دونوں اہل بدر سے ہیں یعنی امام ذہبی نے فیصلہ دیا کہ شعبہ اور حکم کا مذاکرہ بالکل غلط ہے۔

لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اس مذاکرے سے ابو شیبہ کا جھوٹا ہونا کیسے ثابت ہوا
کیونکہ ابو شیبہ نے حکم سے ابن ابی لیلیٰ کی روایت بیان کی ہے اور شعبہ نے خود حکم کی رائے بیان
کی ہے اور یہ بات کوئی مستبعد نہیں کہ ایک شخص کی رائے اس کی کسی روایت کے خلاف ہو۔
ابو شیبہ کی روایت کا تو شعبہ کے مذاکرہ میں تذکرہ ہی نہیں آیا اور نہ حکم نے یہ کہا کہ میں نے ابو
شیبہ سے یہ روایت بیان نہیں کی تو ابو شیبہ کا جھوٹا ہونا کیسے ثابت ہوگا۔

لیکن میں مسئلے کی توضیح کے لئے کہتا ہوں کہ اگر بالفرض شعبہ حکم کے سامنے اس
روایت کا ذکر بھی کرتا اور حکم اس روایت کا صاف انکار کر دیتا کہ میں نے یہ روایت بیان نہیں
کی یقینی نہیں جانتا تو پھر بھی ابو شیبہ ضعیف الحدیث ثابت نہ ہوتا اور یہ مسلک جمہور محدثین اور
اصحاب اصول کا قول ہے۔

انکار شیخ: تفصیل مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر ایک ثقہ راوی اپنے استاد سے روایت کرے پھر
استاد اس روایت کا انکار کرے تو یہ انکار دو قسم کا ہے (۱) مثلاً یہ کہے میں نہیں جانتا یا میں نے
یہ روایت نہیں کی وغیرہ تو اس صورت میں وہ روایت مقبول ہوتی ہے اور راوی ثقہ
رہتا ہے (۲) اگر شیخ جزم کے صیغہ سے انکار کرے کہ وہ بالکل جھوٹا ہے میں نے ہرگز یہ
روایت نہیں کی تو اس راوی کی وہ روایت قابل قبول نہ ہوگی مگر راوی پھر بھی ثقہ رہے گا اور
اس کی باقی روایات صحیح ہوں گی۔ ایک دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

مثال اول: ابن ماجہ، ابو داؤد، ترمذی، حاکم وغیرہ میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے
ایما امرأة نکحت بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل الحدیث یہ حدیث سلیمان
بن موسیٰ نے زہری سے روایت کی ہے ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث سلیمان
سے سنی اس نے کہا کہ میں نے زہری سے سنی ہے، ابن جریج کہتے ہیں میں جب زہری
سے ملا میں نے اس سے اس حدیث کی بابت سوال کیا **فلم یعرفه** یعنی زہری اس حدیث کو
پہچانتا ہی نہ تھا۔ اب غور کریں اصول جو شعبہ نے ابو شیبہ کے متعلق استعمال کیا ہے یہاں

استعمال کیا جائے تو سلیمان بن موسیٰ کو کاذب، منکر الحدیث اور ضعیف و متروک کہنا چاہیے اور اس حدیث کو ضعیف کہنا چاہیے مگر محدثین نے اس کے متعلق یہ کہا ہے۔

قال ابن حبان :- **فی صحیحہ ولیس هذا مما یقدح فی صحة الخبر لان الحافظ من اهل العلم قد یحدث بالحدیث ثم ینساہ فاذا سئل عنه لم یعرفه فلا یکون نسیانه دالا علی بطلان الخبر** (زیلعی ص ۱۸۵، ج ۳) (یعنی بعض ضابط راوی ایک حدیث کو روایت کرتا ہے اور پھر اسے بھول جاتا ہے، اور جب دوبارہ اس سے وہی حدیث پوچھی جائے تو وہ اس حدیث کو پہچانتا نہیں تو یہ بھول جانا حدیث و خبر کے باطل ہونے کی دلیل نہیں ہے اس لئے یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس سے حدیث و خبر کی صحت متاثر ہو)

امام حاکمؒ :- فرماتے ہیں **فقد ینسی الثقة الحافظ بعد ان حدث به وقد اتفق ذالک لغیر واحد من الحفاظ** (مستدرک ص ۱۶۹، ج ۲) (یعنی بہت سارے حفاظ حدیث روایت کرنے کے بعد بھول گئے۔)

قال ابن الجوزیؒ :- **انکار الزهری الحدیث لا یطعن فی روایته لان الثقة قد یروی وینسی** (زیلعی ص ۱۶۸، ج ۳) (یعنی امام زہریؒ کا کسی اپنی روایت کردہ حدیث کا انکار کرنا کوئی عیب نہیں کیونکہ ثقہ بھی روایت کر کے بھول جاتا ہے۔)

قال احمد بن حنبلؒ :- **کان ابن عیینة یحدث بأشیاء ثم یقول لیس هذا من حدیثی ولا اعرفه وروی عن** سہیل بن ابی صالحؒ **انه ذکر له حدیث فانکره فقال له ربیعة انت حدثتنی به عن ابیک فکان سهیل یقول حدثنی ربیعة عنی وقد جمع الدار قطنی جزءً فیمن حدث ونسی** (زیلعی ص ۱۸۷، ج ۳) علامہ ابن حجرؒ نے بھی ابن حبان و حاکم کے قول کو مختصر اً نقل کیا ہے۔ (الدرایہ علی الہدایہ ص ۲۱۵، ج ۲)

دوسری مثال :- **حدثنا ابن ابی عمر قال ثنا سفیان بن عیینة عن عمرو بن دینار عن ابی معبد مولی ابن عباسؓ انه سمعه یخبر عن ابن عباسؓ قال ما کنا**

نعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا بالتکبیر قال عمرو فذکرت ذلک لابی معبد فانکرہ وقال لم احدثک بھذا قال عمرو وقد اخبرنیہ قبل ذلک (صحیح مسلم مع النووی ص ۲۱۷ ج ۱) امام نوویؒ فرماتے ہیں "فی احتجاج مسلم بھذا الحدیث دلیل علیٰ ذھابہ الی صحۃ الحدیث الذی یروی علیٰ ھذا الوجہ مع انکار المحدث لہ اذا حدث بہ عنہ ثقۃ وھذا مذھب جمہور العلماء من المحدثین والفقہاء والاصولیین (نووی ص ۲۱۷ ج ۱) (یعنی امام مسلمؒ کا اس سے حجت پکڑنا اس کی صحت کی دلیل ہے حالانکہ محدث (راوی) اس حدیث کا انکار کر رہا ہے بشرطیکہ ثقہ اس سے روایت کرے اور یہی جمہور محدثین، فقہاء اور اصولیوں کا اصول ہے)

تیسری مثال:۔ صحیح مسلم باب لا عدوی الخ میں ابوھریرہؓ کی حدیث ہے ابوسلمہ اور حارث بن ابی ذباب وہ حدیث روایت کرتے ہیں ان کے ہی سامنے ابو ہریرہؓ نے کلی طور سے انکار فرمایا کہ میں اس حدیث کو نہیں جانتا اس کی شرح میں امام نوویؒ لکھتے ہیں ان نسیان الراوی للحدیث الذی رواہ لا یقدح فی صحتہ عند جماھیر العلماء بل یجب العمل بہ (نووی ص ۲۳۰ ج ۲) (یعنی جمہور علماء کے ہاں کسی راوی کا اپنی روایت کردہ حدیث کو بھول جانا اس حدیث کی صحت پر اثر نہیں کرتا بلکہ اس پر عمل واجب ہے۔)

امام نوویؒ:۔ فرماتے ہیں "فاما اذا انکرہ انکاراً جازماً قاطعاً بتکذیب الراوی عنہ وانہ لم یحدثہ بہ قط فلا یجوز الاحتجاج بہ عند جمیعھم لان جزم کل واحد یعارض جزم الآخر والشیخ ھو الاصل فوجب اسقاط ھذا الحدیث ولا یقدح ذلک فی باقی احادیث الراوی لانالم نتحقق کذبہ (نووی ص ۲۱۷ ج ۱) (یعنی اگر استاد حدیث کا قطعی طور پر اور پختگی کے ساتھ انکار کرے تو صرف اسی حدیث کا اعتبار ساقط ہوگا اور یہ چیز راوی (شاگرد) کی دوسری روایات

پر اثر انداز نہ ہوگی۔)

الحاصل مذکورہ مثالوں میں ابوسلمہ، حارث بن ابی ذباب، عمرو بن دینار اور سلیمان بن موسیٰ کی روایات پر ان کے شیوخ نے انکار فرمایا مگر اس انکار کی وجہ سے کسی نے ان کو ضعیف اور متروک نہیں کہا۔ لہٰذا حکم اگر ابوشیبہ کی صفین میں اہل بدر کی تعداد والی روایت کا جزماً انکار کرتا اور ابوشیبہ کو صاف جھوٹا کہتا تو بھی ابوشیبہ کی صرف وہی روایت ساقط الاعتبار ہوتی نہ کہ تمام روایتیں اور یہاں تو سرے سے حکم کا انکار کرنا ہی ثابت نہیں تو ابوشیبہ کو جھوٹا کہنا اور اس کو اس وجہ سے ضعیف کہنا بالکل غلط ہے۔ یہاں تو واقعہ صرف یہ ہے کہ ابوشیبہ کے سامنے حکم نے ابن ابی لیلیٰ کی تحقیق بیان کی اور شعبہ کے سامنے اپنی تحقیق بیان کی تو اختلاف ہوگا تو ابن ابی لیلیٰ اور حکم میں، ابوشیبہ سے جھوٹ کا کیا تعلق، الغرض جس بنیاد سے جرح کی ساری عمارت تعمیر کی گئی ہے وہ بنیاد ہی سرے سے غلط ہے۔

کَذَّبَہٗ شُعْبَۃ:۔ جب شعبہ کا قول سرے سے جرح ہی نہ رہا تو کذبہ شعبہ کا ایسا ہی مطلب لیا جائے گا جو جرح نہ بنے۔ سو یاد رہے کہ کذب کا لفظ اہل عرب دو معنوں میں استعمال کرتے ہیں، جھوٹ بولنا جس سے تدین و عدالت مجروح ہو جاتی ہے اور بمعنی اخطأ۔

علامہ ابن حجرؒ:۔ فتح الباری کے مقدمہ میں فرماتے ہیں **قال ابن حبان اهل الحجاز يطلقون كذب في موضع اخطأ ذكر ابن عبد البر كذلك وامثلة كثيرة والقائل كذب ابو محمد هو عبادة بن الصامتؓ لما اخبر انه يقول الوتر واجب فان ابا محمد لم يقله رواية وانما قاله اجتهاداً والمجتهد لا يقال انه كذب انما يقال انه اخطأ** (ص ۴۲۶) (یعنی اہل حجاز اخطأ کی جگہ پر کذب کا لفظ بول دیتے ہیں۔ ابن عبد البر نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور اس کی مثالیں کتب اسماء الرجال میں کثیر ہیں۔ اور کذب ابو محمد کہنے والے عبادہ بن صامتؓ ہیں۔ جب انہیں یہ خبر دی گئی کہ ابو محمد کہتے ہیں وتر واجب ہیں۔ کیونکہ ابو محمد نے یہ بات روایۃً نہیں کہی بلکہ اجتہاداً کہی تھی اور مجتہد کے بارے میں کذب نہیں بلکہ اخطأ کہا جاتا ہے۔)

اس دوسرے معنی میں یہ لفظ جرح ہی نہیں چنانچہ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے ابو محمد کے متعلق کذب فرمایا حالانکہ ابو محمد کسی کے نزدیک مجروح ضعیف اور متروک نہیں ہوا۔

دو قرینے:۔ کذبہ شعبہ میں کذب بمعنی اخطأ لینے پر دو زبردست اور واضح قرینے موجود ہیں (۱) میں یہ ثابت کر چکا ہوں کہ اصول حدیث کے مطابق شعبہ کا یہ بیان جرح نہیں بن سکتا تو پھر خواہ مخواہ اس کا ایسا معنی کیوں لیا جائے جس سے خود اصول حدیث ہی مجروح ہو جائے (۲) آپ ابو الاحوص کا بیان پڑھ آئے ہیں کہ شعبہ خود ابو شیبہ سے روایت کرتا ہے اور شعبہ بجز ثقہ راوی کے کسی سے روایت نہیں کرتا تو معلوم ہوا کہ تو شعبہ کے نزدیک بھی ابو شیبہ متروک نہیں ورنہ وہ خود اس سے روایت کیوں کرتا۔

جب شعبہ کی جرح ہی غیر مؤثر ثابت ہو گئی تو باقی سب جارحین کی جرح بھی غیر مؤثر ہو گئی کیونکہ ان میں سے کوئی بھی ابو شیبہ کا معاصر نہیں اور نہ کسی کی جرح مفسر ہے۔

سقوط جرح:۔ اگر ہم کذبہ شعبہ سے جرح ہی مراد لیں **حدثنی عبید اللّٰہ بن معاذ العنبری قال نا ابی قال کتبت الی شعبۃ اسالہ عن ابی شیبۃ قاضی واسط فکتب انی لا تکتب عنہ شیا ومزق کتابی** (صحیح مسلم ص ۱۷، ج ۱) تو اب شعبہ کا قول اور فعل متعارض ہوں گے کہ قولاً وہ ابو شیبہ کو مجروح قرار دیتے ہیں اور عملاً اس سے روایت کرتے ہیں تو بوجہ تعارض شعبہ کی جرح ساقط ہو گئی اور باقی تمام محدثین کی جرح اسی بنیاد پر تھی، اس بنیاد کے ہدم سے وہ بھی کالعدم ہو گئی۔

متشدد کی جرح کا حکم:۔ میں کہتا ہوں اگر شعبہ جرح کے بعد اس سے روایت نہ بھی کرتا پھر بھی یزید بن ہارون کی توثیق کی بناء پر ابو شیبہ ثقہ ہی قرار پاتے ہیں کیونکہ یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ شعبہ متشددین میں سرفہرست ہے اور متشدد کی جرح کے متعلق اصول حدیث میں یہ قاعدہ ہے **اذا ضعف رجلاً فانظر هل وافقه غيره على تضعيفه فان وافقه ولم يوثق ذلك الرجل احد من الحذاق فهو ضعيف وان وثقه احد فهو ثقة** (مقدمہ اعلاء السنن) (یعنی جب متشدد کسی راوی کی تضعیف کرے تو اس تضعیف میں کوئی

اور بھی اس کے موافق ہو اور ماہرین میں سے کوئی بھی اس راوی کی توثیق نہ کرے وہ راوی ضعیف ہے۔ اور اگر کوئی اور جارح اس راوی کی توثیق کرے تو وہ راوی ثقہ ہوگا۔)

اس اصول کے موافق معاصرین ابی شیبہ سے اگر کوئی حاذق ابوشیبہ کی توثیق کر دے اور شعبہ کی کوئی موافقت نہ کرے تو ابوشیبہ ثقہ ہوگا اور یہاں یہی پوزیشن ہے کہ شعبہ کے سوا معاصرین ابی شیبہ سے کسی نے اس میں جرح نہیں کی اور یزید بن ہارون نے توثیق کردی تو ابوشیبہ ثقہ قرار پائے گا۔

تنبیہ:۔ جس طرح شعبہ کی جرح کے متعلق رائی کا پہاڑ بنایا گیا ہے اسی طرح بعد کے محدثین کی جرح کو بھی غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے، ان کے متعلق پہلی بات یہ ذہن نشین رہے کہ یہ جارح نہیں بلکہ محض ناقل ہیں کیونکہ یہ ابوشیبہ کے معاصر نہیں ہیں۔

میں یہ عرض کر آیا ہوں کہ سلف میں ضعیف کا لفظ متاخرین کی مصطلحہ حسن کو بھی شامل تھا اس لئے جن محدثین نے ابوشیبہ کو ضعیف کہا ہے اس میں دونوں احتمال تھے کہ ان کی مراد حسن الحدیث ہونا ہے یا بالکل متروک ہونا من کل الوجوہ تو محدثین نے اس کی تشریح فرمادی۔ لیجئے دیکھیے

امام احمدؒ نے فرمایا متروک الحدیث قریب من الحسن بن عمارة اور حسن بن عمارہ حسن الحدیث ہے، ابن عدی نے فرمایا له احادیث صالحة وهو خیر من ابراهیم بن ابی حیة (تہذیب ص۱۴۵، ج۱) (یعنی امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں ابوشیبہ حسن بن عمارہ (جو حسن الحدیث ہے) کے قریب ہے اور ابن عدی کے ہاں ابوشیبہ، ابراہیم بن ابی حیہ (جو کہ ثقہ اور حسن ہے) سے بہتر ہے) اور ابراہیم بن ابی حیہ ثقہ اور حسن الحدیث ہے ونقل عثمان الدارمی عن یحیی بن معین انه قال شیخ ثقة کبیر (کذا فی اللسان ص۵۳ ج۱) اب ظاہر ہے کہ جو اس سے بہتر ہوگا وہ حسن سے کم نہیں ہوسکتا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ :۔ فرماتے ہیں ابوشیبہ آں قدر ضعف ندارد کہ روایت او مطروح ساختہ شود (رسالہ تراویح بحوالہ حاشیہ بالا جدمند ص۶۴) (یعنی ابوشیبہ اس قدر

ضعیف نہیں کہ اس کی روایت کو پھینک دیا جائے۔ نعیم)

علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہ العالی:۔ فرماتے ہیں وقد ثبتت مواظبته صلی اللہ علیہ وسلم علی العشرین فی اثر ابن عباس الذی ھو حسن الاسناد (اعلاء السنن ص ۷۴ ج ۷) (یعنی ابن عباسؓ کے اثر میں جو سنداً حسن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت تراویح پر مواظبت ثابت ہے)

پس اگرچہ صرف ضعیف کہنے والوں کے قول میں دونوں احتمال تھے مگر محدثین بالا نے تصریح فرما دی کہ مراد سب کی حسن ہونا ہے کیونکہ اس زمانہ میں ضعیف کا لفظ حسن کو بھی شامل تھا اس لئے انہوں نے حسن بن عمارہ و ابراہیم بن ابی حیہ کے ساتھ تشبیہ دے کر بتا دیا کہ ابو شیبہ ان جیسا ہے یعنی حسن الحدیث ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں الحسن ان کان دون الصحیح فھو کالصحیح فی جواز الاحتجاج (یعنی اگرچہ حسن صحیح سے کم ہے لیکن حجت پکڑنے میں صحیح کی طرح ہے۔)(مقدمہ صحیح مسلم ص ۱۹، ج ۱) یعنی جرح قبول کرنے کے بعد بھی حدیث حسن ہوئی۔

اعتراض دوم:۔ ذہبی و ابن عدی نے اس حدیث کو ابو شیبہ کی منکر روایات میں شمار کیا ہے۔

الجواب:۔ منکر محدثین کی اصطلاح میں دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے (۱) ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرے (۲) جس حدیث کو ایک ہی راوی روایت کرے اگرچہ وہ راوی ثقہ ہو اس معنی میں منکر کا لفظ صحیح، حسن اور ضعیف تینوں قسم کی حدیثوں پر اطلاق کیا جاتا ہے۔

امام نوویؒ:۔ فرماتے ہیں "فانھم قد یطلقون المنکر علی انفراد الثقة بحدیث وھذا لیس بمنکر مردود اذا کان الثقة ضابطاً متقناً (شرح صحیح مسلم ص ۵، ج ۱) (یعنی کبھی محدثین اس حدیث کو بھی منکر کہہ دیتے ہیں جسے کوئی اکیلا ثقہ راوی روایت کرے بشرطیکہ وہ ضابط اور متقن ہو)

امام سیوطیؒ:۔ فرماتے ہیں "وقع فی عبارتھم انکر ما رواہ فلان کذا وان لم یکن ذالک الحدیث ضعیفاً (یعنی فلاں نے جو روایت کیا ہے وہ منکر ہے اگرچہ وہ

حدیث ضعیف نہ ہو) قال ابن عدی انکر ما روی یزید بن عبد اللہ بن ابی بردۃ اذا اراد اللہ بامۃ خیرا قبض نبیھا قبلھا قال وھذا طریق حسن رواتہ ثقات وقد ادخلہ قوم فی صحاحھم انتھی (یعنی یزید بن عبد اللہ کی مذکورہ حدیث کو منکر کہا گیا ہے حالانکہ یہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور ایک قوم نے اسے صحیح کہا ہے) والحدیث فی صحیح مسلم وقال الذھبی انکر ما للولید بن مسلم من الاحادیث حدیث حفظ القرآن وھو عند الترمذی وحسنہ الحاکم علی شرط الشیخین (یعنی ولید بن مسلم کی حدیث حفظ قرآن کو بھی منکر کہہ رہے ہیں جو ترمذی میں ہے اور حاکم نے اس حدیث کو شیخین کی شرط پر حسن کہا ہے) (تدریب الراوی ص ۸۵ بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن ص ۵۹)

اب سوال یہ ہے کہ بیس رکعت والی روایت کو کس معنی میں منکر کہا گیا ہے (ا) اگر ابوشیبہ اپنے سے کسی ثقہ کی مخالفت کرتا اور خود ضعیف ہوتا تو یہ پہلے معنی کے اعتبار سے منکر ہوتی اور منکر مردود کہلاتی مگر ابوشیبہ نے کسی راوی کی مخالفت نہیں کی اور نہ وہ ضعیف ہے لیکن یہ روایت منکر مردود نہیں ہو سکتی، ہاں ابوشیبہ ثقہ ہے اور اکیلا اس حدیث کو روایت کرتا ہے پس یہ منکر یعنی فرد اور غریب ہے اور صحیح بھی ہے۔

اعتراض سوم:۔ ابن القطان نے کہا ہے کہ حکم سے شعبہ نے صرف پانچ حدیثیں سنی ہیں (مصابیح سیوطی)

الجواب:۔ ابن القطان کا یہ قول صحیح نہیں ہے امام ترمذیؒ نے سنن میں ان پانچ کے علاوہ بہت سی حدیثوں کو حسن کہا ہے اور سماع کو درست مانا ہے، اسی طرح عبد الحق نے احکام میں ابن القطان کے قول کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے وقول الترمذی اولی۔

اعتراض چہارم:۔ ابن عباسؓ کی بیس رکعت والی روایت حضرت عائشہؓ کی آٹھ والی روایت کے معارض ہے۔ الجواب:۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت تراویح کے متعلق ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت تہجد کے متعلق ہے (جیسا کہ مفصل آ رہا ہے انشاء اللہ

العزیز) پھر تعارض کیسا؟

اعتراض پنجم:- محدثین کرام نے اس حدیث کوضعیف کہا ہے۔ والاعتماد فی هذا الفن علیهم.

الجواب:- اوّلاً تو محدثین نے اس کو من کل الوجوہ متروک نہیں فرمایا بلکہ حسن الحدیث مانا ہے، ثانیاً عملی طور پر تمام محدثین نے اس حدیث پر عمل فرمایا ہے، کسی ایک محدث کا نام بھی پیش نہیں کیا جاسکتا جو بیس رکعت سے کم پڑھتا ہو تو تعامل سے اس کی توثیق بھی فرمادی ہے۔

فصل پنجم

مواظبتِ خلفاء بھی سنت مؤکدہ ہے

(۱) عن العرباض بن سارية قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم ثم اقبل علينا بوجهه فوعظنا موعظة بليغة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب فقال رجل يا رسول الله كأن هذه موعظة مودع فاوصنا فقال اوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وان كان عبداً حبشياً فانه من يعش منكم بعدى فسيرى اختلافاً كثيرا فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ واياكم ومحدثات الامور فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة . رواه احمد وابوداؤد والترمذى وابن ماجة الاانهما لم يذكرا الصلوة (زجاجة المصابيح ص ۴۷ ج ۱) حضرت عرباضؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ہمیں نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور پھر ہمیں ایک بلیغ نصیحت بھرا وعظ فرمایا جسے سن کر آنکھیں بہنے لگیں اور دل اس سے ڈر گئے۔ تو ایک کہنے والے نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! گویا کہ یہ رخصت کرنے والے کی نصیحت ہے۔ پس آپ ہمیں نصیحت کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور (امیر المومنین کی) سننے اور

(اس کی) ماننے کی وصیت کرتا ہوں۔ گرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ پس جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو عنقریب وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا (مسلمانوں میں) پس تم میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ اور دین میں نئی باتیں نکالنے سے بچتے رہو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اختلافات سے بچنے کے لئے امت کے ہاتھ ایک ایسا پیمانہ دے دیا ہے کہ اس کے صحیح استعمال کے بعد اختلافات ختم ہو جاتے ہیں۔

پہلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے بعد جو شخص ہوگا وہ بہت سا اختلاف دیکھے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی تکمیل تدریجاً آہستہ آہستہ ۲۳ سال میں ہوئی، بعض امور اوائل اسلام میں جائز تھے اور آخر میں ناجائز قرار دیئے گئے، جیسے نماز میں کلام اور اسی طرح شراب۔ خوا اور تصاویر وغیرہ، بعض اشیاء پہلے فرض تھیں پھر صرف مستحب رہ گئیں جیسے نماز تہجد، روزہ عاشورہ وغیرہ۔ بعض چیزیں پہلے ناجائز تھیں پھر اجازت ہوگئی جیسے زیارت قبور وغیرہ، ان تیئس سالوں میں لوگ مسلمان ہوتے رہے پھر بعض ہجرت کر کے دیگر ممالک میں تشریف لے گئے وہ ان ہی باتوں پر عمل کرتے رہے جو پہلے ان کو معلوم تھیں اگرچہ بعد میں ان کی جگہ دوسری چیزیں شروع ہو چکی ہوں، بعض صحابہ کرام دور دراز کے رہنے والے تھے، وہ چند دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے جو کچھ ان ایام میں دیکھا اپنے وطن جا کر اس پر ہی عمل پیرا رہے اور اسی کی روایت کرتے رہے۔ بعض جہاد و تبلیغ کے سلسلہ میں دور چلے گئے اس لئے ضروری تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اختلاف ہو کیونکہ بعد کے آنے والے لوگوں کے سامنے تمام صحابہ کرام کی روایات ہوں گی وہ دیکھیں گے کہ ایک صحابی ایک بات روایت کرتا ہے دوسرا اس کے خلاف یہ تو نفس روایت کا اختلاف تھا۔ دوسری طرف فہم روایت میں اختلاف ہونا تھا کہ

ایک فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ایک صحابیؓ اس کو سنت سمجھتا تھا دوسرا صرف جواز سمجھتا تھا مثلاً حج کے راستہ میں وادی محصب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اب بعض صحابہ نے اس کو سنت سمجھا یا بعض نے کہہ دیا اتفاقیہ وہاں نماز پڑھی گئی۔ اسی طرح آپ پہلے ایک کام کرتے تھے پھر ترک فرمایا بعض نے اس ترک کو نسخ پر محمول کر لیا بعض نے صرف جواز پر۔ الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اختلاف روایت اور اختلاف درایت یقینی تھا اس لئے آپ نے اس اختلاف کا حل بتا دیا کہ خلفائے راشدین اور عبداللہ بن مسعودؓ جیسے صحابہ کرام جو بارگاہ نبوی کے حاضر باش تھے اور سفر و حضر، دن اور رات کے ساتھی تھے، جنہوں نے آپ کی پوری زندگی دیکھی تھی اور فقیہ بھی تھے کہ صحیح مطلب تک رسائی رکھتے تھے ان کی اتباع کا حکم دیا اور یہ حکم بھی وجوب پر مشتمل تھا کیونکہ آپ کی اصل سنت کی پہچان ان کے عمل کے آئینہ میں ہی دیکھی جا سکتی تھی یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی تمام منزلوں کو ہمارے سامنے کر دیا مگر آخری تکمیل دین ان حاضر باش اور فقہاء صحابہ سے ہی مل سکتا تھا اس لئے آپ نے نہایت تاکید سے اس عمل کی تاکید فرمائی، اس حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجوب کے تمام صیغے اس میں ارشاد فرماد یے۔

(۱) علیکم بسنتی وسنة الخلفاء پہلے تو ان کو خلفاء فرمایا اور ظاہر ہے کہ خلیفہ کا حکم اتنا ہی واجب الاتباع ہوتا ہے جتنا اصل کا ورنہ خلیفہ ہونے کا کیا مطلب؟

(۲) فان لفظ " علیکم " یدل علی اللزوم وصفاً والمعطوف فی حکم المعطوف علیه لغة فثبت به لزوم سنة الخلفاء کلزوم سنة الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم فلا یصح التفرقة بینهما بالسنیة والندب فان المندوب لا یکون لازماً (اعلاء السنن ص ۵۳ ج ۷) (اس لئے کہ لفظ علیکم وصفاً لزوم پر دلالت کرتا ہے اور لغت کے اعتبار سے معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کی سنت کی اتباع بھی اتنی ہی لازم ہے جتنا کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی سنت کی اتباع۔ اس لئے دونوں کے درمیان سنت اور مندوب ہونے کا فرق کرنا درست نہیں کیونکہ مندوب لازم ہی نہیں ہوتا)

(۳) پھر آپ نے ان کو راشدین فرمایا اور ظاہر ہے کہ رشد کی اتباع لازم ہے ان کے سوا غیر رشد ہے۔

(۴) پھر المھدیین فرمایا اب آپ ہی فرمائیں کہ اگر مہدیین کا اتباع واجب نہ ہوگا تو کس کا ہوگا۔

(۵) پھر حکم فرمایا کہ وتمسکوا بھا۔

(۶) پھر اور مزید تاکید عضوا علیھا بالنواجذ سے فرمادی۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں حکم دونوں سنتوں کی طرف یکساں راجع ہیں پس اگر سنت نبوی لازم الاتباع ہے تو سنت خلفاء بھی لازم الاتباع ہوگی جب دونوں سنتوں کا حکم ایک ہی صیغہ سے بتایا تو فرق کرنا کیسا

(۷) پھر سنت کے لفظ کو خاص خلفاء کے ساتھ خاص کرنا بھی دلیل ہے کہ اتباع خلفاء اتباع سنت ہے کیونکہ دیگر آحاد صحابہ کا اتباع بالاتفاق مستحب ہے تو اگر خلفاء کا اتباع بھی مستحب ہی ہو تو وجہ تخصیص کیا ہوگی۔

(۸) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ خلفاء کا طریق سراسر رشد و ہدایت ہوگا اور بدعات سے پاک ہوگا بلکہ خلفاء کی سنت کے خلاف جو کچھ ہوگا وہ بدعت ہوگا اور واجب الاجتناب ہوگا۔

الحاصل اس حدیث سے ان دوستوں کی غلطی ظاہر ہوگئی جو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تو سنت مؤکدہ ہے اور خلفاء کی سنت پر عمل مستحب ہے یہ غلط ہے بلکہ دونوں پر عمل سنت مؤکدہ ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کی صرف روایت حجت ہے وہ بھی سخت غلطی پر ہیں کیونکہ روایت تو ہر صحابی کی بشرط صحت و غیر منسوخ ہونے کے لازم الاتباع ہے پھر خلفاء کی اتباع کی ایسی زبردست تاکید کا کیا مطلب؟

خلاصہ: (۱) جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت لازم الاتباع ہے اسی طرح سنت

خلفاء بھی واجب الاتباع ہے (۲) آحاد صحابہ کرام کی اتباع مستحب ہے (۳) جمہور صحابہ اور سواد اعظم صحابہ کرام کی اتباع لازم ہے اگرچہ اس بارے میں کتاب وسنت سے بہت کچھ ثابت ہے مگر یہاں صرف ایک ہی حدیث نقل کردی ہے اگر کوئی زیادہ تفصیل چاہے تو ازالۃ الخفاء کا مطالعہ کرلے۔

فصل ششم

عہد فاروقیؓ وعثمانیؓ

(۱) اخرج البیہقی فی معرفۃ السنن والآثار اخبرنا ابو طاہر الفقیہ ثنا ابو عثمان البصری ثنا ابو احمد محمد بن عبد الوہاب ثنا خالد بن مخلد ثنا محمد بن جعفر حدثنی یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطابؓ بعشرین رکعۃ والوتر قال النووی فی شرح المہذب (ص ۳۲ ج ۴) اسنادہ صحیح وصححہ السبکی والسیوطی وعلی القاری وغیرہم۔ (یعنی ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔)

(۲) اخرج البیہقی فی سننہ اخبرنا ابو عبد اللہ الحسین بن محمد بن فنجویہ الدینوری بالدامغان ثنا احمد بن محمد بن اسحاق السنی انبأ عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز البغوی ثنا علی بن الجعد انبأ ابن ابی ذئب عن یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطابؓ فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ قال وکانوا یقرؤن بالمئین وکانوا یتوکؤن علی عصیہم فی عہد عثمانؓ من شدۃ القیام (سنن الکبری ص ۴۹۶ ج ۲) (حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ وتابعین حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ماہ رمضان میں بیس تراویح پڑھتے تھے۔ اور مئین سورتیں نماز میں پڑھتے تھے اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں زیادہ قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں کا سہارا لیا کرتے تھے)

(۳) وروی مالک من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید عشرین رکعة (فتح الباری ص ۱۸۰ ج ۴) وفی الموطا من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید انها عشرون رکعة (نیل الاوطار ص ۲۹۸ ج ۲) وروی محمد بن نصر المروزی من طریق مالک عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید عشرین رکعة (فتح الباری) فائدہ:- ان تینوں روایات سے بھی معلوم ہوا کہ تراویح بیس رکعات ہوتی تھیں۔

(۴) قال ابن عبد البر وروی الحارث بن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال کان القیام علی عهد عمرؓ بثلاث و عشرین رکعة قال ابن عبدالبر هذا محمول علی ان الثلاث الوتر۔ (یعنی حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں تئیس رکعات پڑھتے تھے۔ بیس تراویح اور تین وتر۔)

(۵) اخرج البیهقی فی سننه ص ۴۹۶ ج ۲ ومالک فی الموطا ص ۴۰ عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطابؓ فی رمضان بثلاث و عشرین رکعة (زیلعی ص ۱۵۴ ج ۲) وهو مرسل [1] قوی قلت مرسلات موطا صحاح کذافی حجة الله البالغة۔

(۶) اخرج ابن ابی شیبة فی مصنفه قال نا حمید بن عبدالرحمن عن حسن عن عبدالعزیز بن رفیع قال ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلاث (یعنی رمضان المبارک میں حضرت ابی بن کعب مدینہ میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔) (اعلاء السنن ص ۴۰ ج ۷) اس کی سند صحیح ہے اور اگرچہ یہ مرسل [2] ہے مگر امام حسن بصریؒ کی مرسلات بالاتفاق حجت ہیں اور مسند کے حکم میں ہیں، امام بخاریؒ کے استاذ علی بن المدینی فرماتے ہیں مرسلات الحسن اذا رواها الثقات صحاح (موضوعات کبیر ملا علی قاری)

---

[1] قال یحیی بن سعید القطان مرسلات مالک احب الیّ (ترمذی ص ۶۹۳)

[2] بصرہ میں اس روایت پر عمل تھا اور خود امام حسن بصریؒ کے بھائی اس روایت کے مطابق بیس رکعت پڑھاتے تھے۔ دیکھو کتاب ہذا ص ۲۸

(۷) اخرج ابن ابی شیبة والبیهقی عن عمرؓ انه جمع الناس علی ابی بن کعب وکان یصلی بهم عشرین رکعة (نقله السیوطی فی رسالته) (یعنی حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ابی بن کعب پر جمع کیا اور وہ ان کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے)

(۸) عن محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعة یطیلون فیها القراءة و یوترون بثلاث (قیام اللیل ص ۹۱) هذا مرسل "قوی" (یعنی لوگ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بیس رکعات تراویح پڑھتے اور اس میں قراءت کو طویل کرتے اور تین رکعات وتر پڑھتے۔ مرسل روایت امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور تمام اہل مدینہ، اہل عراق کے نزدیک حجت ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کسی دوسری سند سے مرسل کی تائید ہو جائے اگرچہ وہ دوسری سند ضعیف ہی ہو تو حجت ہو جاتی ہے اور یہاں تو پورا اجماع صحابہ اور بکثرت اسانید تائید میں ہیں۔

حضرت عمرؓ کا حکم:

(۹) اخرج عبدالرزاق فی مصنفه عن داؤد بن قیس وغیره عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید ان عمر بن الخطابؓ جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب وتمیم الداری علی احدی وعشرین یقومون بالمئین وینصرفون فی بزوغ الفجر (فتح الباری ص ۱۸۰ ج ۱ و عمدة القاری ص ۳۵۷ ج ۵) سنده صحیح

(۱۰) اخرج ابن ابی شیبة حدثنا وکیع عن مالک بن انس عن یحیی بن سعید عن عمر بن الخطابؓ انه امر رجلاً ان یصلی بهم عشرین رکعة (یعنی حضرت عمرؓ نے ایک آدمی (ابی بن کعب) کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس تراویح پڑھائے)

(۱۱) اخرج احمد بن منیع بمسنده عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطابؓ امره ان یصلی باللیل فی رمضان ـــــ فصلی بهم عشرین رکعة (کنز العمال

(ص ۲۸۷ ج ۲) (ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے انہیں حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پس انہوں نے لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائی)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں **فقد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث فرای کثیر من العلماء ان ذلک ھو السنۃ لانہ قام بین المہاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر (فتاوی ابن تیمیہ** ص ۱۸۶ ج) (امام تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ روایت سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ اور اکثر علماء یہی کہتے ہیں کہ بیس تراویح ہی سنت ہے کیونکہ یہ مہاجرین وانصار صحابہ کے درمیان ہوا اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا (گویا کہ اجماع ہو گیا)

امام الائمہ سراج الامت حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

فقد ذکر فی الاختیار ان ابا یوسف سأل ابا حنیفۃ عنہا وما فعلہ عمرؓ فقال التراویح سنۃ مؤکدۃ ولم یتخرجہ عمرؓ من تلقاء نفسہ ولم یکن فیہ مبتدعاً ولم یأمر بہ الا عن اصل لدیہ وعہد من عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا نقلہ الشامی (یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ نے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے تراویح کے بارے میں اور حضرت عمرؓ کے اس فعل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ یہ حضرت عمرؓ کی اپنی اختراع نہیں ہے اور نہ ہی آپ اس بارے میں بدعتی ہیں۔ یقیناً اس بارے میں آپ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی ہدایت ہوگی) (شامی)

فصل ہفتم

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا حکم

(۱) اخرج البیہقی فی سننہ اخبرنا ابو الحسین بن الفضل القطان ببغداد انا محمد بن احمد بن عیسیٰ بن عبدک الرازی ثنا ابو عامر عمرو بن تمیم ثنا

احمد بن عبداللہ بن یونس ثنا حماد بن شعیب عن عطاء بن السائب عن ابی عبدالرحمن السلمی عن علیؓ قال دعا القراء فی رمضان فامر منهم رجلاً یصلی بالناس عشرین رکعة قال وکان علیؓ یوتر بهم وروی ذلک من وجه آخر (سنن کبری ص ۴۹۶ ج ۲) حماد بن شعیب ضعیف (آثار السنن ص ۲۵۳ حاشیہ) یعنی حضرت علیؓ نے قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس تراویح پڑھے اور حضرت علیؓ لوگوں کو تین وتر پڑھاتے تھے۔

(۲) اخرج البیهقی فی سننه اخبرنا ابو عبداللہ بن فنجویه الدینوری ثنا احمد بن محمد بن اسحاق السنی ثنا احمد بن عبداللہ البزاز ثنا سعدان بن یزید ثنا الحکم بن مروان السلمی انبا الحسن بن صالح عن ابی سعد البقال عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالبؓ امر رجلاً ان یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعة (سنن کبری ص ۴۹۶ ج ۲) وفی السند ابی سعد البقال وثقه الهیثمی فی مجمع الزوائد فقال هو ثقة مدلس وقال ابو اسامة حدثنا سعید بن المرزبان وکان ثقة قال ابو زرعة لین الحدیث مدلس قیل هو صدوق قال نعم کان لا یکذب وروی عنه شعبة والسفیانان والاعمش وغیرهم وشعبة لا یروی الا عن ثقة (اعلاء السنن ص ۷۳ ج ۷) (یعنی حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات تراویح پڑھائے)

(۳) اخرج ابن ابی شیبة فی المصنف ثنا وکیع عن الحسن بن صالح عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء ان علیاً امر رجلاً یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة وعمرو بن قیس الظاهر انه الملائی وثقه احمد ویحیی وابو حاتم وابو زرعة وغیرهم واخرج له مسلم قلت مدار هذا الاثر علی ابی الحسناء وهو لا یعرف (آثار السنن ص ۲۵۳ حاشیہ) (یعنی حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات تراویح پڑھائے۔

اصحاب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

(۱) شتیر بن شکل: ابوموسیٰ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص اصحاب میں سے ہیں (سنن کبریٰ للبیہقی ص ۲۹۶ ج ۲) علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ام المؤمنین حضرت حفصہؓ اور ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ سے روایت کرتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۳۱۲ ج ۴) اخرج ابو بکر بن ابی شیبۃ حدثنا وکیع عن سفیان عن ابی اسحاق عن عبداللّٰہ بن قیس عن شتیر بن شکل انہ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر قلت عبداللّٰہ بن قیس لا یدری من ھو تفرد عنہ ابو اسحاق انتھی قلت قال البیھقی فی سننہ روینا عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علیؓ انہ کان یؤمھم فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ ویوتر بثلاث انتھی قلت البیھقی لم یذکر اسنادہ ولعلہ من طریق عبداللّٰہ بن قیس المذکور واللّٰہ اعلم (تعلیق الحسن حاشیہ آثار السنن ص ۲۵۳) (یعنی شتیر بن شکل رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے) میں کہتا ہوں کہ بیہقی نے یہ اثر نقل کر کے لکھا ہے وفی ذالک قوۃ (سنن کبریٰ ص ۲۹۶ ج ۲)

(۲) سوید بن غفلہ:- کوفہ کے رہنے والے تھے، انہوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا اور عین اس وقت جب کہ صحابہ کرامؓ سید الاولین والآخرین علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام کی تدفین سے فارغ ہوئے تھے، مدینہ منورہ پہنچے، فتح یرموک میں شامل ہوئے، انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق۔ عثمان ذی النورین علی المرتضٰے۔ عبداللہ بن مسعود۔ بلال۔ ابی بن کعب۔ ابوذر غفاری۔ ابودرداء۔ سلیمان بن ربیعہ۔ حسن بن علی اور زر بن حبیش رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔ ۱۳۰ سال کی عمر میں ۸۰ھ میں فوت ہوئے (تہذیب ص ۲۷۹ ج ۴) اخرج البیھقی فی سننہ ص ۲۹۶ ج ۲ اخبرنا ابو زکریا بن ابی اسحاق ثنا ابو عبداللّٰہ محمد بن یعقوب ثنا محمد بن عبدالوھاب ثنا

جعفر بن عون عن ابی الخصیب قال کان یؤمنا سوید بن غفلة فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعة اسناده حسن (آثار السنن ص ۵۳ ج ۲) (یعنی حضرت سوید بن غفلہ ہمیں ماہ رمضان میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے)

(۳) ابن ابی ملیکہ ۔ ثقہ فقیہ تابعی ہیں تیس صحابہ کرام کی زیارت کی ہے (تقریب التہذیب ص ۲۰۲) اخرج ابو بکر بن ابی شیبة فی مصنفه حدثنا وکیع عن نافع بن عمر قال کان ابن ابی ملیکة یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة واسناده صحیح (آثار السنن ص) (یعنی ابن ابی ملیکہ ماہ رمضان میں ہمیں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے)

(۴) علی بن ربیعہ ۔ جلیل القدر تابعی تھے کوفہ کے امام مسجد تھے اخرج ابو بکر بن ابی شیبة ثنا الفضل بن دکین عن سعید بن عبید ان علی بن ربیعة کان یصلی بهم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث واسناده صحیح (آثار السنن ص ۵۳ ج ۲) (یعنی علی بن ربیعہ لوگوں کو رمضان میں پانچ ترویحے (بیس رکعات) اور تین وتر پڑھاتے تھے)

(۵) حارث اعور ۔ قال ابو بکر بن ابی داؤد کان الحارث الاعور افقه الناس وافرض الناس واحسب الناس تعلم الفرائض من علیؓ ---قال مرة بن خالد حدثنا محمد بن سیرین قال کان من اصحاب ابن مسعودؓ خمسة یؤخذ منهم ادرکت منهم اربعة وفاتنی الحارث فلم اره وکان یفضل علیهم وکان احسنهم ویختلف فی هؤلاء الثلاثة ایهم افضل علقمة ومسروق وعبیدة (میزان الاعتدال للذهبی) یہ امام مسجد تھے اور لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے (مصنف ص ۳۹۳ ج ۲)

(۶) بصرہ کی جامع مسجد کے امام عبدالرحمن بن ابی بکرہ اور حسن بصری کے بھائی سعید

بن ابی الحسن جو بصرہ کی مساجد میں امام تھے لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے (قیام اللیل ص ۹۱) یہ دونوں حضرات حضرت علیؓ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔

(۷) **ابو البختری:۔** یہ حضرت علیؓ کے مستقر خلافت کوفہ کے رہنے والے تھے اور حضرت علیؓ کے شاگردوں عبدالرحمن سلمی اور حارث وغیرہما کے شاگرد اور صحبت یافتہ تھے۔

اخرج ابن ابی شیبة فی مصنفه حدثنا غندر عن شعبة عن خلف عن الربیع والنی علیه خیراً عن ابی البختری انه کان یصلی خمس ترویحات فی رمضان ویوتر بثلاث قال النیموی قلت خلف لا اعرف من هو (یعنی ابو البختری رمضان المبارک میں پانچ ترویحے (بیس رکعات) اور تین وتر پڑھتے تھے) (**تعلیق الحسن علی آثار السنن ص ۲۵۵**) میں کہتا ہوں کہ خلف کے نہ جاننے سے اس سند کی صحت میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ یہ روایت خلف سے شعبہ نے کی ہے اور شعبہ ثقہ راوی کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کرتا چنانچہ علامہ حافظ ابن حجرؒ خطیب تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں **شعبة لا یروی الا عن ثقة** (ص ۵) علامہ ابن قیمؒ ایک حدیث (حدیث معاذ فی الاجتہاد) کے تحت لکھتے ہیں **کیف وشعبة حامل لواء هذا الحدیث وقد قال بعض ائمة الحدیث اذا رأیت شعبة فی اسناد حدیث فاشدد یدیک به** (**اعلام الموقعین ص ۲۷ ج ۱**) پس جب شعبہ نے خلف سے روایت کی تو شعبہ کے نزدیک اس کا ثقہ ہونا ثابت ہو گیا پس سند صحیح ہے۔

(۸) **عبداللہ بن مسعودؓ:۔** ان کو معلمین قرآن میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نمبر پر ذکر فرمایا ہے (بخاری ص ۵۳۱ ج ۱) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس چیز کو تمہارے لئے ابن مسعود پسند کرے میں تمہارے لئے اس پر راضی ہوں (مستدرک حاکم ص ۳۱۹ ج ۳ و صحیح) یہ فرمایا ابن مسعود کے عہد اور تحقیق و مضبوطی سے تم رکھو۔ اگر میں بغیر مشورہ کے تمہارے لئے خلیفہ کا انتخاب کروں تو وہ صرف ابن مسعود ہی ہوں گے اور جس چیز کو تمہارے لئے ابن مسعود پسند نہ کرے میں بھی اس کو تمہارے لئے پسند نہ کروں

گا(الاستیعاب ص ۳۵۹ ج ۱) حضرت عمرؓ نے ان کو علم کا انبار کہا اور اہل کوفہ کی طرف تعلیم قرآن کے لئے ارسال فرمایا (بغدادی ص ۱۴۷ ج ۱) کان سادساً فی الاسلام ثم ضمه الیه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فکان من خواصه وکان صاحب سر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وسواکه ونعلیه وطهوره فی السفر ۔۔۔ شهد له رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بالجنة ۔۔۔ ولی القضاء بالکوفة وبیت مالها لعمرؓ وصدراً من خلافة عثمانؓ ثم صار الی المدینة فمات بها سنة ۳۲ھ ۔۔۔ روی عنه ابوبکر وعمر وعثمان وعلی ومن بعدهم من الصحابة والتابعین (اکمال فی اسماء الرجال ص ۶۰۵ آخر مشکوٰۃ) اندازہ کیجئے اس کی شان کا کیا اندازہ جن سے خلفاء راشدینؓ بھی روایت کرتے ہوں۔ اخبرنا یحیی بن یحیی اخبرنا حفص بن غیاث عن اعمش عن زید بن وهب قال کان عبداللّٰه بن مسعودؓ یصلی لنا فی شهر رمضان فینصرف وعلیه لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعة ویوتر بثلاث (قیام اللیل ص ۹۱) (یعنی حضرت ابن مسعودؓ جو چھٹے نمبر پر اسلام لانے والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص لوگوں میں سے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب سر اور سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جنت کی بشارت دی ہے۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں کوفہ میں قاضی اور بیت المال کے امین رہے اور حضرت عثمانؓ کے ابتدائی زمانہ میں بھی۔ پھر مدینہ واپس آ کر وہیں ۳۲ھ میں وفات پائی اور خلفاء راشدین نے آپ سے حدیث روایت کی ہے۔ ان کے بارے میں مروی ہے کہ وہ بھی لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

(۹) شتیر بن شکل: عن شبرمة وکان من اصحاب علیؓ انه کان یؤمهم فی رمضان فیصلی خمس ترویحات رواه البیهقی (زجاجة المصابیح ص ۳۲۶ ج ۱) (یعنی شتیر جو اصحاب علیؓ میں سے ہیں وہ بھی لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات تراویح

پڑھاتے تھے)

(۱۰) امام بیہقیؒ:۔ اثر مذکور کے متعلق فرماتے ہیں **وفی ذالک قوۃ** (سنن کبریٰ ص ۴۹۶ ج ۲) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس اثر سے استدلال کرتے ہیں (منہاج السنۃ ص ۲۲۴ ج ۲) علامہ ذہبیؒ ابن تیمیہ کے اس استدلال پر سکوت کرتے ہیں (المنتقی للذہبی ص ۵۴۲) جس سے ظاہر ہے کہ علامہ ذہبی کے نزدیک ابن تیمیہ کا استدلال اور اثر دونوں صحیح ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امام ترمذی فرماتے ہیں **واکثر اھل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ** (ترمذی ص ۹۹ ج ۱) ان آثار سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ خلیفہ راشد کا حکم بھی بیس رکعت تراویح پڑھنے کا تھا اور آپ کے تمام شاگرد مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ اور تمام اسلامی مساجد میں بیس رکعت تراویح باجماعت پڑھاتے تھے۔

رفع وساوس: معزز ناظرین! بیہقی، ابن تیمیہ، ذہبی، ترمذی جس اثر سے استدلال کریں اور حضرت علیؓ کے تمام تلامذہ اپنے عمل سے جس اثر کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کر چکے تھے اور تیرہ سو سال تک کسی محدث نے حضرت علیؓ کے زمانہ میں بیس رکعت کا انکار نہ کیا تھا، جونہی چودھویں صدی کا دور آیا ہمارے غیر مقلد دوستوں نے جرح کے سارے تیر اس روایت پر ہی توڑ دیئے، شاید اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ان کی حدیث کی سند کو دیمک ہی کھا جاتی، دنیا کو کیسے خبر ہوتی کہ خدا کی اس آباد دنیا میں اب بھی ایسے محدث موجود ہیں جو تیرہ صدیوں کی غلطیاں نکالنے بیٹھے ہیں۔

اعتراضات ملاحظہ ہوں: (۱) پہلے طریق میں حماد بن شعیب اور عطا بن السائب ضعیف ہیں (۲) دوسرے طریق میں ابو سعید بقال ضعیف بھی ہے اور مدلس بھی (۳) دوسرے اور تیسرے طریق میں ابوالحسناء ہے جس کو تقریب میں مجہول لکھا ہے (۴) یہ ابوالحسناء طبقہ سابعہ کا ہے جن کو کسی صحابی سے ملاقات نہیں تو سند منقطع ہوئی۔

ابوالحسناء:۔ تیسرا اعتراض تو بالکل غلط ہے کیونکہ جس ابوالحسناء کو حافظ ابن حجرؒ نے تقریب

میں مجہول کہا ہے وہ ابوالحسناء راوی ہے جو حکم سے روایت کرتا ہے اور اس سے صرف ایک راوی شریک نخعی روایت کرتا ہے۔ یہ ابوالحسناء راوی ہے جس سے عمرو بن قیس اور ابوسعید البقال دو شاگرد روایت کرتے ہیں اور جس سے دو شاگرد ثقہ روایت کریں وہ بعض محدثین کی اصطلاح میں مجہول نہیں بلکہ مستور کہلاتا ہے

چوتھا اعتراض بھی غلط ہے کیونکہ اس ابوالحسناء کے شاگرد ابوسعید البقال اور عمرو بن قیس طبقہ خامسہ سے ہیں اور استاد یعنی طبقہ رابعہ یا ثالثہ سے ہوگا تو سند متصل ہوگی۔

دوسرا اعتراض بھی غلط ہے کیونکہ ابوسعید بقال حسن الحدیث ہے، رہا اس کا مدلس ہونا تو جب عمرو بن قیس اس کا متابع ہے تو عیب تدلیس ختم ہو گیا۔ چنانچہ علامہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں "ومتی توبع السیئ الحفظ بمعتبر کان یکون فوقه او مثله لا دونه و کذا المختلط الذی لا یتمیز والمستور والاسناد المرسل و کذا المدلس اذا لم یعرف المحذوف منه صار حدیثهم حسنا لا لذاته بل وصفه باعتبار المجموع (شرح نخبہ ص ۷۱)

مستور: اب رہا یہ کہ ابوالحسناء مستور ہے تو مستور کی روایت کو بعض ائمہ اصول نے بغیر کسی قید کے قبول کیا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں قد قبله جماعة بغير قيد (شرح نخبہ ص ۷۱) اور اوپر کے حوالہ سے ثابت ہوا کہ مستور کا اگر کوئی متابع ہو تو بالاتفاق مقبول ہے اور یہاں طریق اول میں ابوعبدالرحمن السلمی، ابوالحسناء کا متابع موجود ہے تو سند حجت ہوگی۔

بالغرض ابوالحسناء اگر مستور ہے تو اس کا متابع ابوعبدالرحمن سلمی موجود ہے اور ابوسعید بقال اگر مدلس ہے تو اس کا متابع عمرو بن قیس موجود ہے۔ عطاء بن سائب مختلط ہے تو دوسرے دونوں طریق اس کے متابع ہیں اور حماد بن شعیب اس قدر ضعیف نہیں کہ متابعت بھی اس سے جائز نہ ہو۔ بس حدیث اور تعدد طرق کی وجہ سے یہ حسن ہے اور پھر صحابہ علی کے تعامل نے جب تو اس بحث میں پڑنا ہی فضول ہے جو بحث ان حضرات نے شروع نہ کی ہے۔

فیہ نظر:۔ مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوری نے لکھا ہے کہ حماد بن شعیب کے متعلق بخاری نے فیہ نظر کہا ہے اس لئے وہ قابل متابعت نہیں تو عرض ہے اوس بن عبداللہ ربعی کے متعلق بخاری نے فیہ نظر کہا ہے مگر خود بخاری نے اس کی روایت نقل کی ہے تمام بن نجیح کے متعلق خود بخاری نے فیہ نظر کہا اور رسالہ رفع یدین میں اس کا اثر نقل کیا ہے۔ حبیب بن سالم انصاری کے متعلق بخاری نے فیہ نظر کہا ہے، امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس کی روایت لی ہے تو جب بخاری و مسلم ایسے راوی سے احتجاجاً یا استشہاداً روایت کرتے ہیں تو متابعت کس طرح نا جائز ہو سکتی ہے۔

فصل ہشتم

اجماع اُمّت:

(۱) عن داؤد بن الحصين انه سمع الاعرج يقول ماادركت الناس الاوهم يلعنون الكفرة في رمضان قال وكان القارئ يقرأ سورة البقرة في ثمان ركعات فاذا قام بها في اثنتي عشرة ركعة راى الناس انه قد خفف رواه مالك واسناده صحيح (داؤد بن الحصین سے مروی ہے کہ میں نے اعرج کو یہ کہتے سنا کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے تو لوگوں کو رمضان شریف میں کفار پر لعنت کرتے ہوئے پایا (اعرج نے) کہا اور قاری سورۃ بقرۃ آٹھ رکعتوں میں پڑھتا پھر جب اس نے سورۃ بقرہ بارہ رکعتوں میں پڑھی تو لوگ سمجھے کہ اس نے ہلکی نماز پڑھائی ہے) (آثار السنن ص ۲۵۰) یہ اعرج مشاہیر تابعین میں سے ہیں مدنی ہیں ان کی وفات ۱۱۰ھ میں اسکندریہ میں ہوئی (الاکمال ص ۵۸۶) ظاہر ہے کہ اعرج نے جو لوگوں کو دیکھا وہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین تھے گویا خیر القرون کے لوگ بلا استثناء بیس رکعت تراویح باجماعت پڑھتے تھے۔

(۲) اخرج ابن ابی شیبة قال حدثنا ابن نمیر عن عبدالملک عن عطاء قال ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثاً وعشرین رکعة بالوتر (حضرت عطاءؒ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو وتر سمیت تیئس رکعات پڑھتے ہوئے پایا) (آثار السنن مع تعلیق الحسن ص۲۵۵ واسنادہ حسن) یہ عطاء ۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۵ھ میں فوت ہوئے دو سو صحابہ کرام سے ملاقات ہوئی یہ فرماتے ہیں کہ میں نے سب لوگوں یعنی صحابہ تابعین کو بیس رکعت تراویح ہی پڑھتے پایا۔ واخرج المروزی عن عطاء قال ادرکتھم فی رمضان یصلون عشرین رکعة وثلاث رکعات الوتر (قیام اللیل ص ۹۱) (یعنی میں نے لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے پایا)

(۳) امام شافعیؒ فرماتے ہیں ھکذا ادرکت ببلدنا مکة یصلون عشرین رکعة (ترمذی) (یعنی میں نے لوگوں کو مکہ میں اسی طرح بیس رکعات تراویح پڑھتے پایا ہے)

ائمہ اربعہ: فاختار مالک فی احد قولیہ وابو حنیفة والشافعی واحمد وداؤد القیام بعشرین رکعة سوی الوتر وذکر ابن القاسم عن مالک انه کان یستحسن ستاً وثلاثین رکعة والوتر ثلاث رکعات (بدایة المجتهد لابن رشد مالکیؒ ص ۱۹۲ ج ۱) (یعنی ائمہ اربعہ نے بیس رکعات کو ہی اختیار فرمایا)

مگر یاد رکھیں کہ مدینہ منورہ میں تو عہد فاروقی سے ہی بیس رکعت پر اجماع ہو گیا تھا اسی طرح مکہ مکرمہ کے متعلق عطاء اور امام شافعیؒ کی شہادت نقل کی جا چکی ہے۔ کوفہ اور بصرہ کے متعلق اثر علیؓ کے تحت لکھا جا چکا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے تمام شاگرد بیس رکعات پڑھاتے تھے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے متبعین کا عمل بھی بیس پر تھا۔ امام سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ بھی بیس کے قائل تھے (ترمذی) امام خراسان حضرت عبداللہ بن مبارک المتوفی ۱۸۱ھ بھی بیس کے قائل تھے۔ بغداد میں امام احمد المتوفی ۲۴۱ھ بھی بیس رکعتوں کے قائل تھے اور داؤد ظاہری المتوفی ۲۷۰ھ بھی بیس رکعت ہی کے قائل تھے (بدایة المجتهد ص۱۹۲ ج ۱)

اس کے بعد سارا عالم اسلام ائمہ اربعہ کی تقلید کے تحت آ گیا اور ان کے متبعین شرقاً غرباً بیس رکعت ہی پڑھتے رہے چنانچہ ائمہ اربعہ کا مسلک میں اوپر درج کر چکا ہوں

احناف :۔امام ابوحنیفہؒ کے متبعین کا عمل تو کسی پر مخفی ہی نہیں، علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں **التراویح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين اجماعاً بعد صلوة العشاء وهي عشرون ركعة وهو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً (ردالمحتار ص ۵۱۱ ج ۱)** (یعنی خلفاء راشدین کے اجماعی طور پر عشاء کی نماز کے بعد مواظبت کی وجہ سے تراویح سنت مؤکدہ ہے اور وہ بیس رکعات ہیں۔ اور یہی جمہور کا قول ہے اور شرقاً غرباً اس پر عمل ہے)

قال ابن عبدالبر وهو قول جمهور العلماء وبه قال الكوفيون والشافعي واكثر الفقهاء وهو الصحيح عن ابي بن كعب من غير خلاف من الصحابة (عمدة القاري شرح صحيح بخاري) (یعنی بیس رکعات ہی جمہور کا قول ہے اور یہی احناف اور امام شافعی اور اکثر فقہاء کا قول اور ابی بن کعب سے بغیر کسی اختلاف کے یہی صحیح مروی ہے)

شوافع :۔امام نوویؒ فرماتے ہیں **اعلم ان صلوة التراويح سنة باتفاق المسلمين وهي عشرون ركعة** (امام نوویؒ شافعی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے اتفاق کے ساتھ تراویح بیس رکعت سنت ہے) (**كتاب الاذكار ص ۸۳**)

امام غزالیؒ لکھتے ہیں: **التراويح وهي عشرون ركعة وكيفيتها مشهورة وهي سنة مؤكدة** یعنی تراویح بیس رکعات سنت مؤکدہ ہے اور اس کی کیفیت اور طریقہ مشہور ہے۔ (**احياء العلوم ص ۱۳۹ ج ۱**) امام شعرانیؒ لکھتے ہیں **ومن ذلك قول ابي حنيفة والشافعي واحمد رحمهم الله ان صلوة التراويح في شهر رمضان عشرون ركعة** (یعنی ائمہ ثلاثہ کا (اور ایک روایت میں امام مالک کا بھی) یہی مسلک ہے کہ نماز تراویح بیس رکعت ہے۔(**ميزان كبرى ص ۱۵۳**)

حنابلہ:- امام احمدؒ کا مسلک پہلے بدایۃ المجتہد اور میزان شعرانی کے حوالہ سے نقل کر چکا ہوں، ابن تیمیہؒ کا قول بھی عہد فاروقی کے تحت آ چکا ہے قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ فی رمضان ویوتر بثلاث فرای کثیر من العلماء ان ذلک ھو السنۃ لانہ قام بین المھاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر (فتاوی ابن تیمیہ ص ۱۸۲ ج ۱) (یعنی ابی بن کعبؓ کا بیس رکعت پڑھنا مہاجرین و انصار کی موجودگی میں ہوا اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا لہذا اس پر اجماع ہو گیا)

امام ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں والمختار عند ابی عبداللہ فیھا عشرون رکعۃ وبھذا قال الثوری، وابو حنیفۃ والشافعی وقال مالک ستۃ وثلاثون وزعم انہ الامر القدیم وتعلق بفعل اھل المدینۃ ولنا ان عمرؓ لما جمع الناس علی ابی بن کعب کان یصلی بھم عشرین رکعۃ (یعنی ابو عبداللہ کے ہاں مختار مذہب بیس رکعات کا ہی ہے اور یہی ثوری، ابو حنیفہ، شافعی کا قول ہے۔ اور امام مالک کا ایک قول ۳۶ کا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ عمرؓ نے ابی بن کعب پر لوگوں کو جمع فرمایا اور وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے) (المغنی ص ۸۰۲ ج ۱)

مقنع جو فقہ حنبلی کی کتاب ہے خود اس کے مصنف نے تصریح کی ہے ھذا کتاب فی الفقہ علی مذھب ابی عبداللہ محمد بن احمد بن حنبل، اس میں لکھا ہے ثم التراویح وھی عشرون رکعۃ یقوم بھا فی رمضان فی جماعۃ (مقنع ص ۱۸۳) فقہ حنبلی کی کتاب اقناع ص ۱۴۲ ج ۱ پر ہے التراویح عشرون رکعۃ فی رمضان یجھر فیھا بالقراءۃ وفعلھا جماعۃ افضل ولا ینقص منھا ولا باس بالزیادۃ نصاً معلوم ہوا کہ حنبلی مذہب میں بھی بیس سے کم جائز نہیں۔

قطب ربانی سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں صلوۃ التراویح سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی عشرون رکعۃ (یعنی نماز تراویح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور وہ بیس رکعات ہے) (غنیۃ الطالبین)

علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں وقد عدّوا ما وقع فی زمن عمر رضی اللّٰہ عنہ کالاجماع (یعنی حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بیس تراویح پر اتفاق اجماع کی طرح ہے۔ (التعلیق الحسن ص ۲۵۵) نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی عون الباری میں اس کو نقل کر کے اُس پر سکوت فرمایا ہے۔

امام مالکؒ آپ سے ایک روایت بیس رکعت کی ہے، آپ کے متبعین میں سے بعض نے اس پر عمل کیا ہے مگر مشہور روایت اُن سے چھتیس رکعت کی ہے اور بعض کتابوں میں چالیس رکعت لکھا ہے، علامہ قسطلانیؒ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اہل مکہ ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ میں خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے اس لئے اہل مدینہ نے اس طواف کے عوض یہ شروع کیا کہ ہر چار رکعت باجماعت کے بعد ترویحہ میں چار رکعت اکیلے پڑھ لیتے اب اگر تراویح کے درمیانی چار وقفے ہوں تو ۴ x ۴ = ۱۶ رکعت + یہ اور بیس رکعت اصل تراویح کل ۳۶ ہوگئیں اور اگر تراویح اور وتر کے درمیانی وقفہ میں بھی کوئی شخص چار رکعت پڑھ لے تو کل تعداد چالیس ہوگئیں۔ الغرض اہل مکہ بیس تراویح اور چار یا پانچ مرتبہ طواف کر لیتے تھے اور اہل مدینہ بیس رکعت تراویح اور ۱۶ یا ۲۰ نفل پڑھ لیتے تھے۔ بہرحال اہل مدینہ نے جو نوافل زائد کئے وہ بیس رکعت کے حساب سے ہی زائد کئے تو اُن کے نزدیک بھی اصل تراویح بیس رکعت ہی ہوگئیں۔

امام مالکؒ کا مذہب پہلے میں نقل کر چکا ہوں کہ بیس رکعت کا ہے اور امام مالکؒ کے شاگرد ابن القاسم فرماتے ہیں انہ کان یستحسن ستا وثلاثین رکعۃ والوتر ثلاث (مدونہ کبریٰ) تو اُن کے مذہب کا خلاصہ یہ ہوا کہ بیس سنت ہیں اور وقفوں میں ۱۶ نفل مستحسن ہیں نہ کہ سنت۔

امام اسحاقؒ اکتالیس رکعت کے قائل تھے (ترمذی) معاذ ابوحلیمہ اور اسود بن یزید نخعی بھی چالیس رکعت پڑھتے تھے (قیام اللیل) اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پانچوں وقفوں میں چار چار رکعت نفل پڑھتے تھے تو اُن کے نزدیک بھی اصل سنت بیس رکعت اور زوائد ۲۰

نفل تھے۔

عمر بن عبد العزیزؒ نے حکم دیا تھا کہ رمضان میں ۳۶ رکعت پڑھا کرو (قیام اللیل ص ۹۲) داؤد بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے عہد خلافت میں لوگ ۳۶ رکعت پڑھتے تھے (قیام اللیل ص ۹۲) عمر بن مہاجر کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے عہد خلافت میں خاص ان کی مسجد میں عام لوگ تیس رکعت پڑھتے (قیام اللیل ص ۹۱) ان میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ جمع ممکن ہے کہ وہ بیس رکعت تو باجماعت پڑھتے تھے اور درمیانی وقفوں میں علیحدہ علیحدہ پڑھتے تھے وہ جو چار چار پڑھتے تھے ان کے چار وقفوں میں ۱۶ رکعت ہو کر ۳۶ بن جاتی تھیں اور بعض لوگ تنہا دو دو پڑھتے ان کی پانچ وقفوں کی دس بنیں اس طرح کل تیس رکعت ہو جاتیں۔

فائدہ اولیٰ:- ظاہر ہے کہ یہ دو دو اور چار چار نفل جو لوگ ادا کرتے تھے یہ درمیانی وقفوں میں پڑھتے تھے، بیس رکعت پر سب کا اتفاق ہونے کے باوجود اختلاف اس میں تھا کہ درمیانی وقفے چار ہیں یا پانچ جو چھتیس پڑھتے تھے وہ صرف بیس رکعت تراویح کے درمیان چار وقفوں کے قائل تھے۔ گویا تراویح اور وتر کے درمیان وقفہ نہ کرتے تھے، یہ مالکیوں کا مسلک ہے اور جو لوگ تراویح اور وتر کے درمیان بھی وقفہ کرتے وہ پانچ وقفوں کے قائل تھے جیسا کہ امام اسحاق، ابو حنیفہؒ اور اسود نخعیؒ کا مسلک تھا۔ پس بیس رکعت پر اتفاق ہونے کے باوجود بعض لوگ بیس رکعت کو پانچ ترویحے کہتے تھے پس ابو مجلز کا عمل کان ابو مجلز یصلی بھم اربع ترویحات ویقرأبھم سبع القران کل لیلۃ (قیام اللیل ص ۹۲) کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سولہ رکعت پڑھاتے تھے بلکہ بیس رکعت ہی پڑھاتے تھے۔ صرف درمیانی چار وقفوں کا اعتبار کر کے اربع ترویحات کہہ دیا گیا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ بیس رکعت تراویح میں صرف چار ہی ترویحے بنتے ہیں پانچواں ترویحہ وتر کو ساتھ ملانے سے بنتا ہے اس لئے جن روایات میں خمس ترویحات کا لفظ آتا ہے وہاں ساتھ وتر کا بھی ذکر ہے، ابو مجلز کی روایت میں وتر کا ذکر نہیں ہے اس لئے اربع ترویحات کا لفظ ہے،

سولہ رکعات مراد نہیں کیونکہ سولہ رکعات میں تو تین ہی ترویحے بنتے ہیں۔

فائدہ دوم:۔ ان تمام روایات میں چار رکعت کے بعد آرام کرنے کو ایک ترویحہ کہا گیا ہے اس لحاظ سے آٹھ رکعت کے درمیان صرف ایک ہی ترویحہ ہوا اور اگر وتر کا وقفہ بھی ملا لیا جائے تو دو ترویحے ہونے تو گیارہ رکعت پر لغت وشرع کے اعتبار سے تراویح کا لفظ صادق ہی نہیں آتا کیونکہ تراویح جمع کا صیغہ ہے اور عربی میں عموماً جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے، اس لحاظ سے آٹھ رکعت صرف ترویحہ ہے اور گیارہ رکعت ترویحتین نہ کہ تراویح اور اُمت کا اجماع ہے کہ اس نماز کا نام تراویح ہے تو آٹھ اور گیارہ رکعات کو تراویح کہنا ہی غلط ہے۔

خلاصہ کلام:۔(۱) بیس رکعت تراویح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے کما ھو فی حدیث ابن عباسؓ.

(۲) بیس رکعت تراویح کا خلفائے راشدین میں سے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے حکم دیا اور کسی ایک شخص نے بھی اس پر انکار نہ فرمایا پس اس پر اجماع منعقد ہو گیا۔

(۳) تین خلفائے راشدین کے زمانہ میں تمام صحابہ کرامؓ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

(۴) خیر القرون صحابہ۔ تابعین۔ تبع تابعین کے دور میں بیس پر اجماع رہا، کسی نے انکار نہیں کیا۔ چاروں امام بیس رکعت تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے کے قائل ہیں، امام مالکؒ کا مذہب بھی بیس کا ہے، ترویحات میں جو نوافل ہیں اُن کا تراویح میں شمار ایسا ہی ہے جیسے وتر کا شمار تراویح میں کر کے ۲۳ کہا جانے تقریباً چودھویں صدی کے اخیر تک ائمہ اربعہ کے مقلدین پوری اسلامی دنیا میں بیس رکعت کے سنت مؤکدہ ہونے کے قائل اور عامل ہیں۔

ان سب کا خلاصہ یہی ہے کہ بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہیں، اس کا انکار کرنا، اس کے خلاف رسالے واشتہار شائع کرنا، اس کے خلاف مناظرے اور چیلنج کرنا محض تعصب ہے کیونکہ خلفائے راشدین۔ صحابہ۔ تابعین۔ تبع تابعین، ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین سے اس سے کم ہرگز ہرگز ثابت نہیں، اگر بیس رکعت تراویح امر منکر ہے کہ اس کے خلاف رسالے۔ وعظ۔ مناظرے اور چیلنج کئے جائیں تو کیا خلفاء راشدین۔ صحابہؓ اور تیرہ

سو سال تک امت مسلمہ اس منکر پر خاموش رہ کر کیا شیطان اخرس بنی رہی؟ معاذ اللہ نکیر تو اپنی جگہ رہی بلکہ اس پر عمل کر کے منکرین کے لئے کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔

فصل نہم

التہجد فی رمضان

فصل دوم میں احادیث صحیحہ کی رو سے ثابت ہو چکا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تمام رمضان میں عموماً اور عشرہ اخیرہ میں خصوصاً تمام رات خدائے واحد کی عبادت اور بندگی میں گزارتے تھے اور حدیث ابی ذرؓ میں ہے کہ جن تین راتوں میں آپ نے تراویح صحابہ کرام کو جماعت سے پڑھائی تھیں پہلے دن ثلث رات اور دوسرے دن نصف رات کے بعد اندر تشریف لے گئے اب آپ سوئے تو نہیں تو کیا کرتے رہے؟ صحیح حدیث سے پڑھئے۔

(۱) حدیث انسؓ:۔ اخرج مسلم فی صحیحہ عن انسؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان فجئت فقمت الی جنبہ وجاء رجل آخر فقام حتی کنا رھطاً فلما احس النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا خلفہ جعل یتجوز فی الصلوٰۃ ثم دخل رحلہ فصلی صلوٰۃ لا یصلیھا عندنا الحدیث (ص ۳۵۲ ج ۱) (حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں نماز پڑھتے تھے۔ پس ([illegible]) میں آیا اور آپ کی ایک جانب کھڑا ہو گیا پھر ایک اور آدمی آیا اور وہ بھی نماز میں شریک ہو گیا یہاں تک ہم ایک جماعت بن گئے۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی نماز پڑھنے لگے پھر آپ اپنے حجرے میں داخل ہو گئے اور وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نماز پڑھی جو ہمارے پاس نہ پڑھی تھی)

(۲) اخرج احمد فی مسندہ عن ثمامة بن عبداللّٰہ بن انس بن مالک عن انس بن مالکؓ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خرج الیہم فی رمضان فخفف بہم ثم دخل فاطال ثم خرج فخفف بہم ثم دخل فاطال فلما اصبحنا قلت یا نبی اللّٰہ جئنا اللیلة فخرجت الینا فخففت ثم دخلت فاطلت قال من اجلکم انتہیٰ واخرج احمد من طریق ثمامة ایضاً وفیہ قالوا یا رسول اللّٰہ صلیت فجعلت تطیل اذا دخلت وتخفف اذا خرجت قال من اجلکم فعلت (حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں ان کی طرف آئے اوران کو ہلکی نماز پڑھائی پھر اپنے حجرے میں جا کر لمبی نماز پڑھی پھر باہر آ کر ان کو ہلکی نماز پڑھائی پھر اندر جا کر لمبی نماز پڑھی پھر جب صبح ہوئی تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جب ہمارے ہاں تشریف لاتے تو مختصر نماز پڑھتے اور اندر جا کر طویل نماز پڑھتے فرمایا تمہاری وجہ سے میں نے ایسا کیا)

(۳) واخرج ایضاً من طریقہ عن انس بن مالکؓ ان اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اتوہ لیلة فی رمضان فصلّٰی لہم فخفف ثم دخل فاطال الصلوٰة ثم خرج فصلّٰی بہم ثم دخل فاطال الصلوٰة ففعل ذلک مراراً الحدیث واخرج احمد من طریق حمید عن انسؓ وفیہ ففعل ذلک مراراً کل ذلک یصلّی وینصرف قالوا یا رسول اللّٰہ صلیت معک البارحة ونحن نحب ان تمد فی الصلوٰة فقال قد علمت بمکانکم وعمداً فعلت ذلک. (اس کا مطلب بھی اوپر کی حدیث والا ہے)

شیخ الاسلام بن نورالحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔

"حدیث انس بن مالک کہ مسلم او را روایت کردہ ظاہر دراں است کہ قیام رمضان زائد بود بر نماز تہجد و حدیث ابی ذر دلالت دارد در اشتہار امر قیام رمضان بجماعت وثبوت عمل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برای در اول شب بجماعت قصداً بخلاف تہجد کہ خود در نصف آخر ثابت شدہ و جماعت دراں وگذاردن آں بدیں وجہ سنت تقریری بود یعنی اگر توقف نمی بود مواظبت میکرد (انتہی کلامہ)

الغرض حدیث مسلم میں یہ صراحت موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ تراویح پڑھیں ثم صلی صلوۃ لم یصلھا عندنا یعنی گھر جا کر تراویح کے علاوہ ایک اور نماز پڑھی۔ ظاہر ہے کہ وہ تہجد کی نماز تھی اور یہی دوسری مذکورہ احادیث کا حاصل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رمضان میں تراویح کے بعد تہجد بھی پڑھنی چاہئے۔

حدیث عائشہ صدیقہؓ:- حدثنا عبداللّٰہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن سعید بن ابی سعید المقبری عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن انہ اخبرہ انہ سال عائشۃؓ کیف کانت صلوۃ (ای التہجد) رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلّی اربعاً فلا تسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی اربعاً فلا تسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثاً قالت عائشۃ فقلت یا رسول اللّٰہ اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی (بخاری ص ۱۵۴ ج ۱، ص ۲۶۹ ج ۱) (ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رمضان شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کا کیا دستور تھا۔ تو آپؓ نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات میں (تہجد کے لئے) گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ خواہ رمضان کا مہینہ ہو یا کوئی اور۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت پڑھتے ان کا حسن وطوالت بارے مت پوچھ کہ الفاظ ان کو بیان ہی نہیں کر سکتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت پڑھتے۔ ان کے حسن وطوالت کے بارے نہ پوچھ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت پڑھتے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھنے سے پہلے ہی سو جاتے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہؓ ! میری آنکھیں سوجاتی ہیں، لیکن میرا دل نہیں سوتا۔

ما کان یزید:۔ ام المومنینؓ کی طرف سے سائل کا جواب اس جملہ سے شروع کرنا صاف دلالت کرتا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان المبارک میں شدت اجتہاد وشد احیاء اللیل وغیرہ سن کر سائل کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ شاید آپ رمضان المبارک میں تہجد کو ہی بڑھا دیتے ہوں تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں ما کان یزید فرما کر اس شبہ کو دور فرما دیا، تراویح تو بارہ مہینے نہیں پڑھی جاتی کہ اس کے متعلق سائل کو شبہ تزاید فی الرمضان کا ہوتا تو ظاہر ہے کہ یہ سوال اسی نماز کے متعلق تھا جو پورا سال پڑھی جاتی ہے۔ ہاں رمضان میں تزاید کا شبہ تھا۔

فی رمضان ولافی غیرہ:۔ اس جملے سے صاف ظاہر ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں پورا سال تہجد پڑھا کرتے تھے، جو (لوگ) اس کو تراویح کے متعلق پیش کرتے ہیں اُن کے خلاف یہ جملہ نہایت واضح ہے کیونکہ رمضان اور غیر رمضان میں تہجد ہی پڑھی جاتی ہے تراویح کب غیر رمضان میں پڑھی جاتی ہے، امام غزالی فرماتے ہیں **وعن الوظائف التی لتکرر بتکرر السنین التراویح وھی عشرون رکعۃ وکیفیتھا مشھورۃ وھی سنۃ مؤکدۃ (احیاء العلوم)**

فلا تسئل عن حسنھن وطولھن۔:۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ تہجد کے متعلق ہے کیونکہ حدیث انسؓ میں گزرا کہ طول قیام تہجد میں ہوتا تھا اور مختصر قیام تراویح میں۔

اتنام قبل ان توتر:۔ سو وتر سے پہلے سونا بھی تہجد میں ہی متصور ہے تراویح میں ثابت نہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ:۔ اپنے رسالہ تراویح میں فرماتے ہیں حدیث حضرت عائشہؓ محمول بر نماز تہجد است کہ در ماہ رمضان وغیر رمضان یکساں بود وغالب عدد آں بقدر یازدہ رکعت مع الوتر میسر سید دلیل بریں حمل آنست کہ راوی ایں حدیث ابو سلمہ در تتمہ ایں روایت میگوید **قالت عائشۃ فقلت یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر قال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا تنام قلبی** وظاہر است کہ نوم قبل از وتر در تہجد متصور میشود نہ

در غیر آں در روایات زیادت نمودن بر نماز تراویح سنت کرده در عرف آں وقت قیام رمضان مسمّیٰ
بود کہ آنحضرت در حق آں فرموده است من قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر له ما
تقدم من ذنبه وبعد از کتب حدیث باب قیام رمضان را جداگانہ از باب قیام اللیل کہ
عبارت از تہجد است منعقد کرده بجملہ از احادیث مذکوره والفاظ مستوره یعنی مزید جد واجتہاد
واحیاء لیل وشد مئزر وترغیب قیام رمضان ایں قدر معلوم شد کہ عدد رکعات صلوٰۃ در لیالی
رمضان نسبت غیر رمضان بسیار بود" نیز شاہ صاحب وہ احادیث جو ہم نے فصل
اول دوم میں ذکر کی ہیں جن سے تمام رات عبادت کرنا ثابت ہے نقل کر کے فرماتے ہیں
پس وجہ تطبیق درمیان ایں روایات کہ دلالت بر زیادت می کنند آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم در رمضان بر غیر آں میکرد و در آں روایات کہ نفی زیادت میکند اینست کہ آں روایات
محمول بر نماز تہجد است (رسالہ تراویح)
مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہ العالی: — فرماتے ہیں والتحقیق انها
(ای حدیث عائشہ) مجموعة صلوٰة التهجد (اعلاء السنن ص ۶۳ ج ۷)
حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ: — اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں" جو ابو
سلمہ نے قیام رمضان کو پوچھا ہے تو وہاں بھی مراد قیام رمضان سے تہجد رمضان کا ہے
غرض ان کی یہ تھی کہ تہجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان میں بہ نسبت اور شہور کے زیادہ
ہوتا ہے یا نہیں (رسالہ الرای النجیح مندرجہ فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۰۷) پھر حضرت نے اس پر
مفصل بحث فرمائی ہے اور آخر میں فرماتے ہیں" الغرض الحق یہ ہے کہ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ
ابو سلمہ نے پوچھا وجہ کہ رمضان میں آپ کا اہتمام عبادت زیادہ ہوتا تھا تہجد رمضان کو بھی
فزوں کرتا یا رمضان میں تہجد آپ کا بہ نسبت اور ایام کے زیادہ ہوتا تھا یا نہیں تو حضرت عائشہؓ
نے زیادت تہجد کی نفی کی صلوٰۃ تراویح سے اس میں کچھ بحث نہیں نہ سوال میں نہ جواب میں
—— اس حدیث میں نہ زیادت تہجد کی نفی ہے اور نہ ذکر قیام رمضان کا جو سوائے تہجد کے ہے
بلکہ ذکر ان عدد رکعات کا ہے جو آخر اوقات تہجد رمضان و غیر رمضان میں ہوتا تھا (رسالہ

الرای النجیح و در فتاوی رشیدیہ ص ۳۱۰) حضرت نے اس بحث کو نہایت نفیس طرز سے رسالہ میں درج فرمایا ہے جو قابل ملاحظہ ہے دلائل وہاں ملاحظہ ہوں خلاصہ اُن کا یہ ہے کہ فرماتے ہیں :۔(۱) تہجد و تراویح علیحدہ علیحدہ دو نمازیں ہیں کہ دو وقت میں مقرر کی گئی ہیں اور تہجد قرآن شریف سے ثابت ہوا اور تراویح حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر روز تہجد کو آخر شب میں پڑھا ہے ـــــ اور تراویح کو اول لیل میں پڑھا ہے ـــــ تہجد کو ہمیشہ منفرد ادا پڑھتے تھے کبھی بتداعی جماعت نہیں فرمائی ، اگر کوئی شخص آ کھڑا ہوا تو مضائقہ نہیں ـــــ بخلاف تراویح کے کہ اُس کو چند بار تداعی کے ساتھ جماعت کر کے ادا کیا ـــــ ہر دو صلوٰۃ جداگانہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے واسطے تمام رات کبھی نہیں جاگے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان تہجد میں فرماتی ہیں ما علم نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرا القرآن کلہ فی لیلۃ واحدۃ ولا صلی لیلۃ الی الصبح الی آخر الحدیث اور بیان کی تقدیر صلوٰۃ تہجد میں ہے ورنہ صلوٰۃ تراویح میں صبح تک نماز پڑھنا روایت ابوذر سے خود ثابت ہو چکا ہے (ملخصاً از ص ۳۰۶ تا ص ۳۰۷ فتاوی رشیدیہ)

فرمان فاروق اعظم رضی اللہ عنہ :۔ حضرت گنگوہی فرماتے ہیں" اور بخاری نے جو حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جماعت تراویح کو جو اول وقت میں حضرت ابی کرا رہے تھے اور یہ جماعت خود حضرت عمرؓ کی مقرر کرائی ہوئی تھی دیکھ کر یہ فرمایا والتی تنامون عنها افضل من التی تقومون تو اس سے بھی اگر مغائرت دونوں نمازوں کی نکالی جاوے تو بعید نہیں کیونکہ معنے اس قول کے یہ ہیں کہ جو نماز کہ اس سے تم سو رہتے ہو یعنی تہجد کہ آخر رات میں ہوتی ہے افضل ہے اس نماز سے جو پڑھتے ہو تم یعنی تراویح کہ اول وقت پر پڑھتے تھے ـــــ تو حضرت عمرؓ نے ان کو رغبت تہجد پڑھنے کی بھی دلائی کہ افضل کو ترک کرنا نہ چاہئے لہذا اول وقت میں تراویح اور آخر وقت میں تہجد ادا کریں (فتاوی رشیدیہ ص ۳۱۰، ۳۱۱)

حضرت محبوب سبحانی سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ :۔ فرماتے ہیں

ويستحب للتراويح جماعة والجهر بالقراءة لان النبي صلى الله عليه وسلم صلاها كذلك في تلك الليالي ——— ويكون فعلها بعد صلوة الفرض وبعد وبعد ركعتين بسنة وهي عشرون ركعة يجلس عقب كل ركعتين ويسلم وهي خمس ترويحات كل اربعة منها ترويحة اس کے بعد فرماتے ہیں ويكره صلوة النوافل في جماعة بعد التراويح في احد الروايتين عند الامام احمد وروى عن انس بن مالك انه كرهه بل ينام نومة خفيفة ثم يقوم يأتي بما شاء من النوافل والتهجد ثم يرجع الى مقامه وهي ناشئة الليل التي اثنى الله عليها وذكرها وقال ان ناشئة الليل هي اشد وطأً واقوم قيلا والرواية الثانية ان ذلك جائز غير مكروه لكنه يؤخره لما روى عن عمرؓ انه قال تدعون فضل الليل آخره الساعة التي تنامون احب الي من الساعة التي تقومون. انتهى مختصراً یعنی امام احمدؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک رمضان میں تہجد کی جماعت میں اختلاف ہے مگر منفرداً پڑھنا بالاتفاق افضل ہے۔

الی حاصل حضرت گنگوہیؒ سے پہلے حضرت محبوب سبحانی قدس اللہ سرہ نے بھی فرمان فاروقی سے تہجد ہی مراد لی ہے اور یہ بالکل ظاہر بھی ہے کیونکہ مفضل اور مفضل منہ غیر غیر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ایک ہی نماز اول شب میں مفضل منہ ہے اور وہی آخر شب میں مفضل ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ سیاق لفظ سے بھی بعید ہے اور نیز حضرت عمرؓ نے یہ تمام انتظام کس واسطے کیا کہ لوگوں کو افضل سے نکال کر انقص کی طرف اجماع کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن سب کو تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کی ہی ترغیب دی وہو المقصود۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:- عن قيس بن طلقٍ قال قدمنا زارنا طلق بن عليٍّ في يوم من رمضان وامسى عندنا وافطر ثم قام بنا تلك الليلة واوتر بنا ثم انحدر الى مسجده فصلى باصحابه حتى اذا بقي الوتر قدم رجلاً فقال اوتر باصحابك فاني سمعت رسول الله صلى

اللّٰه علیه وسلم یقول لا وتران فی لیلة (یعنی قیس بن طلق فرماتے ہیں کہ ایک دن طلق بن علیؓ ہمارے پاس تشریف لائے۔ وہ رمضان میں اور شام تک رہے اور روزہ افطار کیا اس کے بعد ہمیں اس رات کی تراویح اور وتر پڑھائے پھر اپنی مسجد میں گئے کہ لوگوں کو نماز پڑھائی۔ پھر جب وتر باقی رہ گئے تو ایک شخص کو امامت کے لئے آگے کر دیا اور فرمایا کہ وتر پڑھاؤ لوگوں کو کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہو سکتے) رواہ ابو داؤد ونحوہ فی النسائی جس سے معلوم ہوا حضرت طلق نے تین جماعتیں کرائیں ایک وتر سے پہلے ایک وتر کی اور ایک وتر کے بعد یا دوسرے لفظوں میں وتر سے پہلے تراویح پڑھائی پھر وتر پڑھائے اور پھر تہجد پڑھائی جس سے ثابت ہوا کہ حضرت طلق اور آپ کے ساتھی رمضان میں بھی تراویح کے علاوہ تہجد پڑھتے تھے اور آپ پر حاضرین میں سے کوئی انکار تو کیا کرتا وہ خود شریک تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایسا قول و فعل جو غیر مدرک بالقیاس ہو حکم میں مرفوع کے ہوتا ہے۔

فقہ حنبلی:۔ کی معتبر کتاب مقنع میں ہے ثم التراویح وھی عشرون رکعۃ یقوم بھا فی رمضان فی جماعۃ ویوتر بعدھا فی الجماعۃ فان کان لہ تہجد جعل الوتر بعدہ (ص ۱۸۴ ج ۱) (یعنی بیس رکعات تراویح جماعت کے ساتھ پڑھے اور اس کے بعد جماعت سے وتر پڑھے ہاں اگر تہجد پڑھنے کا ارادہ ہو تو وتر تہجد کے بعد پڑھے)

امام احمد بن حنبلؒ:۔ اس کے بعد مقنع میں مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے پہلے تراویح کے ساتھ وتر پڑھ لئے پھر اس نے امام کے ساتھ تہجد پڑھی اور امام تہجد کے بعد پھر وتر پڑھے تو مقتدی کیا کرے جو پہلے وتر پڑھ چکا ہے) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ امام کے ساتھ وتر میں کھڑا ہو جائے اور جب امام سلام پھیرے تو یہ اٹھ کر ایک رکعت اور ملا لے (حاشیہ پر ہے کہ یہ مسئلہ امام احمدؒ سے منصوص ہے۔

امام مالکؒ:۔ علامہ محمد عبدری مالکی معروف بابن الحاج فرماتے ہیں۔ "احادیث میں ہے کہ جب صحابہ کرامؓ نماز تراویح سے فراغت پا کر اپنے گھروں کو مراجعت فرماتے تو اس

خوف سے اپنے خادموں کو کھانا لانے کی جلدی کرتے کہ مبادا صبح ہو جائے اور طول قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے، اسی طرح صحابہ کرامؓ کو سحا پہلی اور پچھلی رات کے قیام (تراویح اور تہجد) کی دونوں فضیلتیں حاصل ہو جاتی تھیں، حضرات صحابہ کرامؓ ہمارے سردار و پیشوا ہیں اور محب اپنے محبوب کا مطیع اور مرضی شناس ہوتا ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اُن کے آثار مبارکہ کی پیروی کریں لیکن عہد حاضر میں عام طور پر یہ مشکل نظر آتا ہے کہ مساجد میں عامۃ الناس کے ساتھ رات بھر نماز پڑھی جا سکے، تاہم کوشش کرنی چاہئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اس سنت کو عملی جامہ پہنائیں اور اس کی یہ صورت ہے کہ مسجد میں تو لوگوں کے ساتھ اسی قدر قیام کر لیں جس قدر کہ میسر ہو، اس کے بعد گھر پہنچ کر ساری رات نماز میں کھڑے رہیں اور اگر کوئی دشواری نہ ہو تو اپنے اہل و عیال کو بھی شب بیداری میں شریک رکھیں ورنہ خود ہی تنہا مصروف نماز رہیں اور بہتر یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے اتباع میں نماز وتر تمام نفلی نمازوں (تہجد وغیرہ) کے بعد پڑھی جائے، امام مالکؒ مسجد میں جماعت کے ساتھ وتر نہیں پڑھتے تھے بلکہ تراویح پڑھنے کے بعد گھر آ کر مصروف نماز ہوتے اور آخیر رات میں تہجد کے اختتام پر وتر ادا فرماتے تھے لیکن اگر کسی نے وتر کو اوّل شب میں امام کے ساتھ پڑھ لیا ہو تو اس کو تہجد کے بعد دوبارہ نہیں پڑھنا چاہئے چنانچہ میرے شیخ ابو محمدؒ پہلے تو مسجد میں امام کے پیچھے تراویح اور وتر ادا فرماتے تھے اس کے بعد مکان پر پہنچ کر مصروف نماز رہتے اور وتر کا اعادہ نہیں فرماتے تھے اور حضرت ابو محمدؒ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ سیدی ابو الحسن زیات بھی یہی کیا کرتے تھے (کتاب المدخل ص ۲۹۳ ج ۲)

خلاصہ: فصل دوم میں بھی میں بہت سے صحابہ کرامؓ و تابعین و من بعدہم سے یہ ثابت کر آیا ہوں کہ تراویح کے بعد بھی تمام رات نہ سوتے تھے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام تابعین تبع تابعین تراویح کے بعد تہجد پڑھتے رہے ائمہ اربعہ میں سے امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا حال میں فصل دوم میں ذکر کر آیا ہوں اور امام مالکؒ کا عمل اس فصل میں بتا دیا ہے، بہت سے محدثین خصوصاً امام بخاریؒ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا بھی

فصل دوم میں لکھا جا چکا ہے پھر آج تک ائمہ اربعہ کے مقلدین بھی اس پر عمل پیرا ہیں، اب میں اپنے غیر مقلد دوستوں سے پوچھتا ہوں کہ رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہوتے ہی جیسے آپ کی مساجد میں یہ اعلان ہو جاتا ہے کہ تراویح کے بعد تہجد پڑھنا خلاف سنت ہے۔ گناہ ہے۔ کیا آپ یہ دکھا سکتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی ایک ہی رمضان میں یہ اعلان فرمایا ہو کہ اب رمضان کا مہینہ آ گیا ہے، خبردار اگر کسی نے تراویح کے بعد تہجد پڑھی تو! اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایسا اعلان نہیں فرمایا اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ کبھی ایسا اعلان نہیں فرمایا تو آپ کی مساجد میں اس اعلان کی گونج کس کی سنت ہے، اس مبارک مہینہ میں آپ کا پریس آخر کیوں خدا کی عبادت سے دشمنی کرنے پر وقف ہو جاتا ہے، کہیں اشتہار ہیں، کہیں رسالے ہیں، آج اس چوک میں جلسہ ہے، کل فلاں چوک میں ہوگا اور یہ اعلان مساجد میں، محافل میں، بازاروں میں، جلسوں میں جلوسوں میں کیا جاتا ہے کہ تراویح کے بعد تہجد پڑھنا خلاف سنت ہے، بدعت ہے گناہ ہے۔ خدارا بتایئے کیا صحابہ کرامؓ، تابعین تبع تابعین، ائمہ اسلام، محدثین کرام اور صوفیاء عظام کا رمضان بھی اس شغلے میں گزر جاتا تھا کہ خبردار زیادہ عبادت نہ کرنا ورنہ گناہ ہوگا۔

ازالہ شبہ:۔ ہمارے غیر مقلد دوستوں کے پاس تراویح اور تہجد کے ایک ہونے پر یا رمضان میں تراویح کے منع ہونے پر کوئی حدیث صحیح یا قول خلیفہ راشد کا نہیں دلیل یہ ہے کہ امام محمدؒ نے موطا میں حدیث عائشہؓ کو باب قیام شہر رمضان میں لکھا ہے۔

الجواب:۔ امام محمدؒ نے موطا میں تہجد اور تراویح کے دو علیحدہ علیحدہ باب باندھے ہیں، حدیث عائشہ کو بروایت عروہ گیارہ رکعت باب صلوٰۃ اللیل (تہجد) میں ذکر فرمایا ہے اور حدیث عائشہ بروایت ابی سلمہ کو باب قیام رمضان میں! اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ تہجد جس طرح غیر رمضان میں پڑھی جاتی ہے رمضان میں بھی پڑھنی چاہیے، باقی رہی تراویح کی تعداد اس میں آئمہ ثلاثہ حنفیہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے، سب بیس رکعت کے قائل ہیں

(۱) امام محمدؒ کے علاوہ (۲) امام مالکؒ نے موطأ میں۔ (۳) امام ترمذی نے (۴) امام مسلم نے (۵) امام ابوداؤد نے (۶) امام مروزی نے قیام اللیل میں (۷) بیہقی نے سنن کبریٰ میں (۸) علامہ ولی الدین خطیب نے مشکوٰۃ المصابیح میں (۹) علامہ ابن قیمؒ نے زادالمعاد میں تراویح اور تہجد کے باب علیحدہ علیحدہ باندھے ہیں اور سب نے حدیث عائشہؓ کو باب تہجد میں ذکر کیا ہے، امام بخاریؒ نے بھی امام محمدؒ کی طرح تراویح اور تہجد کے باب علیحدہ علیحدہ باندھے ہیں اور حدیث عائشہ کو دونوں بابوں میں ذکر کیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ رمضان میں بھی تہجد پڑھنی چاہیے اور میں امام بخاریؒ کا عمل فصل دوم میں نقل کر چکا ہوں کہ آپ رمضان میں تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے، پس آپ کی عملی شہادت کو کس دلیل کی بناء پر ٹھکرایا جا سکتا ہے۔ میں اپنے کرم فرماؤں سے پوچھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ اور حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کے زمانہ میں جب تمام صحابہ کرام مسجد نبوی میں باجماعت بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے تو کیا حضرت عائشہؓ اور ابوسلمہ[۱] بن عبدالرحمٰن نے اُن کے خلاف یہ حدیث پیش فرمائی تھی یا نہیں اگر فرمائی تھی تو ثبوت دیں، اگر نہیں فرمائی تھی تو آپ کیوں پیش فرماتے ہیں، کیا آپ اس حدیث کے مطلب کو حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوسلمہؓ سے زیادہ سمجھتے ہیں یا یہ خیال کرتے ہیں کہ اُن میں احیاء سنت کا جذبہ چودھویں صدی کے غیر مقلدین جتنا بھی نہ تھا اور کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ صحابہ کرامؓ نے متفق ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں زیادتی کر دی، اگر آپ صحابہ کرامؓ کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں تو پھر اُن حضرات سے ملا ہوا قرآن اور باقی سارا دین مشکوک قرار پا جائے گا۔ پھر اس حدیث کے مرکزی راوی امام مالکؒ ہیں۔

---

۱ حضرت ابوسلمہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے لخت جگر ہیں اور مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے تھے۔ اور اہل مدینہ کا عمل ۳۶ رکعت پر تھا، کسی سند سے کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ آپ حدیث عائشہ کو تراویح کے باب میں سمجھ کر آٹھ پڑھتے تھے یا زیادہ والوں کو منع کرتے تھے۔ صفدر

تمام اصحاب صحاح ستہ نے ان کی اسی روایت سے اسی حدیث کو باب تہجد میں ذکر فرمایا ہے، امام مالکؒ اور امام بخاریؒ کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں دونوں تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں وقد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی رمضان ویوتر بثلاث فرای کثیر من العلماء ان ذلک ھو السنة لانه قام بین المھاجرین والانصار ولم ینکره منکر واستحب الآخرون تسعة وثلاثین رکعةً بناءً علی انه عمل اھل المدینة القدیم وقالت طائفة قد ثبت فی الصحیح عن عائشة ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لم یکن یزید فی رمضان ولا فی غیره من ثلاث عشرة رکعة واضطرب فی ھذا الاصل لما ظنوه من معارضة الحدیث الصحیح لما ثبت من سنة الخلفاء الراشدین وعمل المسلمین والصواب ان ذلک جمیعه حسن کما قد نص علی ذلک الامام احمد رضی اللّٰه عنه وانه لا یتوقت فی قیام رمضان عدد فان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لم یوقت فیها عدداً (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۹۱ ج ۱) علامہ صاحب نے کیا ہی خوب فرمایا کہ بیس رکعت سنت خلفاء ہے، مہاجرین وانصار کا بلا نکیر اس پر اجماع ہے اور اکثر مسلمانوں کا تعامل ہے اور بیس سے زائد اہل مدینہ کا تعامل ہے اور حدیث عائشہؓ سے معارضہ اگرچہ بعض طائفہ نے کیا ہے مگر یہ معارضہ صحیح نہیں کیونکہ سنت خلفاء اور تمام مسلمانوں کے تعامل کے خلاف ہے۔ الغرض حدیث عائشہؓ کو بیس رکعت کے خلاف پیش کرنا تمام اُمت کا تخطیہ ہے۔

فصل دوم

تحقیق حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:

جابر بن عبداللّٰہ کنیتہ ابو عبداللّٰہ الانصاری السلمی من مشاهیر الصحابة واحد المکثرین من الروایة شهد بدراً وما بعدها مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثمانی عشرة غزوة وقدم الشام ومصر وکف بصره فی آخر عمره روی عنه خلق کثیر مات بالمدینة سنة اربع وسبعین وله اربع وتسعون سنة وهو آخر من مات بالمدینة من الصحابة فی قول (الاکمال ص ۵۸۹) (یعنی حضرت جابرؓ کی کنیت ابوعبداللہ انصاری ہے۔ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں اور احادیث نبویہ کو کثرت سے روایت کرنے والے ہیں۔ غزوہ بدر سمیت اٹھارہ غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی اور جہاد و تبلیغ کے لئے شام اور مصر بھی گئے۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ ایک بہت بڑی تعداد میں لوگوں نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ ۹۴ سال کی عمر میں ۷۴ھ کو مدینہ میں وفات پا گئے۔ آپ ایک قول کے مطابق مدینہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں)

السند الاوّل: -اخرج الطبرانی فی معجمه الصغیر قال حدثنا جعفر بن حمید ثنا یعقوب بن عبداللّٰہ القمی عن عیسی بن جاریة عن جابر بن عبداللّٰہ قال صلی بنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی شهر رمضان ثمان رکعات واوتر فلما کانت القابلة اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج الینا فلم نزل حتی اصبحنا ثم دخلنا فقلنا یا رسول اللّٰہ اجتمعنا البارحة ورجونا ان تصلی بنا فقال انی خشیت ان یکتب الوتر ولا یروی عن جابر بن عبداللّٰہ الا بهذا الاسناد تفرد به یعقوب وهو ثقة (آثار السنن ص ۲۰۸ مع التعلیق) واخرج المروزی قال حدثنا اسحاق

اخبرنا ابوالربیع ثنا یعقوب ثنا عیسیٰ بن جاریۃ عن جابر بن عبداللہؓ صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان ثمان رکعات واوتر فلما کانت اللیلۃ القابلۃ اجتمعنا فی المسجد رجونا ان یخرج فیصلی بنا فاقمنا فیہ حتی اصبحنا فقلنا یا رسول اللہ رجونا ان تخرج فتصلی بنا فقال انی کرھت او خشیت ان یکتب علیکم الوتر. قال حدثنا محمد بن حمید الرازی ثنا یعقوب بن عبداللہ ثنا عیسیٰ بن جاریۃ عن جابرؓ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان لیلۃ ثمان رکعات والوتر فلما کان من القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج الینا فلم نزل فیہ حتی اصبحنا قال انی کرھت اوخشیت ان یکتب علیکم الوتر. (قیام اللیل ص ۱۹۰) قال عنبۃ الرازی جعفر بن حمید حدثنا یعقوب القمی عن عیسیٰ بن جاریۃ عن جابر قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات والوتر الحدیث (میزان الاعتدال ص ۳۱۱ ج ۲) واخرج ابن حبان عن جابرؓ انہ علیہ السلام قام بھم فی رمضان فصلی ثمان رکعات واوتر ثم انتظروہ من القابلۃ فلم یخرج الیھم فسألوہ فقال خشیت ان یکتب علیکم الوتر. رواہ فی النوع التاسع والستین من القسم الخامس (زیلعی ص ۱۵۲ ج ۲) ورواہ ابن خزیمۃ وقال النیموی وفیہ اسنادہ لین (آثار السنن ص ۲۴۸) (ان ساری احادیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں (ایک رات) ہمیں آٹھ رکعت تراویح پڑھائی اور وتر پڑھائے۔ اور پھر اگلی رات ہم مسجد میں جمع ہوئے اور ہم نے امید کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائے اور ہم صبح تک مسجد میں رہے پھر ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! گذشتہ رات ہم مسجد میں دیکھے

ہوئے اور یہ امید رکھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ڈر گیا کہ کہیں تم پر وتر فرض نہ ہو جائے۔

بحث اول:۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح کی نماز کا حال چھ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے (۱) حضرت عائشہؓ۔ ان کی روایت بخاری ص ۲۶۹ ج ۱ مسلم ص ۲۵۹ ج ۱، نسائی ص ۱۶۹ ج ۱، ابوداؤد ص ۱۳۸ ج ۱، موطا امام محمدؒ ص ۱۰۳ پر ہے

(۲) حضرت زید بن ثابتؓ ان کی روایت نسائی ص ۱۶۵ ج ۱ پر ہے

یہ دونوں حضرات بیان کرتے ہیں کہ آپ نے تین رات نماز پڑھائی پھر بخوف فرضیت جماعت ترک فرمادی۔ اُس رات کتنی رکعات پڑھائیں اس کا اُن روایات میں کوئی ذکر نہیں۔

(۳) حضرت ابوذرؓ، ان کی روایت ترمذی ص ۱۳۹ ج ۱، ابوداؤد ص ۱۳۸ ج ۱، نسائی ص ۱۶۹ ج ۱، ابن ماجہ ص ۹۶ پر ہے

(۴) حضرت نعمان بن بشیرؓ ان کی روایت نسائی ص ۱۶۵ ج ۱ پر ہے یہ دونوں یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے تین رات تراویح پڑھائی پہلی رات ثلث دوسری رات نصف تیسری رات سحری تک نماز پڑھائی تعداد رکعات ذکر نہیں۔

(۵) حضرت انسؓ۔ یہ صرف ایک رکعت کی تراویح کا ذکر کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ ہمیں تراویح پڑھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے فصلی صلوۃ لا یصلیھا عندنا (مسلم ص ۳۵۲، ج ۱)

(۶) حضرت جابر بن عبداللہ یہ صرف ایک رات کی نماز کا حال بیان فرماتے ہیں مگر صحاح ستہ کی تمام روایات کے خلاف دو باتوں کا مزید ذکر فرماتے ہیں (۱) آٹھ رکعت (۲) آپ نے فرمایا خشیت ان یکتب علیکم الوتر۔ الغرض تمام صحابہ کرامؓ میں سے صرف ایک صحابی حضرت جابرؓ ہی آٹھ رکعت کا ذکر فرماتے ہیں آپ کے علاوہ ایک صحابی بھی آٹھ رکعت سے واقف نہیں۔

بحث دوم :۔ عیسیٰ بن جاریہ :۔ حضرت جابرؓ سے صرف ایک شخص اس روایت کو بیان کرتا ہے وہ عیسیٰ بن جاریہ ہے امام طبرانیؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں لا یروی عن جابر بن عبداللّٰہ الا بھذا الاسناد اب اس کا حال ملاحظہ ہو۔ قال ابن معین عندہ مناکیر وقال النسائی منکر الحدیث وجاء عنہ متروک وقال ابوزرعۃ لاباس بہ وقال العلامۃ الخزرجی فی الخلاصۃ وثقہ ابن حبان وقال ابوداؤد منکر الحدیث انتھیٰ قال الحافظ ابن حجر فی التقریب فیہ لین" (التعلیق الحسن ص ۲۴۸) ساجی اور عقیلی نے اس کو ضعفاء میں شمار کیا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی حدیثیں محفوظ نہیں (تہذیب التہذیب ص ۲۰۷ ج ۲، میزان الاعتدال ص ۳۱۱ ج ۲) پس جبکہ عیسیٰ بن جاریہ منکر الحدیث ہے تو بقول علامہ قاری منکر الحدیث وصف فی الرجل یستحق بہ الترک لحدیثہ (ابکار المنن ص ۱۹۱ العبدالرحمٰن مبارکپوری) (یعنی منکر الحدیث ہونا ایسا ہے کہ جس راوی میں پایا جائے وہ اس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کی حدیث چھوڑ دی جائے)

بحث سوم :۔ یعقوب بن عبداللّٰہ القمی :۔ عیسیٰ بن جاریہ سے روایت کرنے والا بھی ایک ہی شخص ہے قال یحییٰ بن معین لا اعلم احداً روی عنہ غیر یعقوب القمی (کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ص ۲۷۳ ج ۳ مطبوعہ حیدرآباد) قال الدارقطنی لیس بالقوی وقال النسائی لا باس بہ وقال الحافظ فی التقریب صدوق (حاشیہ زیلعی ص ۱۱۳ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ یہ صاحب بھی مختلف فیہ ہیں مگر یہاں ایک اور بات قابل غور ہے کہ یہ قمی ہے شیعہ ہے اور شیعہ راوی اگر ثقہ ہو تو اس کی روایت کا یہ حکم ہے کہ اگر اس روایت سے شیعہ مذہب کی تقویت ہوتی ہو اور اہل سنت کے خلاف ہو بالکل مردود ہوتی ہے اور یہ ساری دنیا جانتی ہے کہ شیعہ حضرات نماز تراویح کے منکر ہیں اور اسی وجہ سے غیر مقلدوں کی طرح وہ بھی

تراویح کو بدعت عمری کہتے ہیں اور حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ سے جس پر اتفاق و اجماع ہو گیا تھی کہ یہ روایت دراصل تراویح کے انکار اور سنت فاروقی و اجماع صحابہ کے خلاف ہے اس لئے اگر وہ بالکل ثقہ بھی ہوتا تو روایت نامقبول ہوتی اب جبکہ وہ خود مختلف فیہ ہے تو یہ روایت قطعاً مردود قرار پائے گی۔

بحث چہارم:۔ قمی سے اس حدیث کو جعفر بن حمید اور محمد بن حمید رازی روایت کرتے ہیں، جعفر بن حمید مجہول الحال ہے نہ کسی نے اس کی توثیق کی ہے نہ تضعیف (**قاله صلاح الدین فی عشاریاته**) امام ذہبیؒ نے بھی میزان میں اس کی توثیق و تضعیف کچھ نقل نہیں کی۔ رہا محمد بن حمید رازی تو امام بخاری، نسائی، یعقوب بن شیبہ، جوزجانی، ابوزرعہ، ابن خراش اور ابونعیم نے اس کی تضعیف کی ہے۔ ابن خزیمہ سے ابوعلی نے کہا کہ آپ محمد بن حمید سے حدیث کیوں نہیں لیتے حالانکہ امام احمدؒ ان سے روایت لیتے تھے، آپ نے فرمایا امام احمد پر اس کا وہ حال نہ کھلا تھا جو ہم پر کھلا، اگر امام احمدؒ بھی ان حالات سے باخبر ہوتے تو ہرگز اسے اچھا نہ سمجھتے۔ اسحاق کوسج کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب تھا۔ صالح بن محمد اسدی کہتے ہیں کہ وہ حدیثوں میں رد و بدل کر دیتا تھا اور بڑا دروغ گو تھا (تہذیب التہذیب ص۱۲۹ ج۹، میزان الاعتدال ص۵۰ ج۳) ہاں جو اس کے حالات سے پوری طرح واقف نہ ہو سکے وہ اس سے روایت لیتے تھے۔ خلاصہ بیس رکعت کی مرفوع حدیث میں ابوشیبہ پر بے جا جرح کرنے والوں کی روایت کے رواۃ کا حال آپ کے سامنے ہے کہ تمام امت کے خلاف دو ایک سا ساقط ضعیف روایت کی بنا پر جو شیعوں کی تصنیف ہے پوری امت کا مقابلہ کر رہے ہیں والی اللہ المشتکی۔

بحث پنجم:۔ اس حدیث میں صرف ایک رات کی تراویح کا ذکر ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ یہ حدیث حضرت انسؓ کی حدیث کے واقعہ سے متحد ہے، اس صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ایک نماز گھر جا کر بھی پڑھی **فصلی صلوٰۃ لا یصلیہا عندنا**. اب ہمارے

غیر مقلد دوست اگر اس نماز کو تہجد کہیں تو دل ما روشن چشم ما شاد لیکن وہ یہ کب مانیں گے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ آپ نے آٹھ تراویح مسجد میں کرام نے ساتھ ادا فرمائی باقی گھر جا کر ادا فرمائی، حضرت جابرؓ نے صرف وہ رکعات ذکر فرمائی ہیں جو مسجد میں پڑھیں اور عبداللہ بن عباسؓ نے ساری ملا کر بیس رکعت بیان فرمائیں تو اب اس روایت کو صحیح مان لینے کے بعد بھی آٹھ میں حصر کا دعویٰ بالکل باطل قرار پائے گا۔ ھوالمطلوب۔

بحث ششم:- اگر ہم بفرض محال اس حدیث کو صحیح بھی تسلیم کر لیں تو بھی اس حدیث سے آٹھ رکعت تراویح کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ صرف ایک رات کا واقعہ ہے اور اصول کا قاعدہ ہے واقعة حال لا عموم لها یعنی جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک دفعہ یا چند مرتبہ کیا ہو اور اس پر مواظبت نہ فرمائی ہو وہ سنت نہیں ہوتا جیسے آپ کا نماز میں بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنا، قبلے کی طرف منہ اور پشت کر کے قضائے حاجت فرمانا، کھڑے ہو کر پیشاب کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے مگر سنت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور آئمہ اربعہ میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت تراویح کے سنت ہونے کا قائل نہیں ہے۔

بحث ہفتم:- اس حدیث کو بیس رکعت تراویح کے خلاف پیش کرنا اور بیس کی روایات کے معارض سمجھنا بھی سخت غلطی ہے کیونکہ اس میں آٹھ سے زیادہ پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا۔

مثال اول:- تہجد کی رکعات میں مختلف روایات ہیں چار رکعت، چھ رکعت، آٹھ رکعت، دس رکعت وغیرہ مگر کوئی نہیں کہتا کہ یہ احادیث آپس میں متعارض ہیں اسی طرح مثلاً ایک حدیث میں ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ ستر مرتبہ استغفار کرتے تھے دوسری میں ہے کہ سو مرتبہ استغفار کرتے تھے اب اگر کوئی ستر دفعہ کرے تو ہم کہیں گے کہ اس نے سو والی حدیث پر عمل نہیں کیا مگر سو دفعہ استغفار کرنے والے کو نہیں کہہ سکتے کہ تو نے ستر دفعہ والی روایت پر عمل ترک کر رکھا ہے کیونکہ سو دفعہ استغفار کرنے سے تو دونوں حدیثوں پر عمل ہو گیا اسی طرح بیس رکعت تراویح پڑھنے والے کو یہ کہنا کہ تو نے آٹھ رکعت نہیں پڑھیں بالکل غلط

الائمة الاربعة وعن اکابر العلماء من تلامذتهم فترکهم العمل بحدیث دلیل علی کونه منسوخاً اومؤولاً (مظهری)

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں وکون الحدیث متروک العمل به فی قرن الصحابة او التابعین علامة نسخه او ضعفه کما یدل علیه کلام المنار المذکور وصرح به فی التلویح (مقدمہ اعلاء السنن ص ۲۹) (یعنی کسی حدیث کا صحابہ و تابعین کے زمانہ میں متروک العمل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے یا ضعیف ہے)

تشریح:۔ یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ بیس رکعت تراویح پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا پھر تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت تراویح کے سنت ہونے کا قائل نہیں ہے جو اس حدیث کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آٹھ رکعت تراویح سنت کہنا خرق اجماع ہے۔ میں کہتا ہوں کہ خود حدیث میں اس کے منسوخ ہونے کی دلالت موجود ہے کیونکہ اس کا آخری جملہ خشیت ان یکتب علیکم الوتر ہے معلوم ہوا کہ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب تک ابھی وتر واجب نہیں ہوا تھا اور بعد میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا ان اللّٰہ امدکم بصلوۃ خیرلکم من حمر النعم هی الوتر اور الوتر حق واجب علی کل مسلم اور الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا فرما دیا اور حدیث جابرؓ کا آخری جملہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ واقعہ وجوب وتر سے قبل اور پہلے زمانہ کا ہے یہی منسوخ ہوئی والاجماع یدل علیه

بحث تجہد:۔ مندرجہ بالا تمام ابحاث اس صورت میں ہیں کہ یہ حدیث تراویح کے متعلق ہو لیکن یہ کسی کی یقینی دلیل سے ثابت نہیں حق یہ ہے کہ یہ حدیث تہجد کے متعلق ہے اور اس پر کئی قرائن خارجیہ و داخلیہ موجود ہیں قرائن خارجیہ میں سے سب سے بڑا قرینہ احادیث شدہ متواترہ دلیل ہیں پھر اجماع صحابہ پھر جب صحابہ کرامؓ بیس رکعت پڑھتے تھے تو حضرت جابرؓ نے کبھی اس حدیث کو تراویح کے باب میں پیش نہ فرمایا۔ پھر حضرت

عائشہؓ کی حدیث نہایت واضح ہے کہ آٹھ رکعت حدیث تہجد ہے جو رمضان وغیر رمضان میں یکساں پڑھی جاتی ہے دوسری قرینہ سب سے بڑا یہ ہے کہ اس حدیث کے آخر میں یہ جملہ ہے خشیت ان یکتب علیکم الوتر اور وتر کا اطلاق احادیث صحیحہ میں نماز تہجد پر تو ثابت ہے مگر نماز تراویح پر کسی صحیح حدیث میں وتر کا اطلاق ثابت نہیں مثلاً یوتر باحدی عشرۃ، یوتر بثلاث عشرۃ، یوتر باربع و ثلاث وغیرہ بے شمار روایات ہیں جن میں تہجد پر وتر کا اطلاق آیا ہے پس یہ حدیث تہجد کے بیان میں ہوئی، ہاں یہ یاد رہے اس سے تہجد کی جماعت کا سنت ہونا ثابت نہ ہوگا کیونکہ یہ ایک واقعہ ہے، مواظبت ثابت نہیں۔ صرف جواز ثابت ہوگا وہ بھی بہ تداعی۔

بحث دہم :- بہت سے محدثین اس طرف گئے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کا عدد ثابت نہیں۔ ان میں ملا صاحب تو سرفہرست ہیں، ان کا قول میں نقل کر چکا ہوں۔ ملا علی قاری مرقاۃ ص ۱۷۵ ج ۲، علامہ سبکی شرح منہاج میں، علامہ شوکانی "نیل الاوطار ص ۲۹۸ ج ۲ پر، علامہ سیوطی مصابیح ص ۹ پر یہی فرماتے ہیں، ان کے نزدیک بھی یہ حدیث یا ضعیف ہے یا منسوخ یا محمول بر تہجد۔

خلاصہ ابحاث :- حدیث جابرؓ سخت ضعیف ہے، اجماع صحابہ کے خلاف ایسی روایت جس کا مرکزی راوی بھی شیعہ ہو ہرگز قابل قبول نہیں، بشرط صحت یہ منسوخ ہے اور اجماع اُمت کو چھوڑ کر منسوخ پر عمل کرنا باطل ہے، یا مؤول ہے اور نماز تہجد کے بارہ میں ہے پھر بیس رکعت کی روایات کے معارض بھی نہیں اور اس پر مواظبت نبوی بھی ثابت نہیں تو سنیت کہاں سے ثابت ہوگی۔

الغرض بے دلیل محض بد دیانت صریح بھرا حادیث صحیحہ اور اجماع اُمت کے خلاف ایسی روایات پر عمل کرنا غیر مقلدوں کا ہی کام ہے۔

آٹھ اور بیس رکعت کی مرفوع حدیث کا مقابلہ

ہمارے غیر مقلد دوستوں نے یہ شور وغوغا مچا رکھا ہے کہ بیس رکعات والی حدیث بالکل ضعیف ہے اور آٹھ رکعت والی حدیث (جابرؓ) بالکل صحیح ہے۔ اس قول کا وزن ملاحظہ ہو۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث کی سند میں صرف ایک راوی ابوشیبہ کو ضعیف کہا گیا ہے مگر اس کے تدین اور حفظ وضبط کی تعدیل مفسر موجود ہے اس کے برعکس حدیث جابرؓ کی سند میں تین راوی ضعیف ہیں جن میں سے کسی ایک راوی کی بھی تعدیل مفسر پیش نہیں کی جا سکتی۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ابوشیبہ نے کسی راوی کی مخالفت نہیں کی کیونکہ یہ گھر کا واقعہ ہے جو بغیر جماعت کا ہے، اسے عبداللہ بن عباسؓ کے سوا کسی نے روایت نہیں کیا اور حدیث جابرؓ مسجد و جماعت کا واقعہ ہے، اس واقعہ کو بہت سے صحابہ نے روایت کیا ہے مگر راوی حدیث جابرؓ نے سب سے الگ ایک بات کا اضافہ کیا ہے پس یہ شاذ بلکہ منکر ہوئی۔

(۳) ذہبی اور ابن عدی نے دونوں حدیثوں کو مناکیر میں شمار کیا ہے مگر منکر دو معنوں میں آتا ہے، ثقہ کا مطلق تفرد یہ منکر مقبول ہے، حدیث ابن عباسؓ اسی قسم سے ہے کیونکہ اس کے راوی نے کسی ثقہ راوی کی مخالفت نہیں کی۔ اس کے برعکس آٹھ رکعت کی روایت میں عیسیٰ بن جاریہ نے دوسروں کی مخالفت کی ہے پس وہ منکر مردود ہوئی۔

(۴) حدیث ابن عباسؓ میں کان یصلی ماضی استمراری کا صیغہ ہے جو بظاہر مواظبت کی طرف مشیر ہے اور حدیث جابرؓ میں لیلۃ کا لفظ ہے جو واقعہ حال اور عدم مواظبت پر دال ہے اور کسی فعل کے سنت ثابت کرنے کے لئے اس پر مواظبت ثابت کرنا ضروری ہے۔

(۵) حدیث جابرؓ کے راوی حضرت جابرؓ خود آٹھ رکعت کو سنت نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ طریق ثانی حدیث جابرؓ کے تحت آ رہا ہے مگر حضرت ابن عباسؓ سے کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا

کہ وہ بیس رکعت کو سنت نہیں مانتے تھے۔

(۶) حدیث ابن عباسؓ کے موافق بیشتر خلفائے راشدینؓ اور جملہ صحابہؓ کا اجماع ہوا اور مواظبت ہوئی مگر آٹھ رکعت کی حدیث پر صحابہ نے قطعاً مواظبت نہیں فرمائی۔ الغرض حدیث جابرؓ بظاہر متروک قرار پائی اور حدیث ابن عباسؓ باجماع مقبول قرار پائی۔

(۷) صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ اور فقہاء ومحدثین نے بھی حدیث ابن عباسؓ کو ہی اپنا معمول بہا بنایا اور حدیث جابرؓ کو عملاً متروک کر دیا۔

(۸) در حق تو یہ ہے کہ حدیث ابن عباسؓ پر عمل کرنے سے حضرت جابرؓ کی روایت پر بھی عمل ہو جاتا ہے مقابلہ کرنا ہی نہیں پڑتا اور حدیث جابرؓ پر عمل کرنے سے حدیث ابن عباسؓ متروک ہوتی ہے جو ساری امت کی معمول بہا ہے۔

الطریق الثانی لحدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عن جابرؓ قال جاء ابی بن کعبؓ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انہ کان منی اللیلۃ شیء فی رمضان قال وما ذاک یا ابی قال نسوۃ فی داری قلن انا لا نقرء القرآن فنصلی بصلوتک قال فصلیت بھن ثمان رکعات واوترت فکانت سنۃ الرضاء.

ولم یقل شیئاً رواہ ابو یعلی وقال الھیثمی اسنادہ حسن (آثار السنن ص ۲۳۹) قلت لم اقف علی اسنادہ بل اوردہ الھیثمی فی مجمع الزوائد وعزاہ الی ابی یعلیٰ فلینظر اسنادہ (التعلیق الحسن ص ۲۳۹) وفی قیام اللیل ص ۹۲ سند ھذا الحدیث مثل حدیث السابق ای فی المسند محمد

---

۱ وفی موارد الظمآن ص ۲۳۰ اخبرنا ابو یعلی حدثنا عبد الاعلی بن حماد النرسی (قال ابن معین وابو حاتم وابن قانع والدار قطنی ومسلمۃ بن قاسم والخلیل ثقۃ وقال لیس بہ بأس وذکرہ ابن حبان فی الثقات تہذیب ص ۹۳ ج ۶ ملخصہ) حدثنا یعقوب القمی حدثنا عیسی بن جاریۃ حدثنا جابر بن عبد اللہ قال جاء ابی بن کعب الخ

بن حمید الرازی وعبداللہ بن یعقوب القمی وعیسیٰ بن جاریۃ (فی مسند احمد ص ۱۱۵ ج ۵ حدثنا عبداللہ ثنا ابی حدثنا ابو بکر بن ابی شیبہ عن عبداللہ بن محمد ثنا رجل سماہ ثنا یعقوب بن عبداللہ الاشعری ثنا عیسی بن جاریہ عن جابرؓ عن ابی بن کعبؓ قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ عملت اللیلۃ عملاً قال ما ھو قال نسوۃ معی فی الدار قلن لی انک تقرأ ولا نقرء فصل بنا فصلیت ثمانیاً والوتر قال فسکت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فرأینا ان سکوتہ رضاً بما کان وحدثنا عبداللہ ثنی ابی حدثنا حجاج بن یوسف ثنا شبابۃ عن شعبۃ عن الاعمش عن ابی سفیان عن جابرؓ عن ابی بن کعبؓ ان النبی کواہ (مسند احمد ص ۱۱۵ ج ۵) (یعنی حضرت ابی بن کعبؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آج رات میرے ساتھ ایک بات پیش آئی یعنی رمضان میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ابی! وہ کیا بات ہے؟ ابی نے کہا میرے گھر میں عورتیں تھیں انہوں نے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھ سکتیں لہذا ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گی۔ ابی نے کہا کہ پس میں نے انہیں آٹھ رکعت اور وتر پڑھا دئے۔ تو یہ سنت رضا ہوئی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اور کچھ نہیں فرمایا)

اس حدیث میں چند امور قابل بحث ہیں۔

امر اول:- اس کی سند میں قیام اللیل میں وہی محمد بن حمید رازی اور قمی اور عیسیٰ بن جاریہ ضعیف ہیں اور مسند احمد میں محمد بن حمید رازی تو نہیں مگر رجل سماہ ہے یعنی نامعلوم آدمی ہے اور باقی وہی دونوں قمی اور عیسیٰ یہاں بھی ہیں تو اصول حدیث کے اعتبار سے یہ حدیث نہایت ضعیف ہے ہیثمی کا اس کو حسن کہنا خلاف اصول ہے۔

امر دوم:- یہ روایت تین کتابوں میں ہے مسند احمد میں تو سرے سے رمضان کا ذکر ہی نہیں ہے، ابو یعلی کی روایت میں یعنی رمضان کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ فہم راوی ہے نہ کہ

روایت راوی، قیام اللیل میں فی رمضان کا لفظ ہے جو کسی راوی تحتانی کا ادراج ہے،
جب اس حدیث میں فی رمضان کا لفظ ہی مندرج ہے تو اس کو تراویح سے کیا تعلق رہا۔
امر سوم:۔ ابو یعلی اور قیام اللیل سے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ خود ابی بن کعب کا ہے مگر مسند احمد
سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کسی اور شخص کا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ راوی اس
واقعے کو کماحقہ ضبط نہیں کر سکے۔

امر چہارم:۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ آٹھ رکعت پڑھنے والا کہتا ہے انہ کان منی لیلۃ
شیء اور یا رسول اللہ عملت اللیلۃ عملا اس سے معلوم ہوا کہ اسی ایک رات اس
نے آٹھ پڑھی تھیں پہلے کبھی یہ عادت نہ تھی اسی لئے وہ کہتا ہے کہ یہ انوکھا کام میں نے آج
رات ہی کیا ہے ورنہ آٹھ میری عادت نہیں نہ میں اس کو سنت سمجھتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم خاموش رہے ورنہ اگر آٹھ رکعت سنت ہوتی تو آپ خاموش کیوں رہتے فرماتے تم گھبرا
کیوں رہے ہو یہ تو سنت ہے اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ عہد نبوی میں کوئی شخص بھی آٹھ رکعت
تراویح کو سنت نہ سمجھتا تھا آپ نے خاموش رہ کر آٹھ کے سنت نہ ہونے کی تقریر فرمادی
جس سے کسی خاص حالت میں نفس جواز معلوم ہوا وہ بھی بعد میں اجماع صحابہ کے خلاف
ہونے کی وجہ سے ختم ہوگیا۔

آٹھ رکعت تراویح سنت نبوی نہیں:۔ الغرض حضرت جابرؓ کی یہ دونوں حدیثیں
ہیں جو ضعیف اور منسوخ ہونے کے علاوہ شیعہ رواۃ کے تصرف سے بھی محفوظ نہیں ہیں پھر
ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ فعلی مواظبت ثابت ہوتی ہے نہ تحریمی نہ تقریری جو ثبوت
سنیت کے لئے ضروری ہے تو [illegible] آٹھ کو سنت کہنا بالکل افترا محض اور طرفہ یہ کہ جب عہد
صحابہ میں بیس رکعت پر اتفاق ہوا تو حضرت جابرؓ نے بھی بیس پر سکوت فرمایا اور ابی بن کعب
نے تو [illegible] بیس رکعت پڑھائیں اور ساری عمر پڑھاتے رہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر یہ دونوں واقعے صحیح بھی ہوتے تو بوجہ عدم مواظبت سنیت کے
ثبوت میں ناکافی تھے پھر ان سے خلاف اجماع ہوگیا اور ان کے راوی اجماع میں حصہ [illegible]

شریک ہو گئے تو اب ان کے سوا ساری امت کی مخالفت کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔

فصل یازدہم

عہد فاروقی اور آٹھ رکعت تراویح:

(۱) اخرج مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انه قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما بالناس باحدی عشرة رکعة. (یعنی حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت نماز پڑھائیں)

(۲) اخرج عبدالرزاق عن داؤد بن قیس وغیرہ عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید ان عمر بن الخطابؓ جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب وتمیم الداری علی احدی وعشرین رکعة (یعنی حضرت عمرؓ نے رمضان میں لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری کے پیچھے اکیس رکعت پر جمع کیا۔)

(۳) اخرج ابو بکر بن ابی شیبة قال حدثنا یحیی بن سعید القطان عن محمد بن یوسف ان السائب اخبرہ ان عمرؓ جمع الناس علی أبی وتمیم فکانا یصلیان احدی عشرة رکعة. (یعنی حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری پر جمع کیا اور وہ دونوں گیارہ رکعت پڑھاتے تھے)

(۴) اخرج سعید بن منصور قال حدثنا عبدالعزیز بن محمد حدثنی محمد بن یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرة رکعة (سائب بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے)

(۵) اخرج محمد بن نصر المروزی فی قیام اللیل من طریق محمد بن اسحاق قال حدثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب بن یزید قال

یصلی فی زمن عمر بن الخطابؓ فی رمضان ثلاث عشرۃ رکعۃ رکلہ فی التعلیق المحسن ص ۲۵۰) (سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعات پڑھتے تھے)

امر اول:۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی تراویح کے راوی حسب ذیل ہیں۔ (۱) السائب بن یزید (۲) یزید بن رومان (۳) عبدالعزیز بن رفیع (۴) ابی بن کعب (۵) یحییٰ بن سعید (۶) محمد بن کعب القرظی ہیں یہ سب کے سب متفق ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بیس رکعت تراویح کا حکم دیا اور لوگ بیس رکعت تراویح ہی پڑھتے تھے سائب کے تین شاگرد ہیں (۱) یزید بن خصیفہ (۲) حارث بن ابی ذباب (۳) محمد بن یوسف ان نو راویوں میں سے آٹھ راوی بیس پر متفق ہیں نواں راوی (محمد بن یوسف) دو باتوں میں باقی آٹھ سے مختلف ہے (۱) باقی کسی نے بھی قاریوں کی تعداد ذکر نہیں کی۔ محمد بن یوسف کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے دو قاری مقرر کئے (۱) حضرت ابی بن کعبؓ (۲) حضرت تمیم داریؓ (۲) تراویح کی تعداد گیارہ۔ تیرہ اور اکیس ذکر فرمائی ہے۔

امر دوم:۔ اس میں محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں (۱) امام مالکؒ (۲) یحییٰ بن سعید (۳) داود بن قیس وغیرہ (۴) عبدالعزیز بن محمد (۵) محمد بن اسحاق ان میں سے مؤخر الذکر دونوں ضعیف ہیں (تہذیب التہذیب ص ۳۵۴ ج ۶ ص ۳۹ ج ۹) داود بن قیس بیس روایت کرتا ہے۔

امام مالکؒ:۔ نے اگرچہ محمد بن یوسف سے گیارہ روایت کی ہیں مگر ان کے ہم سبق داؤد بن قیس نے محمد بن یوسف سے بیس روایت کی ہیں۔ خود امام مالکؒ نے اپنے دوسرے اساتذہ یزید بن خصیفہ یزید بن رومان اور یحییٰ بن سعید سے بیس رکعت روایت کی ہیں اور امام مالکؒ نے خود بھی گیارہ رکعت والی روایت پر عمل نہیں فرمایا اور بیس والی روایت پر اس طرح عمل فرمایا کہ ان کے چار ترویحوں میں ۱۶ نفل زائد کر کے ۳۶ رکعت پر عمل فرمایا جیسا کہ پہلے وضاحت سے لکھا جا چکا ہے۔

یحییٰ بن سعید نے یہاں گیارہ کا ذکر کیا ہے مگر دوسری سند میں بیس کا حکم روایت فرمایا ہے۔ اور دنیا میں کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ یحییٰ بن سعید نے ایک دن بھی گیارہ رکعت پڑھی ہوں۔

الحاصل (۱) اس میں گیارہ رکعت کا ذکر جمہور کی روایت واجماع کے خلاف ہے۔

(۲) خود اس کے راوی دوسری سندوں سے بیس روایت کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔

(۳) گیارہ رکعت پر نہ اس روایت کے راویوں نے عمل کیا اور نہ تیرہ سو سال تک کسی مسجد میں اس پر عمل ہوا، اس لئے محدثین نے بالاتفاق اس روایت کو ناقابل عمل قرار دیا ہے۔ دنیا کے تختہ پر کسی ایک محدث، ایک فقیہ، ایک مجتہد کا نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا کہ جس نے یہ کہا ہو کہ سب روایات کو چھوڑ کر اس روایت پر عمل کرو، میں اپنے غیر مقلد دوستوں کا منہ میٹھا کروا دوں گا اگر وہ کسی معتبر محدث یا مجتہد یا فقیہ سے بسند صحیح یہ ثابت کر دے یا بسند صحیح کسی ایک مسجد کا نام بتلا دے جس میں بیس پر اجماع ہونے کے بعد تیرہ سو سال تک آٹھ رکعت تراویح پڑھائی جاتی ہوں، میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ ان شاء اللہ العزیز وہ یہ ہرگز ثابت نہ کر سکیں گے اور اگر یہ ثابت نہ کر سکے تو پھر ان کو اس بات کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ اس عدد پر عمل متروک ہے۔ محدثین نے اس روایت کے بارہ میں دو مسلک اختیار فرمائے ہیں (۱) ترجیح (۲) تطبیق۔

بیانِ ترجیح:۔ (۱) چونکہ یہ روایت تمام باقی روایات کے خلاف اور اجماع صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ کے خلاف ہے ایسی روایت کو شاذ کہتے ہیں اگر راوی ثقہ ہو تو بھی بوجہ شذوذ ضعیف و ناقابل عمل ہے کیونکہ صحت حدیث کے لئے جس طرح ثقاہت رواۃ شرط ہے اسی طرح سلامتی شذوذ و نکارت سے بھی شرط ہے۔

(۲) باوجود شاذ ہونے کے یہ مضطرب ہے کیونکہ روایت میں گیارہ، تیرہ اور اکیس کے مختلف اعداد ہیں اور مضطرب حدیث ضعیف ہوتی ہے تو اصول حدیث کے اعتبار سے یہ روایت شاذ، مضطرب بلکہ منکر ٹھہری اس لئے قابل عمل نہیں۔

علامہ ابن عبدالبرؒ مالکی:- فرماتے ہیں ان الا غلب عندی ان قولہ احدی عشرۃ وھم (یعنی میرا غالب گمان یہ ہے کہ اس کا قول "گیارہ" وہم ہے) (زرقانی ص ۲۱۵ ج ۱) راجح کے خلاف مرجوح پر عمل خرقِ اجماع ہے۔

بیانِ تطبیق:- بعض محدثین نے اس روایت کو دیگر روایت سے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ امام بیہقیؒ:- فرماتے ہیں ویمکن الجمع بین الروایتین فانھم کانوا یقومون باحدی عشرۃ ثم کانوا یقومون بعشرین ویوترون بثلاث (السنن الکبری ص ۴۹۶ ج ۲) (یعنی دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے اور وہ اس طرح کہ پہلے گیارہ رکعت پڑھتے تھے اور پھر بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے)

علامہ قسطلانیؒ:- شرح بخاری میں فرماتے ہیں وجمع البیھقی بینھما بانھم کانوا یقومون باحدی عشرۃ ثم قاموا بعشرین واوتروا بثلاث وقد عدوا ما وقع فی زمن عمر رضی اللہ عنہ کالاجماع (التعلیق الحسن ص ۲۵۰) (یعنی بیہقی نے دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا ہے کہ پہلے گیارہ پڑھتے تھے پھر بیس اور وتر تین۔ اور انہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں پڑھی جانے والے اس واقعہ کو اجماع کی طرح شمار کیا ہے)

قال السیوطیؒ:- فی المصابیح وکان عمرؓ لما امر بالتراویح اقتصر اولا علی العدد الذی صلاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم زاد فی آخر الامر (التعلیق الحسن ص ۲۵۰)

قال الشعرانیؒ:- فی کشف الغمۃ وکانوا یصلو نھا فی اول زمان عمرؓ بثلاث عشرۃ رکعۃ وکان القاری یقرأ بالمئین بین الآیات حتی کان الناس یعتمدون علی العصی من طول القیام وکان امامھم ابی بن کعبؓ وتمیما الداری رضی اللہ عنھما ثم ان عمرؓ امر بفعلھا ثلاثاً وعشرین رکعۃ ثلث منھا وتر واستقر الامر علی ذالک فی الامصار (التعلیق الحسن

ص ۲۵۰) (یعنی حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں لوگ تیرہ رکعت پڑھتے تھے اور قاریٔ صاحب سٹیں پڑھتا تو لوگ تھکاوٹ کی وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لیتے ان کے امام ابی بن کعب اور تمیم داری تھے۔ پھر حضرت عمرؓ نے انہیں تیئس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھانے کا حکم دیا اور پھر معاملہ شہروں میں اسی پر ٹھہر گیا)

قاضی سلیمان بن خلف اندلسی المعروف بہ باجی فرماتے ہیں: "ویحتمل ان یکون عمر امرھم باحدی عشرۃ رکعۃ وامرھم مع ذلک بطول القراءۃ یقرأ القاری بالمئین فی الرکعۃ لان التطویل فی القراءۃ افضل الصلوۃ فلما ضعف الناس عن ذلک امرھم بثلاث و عشرین علیٰ وجہ التخفیف عنھم من طول القیام واستدرک بعض الفضیلۃ بزیادۃ الرکعات (کتاب المنتقی شرح موطا ص ۲۰۸ ج ۱) (یعنی اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اولاً حضرت عمرؓ نے انہیں گیارہ رکعات کا حکم دیا ہو اور اس کے ساتھ طویل قراءت کا بھی کیونکہ طویل قراءۃ افضل الصلوۃ ہے لیکن پھر جب لوگ کمزور ہو گئے تو ان کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے تیئس رکعات تراویح کا حکم دیا تاکہ طویل قیام سے بچ جائیں اور طویل قراءت کی کچھ فضیلت رکعات کی زیادتی سے حاصل ہو جائے۔)

خلاصہ: یہ تمام محدثین متفق ہیں کہ (۱) حضرتؓ کے آخری زمانہ میں بیس رکعت پر اجماع ہو گیا تھا اور تمام امصار میں یہی رائج ہوئیں (۲) گیارہ رکعت کا حکم حضرت عمرؓ نے واپس لے لیا اور بیس رکعت کا حکم دے دیا تھا البتہ اس وجہ میں مختلف ہیں کہ پہلے گیارہ اور بیس کا حکم دینے کی کیا وجہ تھی بعض یہ کہتے ہیں کہ پہلے گیارہ کا حکم دیا اور اس میں قراءت بہت لمبی تھی اس لئے پھر قراءت چھوٹی کر دی اور رکعات زیادہ کر دیں لیکن یہ روایت و درایت کے خلاف ہے۔

روایت کے خلاف تو اس لئے کہ بیس رکعت تراویح کی روایات پر نظر ڈال لو صاف طور پر

موجود ہے کہ بیس رکعات میں بھی قراءت لمبی پڑھتے تھے اور شدت قیام کی وجہ سے عمر وعثمان رضی اللہ عنہما بھی لاٹھیوں پر سہارا لگاتے تھے، جب بیس میں بھی تطویل قراءت کا یہ حال تھا تو تخفیف کب ہوئی جس پر زیادت رکعات کی بنیاد رکھی گئی ہے یہ وجہ غلط ہے۔

درایت کے اس لئے خلاف ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی تعلیم میں ذرہ برابر زیادتی کے روادار نہ تھے اگر کسی نماز کے متعلق یہ ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعتوں کو انہوں نے آٹھ کر دیا ہو تو تراویح کے متعلق ایسے دور از کار احتمالات کی کیا ضرورت ہے۔

دوسری وجہ :- سیوطیؒ نے یہ بیان فرمائی ہے پہلے آٹھ کا حکم دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے پھر تراویح بڑھا دیں یہ بھی عقلاً ونقلاً غلط ہے کیونکہ جب صحابہ کرامؓ کو سنت نبوی معلوم ہو تو اس پر زیادتی کو قطعاً برداشت نہیں کرتے تھے۔ نیز آٹھ رکعت کی جابرؓ کی روایت تو صحیح نہیں اس سے تو بیس والی ابن عباسؓ کی روایت زیادہ صحیح ہے۔ ہاں اگر علامہ سیوطیؒ کا یہ مطلب ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح آٹھ رکعت باجماعت اور بیس رکعت بلا جماعت مروی ہیں حضرت عمرؓ نے جب جماعت شروع کی تو آٹھ رکعت کا حکم دیا کیونکہ آٹھ رکعت سے زیادہ کی جماعت ثابت نہ تھی اور پھر بیس رکعت ساری تراویح کو باجماعت پڑھنے کا حکم دیا اور اس پر سب صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا تو البتہ درست ہے اور یہ عقل اور نقل کے مطابق بھی ہے کیونکہ ہر دو حکموں کا منشا حدیث نبوی ہوگی نہ کہ محض کسی کی رائے لیکن اس تطبیق کی صورت میں بیس رکعت باجماعت پڑھنے والا حضرت عمرؓ کے بھی دونوں حکموں پر عامل ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تمام احادیث پر عامل ہوگا۔ اور آٹھ پڑھنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس رکعت والی حدیث کا بھی تارک ہوگا اور حضرت عمرؓ کے دونوں حکموں کا مخالف ہوگا کیونکہ پہلے حکم کو خود حضرت عمرؓ نے واپس لے لیا اور تمام امت نے اس پر عمل ترک کر دیا تو عامل بالمنسوخ والمتروک ہوگا۔

التنبیہ لا یقاظ السفیہ :- مندرجہ بالا بحث سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ تمام امت کا

اتفاق ہے کہ گیارہ کے عمل پر مواظبت نہیں ہوئی بلکہ مواظبت بیس کے عمل پر ہوئی ہے پس بعض لوگوں کا اس روایت کی بنا پر گیارہ رکعت کو سنت فاروقی کہنا بالکل غلط ہے کیونکہ سنت کے لئے مواظبت ہونی ضروری ہے وھو غیر ثابت۔

تطبیق کی ایک اور صورت :۔ مگر میرے نزدیک اس کی تطبیق اور طرح ہو جاتی ہے جس سے اختلاف بھی ختم ہو جاتا ہے اور عقل و نقل کی مخالفت بھی لازم نہیں آتی وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے بیس رکعت روایت کی ہیں انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ بیس رکعت کتنے قاری پڑھاتے تھے اس روایت میں بتایا کہ دو قاری تراویح پڑھاتے تھے کسی راوی نے ہر قاری کی علیحدہ علیحدہ روایت کر دی کسی نے دونوں کی ملا کر روایت کر دیں اور چونکہ ان میں سے ایک قاری پہلے پڑھتا تھا بعد میں دوسرا اس لئے ہر راوی نے وتر کو ہر ایک کے ساتھ ذکر کر دیا یعنی گیارہ (1+10) ایک قاری کی ہیں اور تیرہ (3+10) دوسرے کی اور اکیس (1+20) یا 23 (3+20) دونوں کی ہیں پس پوری نماز تراویح بیس ہی ہوئی۔

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا :۔ ہمارے غیر مقلد دوستوں نے ایک مطالبہ بھی پورا کر دکھایا وہ یوں کہ جب بھی ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ عہد فاروقی میں جب بیس پر اجماع ہو گیا تو اس کے بعد تیرہ صدیوں تک کسی مسجد میں آٹھ رکعت باجماعت نہیں پڑھی گئیں اب انہوں نے سارا زور خرچ کر کے دو قول نکال لئے (۱) امام مالک کا (۲) حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں بعض لوگ گیارہ رکعت پڑھتے تھے مگر یہ دونوں قول بالکل بے سند ہیں۔

قول امام مالکؒ :۔ قال الجوری من اصحابنا عن مالک انه قال الذی جمع علیه الناس عمر بن الخطاب احب الی وهو احدی عشرة رکعة وهی صلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ولا ادری من این احدث هذا الرکوع الکثیر (المصابیح ص ۱۹ تحفة الاحوذی ص ۷۳ ج ۲)

(۱) مالکیہ میں سے کسی نے یہ قول نقل نہیں کیا، ان کی کتابیں اس کے ذکر سے خالی ہیں۔

(۲) امام مالکؒ اور تمام اہل مدینہ کا عمل ۳۶ رکعت پر تھا۔

(۳) عینی اور جوزی نے اس کو بلا سند ذکر کیا ہے، اگر غیر مقلدوں سے ہم اس کی سند کا مطالبہ کر لیں تو دن کو تارے نظر آ جائیں۔

اسی طرح عمر بن عبد العزیزؒ کے عہد میں تراویح ۳۶ اور چالیس پڑھی جاتی تھیں جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں۔ گیارہ کا ذکر بلا سند ہے پھر ہو سکتا ہے کہ وہ تہجد ہو لہذا ہمارا مطالبہ اب بھی ان کے سر پر قائم ہے۔

آٹھ رکعت تراویح کی شرعی حیثیت:-

ابحاث بالا سے امور ذیل روز روشن کی طرح ثابت ہو گئے۔

(۱) آٹھ رکعت تراویح سنت نبوی نہیں کیونکہ حدیث جابر اگر صحیح بھی ہو اور تراویح کے متعلق بھی ہو تو پھر بھی اس سے مواظبت ثابت نہیں ہوتی جو ثبوت سنیت کے لئے ضروری ہے۔

(۲) آٹھ رکعت تراویح سنت خلفاء بھی نہیں نہ سنت صحابہ ہے کیونکہ اثر فاروقی اگر صحیح ہو اور اس کا وہی مطلب لیا جائے جو ہمارے کرم فرما لیتے ہیں تو پھر بھی امت کا اجماع ہے کہ اس پر مواظبت نہیں ہوئی پس آٹھ رکعت نہ سنت نبوی ہیں نہ سنت صحابہؓ۔

(۳) صرف آٹھ رکعت کو سنت کہنا خرق اجماع ہے۔

(۴) آٹھ رکعت کی عادت کو ایک فرقہ بدعت کو رواج دے رہا ہے۔

فصل دوازدہم

مذہب حنفی اور آٹھ رکعات تراویح:-

ہمارے بعض غیر مقلد احباب عوام کو یہ باور کرانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں کہ حنفی مذہب میں بھی آٹھ رکعت تراویح کو سنت لکھا ہے اور ساتھ کتب معتبرہ کا لفظ بھی نقل

کر دیتے ہیں چونکہ ان لوگوں کا ہر اختلافی مسئلہ میں یہی شیوہ ہے کہ کتب مذہب سے اقوال شاذہ وغریبہ کا پلندہ اکٹھا کر دیتے ہیں اور مذہب کے اقوال صحیحہ جیسے مفتی بہا کو تنقیہ کے نیچے چھپا لیتے ہیں نقل مذہب میں چوری کر کے پھر سینہ زوری سے اس پر ڈٹ جاتے ہیں اور چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد کی مثال کو پورا کر دکھاتے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ نقل مذہب کا صحیح اصول یہاں لکھ دوں جس کو یاد کر کے ہو سکتا ہے کہ یہ نقلی چور اپنی چوری سے باز آ جائیں یا کم از کم ہمارے حنفی بھائی یہ اصول جان لینے کے بعد ان کے غوغائے بے جا سے پریشان نہ ہوں۔

طبقات مسائل:۔ احناف کے مسائل تین قسموں پر تقسیم ہیں۔

(۱) ظاہر الروایت (متون):۔ یہ وہ مسائل ہیں جو امام صاحبؒ سے متواتراً ثابت ہیں اور یہی اصل مذہب ہیں۔ امام محمدؒ نے ان کو چھ کتابوں میں جمع فرمایا اور پھر اصحاب متون نے ان کو اپنی کتابوں میں لکھا ہمارے غیر مقلد دوست بعض اوقات یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ اپنی معتبر کتابوں کے نام بتاؤ۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں **المراد بالمتون المتون المعتبرة كالهداية والمختصر للقدوری ورد المختار والنقاية والوقاية والكنز والملتقى فانها الموضوعة لنقل المذهب مما هو ظاهر الرواية بخلاف متن الغرر لملا خسرو ومتن التنوير للتمرتاشي الغزی فان فيهما كثير من مسائل الفتاوى (عقود رسم المفتی ص ۳۱ للعلامة الشامیؒ) المذهب الذی هو ظاهر الرواية (عقود رسم المفتی ص ۳۰)**

(۲) مسائل نوادر:۔ یہ مسائل بھی اگرچہ صاحب مذہب کی طرف منسوب ہیں مگر متواتراً ثابت نہیں، اخبار آحاد سے بسند صحیح یا ضعیف یا بلا سند امام صاحبؒ کی طرف منسوب ہیں ان کے مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں (۱) ظاہر الروایت کے خلاف نہ ہوں کیونکہ احاد صحاح بھی متواترات کے مقابل واجب الترک ہوتی ہیں (۲) وہ قول مفتی بہ ہو ان کا ذکر عام طور پر شر

درج نہیں ملتا ہے۔

(۳) نوازل یا فتاویٰ:۔ یہ مسائل صاحب مذہب سے نہ متواتراً منقول ہوتے ہیں اور نہ بسند آحاد بلکہ بعد میں کوئی واقعہ یا حادثہ پیش آیا اور صاحب مذہب سے خاص وہ جزئی منصوص نہ ملی تو امام صاحب کے اصول کے ماتحت اس کا حکم مستنبط کرلیا گیا۔ یہاں شرط یہ ہے کہ وہ استنباط مذہب کے خلاف نہ ہو **اذلم یاذنوا فی الاجتہاد فیما خرج عن المذھب بالکلیۃ مما اتفق علیہ ائمتنا لان اجتہادھم اقوی من اجتہادہ** (عقود رسم المفتی ص ۱۱) ان میں جو اقوال مفتیٰ بہا جمہور ائمہ احناف کے نزدیک ہونگے وہ مذہب کہلائیں گے اور باقی غیر مفتیٰ بہا اقوال شاذ وغریبہ ہوں گے۔

الحاصل:۔ احناف صرف ان مسائل کے جواب دہ ہیں جو (۱) متون معتبرہ میں ہوں بشرطیکہ ان میں سے کوئی مسئلہ بوجہ عرف عادت یا تغیر زمان وضرورت شرعی متروک نہ ہو (۲) شروح وفتاویٰ کے صرف وہ مسائل مذہب ہیں جو مفتیٰ بہا ہوں مخالف مذہب اور اقوال شاذہ وغریبہ کو مذہب کہنا مذہب پر افتراء اور نقل مذہب میں خیانت ہیں۔

عود الی المقصود:۔ (۱) ہمارے متون معتبرہ میں بیس رکعت تراویح منقول ہیں اور اس میں کوئی اختلاف منقول نہیں اور بیس سے کم یا زیادہ کا قطعاً ذکر نہیں پایا جاتا۔

(۲) مسائل نوادر میں بھی کوئی ضعیف سے ضعیف قول صاحب مذہب کی طرف سے آٹھ رکعت تراویح کے سنت ہونے کا منقول نہیں ہے۔

(۳) فتاویٰ میں کسی مفتی نے صرف آٹھ رکعت تراویح کو مفتیٰ بہا مذہب قرار نہیں دیا۔

مطالبہ:۔ ہم اپنے غیر مقلد احباب سے پر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ امام اعظمؒ سے منقول ظاہر الروایت سے یا جمہور فقہاء احناف کے مفتیٰ بہا قول سے آٹھ رکعت کا سنت ہونا دکھادیں ورنہ دون خرط القتاد۔

شیخ الاسلام محقق ابن ہمامؒ اور رکعات تراویح

شیخ الاسلامؒ نے تراویح کی رکعات کی بحث کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) مذہب حنفی میں ۲۰ رکعت تراویح کو سنت مانتا ہے۔

(۲) خلفائے راشدین سے بیس رکعت تراویح پر مواظبت ثابت ہوئی ہے اس لئے بیس رکعت سنت خلفاء راشدین ہے۔

(۳) آٹھ رکعت تراویح پر عہد خلفائے راشدین پر مواظبت و استقرار ثابت نہیں ہوا۔

(۴) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت پڑھی ہیں اور خلفاء کی سنت بیس رکعت ہے اس لئے آٹھ رکعت سنت ہیں اور بیس رکعت مستحب۔

(۵) بیس رکعت پڑھنے میں سنت نبوی اور سنت خلفاء راشدین دونوں ادا ہو جاتی ہیں۔

غیر مقلدین نے یہی خیانت تو یہ کی کہ مذہب حنفی کے خلاف علامہ ابن ہمامؒ کا ایک قول نقل کیا اصل مذہب اور اقوال مفتی بہا کو چھوڑ کر شاذ اقوال کو نقل کرنا نقل مذہب میں زبردست خیانت ہے، دوسری خیانت یہ کی کہ ابن ہمام کے قول کو بھی پورا نقل نہیں کیا جاتا نمبر ۲ اور نمبر ۳ کا تو غیر مقلد انکار کرتے ہیں اور نمبر ۵ جو اُن کے قول کا خلاصہ ہے کہ بیس رکعت پڑھنے سے دونوں سنتیں ادا ہو جاتی ہیں نقل نہیں کرتے نہ اسے تسلیم کرتے ہیں۔ نمبر ۴ کو بھی نصف نقل کرتے ہیں کیونکہ غیر مقلدوں کو تو ابن ہمام کا قول تب مفید تھا کہ وہ یہ فرماتے کہ آٹھ رکعت تراویح سنت ہے اور بیس پڑھنا خلاف سنت اور بدعت ہے۔

غیر مقلدوں کا دعویٰ تو یہ ہے کہ آٹھ رکعت تراویح ہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت ہے اور بیس رکعت نہ سنت نبوی ہے اور نہ سنت خلفاء راشدین بلکہ بدعت ہے لیکن علامہ ابن ہمامؒ آٹھ کو سنت اور بیس کو سنت خلفاء و مستحب کہتے ہیں اور بیس پر عمل کرنے والے کو دونوں سنتوں پر عامل فرماتے ہیں۔

حضرت کا آٹھ کو سنت اور بیس کو مستحب کہنا جس طرح مذہب حنفی کے خلاف ہے اس سے بہت زیادہ غیر مقلدوں کے خلاف ہے اسی لئے یہ بیچارے لا تقربوا الصلوٰۃ تو پڑھتے ہیں مگر انتم سکاریٰ کو بالکل ہضم کر جاتے ہیں۔

علامہ ابن ہمام ؒ کے قول کی بنیاد مندرجہ ذیل باتوں پر ہے:۔

(۱) حدیث عائشہ تراویح کے متعلق ہے۔ (۲) حدیث ابن عباس ضعیف ہے۔ (۳) حدیث جابرؓ صحیح ہے (۴) سنت صرف وہ فعل ہے جس پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مواظبت فرمائی ہو اور جس فعل پر خلفاء راشدین نے مواظبت فرمائی ہو وہ سنت نہیں بلکہ مستحب ہوتا ہے۔

الجواب:۔ حدیث عائشہؓ:۔ تراویح کے متعلق نہیں بلکہ تہجد کے متعلق ہے، اس کے متعلق میں کافی لکھ آیا ہوں۔ مفتی عزیز الرحمن صاحب فرماتے ہیں گیارہ رکعت جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث میں آئی وہ تہجد اور وتر کی نماز ہے جیسا کہ غیر رمضان کا لفظ اس کا قرینہ صاف موجود ہے کیونکہ غیر رمضان میں تراویح نہیں ہوتی تراویح بیس رکعت ہیں اور اجماع صحابہ اس پر ہے الخ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ص ۱۹۲ ج ۱) نیز فرماتے ہیں **قال ابن حجر اجمع الصحابة علی ان التراویح عشرون رکعة وقال ابن عبدالبر وهو قول جمهور العلماء (فتاوی دارالعلوم دیوبند ص ۱۹۲ ج ۱)** (یعنی ابن حجر فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات ہے۔ اور ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہی جمہور علماء کا قول ہے۔)

مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں اور آٹھ روایت کا جن روایت صحیحہ میں ذکر ہے وہ تراویح کے متعلق نہیں بلکہ تہجد کے متعلق ہیں البتہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اجماع سے بیس رکعت تراویح پڑھا جانا ثابت ہے اسی

لئے ائمہ اربعہ نے بیس سے کم تراویح کو اختیار نہیں کیا۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۲۴۹ ج ۴)

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ: فرماتے ہیں تراویح رمضان کی خصوصیات سے ہے ــــ لہٰذا معلوم ہوا کہ تہجد اور ہے جس کی مشروعیت حق تعالیٰ کے کلام سے ثابت ہوتی ہے اور تراویح اور ہے جس کی سنیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ تعامل امت نے دونوں میں فرق کیا ہے (ملخصاً روح القیام ص ۵۹، ۶۰)

الحاصل: حدیث عائشہؓ تہجد کے متعلق ہے تراویح کے متعلق ہی نہیں اور روایت جابرؓ اگر بالفرض صحیح یا حسن بھی ہوتی تو پھر بھی اس سے آٹھ رکعت کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ علامہ ابن ہمامؒ کے نزدیک بھی سنت کی تعریف یہ ہے السنة ما واظب علیه النبی صلی الله علیه وسلم بنفسه اور حدیث جابرؓ واقعہ حال ہے جس سے مواظبت ثابت نہیں ہوتی۔ تو آٹھ رکعت کو سنت کہنا جیسا جمہور امت کے خلاف ہے ایسا ہی خود علامہ ابن ہمامؒ کی تعریف سنت کے بھی خلاف ہے۔

حدیث عبداللہ بن عباسؓ: حدیث عائشہؓ کے معارض نہیں ہے اور جیسا کہ گذرا وہ صحیح یا حسن ہے اور حسن لغیرہ میں تو شبہ ہی نہیں، مفتی عزیز الرحمن صاحب بھی اسے حسن لغیرہ کہتے ہیں (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۱۹۱ ج ۱) یہ حدیث ایک طرف تو ان تمام احادیث عائشہؓ کے موافق ہے جن میں شدت اجتہاد، شد مئزر، اور احیائے لیل کا تذکرہ ہے پھر سنت خلفاء راشدین اور اجماع صحابہ اور تعامل جمہور امت سے مؤید ہے اور خود شیخ الاسلام علامہ ابن ہمام فتح القدیر ص ۱۱ ج ۱، ص ۳۴۳ ج ۱، ص ۸۸ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف قرائن وتعامل سے صحیح ہو جاتی ہے۔ وہاں حدیث ابن عباسؓ کے متعلق علامہ ابن الہمامؒ کا یہ فرمانا ان هذا الاثر ضعيف بابی شيبة ابراهيم بن عثمان متفق علی ضعفه مع مخالفته للصحیح۔ اسی طرح خلاف تحقیق ہے اسی طرح خود علامہ صاحب کے مسلمات کے بھی خلاف ہے جب آٹھ رکعت کو سنت نبوی کہنا صحیح نہیں جب سنت نبوی ہوئی تو تمام امت

عبادت کرتا ہے۔

سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: واما عدد ركعات التراويح فقد جاء عن عمر على انحاء واستقر الامر على العشرين مع ثلاث الوتر ويعلم من موطا مالك انه خفف في القراءة وزاد في الركعات بتنصيف القراءة وتضعيف الركعات وبعد ما تلقته الامة بالقبول لا بحث لنا انه كان ذلك اجتهادا منه او ماذا؟ ومن ادعى العمل بالحديث فاولى له ان يصليها حتى يخشى فوت الفلاح فان هذه صلوة النبي صلى الله عليه وسلم في اليوم الآخر واما من اكتفى بالركعات الثمانية وشذ عن السواد الاعظم وجعل يرميهم بالبدعة فلير عاقبته (فيض الباری ص ۱۸۱ ج ۳)

خلفاءِ راشدین کا تعامل اور مواظبت بھی سنت مؤکدہ ہے:

علامہ ابن ہمامؒ کا بیس رکعت کو مستحب کہنا دراصل اس بنیاد پر ہے کہ خلفائے راشدین کی مواظبت بھی مستحب ہے سنت مؤکدہ نہیں چنانچہ وہ سنت کی تعریف فتح القدیر میں یہ کرتے ہیں "السنة ما واظبه بنفسه" لیکن یاد رہے کہ یہ تعریف ان کی تحقیق ہے مذہب حنفی یہ ہے کہ

(الف) وہ فعل جو آحاد صحابہ کرامؓ سے ثابت ہو وہ مستحب ہے کیونکہ آحاد صحابہ کرامؓ کے اتباع کی آپ نے ترغیب دی ہے مگر نہ تو اس پر کوئی خاص تاکید فرمائی اور نہ اس اتباع کے ترک پر کوئی وعید فرمائی۔

(ب) اگر کوئی فعل ایسا ہو کہ اس پر تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو گیا ہو اور اس پر مواظبت ثابت ہو جائے مگر تارک پر نکیر نہ کی گئی ہو تو وہ فعل سنت مؤکدہ ہوگا اگر نکیر تارک پر ہو تو واجب ہوگا۔ کیونکہ کتاب وسنت کی روشنی میں صحابہ کرامؓ معیارِ حق ہیں فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا وان تولوا فانما هم في شقاق اُن کے اتباع میں ہی ہدای

الراشدون الخ ۔ علامہ ابن ہمامؒ خود تحریر الاصول میں فرماتے ہیں فقسم الحنفیۃ العزیمۃ الی فرض ما قطع بلزومہ و واجب ما ظنّ وسنۃ الطریقۃ المتبعۃ منہ علیہ الصلوۃ والسلام او الخلفاء الراشدین او بعضھم (مجموعۃ الفتاوی ص ۱۱۹ ج ۱)
لیجئے اب خود ابن ہمامؒ کے نزدیک بیس تراویح سنت ہو گئیں کیونکہ وہ خود فرماتے ہیں۔
(الف) خلفائے راشدین نے بیس رکعت پر مواظبت فرمائی ہے (فتح القدیر)
(ب) جس پر خلفائے راشدین نے مواظبت فرمائی ہو اگرچہ بعض نے وہ سنت ہے (تحریر الاصول)
نتیجہ:- بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ وھو المقصود والحمد للہ علی ذلک۔
الاختیاہ:- تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ اگر حدیث ابن عباسؓ بالفرض ضعیف ہی ہو یا اگر سرے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ضعیف روایت بھی بیس کی نہ ہوتی تو بھی اجماع صحابہ اور مواظبت خلفاء راشدین کی وجہ سے بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہی ہوتیں۔
مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ایں از تنقیح دو مقدمہ پیدا شد۔
اول:- انک عشرون رکعۃ مما واظب علیہ الخلفاء ولو تشریعاً ورضاءً
دوم:- وکلّ ما واظب علیہ الخلفاء فھو سنۃ مؤکدۃ واز ترتیب ایں ہر دو نتیجہ برآمد (۱) عشرون رکعۃ فی التراویح سنۃ مؤکدۃ (۲) وتارک السنۃ المؤکدۃ معاتب وملام برآمد تارک عشرین رکعۃ معاتب (مجموعۃ الفتاوی ص ۱۲۲، ۲۳ ؛ جلد اوّل)
قال ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ یصلّی عشرین رکعۃ کما ھو السنۃ (مبسوط سرخسی ص ۱۴۴ ج ۲)
سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ:- فرماتے ہیں :ما فعل الفاروق فقد تلقاہ الامۃ بالقبول واستقر امر التراویح فی السنۃ الثانیۃ فی عھد عمرؓ کما فی تاریخ الخلفاء وتاریخ ابن اثیر وفی طبقات ابن سعد انہ کتب عمرؓ الی

بلاد الاسلام ان یصلوا التراویح وقال ابن الھمام ان ثمانیة رکعة سنة مؤکدة وثنتی عشرة مستحبة وما قال بھذا احد" اقول ان سنة الخلفاء الراشدین ایضاً تکون سنة الشریعة کما فی الاصول ان السنة سنة الخلفاء وسنته علیه السلام وقد صح فی الحدیث علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین فیکون فعل الفاروق الاعظم ایضاً سنة (عرف الشذی ص ۳۳۵) علامہ ظفر احمد عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں "قلت ھذا قول محدث خارق للاجماع فان الأئمة الاربعة المقتدی بھم فی الدین قد اختلفوا فی عدد رکعات التراویح المسنون علی قولین فالمسنون عند ابی حنیفة والشافعی واحمد عشرون رکعة وحکی عن مالکؒ ان التراویح ست وثلاثون رکعة کذا فی رحمة الامة (ص ۲۳) والامة اذا اختلفوا فی مسئلة فی ای عصر کان علی اقوال کان اجماعاً منھم ان ما عداھا باطل ولا یجوز لمن بعدھم احداث قول آخر صرح به فی نور الانوار (ص ۲۲۳) وغیرہ من کتب الاصول ولا شک ان احداً من الائمة لم یقل بما قاله ابن الھمام بل اتفق کلھم علی سنیة العشرین غیر ان مالکاً زاد علیھا ستة عشر اُخری ولم یذھب احد منھم الی النقص من عشرین فمن قال ان السنة منھا احدی عشرة رکعة والباقی مستحب فمحجوج باجماع من قبله علی ان ما قاله ابن الھمام ساقط روایة ودرایة الخ (اعلاء السنن ص ۵۳ ج ۷) پھر مکمل بحث کے بعد فرماتے ہیں "فلو کان احدی عشرة رکعة سنة والباقی من العشرین مستحباً کما زعمه ابن الھمام لنقل عن السلف العمل به وحیث لا فھو قول ساقط خارق للاجماع (اعلاء السنن ص ۶۹ ج ۷)۔

کہ یہ رمضان المبارک میں تہجد سے نہ صرف محروم ہوئے بلکہ تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کو بدعت سمجھنے لگے، اس طرح پوری اُمت کے تعامل کے خلاف ایک نیا محاذ بنا لیا گیا۔

(۳) آٹھ رکعت کی لاج رکھنے کے لئے ان تمام احادیث کا انکار کیا گیا جن میں یہ مصرح تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان المبارک کی عبادت غیر رمضان سے زیادہ ہوتی تھی۔

(۴) ساری اُمت نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو بیس رکعت تراویح پر جمع فرمایا اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی مسجد نبوی بلکہ تمام مساجد میں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی تھیں، کسی محدث اور فقیہ نے اس کا انکار نہیں کیا مگر غیر مقلدین نے نہایت ضد سے اس کا انکار شروع کر رکھا ہے۔

(۵) تمام اُمت کا اتفاق ہے کہ بیس رکعت پر عہد صحابہ میں اجماع ہو گیا تھا، اُمت کے فقہاء اور محدثین میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں فرمایا مگر غیر مقلدین نے اس کا بھی انکار کر دیا ہے۔

(۶) پوری اُمت کے محدثین اور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ خلفائے راشدین کے عہد میں آٹھ رکعت تراویح پر مواظبت استمرار و استقرار نہیں ہوا، پوری اُمت میں سے کسی محدث یا فقیہ کا کوئی ٹوٹا پھوٹا قول بھی آٹھ پر استقرار کا پیش نہیں کیا جا سکتا مگر غیر مقلدین نے عہد خلفاء میں بھی آٹھ رکعت کے استقرار و مواظبت کا دعویٰ کر دیا ہے اور آٹھ ہی کو سنت خلفاء و سنت صحابہؓ کہنا شروع کر دیا ہے جس کا ثبوت وہ قیامت تک نہیں دے سکتے۔

(۷) پوری اُمت میں سے کسی نے آٹھ رکعت سے زیادہ عبادت کو بدعت نہیں کہا بلکہ پوری اُمت رمضان کو کثرت عبادت میں گزارتی رہی ہے لیکن غیر مقلدین نے اس کو بدعت کہہ کر گویا پوری اُمت کو بدعتی اور گمراہ کہہ دیا ہے۔

(۸) لیلۃ القدر، عشرہ اخیرہ، لیلۃ البراءۃ وغیرہ سال کی مختلف راتوں کا احیاء احادیث میں ہے مگر غیر مقلدین ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ الحدیث کے تحت ان راتوں میں بھی آٹھ رکعت سے زیادہ کو بدعت کہتے ہیں، اب جس کو قرآن حفظ نہیں وہ ساری رات آٹھ رکعت میں کیسے گزارے گا۔ الغرض بے شمار احادیث کا انکار کر دیا ہے اور

اگر وہ ان راتوں کو حدیث عائشہؓ سے مستثنیٰ قرار دیں تو رکعات تراویح و عبادت رمضان کیوں مستثنیٰ نہیں۔

(۹) پوری اُمت میں سے کسی ایک فقیہ اور محدث نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ بیس رکعت پڑھنے والا آٹھ کی سنت کا مخالف ہے مگر غیر مقلدین نے یہ زالا پروپیگنڈہ شروع کیا ہے کہ بیس پڑھنے والا آٹھ رکعت والی روایات کا مخالف ہے۔

خلاصۃ الکلام :-

(۱) رمضان المبارک میں رات کی عبادت کے متعلق رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنت یہ ہے کہ کثرت سے عبادت کرے تمام رات بیدار رہے اور بستر کے قریب نہ آئے، آپ نے اسی پر مواظبت فرمائی ہے۔

(۲) بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہیں، ان کو با جماعت ادا کرے جس طرح باقی مؤکدہ سنتوں میں کمی کرنا گناہ ہے مثلاً ظہر سے پہلے چار رکعت سنت مؤکدہ ان کو وہ نہیں پڑھ سکتا اگر چار کی بجائے دو پڑھے گا تو سنت مؤکدہ ادا نہ ہوگی۔ اسی طرح بیس سے کم رکعات پڑھنے والا تارک سنت اور ثواب سنت سے محروم ہے۔

(۳) رمضان المبارک میں سحری کے وقت آٹھ رکعت تہجد بھی پڑھنا چاہئے تاکہ تہجد کی آٹھ رکعت والی روایات پر عمل ہو جائے اور تمام روایات پر عمل ہو جائے۔

(۴) جس طرح نماز ظہر مغرب عشاء کی سنت مؤکدہ کے بعد کوئی شخص جس قدر چاہے نفل پڑھے ثواب کا مستحق ہوگا اسی طرح بیس رکعت سنت مؤکدہ ادا کرنے کے بعد تنہا جس قدر نفل پڑھ سکتا ہے پڑھے۔

(۵) حضرت علیؓ کے اثر کے تحت اور امام مالکؒ کے مسلک کی تحقیق میں گذر رہا ہے کہ عہد صحابہ و تابعین و من بعدہم میں لوگ ہر چار رکعت تراویح کے بعد آرام کرتے تھے اسے ترویحہ کہتے تھے اس میں اہل مکہ طواف کرتے تھے اور اہل مدینہ چار رکعت نفل تنہا پڑھ لیتے تھے اہل کوفہ

واہل بصرہ کے متعلق بھی ترویحہ کا بیان آیا ہے مگر وہ اس میں کیا کرتے تھے کچھ منقول نہیں، پس یہ مستحب ہے۔ اس میں خواہ خاموش بیٹھے یا تسبیح پڑھے سب درست ہے۔

(۶) تراویح میں ایک قرآن پاک ختم کرنا بھی سنت ہے اس پر اگرچہ مستقل فصل اس رسالے میں ذکر نہیں کی تاہم بعض جگہ اشارات کردیئے ہیں اور اس پر امت کا عمل متواتر ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کو جس طرح پاروں میں تقسیم کیا گیا ہے اسی طرح رکوعوں میں بھی تقسیم کیا گیا ہے، سلف صالحین یہ کوشش کرتے تھے کہ قرآن پاک ستائیس کی رات کو ختم کر دیا جائے کیونکہ بعض احادیث سے لیلۃ القدر کا ستائیسویں رات ہونا ظاہر ہوتا ہے اس رات میں ختم قرآن اور لیلۃ القدر کی برکت نور علی نور ہے۔ اسی لئے قرآن کو کل ۵۴۰ رکوعوں میں تقسیم کیا گیا آپ جس فرقے کا قرآن بھی دیکھیں گے اس میں رکوع ۵۴۰ ہی ہوں گے، کیونکہ جب تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے تو روزانہ بیس رکوع پڑھے جائیں گے اور ستائیس دن میں ۲۷x۲۰=۵۴۰ رکوع پورے ہو جائیں گے اس سے بھی معلوم ہوا کہ قرآن پاک اسی وقت ختم ہوگا جب تراویح بیس مانی جائیں کیونکہ اگر آٹھ تراویح ہوں اور رمضان تیس کا بھی ہو تو ۳۰x۸=۲۴۰ کل دو سو چالیس رکوع پڑھے جائیں گے جو نصف قرآن بھی نہیں بنتا۔

نماز تراویح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادران اہل سنت والجماعت! رمضان شریف کا مہینہ عالم روحانیت کا موسم بہار ہے۔ دن کو فرض روزہ رکھنا اور رات کو سنت تراویح ادا کرنا اس مبارک مہینہ کی مخصوص عبادت ہے۔ اس ماہ مبارک کی برکات میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں ایک نفل کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر کر دیا جاتا ہے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے "بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کئے ہیں اور میں نے تمہارے لئے اس میں قیام کو سنت قرار دیا ہے سو جس شخص نے رمضان میں روزے رکھے اور قیام کیا ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل گیا جیسے کہ جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا" (نسائی ج ۱ / ص ۲۳۹)

آنحضرت ﷺ کا رمضان :

عن عائشۃ زوج النبی انھا قالت کان رسول اللہ ﷺ اذا دخل شھر رمضان شد مئزرہ ثم لم یات فراشہ حتی ینسلخ (شعب الایمان للبیہقی ج ۳ / ص ۳۱۰)

رسول اقدس ﷺ کی اہلیہ محترمہ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمرہمت باندھ لیتے اور اپنے بستر پر تشریف نہ لاتے یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا۔ وعنھا کان النبی ﷺ اذا دخل

رمضان تغیر لونہ و کثرت صلوٰتہ وابتہال فی الدعا واشفق منہ (شعب الایمان ج ۳/ص ۳۱۰) آپ ہی فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک آتا تو رسول اللہ ﷺ کا رنگ بدل جاتا' آپ ﷺ بہت زیادہ نماز پڑھتے' خوب گڑگڑا کر دعائیں فرماتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے۔

آپ ﷺ کا آخری عشرہ :

یہ تو رمضان المبارک کے پہلے دو عشروں کا حال تھا کہ آپ ساری ساری رات نماز میں گزار دیتے تھیں جب رمضان کی آخری دس راتیں آتیں تو سیدہ عائشہ ؓ ہی فرماتی ہیں کہ آخری دس دنوں میں آپ جو کوشش فرماتے وہ باقی تمام دنوں سے کہیں زائد ہوتی (مسلم ج ۲/ ۳۷۲) اور دوسری روایت میں ہے کہ جب آخری عشرہ آتا آپ کمرہمت کس لیتے' خود بھی ساری رات بیدار رہتے اور ازواج مطہرات کو بھی جگاتے (بخاری ج ۱/ص ۲۷۱) ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک میں خود بھی بکثرت عبادت فرماتے اور امت کو بھی کثرت عبادت کی ترغیب دیتے اس لئے اس ماہ مبارک میں جتنی بھی زیادہ سے زیادہ عبادت ہو سکے پوری ہمت اور کوشش سے کرنی چاہیے اس زائد عبادت کو بدعت دین کہنا دین سے جہالت کی انتہاء ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ آنحضرت ﷺ نے مبارک زبان سے کثرت استغفار کی ترغیب دی۔ اب کوئی جس قدر بھی استغفار کرے گا وہ اسی حکم کی تعمیل ہوگی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آنحضرت ﷺ سے ایک حدیث میں روزانہ ۷۰ بار اور دوسری حدیث میں روزانہ ۱۰۰ بار استغفار کا ثبوت ہے جو اس سے زیادہ استغفار کرتا ہے وہ بدعت اور ناجائز ہے یہ دین سے انتہائی ناواقفیت کی بات ہوگی۔

باجماعت تراویح :

رسول اللہ ﷺ نے پوری زندگی میں صرف تین رات نماز تراویح باجماعت پڑھی اور پڑھائی (بخاری ص ۲۶۹ ج ۱' مسلم ص ۲۵۹ ج ۱) یہ تین راتیں آخری عشرہ کی تھیں ۲۳ ویں رات میں تہائی رات نماز تراویح پڑھائی' باقی رات تہجد میں مشغول رہے۔

چھبیسویں رات آدھی رات تک نماز پڑھائی (اول رات سوئے نہیں تہجد میں گزار دی)
ستائیسویں ساری رات نماز تراویح پڑھائی جس سے تہجد بھی ادا ہو گئی کیونکہ تراویح تہجد
کے وقت تک چلی گئیں (ابوداؤد ص ۱۹۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ
ﷺ رمضان المبارک میں (ایک رات) نماز پڑھ رہے تھے میں آیا اور آپ کے پہلو میں
کھڑا ہو گیا ایک دوسرے صاحب آئے وہ بھی ساتھ کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ہم ایک
گروہ بن گئے جب نبی علیہ السلام نے محسوس فرمایا کہ ہم لوگ آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے
ہیں تو آپ ﷺ نے رکعتیں چھوٹی کر دیں اور حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے وہاں
آپ ﷺ نے وہ نماز پڑھی جو ہمارے پاس نہیں پڑھی تھی (مسلم ج ۱/ ص ۳۵۲) اس
حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے جو نماز صحابہ کے ساتھ ادا فرمائی وہ نماز
تراویح تھی اور گھر جا کر جو نماز ادا فرمائی وہ تہجد تھی اس لئے حضرت فاروق اعظمؓ بھی تراویح
کے بعد تہجد کی ترغیب دیا کرتے تھے کہ وہ نماز جس سے تم سو جاتے ہو (نماز تہجد) وہ افضل
ہے اس نماز (تراویح) سے جو تم پڑھتے ہو (بخاری ج ۱/ ص ۲۶۹) حضرت طلق بن علیؓ نے
ایک مسجد میں نماز تراویح باجماعت پڑھائی پھر اپنی مسجد میں جا کر نماز تہجد باجماعت پڑھائی
(ابوداؤد ج ۱/ ص ۲۰۳) حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے بارہ میں بھی آتا ہے کہ آپ رمضان
المبارک میں ۶۱ قرآن پاک ختم فرماتے ایک قرآن دن کو روزانہ ختم فرماتے دوسرا قرآن
روزانہ رات کو تہجد میں ختم فرماتے۔ اس طرح ۶۰ قرآن مجید ختم ہوتے اور ایک قرآن
لوگوں کے ساتھ نماز تراویح میں ختم فرماتے۔ اس طرح امت میں تراویح کے بعد تہجد پڑھنا
متوارث عمل میں چلا آ رہا ہے یہاں تک کہ فرقہ غیر مقلدین کے بانی میاں نذیر حسین دہلوی
بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے (الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۳۸) سب سے پہلے
چنیانوالی مسجد (لاہور) کے غیر مقلد امام عبداللہ چکڑالوی جو بعد میں منکرین حدیث کے بانی
بنے انہوں نے ایک رسالہ "القول [illegible]" لکھا جس میں تہجد اور تراویح کو ایک
نماز قرار دیا۔ چونکہ مسلمانوں میں سے اختلاف پیدا کرنے سے ان کو ایک طرح کی
لذت حاصل ہوتی تھی اس لئے ہمارے غیر مقلد دوستوں نے اس اختلاف کو اپنا مذہب بنا لیا

اب وہ تہجد کی آٹھ رکعت پڑھ کر اسی کو تراویح اور اسی کو تہجد کہہ لیتے ہیں۔

دور رسالت :

عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۴، ج ۲ مسند عبد بن حمید ص ۲۱۸) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ رمضان المبارک میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں ایک رات نبی علیہ الصلوۃ والسلام باہر تشریف لائے اور صحابہ کرامؓ کو ۲۴ رکعتیں (۴ عشاء کی اور ۲۰ تراویح کی) پڑھائیں اور تین رکعات وتر پڑھے (تاریخ جرجان ص ۲۷)

نوٹ : یہ بات یاد رہے کہ کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف اللہ تعالیٰ یا رسول پاک ﷺ نہیں فرمایا کرتے۔ محدثین اور فقہاء کا مسلمہ اصول ہے کہ جس حدیث پر امت کا عمل جاری ہو جائے تو وہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی زبردست دلیل ہے۔

دور فاروقی و عثمانیؓ :

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ لوگ (صحابہ کرامؓ) حضرت عمرؓ کے دور خلافت رمضان المبارک میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے وہ لوگ تراویح میں تین سو رتیں پڑھتے اور عہد عثمانیؓ میں لوگ شدت قیام سے لاٹھیوں کا سہارا لیا کرتے تھے۔ (سنن کبری بیہقی ج ۲، ص ۴۹۶) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز تراویح سنت موکدہ ہے اور حضرت عمرؓ نے اپنی اٹکل سے تراویح مقرر نہیں فرمائیں کیونکہ وہ بدعت کے ایجاد کرنے والے نہیں تھے۔ ان کی اصل یقیناً ان کے پاس رسول اقدس ﷺ سے ثابت تھی۔ (مراقی الفلاح ص ۲۲۲)

دور علی المرتضیٰؓ :

حضرت علیؓ بدعتی سے نہایت متنفر تھے آپ خود روایت فرماتے ہیں کہ رسول

اقدس ﷺ فرماتے جس نے بدعتی کو مدینہ منورہ میں پناہ دی اس کا کوئی فرض و نفل مقبول نہیں۔ اس لئے آپؓ نے نماز عید سے پہلے نفل پڑھنے والے کو سختی سے منع فرمایا مگر جب رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو قاری صاحبان کو بلا کر حکم دیتے کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائیں (بیہقی ص۴۹۶ / ج ۲) حضرت ابو الحسناء سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحات یعنی بیس رکعات تراویح پڑھایا کرے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ / ص ۳۹۳) مدینہ طیبہ میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے مبارک ادوار میں بیس تراویح ہی پڑھی پڑھائی جاتی تھیں۔ آج بھی مدینہ منورہ میں بیس تراویح ہی پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ بھی مدینہ منورہ میں ہی اقامت پذیر رہیں۔ آپ ہی نے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان روایت فرمایا کہ جس نے ہمارے اس امر (دین) میں بدعت نکالی وہ مردود ہے۔ اگر بیس رکعت تراویح بدعت و ناجائز ہوتیں تو حضرت عائشہؓ سالہا سال تک اس پر خاموش نہ رہتیں۔ حضرت جابرؓ بھی مدینہ منورہ میں ہی اقامت پذیر رہے اور آپ ہی اس حدیث پاک کے راوی ہیں کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ آپ کے سامنے تقریباً نصف صدی تک مسجد نبوی میں بیس رکعت تراویح باجماعت پڑھی جاتی رہیں لیکن آپ نے ان کے خلاف نہ کوئی اشتہار دیا نہ ہی بیس رکعت تراویح کو ناجائز قرار دیا۔

مکہ مکرمہ میں حضرت عطاء بن ابی رباح (م ۱۱۴ھ) فرماتے ہیں: ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثۃ وعشرین رکعۃ بالوتر (ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ / ج ۲) میں نے لوگوں (صحابہ و تابعین) کو نماز وتر سمیت ۲۳ رکعت پڑھتے پایا۔ اور امام ابن ابی ملیکہ (م ۱۱۷ھ) لوگوں کو مکہ میں بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ / ج ۲) امام شافعی رحمہ اللہ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں: میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھتے ہی پایا (ترمذی ص ۹۹ / ج ۱) اور آج تک مکہ مکرمہ میں بیس تراویح ہی پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔ کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے (مختصر قیام اللیل ص ۱۵۷) اور امام ابراہیم نخعیؒ

(۹۲ھ) فرماتے ہیں کہ لوگ (صحابہؓ و تابعین رحمہم اللہ) رمضان المبارک میں پانچ تراویح (۲۰ رکعات) پڑھتے تھے۔ (کتاب الآثار ابی یوسف ص ۴۱)

بصرہ :

حضرت یونس رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن الاشعث کے (۸۳ھ) فتنہ سے پہلے جامع مسجد بصرہ میں دیکھا کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ (م ۹۶ھ) حضرت سعید بن ابی الحسن (م ۱۰۰ھ) اور حضرت عمران العبدی لوگوں کو پانچ تراویح پڑھاتے تھے (قیام اللیل ص ۹۱، ۹۲) الغرض پورے خیر القرون میں بیس رکعات تراویح کا انکار کرنے والا ایک شخص بھی نہیں تھا۔ نہ ہی کسی اسلامی حکومت میں اس کا انکار کیا گیا۔ اس کا انکار صرف دورِ طانیہ کی ہی یادگار ہے۔

اجماع امت :

دور صحابہ کرامؓ میں جس طرح متعہ کے حرام ہونے پر اجماع ہوا لیکن غیر مقلدین نے اس کو اجماع نہیں مانا (دیکھو ھدیۃ المہدی ص ۱۰۸/ ج ۱) اور ایک دفعہ کی تین طلاقوں کے تین ہی شمار کرنے پر اجماع ہوا لیکن غیر مقلدین نے اس اجماع کو بھی نہیں مانا۔ اسی طرح اذان جمعہ پر عہد عثمانی میں اجماع ہوا مگر فتاویٰ ستاریہ میں اس کو بدعت قرار دیا گیا۔ اسی طرح بیس رکعات تراویح پر صحابہؓ کے متوارث عمل کو ابن قدامہ رحمہ اللہ حنبلی (۵۹۵ھ) نے المغنی ص ۱۶۷/ ج ۲ پر اور علامہ قسطلانی الشافعی رحمہ اللہ (۹۲۳ھ) نے ارشاد الساری ص ۵۱۵/ ج ۳ پر کالاجماع قرار دیا ملا علی قاری الحنفی رحمہ اللہ (م ۱۰۱۴ھ) نے شرح النقایۃ ص ۲۴۱/ ج ۲ پر اور علامہ السید مرتضیٰ الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ) نے اتحاف السادۃ المتقین ص ۷۰۰/ ج ۳ پر اس اجماع کو نقل فرمایا۔ اس اجماع سے بھی غیر مقلدین نے انحراف کیا۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ :

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت مذاہب اربعہ

میں منحصر ہیں۔ ان ائمہ اربعہ میں سے پہلے امام اعظم رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ) بھی بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں (قاضی خان ص ۱۱۲/ ج ۱) امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ایک قول بیس رکعت کا ہے، دوسرا قول ۳۶ کا جس میں ۲۰ تراویح اور ۱۶ نفل ہیں (بدایۃ المجتہد ج ۱/ ص ۱۶۷) امام شافعی رحمہ اللہ بھی ۲۰ رکعت کے قائل ہیں (ترمذی ص ۱۶۶/ ج ۱) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مختار قول بھی ۲۰ رکعت کا ہے (المغنی ج ۲/ ص ۱۶۷) مذاہب اربعہ کے متون فقہ میں سے کسی ایک متن میں بھی صرف آٹھ رکعت تراویح کو سنت اور اس سے زائد کو بدعت نہیں کہا گیا۔

آٹھ رکعت تراویح کا حکم :

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ (۱۳۰۴ھ) فرماتے ہیں : تراویح میں بیس رکعات سنت موکدہ ہیں اس لئے کہ ان پر خلفائے راشدینؓ نے مواظبت فرمائی ہے اور پہلے بتایا جا چکا ہے کہ خلفائے راشدینؓ کی سنت بھی واجب الاتباع ہے اور اس کا چھوڑنے والا گنہگار ہے۔ لہٰذا جو شخص آٹھ رکعت پر اکتفاء کرے وہ برا کام کرنے والا ہے۔ کیونکہ اس نے خلفائے راشدینؓ کی سنت ترک کر دی ہے۔ اگر تم قیاس کے طریقے پر اس کی ترتیب سمجھنا چاہو تو یوں ہوگی۔ بیس رکعت تراویح پر خلفاء نے مواظبت فرمائی اور جس پر خلفائے راشدینؓ مواظبت کریں وہ سنت موکدہ ہے۔ لہٰذا بیس رکعات بھی سنت موکدہ ہیں۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملائیں کہ سنت موکدہ کا تارک گنہگار ہوتا ہے لہٰذا بیس رکعت کا تارک بھی گنہگار ہوگا۔ (تحفۃ الاخیار ص ۲۰۹) مولانا کی اس بات کو یوں سمجھیں کہ نماز ظہر سے پہلے چار رکعت سنت موکدہ ہیں اگر آپ ان چار موکدہ سنتوں کی جگہ دو رکعت پڑھیں تو آپ کا دل ملامت کرے گا کہ سنت موکدہ کا تارک ہوں۔ جو لوگ آٹھ رکعت پڑھ کر نکل جاتے ہیں وہ رمضان المبارک میں دو سنتیں روزانہ ضائع کرتے ہیں ایک تو بیس رکعت والی سنت ادا نہ ہوئی دوسرے تراویح میں ایک ختم قرآن بھی سنت ہے تو جو قرآن امام نے بعد والی ۱۲ رکعت میں پڑھا وہ بھی اس نے نہ سنا تو یہ سنت بھی فوت ہو گئی حالانکہ یہ ایسا بابرکت مہینہ ہے کہ جس میں نفل کا ثواب بھی فرض کے برابر ملتا ہے تو ایسے مبارک

مہینہ میں سنتوں کا ضائع کرنا کتنی بڑی بدقسمتی ہے۔ اس مبارک مہینے کو غنیمت سمجھیں۔ بیس رکعات تراویح میں پورا قرآن پاک سنیں اور سحری کے وقت نماز تہجد بھی ادا کریں۔ یاد رہے چاند رات سے ہر شب نماز تراویح کی جماعت شروع کرنا سنت نبوی ﷺ نہیں سنت خلفائے راشدین ؓ ہی ہے۔ پورا مہینہ باجماعت تراویح پڑھنا بھی سنت نبوی نہیں سنت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہی ہے ان سنتوں کا حکم بھی بیس تراویح جیسا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو سنت کی پابندی کی توفیق دیں۔ (آمین)

مسنون نماز تراویح

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

حق تعالیٰ شانہ نے اپنے فضل و کرم سے رمضان المبارک کو عجیب بابرکت مہینہ بنایا ہے۔ یہ مہینہ گویا عالم روحانیت کا موسم بہار ہے۔ اس ماہ مقدس کی برکات کا اندازہ لگانا انسانی طاقت سے باہر ہے...... اس ماہ مقدس میں ایک نفل کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر کر دیا جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ والے ان مبارک گھڑیوں کو غنیمت سمجھتے ہیں اور ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہونے دیتے کہ شاید آئندہ سال ہمیں یہ مقدس گھڑیاں نصیب ہوں یا نہ ہوں۔ اللہ والوں کے ہاں اس ماہ مقدس میں خوب چہل پہل رونق ہے۔ ہمارے ہاں جامعہ خیر المدارس ملتان میں تو حضرت فقیہ العصر مفتی محمد عبد الستار صاحب دامت برکاتہم کی سرپرستی اور مجاہد اسلام سیف بے نیام حضرت مولانا محمد عابد صاحب دام ظلہم کی محنت اور دیگر احباب کی شرکت سے عجیب سماں ہوتا ہے۔ اعتکاف ہے، تلاوت قرآن ہے، لاکھوں کی تعداد میں درود شریف کا ورد ہے، رات بھر نوافل ہیں، اصل میں اس مقدس مہینے کی قدر ان ہی حضرات کو ہے۔ یہ لوگ اس کی برکات سے جھولیاں بھرتے ہیں اور کمائی کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل :

عن عائشةؓ كان رسول الله ﷺ اذا دخل شهر رمضان شد مئزره ثم لم يأت فراشه حتى ينسلخ (شعب الايمان للبيهقي ج ۳ ص ۳۱۰)

سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ رمضان المبارک کے شروع ہوتے ہی کمر ہمت کس لیتے اور جب تک رمضان المبارک گزر نہ جاتا آپ بستر پر تشریف نہ لاتے۔

عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ ﷺ اذا دخل رمضان تغیر لونہ و کثرت صلوٰتہ و ابتھل فی الدعاء و اشفق منہ (شعب الایمان للبیہقی ج ۳ / ص ۳۱۰) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک آتا تو آپ ﷺ کا رنگ مبارک بدل جاتا اور آپ بکثرت نوافل پڑھتے۔ خوب گڑگڑا کر دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے۔ اور آخری عشرہ میں تو آپ بہت ہی زیادہ مستعدی ظاہر فرماتے۔

عن عائشۃ قالت کان النبی ﷺ اذا دخل العشر شد مئزرہ و احیی لیلہ و ایقظ اھلہ (بخاری ج ۱ / ص ۲۷۱، مسلم ج ۱ / ص ۳۷۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آجاتا تو نبی علیہ السلام پوری پوری مستعدی ظاہر فرماتے (رات کو زندہ کرتے یعنی ساری رات عبادت میں گزارتے) اور ازواج مطہرات کو بھی جگاتے۔

عن عائشۃ کان رسول اللہ یجتھد فی العشر الاواخر ما لا یجتھد فی غیرہ (مسلم ج ۱ / ص ۳۷۲) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت میں اتنی کوشش فرماتے اتنی دوسرے دنوں میں نہ فرماتے۔

یہ ہے ہمارے پاک پیغمبر ﷺ کی رمضان المبارک کی عبادت کا حال جس کی کچھ جھلک آج بھی اللہ والوں کے ہاں ملتی ہے اور جامع مساجد اور مدارس میں بھی اس کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

ایک المیہ :

رمضان کی خیر و برکات تو شروع سے آرہی ہیں لیکن تقریباً ایک صدی سے رمضان کے مبارک مہینہ میں ایک المیہ کا ظہور بھی ہونے لگا ہے۔ ہمارے زمانہ کے جدید مدعیان اہلحدیث کا سارا رمضان اس میں گزرتا ہے کہ رمضان المبارک میں غیر رمضان سے زیادہ

عبادت کرنا بدعت ہے گناہ ہے اور آخری عشرہ میں دوسرے عشروں سے دو رکعت بھی زیادہ پڑھ لینا بدعت اور حرام ہے۔ پورا رمضان المبارک اسی عبادت سے روکنے میں گزرتا ہے ہزاروں اشتہارات سینکڑوں رسالے اس عبادت کے خلاف چھپتے ہیں خود تو بےچارے رمضان المبارک کی برکات سے محروم ہیں دوسروں کو بھی ان بکثوں میں الجھا کر ان برکات سے محروم کرتے ہیں۔ ہزاروں اشتہارات کے نتیجہ میں اگر ایک آدمی کسی مسجد میں آٹھ تراویح پڑھ کر جماعت سے نکل جائے تو عید کی سی خوشی منائی جاتی ہے اس کو مبارکبادیاں دی جاتی ہیں گویا وہ نیا مسلمان ہوا ہے اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو جو بیس (۲۰) یا زائد تراویح پڑھتے ہیں بدعتی کہا جاتا ہے۔

عمل بالحدیث :

رمضان المبارک کی برکات سے محروم رہنے اور محروم کرنے کے عمل کا نام "عمل بالحدیث" رکھا ہے۔ آپ ان سے بات کریں تو وہ صاف کہتے ہیں کہ ہم نبی پاک ﷺ کے سوا کسی کو نہیں مانتے۔ ہم صرف اور صرف محمدی ہیں ہم نہ ابوبکری ہیں نہ عمری نہ حنفی نہ شافعی۔۔۔ ہمارے ہر ہر عمل پر نبی پاک ﷺ کی مہر ہے۔۔۔(۱) جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ساری عمر میں صرف اور صرف تین رات اور وہ بھی آخری عشرہ میں باجماعت تراویح پڑھائی ہیں اور بس۔ آپ لوگ جو چاند رات سے شروع کرکے ہر سال پورا ماہ نماز تراویح ادا کرتے ہیں یہ تو حدیث کے خلاف ہے اس میں تو آپ محمدی نہیں ہیں؟ کیوں کہ اس پر مواظبت صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے نہ کہ نبی ﷺ سے۔ آپ زندگی بھر میں صرف تین رات جماعت سے تراویح پڑھ کر ساری عمر آرام سے گھر بیٹھیں تاکہ باقی لوگ سکون کے ساتھ رمضان المبارک کی برکات سے مستفید ہو سکیں۔۔۔(۲) نیز آپ لوگ ہر سال پورا مہینہ مسجد میں نماز تراویح ادا کرتے ہیں یہ تو تمہارے اصول پر محمدی طریقہ نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے تو نماز تراویح کے آخری یعنی تیسرے دن) فرمادیا تھا۔

فصلوا ایہا الناس فی بیوتکم فان افضل صلوۃ المرء فی بیتہ الا الصلوۃ المکتوبۃ (بخاری ص ۱۰۱ ج ۱ مسلم ص ۲۶۶ ج ۱)

لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو کیونکہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی اپنے گھر میں نماز بہتر ہے۔ (۳) اس نماز کا نام تراویح خود رسول پاک ﷺ نے رکھا ہے یا صحابہ کرامؓ نے؟ اس نماز کو تراویح کہنے والا محمدی ہے یا کچھ اور؟ (۴) آپ لوگ جو پورا مہینہ عشاء کے ساتھ ہی رات کے اول وقت میں نماز تراویح پڑھتے ہیں اس کا ثبوت بھی حدیث میں نہیں اس میں بھی نہ آپ محمدی رہے نہ اہل حدیث۔ (۵) آپ جو پورا ماہ رمضان المبارک نماز وتر باجماعت پڑھتے ہیں اس میں بھی آپ نہ محمدی ہیں نہ اہل حدیث۔ (۶) آپ ﷺ نے نماز تراویح میں خود نہ پورا قرآن ختم کیا نہ ہی ختم کرنے کا حکم دیا۔ آپ کی بعض مساجد میں جو تراویح میں قرآن پاک ختم ہوتا ہے بلکہ بعض مساجد میں تو قرآن ختم کرنے کے لئے نماز میں قرآن اٹھا کر پڑھا جاتا ہے اس کی ورق گردانی ہوتی ہے اس عمل میں آپ حضرات نہ ہی محمدی رہے ہیں اور نہ ہی اہل حدیث۔ (۷) آپ جو سارا مہینہ آٹھ تراویح اور ایک وتر پڑھاتے ہیں ان ۹ رکعات کی بھی کوئی حدیث نہیں۔ (۸) آپ جب کہتے ہیں کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں تو اس پر آپ کوئی حدیث پیش کر سکتے ہیں اور نہ ہی آپ رمضان کے علاوہ گیارہ مہینے اس اہتمام سے تراویح پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ (۹) آپ جو کہتے ہیں کہ گیارہ مہینے یہ نماز نفل ہوتی ہے اور بارہویں مہینہ میں یہی نماز سنت مؤکدہ ہو جاتی ہے گیارہ مہینے اس کا وقت رات کا آخری حصہ ہے بارہویں مہینے اول رات بھی اس کا وقت ہے گیارہ مہینے یہ گھر پڑھنی افضل ہے بارہویں مہینے مسجد میں گیارہ مہینے یہ نماز اکیلے پڑھنی افضل ہے بارہویں مہینے جماعت سے یہ باتیں آپ کی حدیث نفس سے ثابت ہیں نہ کہ حدیث رسول ﷺ سے۔ جب یہ باتیں حدیث رسول سے آپ ثابت نہیں کر سکتے تو نہ آپ محمدی رہے اور نہ اہل حدیث۔ ان ساری ۹ باتوں میں نہ آپ لوگوں کو حدیث رسول دکھاتے ہیں اور نہ لوگوں سے حدیث رسول ﷺ کا مطالبہ کرتے ہیں اگر بالفرض دسویں مسئلہ تعداد رکعات میں آپ کے پاس بیس رکعات تراویح کے بدعت اور حرام ہونے کی کوئی حدیث بھی ہوتی تو جب آپ ۹/۱۰ غیر محمدی اور ۹/۱۰ غیر اہل حدیث ہیں بلکہ ۱۰/۱۰ تو یہ عمل بالحدیث کا شور تو بالکل غلط نکلا ہاں آپ کو عامل بحدیث نفس کہا جائے تو

بالکل بجا ہے۔ (۱۰) آپ حضرات آٹھ رکعت تراویح کی جماعت پورا مہینہ مسجد میں عشاء کے فوراً بعد کو جو سنت مؤکدہ کہتے ہیں اور بیس رکعات تراویح کو بدعت اور حرام کہتے ہیں۔ اس میں بھی آپ کے پاس کوئی حدیث نہیں بلکہ آج تک سنت مؤکدہ 'بدعت' حرام' حدیث صحیح اور حدیث ضعیف کی جامع مانع تعریف بھی یہ لوگ قرآن و حدیث سے بیان نہیں کر سکے' ضرورت کے وقت امتیوں کے اصول فقہ یا اصول حدیث سے چوری کرنی پڑتی ہے پھر بھی محمدی اور اہل حدیث ہی رہتے ہیں۔

بیس (۲۰) تراویح :

(۱) عن ابن عباس " ان رسول اللّٰه ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر (ابن ابی شیبہ ص ۳۹۴ / ج ۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعت (تراویح) اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

(۲) عن جابر بن عبداللّٰه قال خرج النبی ﷺ ذات لیلة فی رمضان فصلی الناس اربعة وعشرین رکعة واوتر بثلاثة۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں ایک رات نبی علیہ السلام باہر تشریف لائے اور صحابہ کو چوبیس رکعت (۴ فرض اور ۲۰ تراویح) پڑھائیں اور تین وتر پڑھائے۔

ان دونوں احادیث کو اللہ تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ نے نہ صحیح فرمایا ہے اور نہ ضعیف اس لئے غیر مقلد نہ ان کو صحیح کہہ سکتے ہیں اور نہ ضعیف اب دیکھنا یہ ہے کہ امت کا اجماعی عمل ان پر ہے یا نہیں؟ پوری امت کا ان احادیث پر عمل ہے اور امت کا اجماع ہے کہ تلقی بالقبول سے حدیث صحیح ہو جاتی ہے۔

امر فاروقی :

(۳) عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلا یصلی بهم عشرین رکعة (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ / ص ۳۹۳) حضرت عمر بن خطاب نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے۔

دورِ فاروقی :

(۴) وروی مالک من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید عشرین۔ حضرت سائب فرماتے ہیں کہ عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح تھیں اس کی سند بخاری شریف میں دو جگہ ہے۔

(۵) عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعة والوتر (معرفة السنن والآثار للبیہقی) حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔ نووی سبکی سیوطی نے اس کو صحیح فرمایا ہے۔

(۶) محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی رمضان عشرین رکعة ویوترون بثلاث۔ محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ زمانہ فاروقی میں لوگ رمضان میں بیس تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔

(۷) عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعة ویوترون بثلاث۔ حضرت یزید بن رومان سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس تراویح اور تین وتر رکعات رمضان میں ادا کرتے تھے۔

(۸) عن الحسن ان عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بہم عشرین رکعة (ابوداؤد ج۱ ص ۲۰۲، سیر اعلام النبلاء ج۱ ص ۴۰۰) حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ پر جمع فرمایا اور وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

(۹) عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطاب امرہ ان یصلی باللیل فی رمضان فصلی بہم عشرین رکعة (کنز العمال ص ۲۶۴ / ج۸) حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھے حکم دیا کہ میں رمضان میں لوگوں کو تراویح

پڑھاتوں بھی بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں۔

امام بیہقی، علامہ باجی، قسطلانی، ابن قدامہ، ابن حجر مکی، طحطاوی، ابن ہمام، صاحب بحر رحمہم اللہ سب بالاتفاق فرما رہے ہیں کہ عہد فاروقیؓ میں بیس تراویح پر ہی استقرار ہوا کہ یہی متوارث ہیں۔ دور برطانیہ سے پہلے کسی ایک محدث یا فقیہ نے اس کا انکار نہیں فرمایا اور سنیت کے لئے مواظبت شرط ہے تو یہی بیس رکعت سنت فاروقی ہوئیں یہ حضرت عمرؓ وہی ہیں جن کے بارہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا اور فرمایا اللہ کے دین میں سب سے مضبوط عمرؓ ہیں۔ اگر بیس رکعت تراویح بدعت ہو تیں تو حضرت عمرؓ اور تمام صحابہ کرامؓ مہاجرین وانصار کا بدعتی ہونا لازم آتا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابی بن کعبؓ بیس تراویح مہاجرین وانصار میں پڑھاتے تھے۔ کسی ایک نے بھی اس پر انکار نہ فرمایا۔ (فتاویٰ ص ۱۱۲ / ج ۲۳)

عہد عثمانیؓ :

(۱۰) حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ عہد فاروقی میں لوگ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی لوگ لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر سہارا لیتے تھے (بیہقی ص ۴۹۶ / ج ۲) عہد عثمانی میں ایک اور صرف ایک مسلمان کا نام پیش نہیں کیا جا سکتا جو آٹھ تراویح پڑھ کے جماعت سے نکل جاتا ہو یا کسی ایک شخص نے بیس تراویح کو بدعت کہا ہو۔

دور مرتضویؓ :

(۱۱) عن ابی عبدالرحمٰن السلمی عن علیؓ قال دعی القراء فی رمضان فامر منہم رجلاً یصلی بالناس عشرین رکعۃ قال وکان علیؓ یوتر بہم۔ حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قراء حضرات کو بلایا ان میں سے ایک کو بیس تراویح پڑھانے کا حکم دیا اور وتر کی جماعت خود حضرت علیؓ کراتے تھے۔ (بیہقی ج ۲ / ص ۴۹۶)

(۱۲) عن ابی الحسناء ان علیاؓ امر رجلاً ان یصلی بالناس خمس

ترویحات عشرین رکعة۔ حضرت ابوالحسناء فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو پانچ ترویحے بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔

حضرت علیؓ خود نبی علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں کہ جس نے بدعت ایجاد کی اس کا نہ فرض قبول ہے نہ نفل (بخاری ص ۱۰۸۴/ج ۲ مسلم ص ۴۴۲/ج ۱) اور حضرت علیؓ نے اذان کے بعد ایک موذن کو عشاء کے لئے تثویب کہتے سنا تو فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو (بحر الرائق) اور ایک شخص کو عید گاہ میں نماز عید سے قبل نفل پڑھتے دیکھا تو اسے ڈانٹا۔ اگر بیس رکعت تراویح بدعت ہوتی تو اس کا حکم کیوں دیتے۔ دور خلافت سے پہلے کسی ایک محدث یا فقیہ کا نام پیش نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے دور مرتضویؓ میں بیس تراویح پڑھے جانے کا انکار کیا ہو۔ کوئی شخص اس زمانہ میں ایک شخص کا نام پیش نہیں کر سکتا جو آٹھ رکعت پڑھ کر جماعت سے نکل جاتا ہو۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بیس رکعت والی نماز کا نام تراویح حضرت علیؓ نے بیان فرمایا کسی خلیفہ راشد یا کسی ایک صحابی نے آٹھ رکعت کے ساتھ تراویح کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ پورے ذخیرہ حدیث میں کوئی ثبوت نہیں۔

(۱۳) عن زید بن وهب قال كان عبد الله يصلى بنا في شهر رمضان فينصرف وعليه ليل قال الاعمش كان يصلى عشرين ركعة ويوتر بثلث (قیام اللیل ص ۱۵۷) حضرت زید بن وہب فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ہم کو رمضان میں تراویح پڑھا کر فارغ ہوتے' ابھی رات ہی ہوتی تھی۔ امام اعمش فرماتے ہیں وہ بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ سنت پر اقتصار کرنا بدعت پر محنت کرنے سے بہت اچھا ہے (حاکم ج ۱، ص ۱۰۳)... اگر ۲۰ رکعت تراویح بدعت ہوتی تو وہ کیوں پڑھتے؟

جمہور صحابہ کرامؓ :

(۱۴) ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم ان الناس كانوا يصلون

خمس ترویحات فی رمضان۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ حماد سے وہ ابراہیم (۹۶ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک لوگ رمضان میں پانچ ترویحات بیس رکعت پڑھتے تھے۔ (کتاب الآثار ابی یوسف)

حضرت امام صاحب رحمہ اللہ نے بھی تراویح کا لفظ صرف اور صرف بیس رکعت کے ساتھ ہی روایت فرمایا ہے "آٹھ رکعت کے ساتھ کہیں روایت نہیں فرمایا۔

(۱۵) عن عبدالعزیز بن رفیع قال: کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ و یوتر بثلاث۔ عبدالعزیز بن رفیع فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب" فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب" لوگوں کو رمضان میں مدینہ منورہ میں بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ج ۲/ ص ۳۹۳)

(۱۶) عن عطاء قال: ادرکت الناس وھم یصلون ثلثۃ و عشرین رکعۃً بالوتر (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲/ ص ۳۹۳) حضرت عطاء (۱۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں (صحابہ و تابعین) کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے ہی پایا۔

تابعین کرام رحمھم اللہ:

حضرت سوید بن غفلہ جو عمر میں آنحضرت ﷺ سے صرف تین سال چھوٹے ہیں وہ امامت کراتے تھے حضرت ابو الخصیب فرماتے ہیں۔

(۱۷) کان یومنا سوید بن غفلۃ فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعۃ۔ حضرت سوید بن غفلہ رمضان میں ہمیں باجماعت پانچ ترویحات (یعنی) بیس رکعات پڑھایا کرتے تھے۔ (بیہقی ج ۲/ ص ۴۹۶)

(۱۸) عن ابی البختری انہ کان یصلی خمس ترویحات فی رمضان و یوتر بثلاث۔ حضرت ابو البختری سے مروی ہے کہ وہ رمضان میں پانچ ترویحات یعنی بیس رکعت اور تین وتر پڑھتے تھے۔

(۱۹) عن سعید بن ابی عبید ان علی بن ربیعۃ کان یصلی بھم فی رمضان خمس ترویحات و یوتر بثلاث (ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳/ ج ۲)

حضرت سعید بن ابی عبید سے روایت ہے کہ علی بن ربیعہ پانچ ترویحے (یعنی بیس تراویح) اور تین وتر باجماعت پڑھاتے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت کے ساتھ تراویح کا لفظ اور بیس تراویح کا عمل تابعین رحمہم اللہ میں بلا نکیر جاری تھا اور پورے خیر القرون میں ایک شخص کا نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جس نے بیس تراویح پر انکار فرمایا ہو یا اس کو بدعت کہا ہو یا وہ آٹھ رکعت پڑھ کر جماعت سے نکل جاتا ہو۔ یا پورے خیر القرون میں کبھی آٹھ رکعت کے ساتھ کسی نے تراویح کا لفظ استعمال کیا ہو..... اس کا ہرگز ہرگز کوئی ثبوت نہیں۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ :

جب ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے دین کو مدون اور مرتب فرمایا تو سب اہل سنت ان میں سے کسی ایک کی تقلید کرنے لگے۔ چنانچہ استاذ العلماء سید المحققین حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ علامہ ابن خلدون سے نقل فرماتے ہیں۔ "دیار و امصار میں انہیں ائمہ اربعہ پر تقلید منحصر ہو گئی اور ان کے سوا جو امام تھے ان کے مقلدین ناپید ہو گئے اور لوگوں نے اختلافات کے دروازے اور راستے بند کر دیئے اور چونکہ اصطلاحات علمیہ مختلف ہو گئیں اور لوگ رتبہ اجتہاد تک پہنچنے سے باز رہ گئے اور اس امر کا خوف پیدا ہوا کہ کہیں اجتہاد ایسے شخص کی طرف منسوب ہو جائے جو اس کا اہل نہ ہو یا اس کی رائے یا دین قابل وثوق نہ ہو لہٰذا علمائے زمانہ نے اجتہاد سے اپنا عجز ظاہر کر دیا اور اس کے دشوار ہونے کی تصریح کر دی اور انہیں مجتہدین کی تقلید کے لئے جن کے لوگ مقلد ہو رہے تھے لوگوں کو ہدایت کرنے لگے اور چونکہ متداول تقلید (غیر شخصی) میں تلاعب ہے لہٰذا کبھی ان کی اور کبھی ان کی تقلید کرنے سے لوگوں کو منع کرنے لگے اور صرف نقل مذاہب باقی رہ گئی اور بعد صحت تصحیح اصول و اتصال سند بالروایۃ ہر مقلد اپنے اپنے مجتہد کی تقلید کرنے لگا اور فقہ سے آج اس امر کے سوا اور مطلب نہیں اور مدعی زمانہ حال کا اجتہاد مردود اور اس کی تقلید مہجور ہے اور اہل اسلام ان ہی ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی تقلید پر قائم ہو گئے۔ (آثار خیر ص ۲۴)

اور یہ بات دوپہر کے سورج کی طرح واضح ہے کہ ائمہ اربعہ کے متون فقہ میں آٹھ رکعت

تراویح کا نام و نشان تک نہیں اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے متون فقہ کے کسی متن میں
بیس رکعت تراویح کو بدعت یا حرام نہیں لکھا اور صحابہ کرامؓ سے لے کر دور برطانیہ تک
کسی اسلامی فرقہ کی ایک مسجد کا پتہ نہیں دیا جا سکتا کہ کبھی ایک سال بھی پورا مہینہ آٹھ
رکعت تراویح پڑھی گئی ہو یا صحابہ کرامؓ سے لے کر دور برطانیہ تک ایک اور صرف ایک
مسلمان کا نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جو آٹھ تراویح پڑھ کر جماعت سے نکل کر بھاگ جاتا
ہو۔ معلوم ہوا کہ بیس تراویح ہی امت میں متوارث ہے۔

آٹھ رکعت :

آٹھ رکعت پڑھ کر لوگ جماعت سے نکل جاتے ہیں وہ رمضان المبارک کے مبارک مہینہ
میں دو سنتوں کو پامال کرتے ہیں۔ آپ ان سے پوچھیں کہ ظہر کی چار مؤکدہ سنتوں کی بجائے
آپ نے کبھی دو سنتیں پڑھی ہیں اور اگر کوئی پڑھے تو کبھی اس کا دل مانے گا کہ میں نے
پوری سنت ادا کر لی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح بیس تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ آٹھ رکعت
پڑھنے سے سنت ادا نہیں ہو گی۔ اسی طرح نماز تراویح میں ایک قرآن پاک پڑھنا یا سننا سنت
ہے جو آٹھ رکعت پڑھ کر نکل جاتے ہیں وہ اس سنت سے بھی محروم رہتے ہیں۔

چند مغالطے :

جو لوگ اس سنت کے تارک ہیں اور اس سنت کو مٹانے میں سارا زور عمل، قلم خرچ
کرتے ہیں وہ تین باتوں سے مغالطہ دیتے ہیں۔ ان کی پوری وضاحت تو اس مضمون میں
ممکن نہیں اس کے لئے رئیس المناظرین عمدۃ المحققین حضرت مولانا خیر محمد جالندھری
نور اللہ مرقدہ کے مضمون کا مطالعہ ضروری ہے جو [illegible] ص۲۲۱ سے ص۲۷۹
تک ہے۔

مختصراً گزارش ہے کہ صحاح ستہ میں سے وہ ایک حدیث حضرت عائشہؓ کی پیش
کرتے ہیں کہ آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے
تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ حدیث نماز تہجد کے بارہ میں ہے۔ تاریخ الخلفاء کے مطابق ۱۵ھ میں
حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت شروع کرائی اور سیدہ عائشہؓ کا وصال ۵۷ھ میں ہوا۔

پورے بیالیس سال اماں جان کے حجرہ کے ساتھ متصل مسجد نبوی میں ۲۰ رکعت تراویح کی بدعت جاری رہی۔ اماں جان خود نبی علیہ السلام سے یہ حدیث روایت فرماتی ہیں کہ جس نے اس دین میں بدعت جاری کی وہ مردود ہے۔ (بخاری و مسلم) مگر یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اماں جان نے بیالیس (۴۲) سال میں ایک دفعہ بھی اس تہجد والی حدیث کو بیس تراویح والوں کے خلاف پیش فرمایا ہو۔ اب دو ہی راستے ہیں یا تو یہ مان لیا جائے کہ اس حدیث کا تراویح سے کوئی تعلق نہیں۔ اماں جان یہی سمجھتی تھیں یا یہ مان لیا جائے کہ اماں جان اس حدیث کو بیس تراویح کے خلاف ہی سمجھتی تھیں لیکن ان کے دل میں سنت کی محبت اور بدعت سے نفرت اتنی بھی نہ تھی جتنی آج کل کے ان پڑھ غیر مقلد میں ہے' یہ تو رافضی ہی کی سوچ ہو سکتی ہے۔ ایک حدیث حضرت جابرؓ کی پیش کر کے مغالطہ دیتے ہیں اولاً تو وہ صحیح نہیں ہے۔ ثانیاً اس میں مواظبت کا ذکر نہیں جو سنیت کے لئے شرط ہے' ثالثاً حضرت جابرؓ کا وصال ۷۴ھ کے بعد مدینہ منورہ میں ہی ہوا اور کم از کم پچپن سال آپ کے سامنے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں بیس رکعت تراویح کی بدعت جاری رہی اور آپ نے خود زبان رسول ﷺ سے یہ ارشاد گرامی سنا تھا کہ شر الامور محدثاتھا و کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار (نسائی) کہ سب سے برے کام بدعات ہیں' ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ مگر پھر بھی کم از کم پچپن سال حضرت جابرؓ یہ بدعت دیکھتے رہے اور سنت کی حدیث آپ کے پاس تھی اس کو سب سے چھپایا' صرف عیسیٰ بن جاریہ کے کان میں ڈالی جو ضعیف ہے اور اس نے یہ امانت ایک شیعہ یعقوب بن عبداللہ کو دے دی اور بس۔ حضرت جابرؓ کا بیس تراویح والوں کے خلاف اس حدیث کو پیش کرنا تو کیا ثابت ہوتا سرے سے یہ بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ جب سب لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے تو حضرت جابرؓ آٹھ پڑھ کر نکل جاتے۔ "ایاز قدر خویش بشناس" غیر مقلدین اپنی علمی اوقات کو پہچانیں۔ صحابہ کرامؓ سے بڑے علامہ بننے کے دعوے نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو سنت پر عمل اور اس کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائیں..... آمین۔

صلوٰۃ التراویح---ایک تحقیقی جائزہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ اما بعد۔ حضرت مولانا ابو یوسف مفتی محمد ولی درویش صاحب مدظلہم نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی سے ایک رسالہ بنام "صلوٰۃ التراویح" ارسال فرمایا اور فرمایا کہ اس رسالہ کے بارے میں ماہنامہ "الخیر" میں مضمون کی ضرورت ہے۔ تو یہ مضمون اس رسالہ پر ایک نظر ہے۔ (محمد امین صفدر)

البانی :

یہ رسالہ البانی صاحب کا ہے جن کا تعارف یوں ہے "شیخ البانی جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی کے صدر مدرس ہیں۔ شیخ موصوف نسلی طور پر انگریز ہیں۔ آپ کا خاندان جب مسلمان ہوا تو حنفی مذہب اختیار کیا۔ شیخ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل میں کمال بخشا کہ وہ اپنی تحقیق سے اہل حدیث ہو گئے۔ ملک شام میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کو علم حدیث میں خصوصاً اسماء الرجال میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ ممالک عربیہ میں آپ کی علمی قابلیت مسلم اور مشہور ہے کہ علم حدیث میں ان سے زیادہ تحقیق کسی کو نہیں (فتاوی علمائے حدیث ص۲۷۰ ج ۳)۔ ہمارے غیر مقلد دوستوں کا مزاج خوارج والا ہے کہ اکابر کو گرانا اور اصاغر کو چڑھانا ان کا شیوہ ہے۔ اس نو مسلم البانی کا تعارف اس وقت تک ناقص رہتا ہے جب تک کہ حضرت امام اعظمؒ ان کے اصحاب و تلامذہ ان کے تمام مقلدین جن میں ۹۹ فیصد سلاطین اسلام، ہزاروں محدثین عظام، لاکھوں فقہاء کرام، ہزاروں صوفیاء

حکام، بزرگ یا قضاۃ اسلام کو غیر محقق ثابت نہ کیا جائے اور ان سب کے مقابلہ میں اس نو مسلم کو نہ چڑھایا جائے۔ یہ حب علی نہیں بلکہ بغض معاویہ کی غمازی ہے۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ یہ نو مسلم شذوذ پسند طبیعت و مزاج کا شخص ہے۔ اور خود رائی جس کو حدیث میں اعجاب کل ذی رای برایہ کہا گیا ہے کا مریض تھا۔ تو اہل سنت (جو صراط الذین انعمت علیھم کے مطابق رجال اللہ کی رہنمائی میں کتاب و سنت پر عمل کرتے ہیں) میں اس کا گزارہ کیسے ہو سکتا تھا۔ جس نے اکابر کی پگڑیاں اچھال کر اصاغر سے داد لینی ہو چنانچہ یہ اہل سنت سے نکل کر غیر مقلد ہو گیا۔

اصل حقیقت :

اس میں شک نہیں کہ جھاگ جب اٹھتی ہے تو کتنے ظاہر بینوں سے داد وصول کر لیتی ہے مگر جب بیٹھتی ہے تو اصل حقیقت کھل جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ البانی کی اٹھان سے بہت سے ظاہر بین متاثر ہوئے۔ مگر محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی کی دوربین نگاہیں اسی وقت اسے تاڑ گئیں کہ ایک شذوذ پسند آدمی ہے۔ آپ نے کئی حصوں میں "البانی و شذوذہ" تالیف فرمائی اور اس نو مسلم کی اسلاف بیزاری کو واضح کر دیا۔ پھر ایک حنبلی محدث اٹھے انہوں نے "تناقضات الالبانی الواضحات" کے نام سے کئی اجزاء تحریر کر کے اس نو مسلم کے علمی پندار کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا۔ انہوں نے اصول میں اس کے تناقضات۔ اسماء الرجال میں اس کے تناقضات، احادیث کے صحیح و ضعیف ہونے میں اس کے تناقضات جمع کئے۔ پھر جب البانی نے یہ رسالہ تراویح پر لکھا اور بیس تراویح کو بدعت کہہ کر چودہ سو سال کے سب اہل سنت کو بدعتی قرار دیا تو اس کو سعودیہ سے نکال دیا گیا۔ غیر مقلدین نے اگرچہ اس کی مدح سرائی میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے مگر اس نے صحاح ستہ پر ہاتھ بڑھایا۔ سنن اربعہ کے تو علی الاعلان دو دو ٹکڑے کر ڈالے۔ صحیح ابو داؤد، ضعیف ابو داؤد، صحیح نسائی، ضعیف نسائی، صحیح ترمذی، ضعیف ترمذی، صحیح ابن ماجہ، ضعیف ابن ماجہ، اور اسی طرح صحیح مسلم پر بھی کافی اعتراضات کئے۔ جب صحاح ستہ کا یہ حشر کیا تو باقی کتب

حدیث کی عظمت کہاں باقی رہ گئی اور یہ کام ایک نومسلم غیر مقلد ہی کر سکتا ہے۔

صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم :

جب بھی کوئی نیا غیر مقلد بنتا ہے تو اس کا پہلا کام یہی ہوتا ہے کہ چودہ سو سال سے پڑھی جانے والی متواتر نماز کو غلط کہا جائے اور ایک نئی نماز غیر مقلدین کو دی جائے جو عملی تواتر سے ٹکراتی ہو۔ تاکہ روزانہ کم از کم پانچ دفعہ مسلمان آپس میں لڑیں اور ہر ہر مسجد کو میدان جنگ بنائیں۔ اس لئے اگر وہ صرف اردو ہی جانتا ہو تو اردو تراجم کو سامنے رکھ کر ایک نئی نماز مرتب کرتا ہے۔ کبھی اس کا نام صلوۃ الرسول رکھے گا کبھی صلوۃ النبی۔ کبھی پیارے نبی کی پیاری نماز۔ اس طرح یہ غیر مقلدین حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی سب کی نمازوں پر معترض ہیں اور ایک نئی نماز عوام کو دیتے ہیں۔ علامہ البانی نے بھی غیر مقلد ہو کر اپنا یہ فرض ادا کیا اور ایک کتاب بنام صفۃ صلوۃ النبی من التکبیر الی التسلیم کانک تراھا" لکھی اس کی وجہ تالیف یہی لکھی کہ آج تک (۲۷ ۱۳ھ) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پر کوئی صحیح اور جامع کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس لئے اس نومسلم کو یہ سردردی کرنا پڑی۔ تقریبا ۱۲۳ کتابوں سے مختلف ٹکڑے تلاش کر کے نماز نبوی ﷺ کا چوہا تیار کیا۔ لیکن اس میں کمال یہ کیا کہ مذہب اربعہ کے ساتھ ساتھ غیر مقلدین کی نماز کی بھی غلطیاں نکال ڈالیں۔ ان سے چاروں کا دین چار پانچ مسائل کا ہے۔ مثلاً قراءت خلف الامام، جب سے غیر مقلد فرقہ بنا بیسیوں کتابیں لکھ چکے ہیں کہ حدیث اذا قرأ فانصتوا۔ کہ جب امام قرآن پڑھے تم خاموش رہو" یہ حدیث ضعیف ہے مگر البانی نے اس کو صحیح تسلیم کر لیا۔ (صفۃ صلاۃ النبی ص ۹۵) حدیث من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ کہ جب امام قراءت کرے تو اس کی قراءت مقتدی کے لئے بھی قراءت ہے۔ آج تک سب غیر مقلد اس کے صحیح ہونے کا انکار کرتے تھے مگر البانی نے اس کو صحیح تسلیم کر لیا (ص ۹۵) تو جس طرح خطیب کا خطبہ سب کی طرف سے ہوتا ہے کوئی شخص خطیب کے علاوہ خطبہ نہیں پڑھتا خواہ اسے خطیب کا خطبہ سنائی دے یا نہ دے یا کوئی خطبہ کے بعد آکر جماعت میں شامل ہو اس کی طرف سے بھی

خفیہ ہو گیا اسی طرح امام کی قراءت سب مقتدیوں کی طرف سے ہو گئی خواہ کسی مقتدی کو قراءۃ سنائی دے یا نہ دے۔ خواہ کوئی رکوع میں ہی شامل ہو اس کی رکعت بھی پوری شمار ہو گی۔ یہی ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔ اور غیر مقلدین جس حدیث کو لے کر ساری دنیا کے حنفیوں کو بے نماز کہا کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا جب میں جہراً قراءت کروں تو میرے پیچھے قرآن میں سے کچھ نہ پڑھنا مگر فاتحہ۔ اس کی نماز نہیں ہوتی جو یہ نہ پڑھے۔ البانی نے ص ۴ پر باقاعدہ عنوان دیا نسخ القراءۃ وراء الامام فی الجهرية۔ اس میں پہلے وہ حدیث لکھی کہ آپ ﷺ نے ۱۱۳ سورتوں کو امام کے پیچھے پڑھنے سے منع فرمایا۔ صرف فاتحہ کی اجازت دی پھر حدیث ابی ہریرہؓ فانتهى الناس سے سورت فاتحہ پڑھنے کو بھی منسوخ کر دیا۔ اب غیر مقلدین سے عرض ہے کہ وہ سوچیں اور ایک منسوخ حدیث کی بنا پر امت محمدیہ ﷺ کی نمازوں کو فاسد قرار دے کر مسلمانوں میں افتراق پیدا نہ کریں۔

نماز تراویح :

جب سے غیر مقلدین نے اس مسئلہ میں امت سے شذوذ اختیار کیا ہے اس پر کئی رسالے لکھ چکے ہیں۔ مگر نہ کبھی اپنے دعویٰ کو سمجھے اور نہ دلیل اور دعویٰ کی موافقت کا کبھی خیال کیا۔ رسالہ پر البانی کا نام پڑھ کر خیال تھا کہ تو مسلم البانی کو غیر مقلدین پڑھا لکھا غیر مقلد خیال کرتے ہیں۔ اس نے ضرور دعویٰ اور دلیل کی مطابقت کا خیال رکھا ہو گا۔ مگر رسالہ پڑھ کر مایوسی ہوئی اور ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اگر اسے دلیل اور دعویٰ کی موافقت کی سُدھ بدھ ہوتی تو وہ غیر مقلد بنتا ہی کیوں

جماعت تراویح :

البانی صاحب نے رسالہ پورا کرنے کے لئے آٹھ عنوان قائم فرمائے ہیں۔ پہلا عنوان ہے کہ نماز تراویح میں جماعت مستحب ہے۔ (ص ۹ تا ص ۱۲) مگر اس عنوان سے معلوم ہوا کہ البانی صاحب مسلک اہل حدیث سے واقف نہیں۔ "نماز تراویح کی تعریف میں علماء نے لکھا ہے کہ تراویح وہ نماز ہے جو ماہ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے

(فتاویٰ علمائے حدیث ص۳۸۸ ج۶) نماز تراویح میں جماعت بھی شرط ہے اگر اکیلے اکیلے پڑھیں گے تو تراویح نہ ہوگی (ایضاً ص ۳۳۲ ج۶)۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کے ہاں تراویح صرف رمضان میں عشاء کے فوراً بعد پڑھی جاتی ہے اور اس کے لئے جماعت شرط ہے لیکن البانی نے دور کی سوچی کہ اگر غیر مقلدین کا مسلک قبول کر لوں تو حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا کوئی تعلق تراویح سے نہ رہے گا۔ کیونکہ اس میں جس نماز کا ذکر ہے وہ خاص رمضان کی نماز نہیں بلکہ وہ تو وہ نماز ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں پورا سال پڑھی جاتی ہے۔ وہ تہجد ہے۔ پھر حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نماز گھر میں "آخر شب میں اکیلے ادا فرمائی نہ کہ جماعت سے اور تراویح کے لئے جماعت شرط ہے۔ البانی نے ان سب سے جان چھڑائی۔ حالانکہ البانی کا علمی فریضہ تھا کہ جب کتاب کا نام صلوٰۃ التراویح رکھا تھا تو پہلے تراویح کی تعریف بیان کرتا۔ پروفیسر عبداللہ بہاولپوری لکھتے ہیں "تراویح کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایجاد نہیں ہوا تھا۔ یہ نام اس وقت پڑا جب لوگوں نے قیام رمضان کی رکعتوں کی تعداد بڑھا دی۔ حضور ﷺ کا عمل تو آٹھ ہی کا تھا۔ جس پر تراویح کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ ہر چار رکعت کے بعد ایک دفعہ آرام کرنے کو کہتے ہیں آٹھ رکعت میں ترویحہ چونکہ ایک ہی ہو سکتا ہے۔ زیادہ ہو ہی نہیں سکتا اس لئے حضور ﷺ کے زمانہ میں تراویح کا لفظ ایجاد نہیں ہوا۔ بعد میں جب رکعتوں کی تعداد آٹھ سے بہت بڑھ گئی اور کئی ترویحے ہونے لگے تو تراویح نام پڑ گیا۔ (رسائل بہاولپوری ص ۱۹۰ طبع اول) گویا اہل حدیثوں کے ہاں تو تراویح کا لفظ ہی بدعت نکلا۔ پروفیسر عبداللہ بہاولپوری کی یہ بات بہت صحیح ہے کہ "آٹھ رکعت کے ساتھ تراویح کا لفظ نہ حدیث مرفوع میں آتا ہے نہ حدیث موقوف میں۔ نہ تو نبی پاک ﷺ نے آٹھ رکعت کو تراویح فرمایا نہ کسی صحابی نے۔ اگر دور نبوت اور دور صحابہ میں کوئی شخص آٹھ رکعت کے ساتھ لفظ تراویح دکھا دے تو ہم مبلغ آٹھ ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ ہے کوئی "مرد میدان!""

جماعت تراویح کے لئے البانی نے ثعلبہ بن ابی مالک القرظی کی حدیث بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ مرسل حسن ہے اور پھر کہا ہے کہ ابوداؤد میں اس کا شاہد ہے حضرت ابوہریرہ سے۔ امام ابوداؤد نے اس کے بعد لکھا ہے قال ابو داود هذا الحديث ليس بالقوي مسلم بن خالد ضعيف (ابوداؤد ا۔ ے۲۱) یہ عبارت علامہ البانی نے بیان نہیں فرمائی' جو ایک علمی خیانت ہے۔ اب یہ بھی دیکھو کہ مرسل روایت البانی کے اصول پر تو ضعیف تھی' اب حسن کیسے ہو گئی۔ پھر یہ حدیث صحیحین کی متفق علیہ حدیث کے خلاف ہے۔ "حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں چٹائی کا ایک حجرہ بنایا' اس میں چند راتیں نماز ادا فرمائی۔ یہاں تک کہ لوگ آپ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے۔ پھر ایک رات لوگوں نے آپ ﷺ کی آواز نہ سنی اور انہوں نے سمجھا کہ آپ ﷺ سو گئے ہیں۔ بعض لوگوں نے کھانسنا شروع کیا کہ آپ ﷺ باہر تشریف لائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا معاملہ (کثرت سے آنا) جو میں نے دیکھا اسی طرح رہا یہاں تک کہ میں ڈر گیا کہ (یہ نماز) تم پر فرض نہ کر دی جائے اور اگر تم پر فرض کر دی جاتی تو تم ادا نہ کر سکتے۔ پس اے لوگو! اپنے گھروں میں (یہ نماز) پڑھو۔ بلاشبہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی اپنے گھر میں نماز بہتر ہے۔ (بخاری ص ۱۰۱ ج ۱' مسلم ص ۲۶۶ ج ۱) اس متفق علیہ حدیث میں ہے کہ یہ نماز (تراویح) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر پڑھنے کا حکم دیا اور اسی کو بہتر فرمایا۔ اس کے مقابلہ میں اس ضعیف حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے حکم کے خلاف مسجد میں یہ نماز پڑھ رہے تھے ان کو اچھا کہا۔ غیر مقلد دل پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ تم متفق علیہ حدیث کے موافق آئندہ گھر میں بلا جماعت تراویح پڑھا کرو گے یا البانی کی تقلید میں متفق علیہ حدیث کے خلاف مسجد میں باجماعت تراویح پڑھا کرو گے۔ اصل بات یہ ہے کہ پورا مہینہ باجماعت تراویح پڑھنا کسی صحیح حدیث میں نہیں۔ اس پر مواظبت نبی ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمائی ہے اور یہ سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے نہ کہ سنت رسول ﷺ۔ البانی نے جس طرح تراویح کی تعریف نہیں لکھی وہ سنت کی تعریف بھی نہیں لکھ

سکا۔

سنت کی تعریف :

کئی سال گزرے حضرت اقدس صاحب السیف مولانا بشیر احمد صاحب پسروری خلیفہ اعظم سلطان العارفین شیخ التفسیر قطب الارشاد حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہ حیات تھے کہ مولوی محمد رفیق پسروری سے مناظرہ طے ہوا۔ انہوں نے اپنا دعویٰ یوں لکھا کہ ماہ رمضان میں آٹھ رکعت تراویح باجماعت سنت موکدہ ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ تراویح کی تعریف اور سنت موکدہ کی تعریف فرمائیں۔ لیکن صرف کتاب و سنت سے، امتیوں کے اصول فقہ سے چوری نہ کرنا۔ ورنہ چوری کی سزا آپ کو معلوم ہی ہے اور آپ کا ایک ہاتھ پہلے ہی نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہمیشہ کیا ہو وہ سنت موکدہ ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تعریف نہ جامع ہے اور نہ مانع۔ نہ ہی اس کا حوالہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ میں نے سب لوگوں سے پوچھا کہ بھائی آپ سب جانتے ہیں کہ پنجگانہ نماز کے لئے اذان بالاتفاق سنت موکدہ ہے اور جماعت سے پہلے اقامت سنت موکدہ ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر میں ایک دفعہ بھی نہ خود اذان کہی نہ اقامت۔ مولوی صاحب کی تعریف کے مطابق نہ اذان سنت رہی اور نہ اقامت۔ دوسری بات یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرائض خود ہمیشہ ادا کرتے تھے یا نہیں؟ سب کہنے لگے کرتے تھے۔ میں نے کہا بس تعریف کے موافق سب فرض بھی سنتیں بن گئے۔ بات بہت عام فہم تھی۔ لوگ سمجھ گئے کہ مولوی محمد رفیق کو نہ سنت کی تعریف معلوم ہے نہ فرض کی۔ اب مولوی محمد رفیق صاحب نے تین ماہ کی مہلت مانگی کہ مجھے تین ماہ کی مہلت دو تاکہ سنت موکدہ کی تعریف یاد کر لوں۔ چنانچہ مہلت دے دی گئی۔ لیکن تین ماہ تک وہ سنت موکدہ کی تعریف یاد نہ کر سکے۔ اس لئے مجبوراً پولیس کو کہہ کر مناظرہ بند کروا دیا۔ اسی طرح جھنگ کے مناظرہ میں مولوی ارشاد الحق اثری نے کہا کہ آٹھ رکعت تراویح سنت موکدہ ہیں۔ میں نے کہا کہ تراویح کی جامع مانع تعریف کرو اور سنت موکدہ کی ایسی تعریف کرو جیسے آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جو صحاح ستہ کی سب کتابوں میں ثابت ہے۔ بخاری ص ۳۵ ج ۱، مسلم ص ۱۳۳ ج ۱، ابوداؤد ص ۳ ج ۱، ترمذی ص ۹ ج ۱، نسائی ص ۹ ج ۱، ابن ماجہ ص ۲۶، مسند احمد ص ۳۸۲ ج ۵ یہ تو سنت مؤکدہ نہ بنے اور آٹھ رکعت تراویح باجماعت جس کا پوری صحاح ستہ میں کہیں نام نشان نہیں وہ سنت مؤکدہ بن جائے۔ جوتے پہن کر نماز پڑھنے کی حدیث جو متواتر ہے وہ تو سنت مؤکدہ نہ ہو اور آٹھ رکعت تراویح باجماعت جس کی ایک خبر واحد بھی صحیح نہیں وہ سنت مؤکدہ ہو جائے۔ اثری صاحب نہ تراویح کی تعریف کر سکے اور نہ سنت مؤکدہ کی۔ اور اعتراف کیا کہ مناظرہ میرے بس کا روگ نہیں اور اب البانی نے بھی سنت مؤکدہ کی تعریف نہیں لکھی۔ ثبوت سنیت کے لئے غیر لازم چیز پر مواظبت ضروری ہے اور باجماعت پوری تراویح پر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت ثابت نہیں کر سکتے۔ ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مواظبت ثابت ہے اس لئے یہ سنت صحابہ رضی اللہ عنہم تو ہے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔ اہل سنت کا غیر مقلدین پر اعتراض تھا کہ حدیث متفق علیہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ بقول شما صحابہ کرام نے امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پورا مہینہ جماعت تراویح پر مواظبت فرمائی۔ اب غیر مقلد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی متفق علیہ حدیث کو چھوڑ کر صحابہ کرام کے عمل پر کیوں عمل کرنے لگے۔ البانی صاحب پہلے عنوان میں اس اعتراض کا جواب دینا چاہتے تھے جس میں وہ سو فیصد ناکام رہے ہیں۔

نماز تہجد :

البانی نے صحیح سے پہلے کی احادیث نقل فرمائی ہیں کہ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہائی رات تک تراویح باجماعت پڑھائی۔ دوسری رات دو تہائی رات تک۔ اس کے بعد البانی کا فرض تھا کہ وہ ثابت کرتا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح سے فارغ ہوتے ہی اعلان فرمایا تھا کہ اب تراویح پڑھ لی ہے تہجد نہ پڑھنا کیونکہ یہ ایک ہی نماز ہے۔ بلکہ یہ ثابت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تراویح پڑھیں۔ پھر آپ گھر میں داخل ہوئے وصلی صلوٰۃ لم یصلھا عندنا۔ اور وہ نماز پڑھی جو ہمارے ساتھ نہ پڑھی تھی۔

ظاہر ہے کہ صحابہ کے ساتھ آپ ﷺ نے تراویح پڑھی اور گھر جا کر دوسری نماز تہجد پڑھی۔ بے چارے البانی کو حدیث کی مشہور کتابوں کا بھی صحیح مطالعہ نہیں۔ اس حدیث کے بارے میں لکھتا ہے واضعہ فی صحیح مسلم فلینظر میرا گمان ہے کہ یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ پس دیکھ لے حالانکہ یہ حدیث صحیح مسلم ص ۲۵۳ ج ا پر یقیناً موجود ہے۔

الحاصل البانی نے نہ تراویح کی تعریف لکھی نہ سنت موکدہ کی اور غیر مقلدین جو پورا مہینہ مسجد میں تراویح پڑھتے ہیں' یہ سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ سنت نبوی ﷺ ہرگز نہیں۔ یہ جو سارا مہینہ عشاء کے فوراً بعد اول شب میں تراویح پڑھتے ہیں یہ سنت نبوی ﷺ ہرگز نہیں۔ سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے اور نماز تراویح ہمیشہ دو دو رکعت پر سلام پھیرنا بھی سنت نبوی ﷺ نہیں ہے۔ بلکہ سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ البانی کے نزدیک تراویح' تہجد اور وتر ایک ہی نماز ہے۔ البانی ص ۸۶ پر ۱۳ رکعت کا طریقہ ۱۲ دو دو رکعت ایک الگ' دوسرا طریقہ کہ آٹھ رکعت دو دو پھر پانچ رکعت ایک سلام سے' تیسرا طریقہ دس دو دو رکعت پر سلام اور ایک الگ کل ۱۱' چوتھا طریقہ ۴۔۴ + ۳ = ۱۱ پانچواں طریقہ ۹ رکعت ایک سلام سے پھر دو رکعت ایک سلام سے' چھٹا طریقہ ۷ رکعت ایک سلام سے اور دو ایک سلام سے کل ۹ رکعتیں' یہ چھ طریقے ص ۸۶ تا ۹۲ ذکر کئے ہیں جن سب کو غیر مقلدوں نے چھوڑ رکھا ہے۔ ان سب باتوں کو فقط چھوڑ کر البانی عدد رکعات کی طرف آگیا ہے۔

تعداد رکعات :

غیر مقلدین آٹھ رکعت تراویح پر زور لگاتے تھے مگر البانی کہتا ہے کہ تراویح گیارہ سے زائد تو جائز نہیں۔ ہاں گیارہ سے کم جائز ہیں۔ حتیٰ کہ ایک رکعت تراویح بھی سنت سے ثابت ہے اور سلف کا عمل ہے (ص ۱۰۸) اس کی بنیاد یہ ہے کہ تراویح' تہجد اور وتر ایک ہی نماز ہے۔ جب ایک رکعت پڑھ لی تو تراویح بھی ادا ہو گئی۔ تہجد بھی' وتر بھی۔ لیکن اس پر البانی کوئی دلیل نہ لا سکا کہ اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ تراویح' تہجد اور وتر ایک ہی نماز ہے اور ایک رکعت پڑھنے سے تینوں نمازیں ادا ہو جاتی ہیں۔ تمام

محدثین اور فقہاء نے تہجد، تراویح اور وتر کے الگ الگ باب باندھے ہیں۔

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا :

اس میں تہجد کی نماز کا ذکر ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں پڑھی جاتی ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ ص ۱۵۴ ج ۱ پر لائے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان غیر رمضان میں تہجد پڑھتے تھے اور باب قیام رمضان ص ۲۶۹ ج ۱ پر بھی لائے ہیں تاکہ رمضان میں تہجد پڑھیں۔ خود امام بخاری بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔ امام مسلم ص ۲۵۴ ج ۱، ابو داؤد ص ۱۸۹ ج ۱، اور ترمذی ص ۹۹ ج ۱ تینوں باب قیام اللیل یعنی تہجد میں لائے ہیں اور امام ترمذی نے تراویح میں آٹھ رکعت کا ذکر تک نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ امام ترمذی کے دور تک نہ ہی کوئی آٹھ رکعت تراویح کا قائل تھا نہ اس حدیث کو تراویح کے متعلق سمجھتا تھا۔ امام مالک موطا ص ۱۰۲ اور امام نسائی نسائی ۲۴۸ ج ۱ پر اس کو وتر کے باب میں لائے ہیں۔ علاوہ ازیں قیام اللیل مروزی، مشکوٰۃ المصابیح، عبدالرزاق، ابو عوانہ، ابن خزیمہ، دارمی سب اس کو تہجد کے ذکر میں لائے ہیں اور اگر کوئی قیام رمضان کے باب میں لایا بھی ہے تو صرف اس لئے کہ رمضان میں بھی تہجد پڑھی جائے۔ الغرض اس حدیث کا تراویح سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ ہی اس کے مطابق غیر مقلد پڑھتے ہیں۔

حدیث جابر رضی اللہ عنہ :

رمضان میں ایک رات آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے۔ یہ حدیث صحیح نہیں۔ البانی بھی یہی کہتا ہے۔ سندہ حسن بما قبلہ کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے اس کی سند حسن ہے۔ جب حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہی تراویح کے متعلق نہیں تو اس کی سند حسن بھی نہ رہی۔ پھر حسنیت کے لئے موافقت ضروری ہے جو یہاں ثابت نہیں۔ اس کا راوی عیسیٰ بن جاریہ مختلف فیہ، یعقوب القمی شیعہ اور سنت کے عمل تواتر کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ بلکہ منکر ہے۔ حدیث ابن عباس جو بیس رکعت تراویح میں مرفوع ہے اس کو ضعیف

ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور صحیح حدیث کی تعریف نہیں کی تاکہ راز فاش نہ ہو جائے۔ حافظ عبدالقادر روپڑی صاحب سے مناظرہ تھا میں نے کہا کہ غیر مقلدین کو تو کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنے کا حق ہی نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی بات نہیں مانتے۔ اور اللہ و رسول ﷺ نے کسی حدیث کو نہ صحیح کہا ہے نہ ضعیف۔ جب اللہ اور رسول نے کسی حدیث کو نہ صحیح کہا نہ ضعیف تو امت یہ فیصلہ کیسے کرتی ہے اس میں خیر القرون میں معیار صحت تعامل امت تھا۔ جس پر امت میں عمل جاری ہو گیا وہ صحیح ہے اور جو عمل تواتر کے خلاف ہوئی وہ شاذ ہے۔ یہی فطری اور صحیح طریق ہے۔ بعد کے محدثین نے بھی اس کو تسلیم کیا۔ المقبول ما تلقتہ الامۃ بالقبول وان لم یکن له اسناد صحیح (تدریب الراوی) جب عام لوگوں کی تلقی بالقبول سے حدیث صحیح ہو جاتی ہے تو بیس رکعت تراویح کو تو بقول ابن تیمیہ مہاجرین و انصار کی تلقی بالقبول حاصل ہے۔ اس کی صحت میں کیا شک ہے یہ وہ تعریف ہے جو روپڑی 'البانی بلکہ سب غیر مقلدین کو بھولی ہوئی ہے۔ ہاں جن احادیث کو تلقی بالقبول نصیب نہ ہو تو اس کے قبول کے لئے آٹھ باتیں ضروری ہیں چار راوی میں کہ راوی مسلمان ہو 'عادل ہو 'ضابط ہو 'عاقل ہو اور چار روایت میں کہ خلاف کتاب اللہ نہ ہو 'خلاف سنت مشہورہ نہ ہو۔ عموم بلویٰ سے متعلق نہ ہو۔ اور خیر القرون میں متروک الاحتجاج نہ ہو۔ اس معیار پر بھی بیس کی حدیث صحیح ہے ابو شیبہ نہ صرف عادل تھا بلکہ اعدل تھا (تہذیب) وہ ضابط بھی تھا (فتح الباری میں الحافظ لکھا ہے) وہ مسلمان بھی تھا اور عاقل بھی تھا کہ واسط کا قاضی تھا اور اس کو تلقی بالقبول بھی حاصل ہے۔ اور حدیث جابر تو کسی معیار پر صحیح نہیں۔ نہ سند صحیح نہ حسن بلکہ تلقی بالقبول اور تواتر عملی کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ ہے بلکہ منکر۔ پھر ہمارے مخالف بھی نہیں کیونکہ بیس میں آٹھ بھی شامل ہیں۔ البتہ آٹھ میں یقیناً بیس شامل نہیں۔ البانی نے یہ عنوان تو اس بات پر باندھا تھا کہ آٹھ رکعت تراویح کو سنت نبوی ﷺ ثابت کرے۔ مگر ثبوت سنیت کے لئے مواظبت ثابت کرنا ضروری تھا۔ تو البانی ص ۲۸ پر لکھتا ہے کہ چار رکعت

پر حضور ﷺ مواظبت نہ فرماتے اس لئے یہ مستحب ہیں البتہ دو رکعت سنت ہیں اور آٹھ کا ثبوت بھی نہ دے سکا چہ جائیکہ مواظبت ثابت کرے۔

بیس تراویح کا حکم :

البانی نے ساری امت کے خلاف یہ موقف اختیار کیا کہ گیارہ رکعت سے زائد بدعت ہیں۔ اب یہ نام نہاد اہل حدیث کے قیاسات ملاحظہ ہوں۔ کہ بیس رکعت تراویح ایسی ہیں جیسے ظہر کے چار فرض کو پانچ یا ایک رکعت میں دو رکوع کر لئے جائیں۔ کبھی بیس تراویح کو صلوٰۃ الرغائب پر قیاس کرتا ہے کبھی یوں قیاس کرتا ہے کہ بیس تراویح ایسی بدعت ہے جیسے عیدین، نماز کسوف اور نماز تراویح سے پہلے اذان دینا (دیکھو ص ۳۲، ۳۳) لیکن ص ۳۵ پر جا کر لکھتا ہے "یہ وہم نہ کرنا کہ ہم (بیس رکعت پڑھنے والے) علماء سابقین اور لاحقین کو گمراہ یا بدعتی سمجھتے ہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے یہ گمان کر کے ہم پر طعن کیا ہے" معلوم ہوا البانی کے علم کا بڑا آدمی نرالا ہے! اس کے نزدیک ظہر کے ۵ فرض پڑھنے والے' ایک رکعت میں دو رکوع کرنے والے' صلوٰۃ رغائب پڑھنے والے' عیدین سے قبل اذان دینے والے نہ بدعتی ہیں نہ گمراہ ص ۳۶ پر لکھتا ہے کہ ان سے اجتہاد میں خطاء ہوئی اس لئے وہ اس خطا میں ماجور ہیں۔ انسان جب پٹری سے اتر جاتا ہے تو اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ ایک طرف تو ۲۰ تراویح کی مثال ظہر کے پانچ فرضوں سے دے رہا ہے دوسری طرف اس کو مسئلہ اجتہادی بتا رہا ہے۔ کیا نص کے خلاف بھی اجتہاد کی گنجائش ہے کیا البانی کے نزدیک صلاۃ الرغائب والے بھی ماجور ہیں۔ پھر ص ۳۸ اور ص ۳۹ پر کہ بیس تراویح پڑھنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جن کو شبہ ہے کہ بیس رکعت سنت ہیں۔ یہ لوگ ماجور ہیں ایک وہ ہیں جو محض اتباع ہوی میں بیس پڑھتے ہیں یہ گمراہ ہیں۔ اس بارہ میں اس نو مسلم البانی نے جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے تفقہ فی الدین کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اس ناواقفی کے ساتھ تکبر میں یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ پوری امت کو بدعتی کہنے سے نہیں جھجھکتا۔ اب مسئلہ کی اصل پوزیشن سمجھیں۔

مثال استغفار :

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کی قولاً ترغیب دی ہے۔ نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ تکثیر محبوب ہے۔ اب ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عمل کو دیکھا تو ایک حدیث میں ملا کہ آپ ﷺ روزانہ ۷۰ مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ اور دوسری میں ملا کہ آپ ﷺ روزانہ ۱۰۰ مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ اب امت کا اجماع ہے کہ ۷۰ اور ۱۰۰ کی احادیث میں کوئی تضاد نہیں۔ بلکہ ۱۰۰ سے زائد پڑھنا بھی محبوب ہے ہرگز ہرگز بدعت نہیں۔

مثال درود شریف :

اسی طرح درود شریف کے فضائل احادیث میں ہیں۔ جتنا بھی کوئی پڑھے وہ جائز ہوگا بدعت نہ ہوگا۔ بالکل اسی طرح رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں زیادہ عبادت کرنے کی ترغیب فرمائی اور قولاً کوئی عدد مقرر نہ فرمایا۔ مثلاً جتنی بھی رکعتیں کوئی پڑھیں وہ درست ہیں۔ ہاں اگر کسی خاص عدد پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی خلیفہ راشد کی مواظبت ثابت ہو جائے تو وہ عدد مسنون ہوگا اس عدد سے کم خلاف سنت اور زائد مستحب ہوگا چونکہ ۲۰ رکعت پر خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی مواظبت ثابت ہے اس لئے یہ عدد مسنون ہوگا اور اس سے زائد کوئی رکعتیں پڑھیں تو وہ بھی مستحب ہوں گی اور یہ بھی مستحب ہوں گی۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ رمضان المبارک میں ایک نفل کا ثواب بھی فرض کے برابر ہوتا ہے۔ اس لئے بیس رکعت کو بدعت کہنا اس نومسلم کی کم علمی اور جرات بے جا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائیں۔

دور فاروقی رضی اللہ عنہ :

میں اسی پر نومسلم البانی عنوان باندھتا ہے کہ گیارہ رکعت باجماعت کی سنت کو زندہ کیا۔ ہم نے عرض کیا کہ سنیت کے لئے مواظبت شرط ہے۔ وہی ثابت نہیں ہو سکی۔ لیکن البانی

سنت چلا رہا ہے۔ پھر عہد نبوی ﷺ اور عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں اس کو مار بھی رہا ہے" اور دور فاروقی رضی اللہ عنہ میں اس کو زندہ بھی کر رہا ہے۔ البانی نے ایک مضطرب روایت پیش کی ہے جس میں کہیں ۱۱ کا ذکر ہے' کہیں ۱۳ کا' کہیں ۲۱ رکعت کا۔ ۱۱ رکعت والی روایت کے کچھ متابعات ذکر کرکے ۱۱ کو ترجیح دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن متابعات کے نہ اسانید ذکر کئے ہیں اور نہ متون۔ مثلاً ابن ابی شیبہ ۲ص ۳۹۱ ج ۲ پر یحییٰ بن سعید القطان کی متابعت ہے۔ مگر یہ صراحت نہیں کہ گیارہ رکعت کا حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا' اور عبدالعزیز بن محمد خود ضعیف ہے اور اس میں بھی امر فاروقی کا کوئی ذکر نہیں۔ اسی لئے البانی نے نہ اسانید ذکر کیں نہ مکمل متون۔ اور بفرض محال ہم اس کو صحیح بھی مان لیں تو امت کا اجماع ہے کہ دور فاروقی میں استقرار و مواظبت ثابت نہیں اور نہ ہی سنت فاروقی ہے' کیونکہ اس پر ان کی مواظبت ثابت نہیں۔ پس سنت کہنا سنت کی تعریف سے جہالت ہے۔ اس کے بعد پوری امت کے خلاف نو مسلم البانی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعت تراویح ثابت نہیں۔ اس میں پہلے تو امام عبدالرزاق پر جرح کی ہے' جس سے حدیث کی مشہور کتاب مصنف عبدالرزاق کی پوری گیارہ جلدیں ناقابل اعتماد قرار پائیں۔ اگر یہ اہل حدیث ہے تو پھر منکر حدیث کس کو کہا جائے گا۔ پھر یزید بن خصیفہ کے کپڑے اتارے ہیں۔ تیسری روایت میں ابن ابی ذباب کے بارہ میں لکھا ہے کہ حافظہ کمزور ہے اور دراوردی سے منکر احادیث روایت کرتا ہے۔ حالانکہ یہ روایت دراوردی سے نہیں۔ چوتھی روایت میں ہے کہ یزید بن رومان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں۔ پانچویں روایت میں بھی یحییٰ بن سعید کا انقطاع ذکر کیا ہے۔ ان پانچ روایات کے مقابلہ میں ایک مضطرب روایت پر سارا زور لگایا ہے۔ جب کہ امت کا اتفاق ہے کہ عہد فاروقی میں استقرار ۲۰ پر ہوا۔ اسی لئے امام ترمذی نے گیارہ والی روایت کو قابل ذکر ہی نہ سمجھا اور فرمایا کہ "اہل علم نے قیام رمضان کے بارہ میں اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے بعض وتر سمیت ۴۱ رکعتوں کے قائل ہیں۔ یہی اہل مدینہ کا قول ہے' اور اسی پر اہل مدینہ کا عمل ہے۔ اور اکثر اہل علم ۲۰ رکعات (تراویح)

کے قائل ہیں' جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیگر صحابہ کرام سے منقول ہے۔ یہی حضرت سفیان ثوری' حضرت عبداللہ بن المبارک اور حضرت امام شافعی کا قول ہے۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے ہی پایا ہے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں کہ وہاں سب بیس رکعت ہی پڑھتے ہیں (ترمذی ص۱۲۶ ج۱) امام ترمذی نے کسی صحابی بلکہ کسی مجتہد سے بھی گیارہ کا قول نقل نہیں کیا۔ اور حضرت عمر والے قول کو بھی قطعاً اس قابل نہ سمجھا کہ نقل کریں کیونکہ وہ یا تو مضطرب ہے یا وہم ہے اور اس پر استقرار ہی نہ رہا مگر نہ مسلہ البانی و منفردانہ اب اربعہ کے مجتہدین نظر آتے نہ محدثین۔ وہ اسی بحث میں مبارکپوری غیر مقلد کا ادعا مقلد ہے۔ امام ترمذی کے بارہ میں ساری امت کے خلاف یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے ضعیف اقوال تو نقل کئے مگر صحیح کا نام تک نہ لیا پھر اس کو جس طرح تراویح کی تعریف نہیں آئی' سنت کی تعریف نہیں آئی' اس کو تعارض اور خلاف کی تعریف بھی نہیں آئی خود یہ کہتا ہے کہ مختلف اوقات میں وتر ۱'۳'۵'۷'۹'۱۱ پڑھے۔ تو مختلف اوقات کی وجہ سے ان کو متعارض نہیں کہتا' یہاں ۸ کو بیس کے مخالف کیسے کہتا ہے' جبکہ دونوں کا زمانہ الگ الگ ہے۔ کیا ان احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعضائے وضو ایک ایک مرتبہ دو دو مرتبہ دھوتے تھے' تین تین مرتبہ دھوتے تھے' ان میں تعارض ہے۔ اور کسی عقل مند نے آج تک کہا ہے کہ تین تین مرتبہ دھونے والا ایک اور دو والی احادیث کا مخالف ہے۔ اور کیا کسی عقل مند نے آج تک کہا ہے کہ جو شخص تین تین مرتبہ اعضائے وضو دھوتا ہے وہ ان احادیث کا مخالف ہے جن میں دو دو یا ایک ایک مرتبہ اعضائے وضو کا دھونا آیا ہے۔ بلکہ سب کا اتفاق ہے کہ تین تین دفعہ دھونے والا سب احادیث پر عمل کر رہا ہے' کیونکہ تین میں ایک بھی شامل ہے اور دو بھی۔ اسی طرح اگر بالفرض کوئی آٹھ کی روایت ہو بھی تو وہ بیس میں شامل ہے مخالف نہیں۔ اسی طرح عہد عثمانی اور عہد مرتضوی میں ۲۰ رکعت کا تواتر رہتا ہے' مگر آٹھ کا نام نشان تک نہیں ملتا۔ اسی سے معلوم ہوا کہ عہد فاروقی میں آخرکار ۲۰ رکعات پر ہی استقرار ہوا' اگر بقول مبارکپوری د

البانی آٹھ پر استقرار ہوتا تو عہد عثمانی و علوی میں آٹھ ہی برقرار رہتیں' بیس کا نام نشان تک نہ ہوتا۔

معیار ردو قبول :

البانی کا احادیث و روایات کو رد کرنے اور قبول کرنے کا معیار حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم والا ہے' جیسے ان کے لینے کے باٹ اور ہوتے تھے' دینے کے اور' یہی طریقہ البانی نے اختیار کیا۔ جب خود مرسل سے استدلال کرتا ہے تو اس کو مرسل حسن کہتا ہے' اور مسلم بن خالد زنجی جیسے شدید الضعف کی روایت کو اس کا شاہد بنا کر حسن قرار دیتا ہے (دیکھو ص ۹) اور جب رد کرنے پر آتا ہے تو یزید بن رومان کی روایت کے پانچ اسنادی شواہد اور امت کا عملی تواتر بھی اس کو نظر نہیں آتا (دیکھو ص ۵۲-۵۳)

قرآن پاک نے دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر تسلیم کیا ہے۔ اور وجہ یہ بتائی ہے کہ ایک بھول جائے گی تو دوسری یاد کرا دے گی۔ اس آیت سے محدثین نے اصول بتایا کہ حافظہ پر جرح متابعت سے ختم ہو جاتی ہے۔ محدثین کا اجماع ہے کہ ارسال' انقطاع' جہالت اور تدلیس کی جرحیں بھی متابعت و شواہد سے ختم ہو جاتی ہیں۔ بیس رکعت تراویح کے اسنادی شواہد بھی موجود ہیں اور تواتر عملی بھی' لیکن البانی نے ان اجماعی اصولوں سے انحراف کیا ہے۔ ص ۶۶ پر حضرت علی بڑاتھ کی روایت میں ابوالحسناء کو مجہول قرار دیا ہے۔ جبکہ البانی جانتا ہے کہ احناف کے ہاں خیرالقرون کی جہالت مضر ہی نہیں' اور دوسروں کے ہاں شواہد سے جرح ختم ہو جاتی ہے۔ تو عطاء بن سائب والی روایت اس کی شاہد ہے۔ اس لئے یہ اجماعاً مقبول ہے اور البانی کسی شدید الضعف روایت سے بھی حضرت علی بڑاتھ سے آٹھ رکعت نہیں دکھا سکتا' نہ حضرت عثمان بڑاتھ سے۔ حضرت ابی بن کعب کی بیس والی روایت ص ۶۷ پر صرف انقطاع کا اعتراض ہے۔ مگر سند پوری نقل نہیں کی' کیونکہ سند کا مدار حسن بصری پر ہے۔ اور اس کا ارسال بالاتفاق حجت ہے۔ ص ۶۹ پر اس کی تمہید روایت خود نقل کی ہے تو جرح ختم ہو گئی۔ الغرض احادیث صحیحہ کے رد میں البانی

بہت دلیر ہے کہ وہ اجماع کی مخالفت پوری جرأت اور جسارت سے کرتا ہے۔

اجماع :

علامہ ابن عبد البر المالکی نے بیس پر اجماع لکھا ہے اور امام نووی الشافعی بھی فرماتے ہیں: ثم استقر الامر على عشرين فانه المتوارث۔ یعنی پھر بیس پر عمل قرار پایا اسی لئے وہی سلف سے خلف تک برابر چلا آ رہا ہے۔ امام ابن قدامہ نے بھی مغنی میں لکھا وهذا كالاجماع اور ابن حجر مکی الشافعی فرماتے ہیں: اجتمعت الصحابة على ان التراويح عشرون ركعة (مرقاۃ) اور امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: وهو الذي يعمل به اكثر المسلمين۔ اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: قد ثبت ان ابي بن كعب كان يقوم بالناس عشرين ركعة في قيام رمضان ويوتر بثلاث فرأى كثير من العلماء ان ذلك هو السنة لانه اقامه بين المهاجرين والانصار ولم ينكره منكر (فتاوی ابن تیمیہ ص ۱۱۲ ج ۲۳) مگر البانی نے اس کا بھی انکار کیا ہے کیونکہ وہ جس طرح تراویح کی تعریف سے ناواقف ہے۔ سنت مؤکدہ کی تعریف نہیں جانتا۔ تعارض اور خلاف کی حقیقت نہیں سمجھتا اسی طرح اجماع کی تعریف بھی نہیں جانتا۔ چنانچہ ص ۹۱ پر آٹھ اقوال نقل کئے ہیں: [illegible] ان دونوں کو بھی بے سند نقل کیا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ۲۰ رکعت تراویح پر اتفاق ہو۔ اہل مکہ ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ میں طواف کرتے تھے۔ اہل مدینہ ترویحہ میں چار نفل پڑھ لیتے یہ ۱۶ نفل ہو گئے جن کو البانی نے ساتواں قول قرار دیا ہے اور ۲۰ تراویح اور ۱۶ نفل مل کر ۳۶ رکعت ہو گئیں جن کو دوسرا قول قرار دیا ہے۔ ان میں تین وتر مل جائیں تو ۳۹ باقی رہیں اور وتر کے بعد کے دو نفل ملا لیں تو اکتالیس ہو جاتی ہیں جس کو پہلا قول قرار دیا ہے اور جس میں ۲۴ کا ذکر ہے وہاں ۴ فرض عشاء اور ۲۰ تراویح ہیں۔ البانی کا یہ کام ایسا ہی ہے کہ جیسے سات متواتر قراءتوں کے ساتھ کوئی عیسائی شاذ حروف قراءت ملا کر ان متواتر قراءتوں کے اجماعی ہونے کا انکار کرنے لگے۔ البانی مذاہب اربعہ کے متون معتبرہ سے آٹھ رکعت کے سنت ہونے کا قول پیش کر سکتا ہے اور

نہ ہی بیس رکعت کے بدعت ہونے کا امام مالک کی طرف منسوب قول الجوری ۹۳۵ھ کے حوالے سے عینی سے ذکر ہے۔ البانی یزید بن رومان ۱۳۰ھ شاگرد عبداللہ بن عباس کا ارسال تو باوجود متابعات وشواہد کے تحت نہیں مانتا لیکن جوری جو امام مالک سے صدیوں بعد ہوا اس کا بے سند قول جو مالکی فقہ کے متون متواترہ کے بالکل خلاف اس سے اجماع کا انکار کر رہا ہے۔

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اگرچہ مجتہدین بہت ہوئے ہیں مگر جن کا مذہب مدون اور متواتر ہے وہ چار ہی ہیں۔ جیسے قاری بہت ہوئے مگر جن کی قراءتیں مدون اور متواتر ہیں وہ سات ہی ہیں۔ جس طرح ان سات قاریوں کا اتفاق قراءت میں اجماع ہے۔ غیر متواتر شاذ قراءتیں اس اجماع پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح مسائل فقہ میں اب ان چار اماموں کا اتفاق اجماع ہے۔ کسی دوسرے مجتہد کا کوئی شاذ قول اس اجماع پر ہرگز اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اب ان کے خلاف کوئی قول ہو تو اس کے قائل کا صرف مجتہد ہونا کافی نہیں۔ اس مجتہد کے اس قول کا ثبوت بھی اسی قسم کے تواتر سے ہو جس طرح کے تواتر سے مذاہب اربعہ کا ثبوت ہے۔ ان دو شرطوں کے ساتھ وہ قول خارق اجماع ہو سکتا ہے۔ و اذ لیس فلیس۔ البانی اور اس کی پارٹی مل کر بھی کسی مسلم مجتہد سے سند آٹھ رکعت تراویح کے سنت ہونے کا قول متواتر دکھا سکتے ہیں۔ اور نہ ہی کسی مجتہد کا قول بیس رکعت کے بدعت ہونے پر دکھا سکتے ہیں۔

حق اختلاف :

البانی نے ص ۸۲ پر ایک اور مغالطہ دیا ہے کہ ائمہ اربعہ کے تلامذہ نے اساتذہ سے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ تو ہمیں اختلاف کا حق کیوں نہیں؟ یہ خالص مغالطہ ہے جس طرح جج کو جج سے اختلاف رائے کا حق ہے مگر عامی اختلاف کرے تو توہین عدالت کا مرتکب ہے۔ اسی طرح مجتہد کو تو مجتہد سے اختلاف کا حق ہے اور ائمہ اربعہ کے تلامذہ مجتہد تھے مگر عامی کا مجتہدین سے اختلاف کرنا اس کا نام تحقیق نہیں منازعت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیعت میں یہ شرط رکھتے تھے۔ ان لا ننازع الامر اهله کہ میں اہل

لوگوں سے منازعت نہیں کریں گے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی وزیر قانون میں جج سے منازعت کرے۔ پھر البانی جیسے نااہل کا مجتہدین کے اجماع میں دخل دینا اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ کے موافق دین پر قیامت ڈھاتا ہے۔

اتباع سنت :

البانی نے اتباع سنت کی دعوت دی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آٹھ تراویح میں خیر نہیں کیونکہ نہ تو یہ سنت نبوی ﷺ ہے کہ حضور ﷺ کی مواظبت اس پر ثابت ہو اور نہ ہی سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر استقرار ہو۔ اس کے برعکس بیس رکعت تراویح پر صحابہ رضی اللہ عنہم سے آج تک امت کا استقرار اس کے سنت ہونے کی واضح دلیل ہے اور اس کی اصل احادیث نبویہ ﷺ میں بھی موجود ہے

آخری بات !

البانی صاحب نے سارے رسالہ کی تمہید میں یہ رونا رویا ہے کہ بیس والے جلدی جلدی پڑھتے ہیں "نماز سکون سے پڑھی جانی چاہئے" بے سکونی کے ساتھ بیس پڑھنے سے تو سکون کے ساتھ آٹھ پڑھنی بہتر ہیں۔ یہ بات تو صحیح ہے کہ نماز سکون سے پڑھی جانی چاہئے۔ مگر یہ بات کہ بیس والے سکون سے نہیں پڑھتے "غیر مقلدانہ جھوٹ" ہے۔ البانی صاحب کو تو اب یہ رسالہ لکھنا چاہئے کہ سکون سے صرف ایک رکعت نماز پڑھنی چاہئے۔ اس سے تراویح، وتر، تہجد تینوں نمازیں ادا ہو جائیں گی۔ آخر میں دعا ہے اللہ تعالیٰ اہل سنت کو حق اور سچ مسلک پر قائم رکھیں اور ایسے لوگوں کے وساوس سے محفوظ رکھیں۔

عرب سے بیس تراویح کے ثبوت میں تین رسالے شائع ہوئے ہیں۔ ایک شیخ عطیہ محمد سالم کا ہے جنہوں نے ثابت کیا ہے کہ ہزار سال سے زیادہ عرصے سے بیس تراویح ہی متوارث ہیں۔ دوسرا مولانا محمد اسماعیل انصاری کا ہے جس میں البانی کا رد ہے اور تیسرا شیخ سبوکی کا "الھدی السوی الصحیحہ"۔ یہ تینوں رسالے غیر مقلدین پر قرض ہیں۔ ان کا جواب عرب میں شائع کرانا ضروری ہے۔

پیش لفظ

ہمارا رسالہ "تحقیق مسئلہ تراویح" شائع ہوا تو الحمد للہ اتنا مقبول ہوا کہ اس کے کئی ایڈیشن چھپے اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ جہاں اہل سنت والجماعت اندرون ملک و بیرون ملک اس سے مستفیض ہوئے وہیں غیر مقلدین میں صف ماتم بچھ گئی۔ بڑی بڑی میٹنگز (MEETINGS) ہوئیں کہ کوئی کاتب کی غلطی مل جائے تو تقریر و تشہیر سے اس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جائے کیونکہ اس جماعت کا مبلغ علم اتنا ہی ہے۔ علمی مضامین کا سمجھنا بھی ان کے بس میں نہیں تو جواب کیا دیں؟ آخر غیر مقلدین کے مدرسہ محمدیہ جلال پور پیر والا کے شیخ الحدیث مولوی سلطان محمود اور اس مدرسہ کے مدرس مولوی محمد رفیق نے مل کر برائے نام ہمارے رسالہ کا جواب لکھا اور اپنے شاگرد محمد ایوب صابر مدرس جامعہ محمدیہ خان پور کے نام سے چھپوایا۔ اصل مسئلہ تو رسالے میں مان لیا۔ چنانچہ لکھا ہے "ہم ان کی بیس رکعت تراویح پر کوئی اعتراض نہیں کرتے۔" (تحقیق تراویح ص ۱۰۴) اس روایت پر کہ حضرت سوید بن غفلہ (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے)

رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، لکھتے ہیں: "یہ ہمارے مسلک کے خلاف نہیں۔" (تحقیق تراویح ص ۷۵) اس روایت پر کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ (ص ۱۰۱) پھر لکھتے ہیں: "ہم تو کہتے ہیں کہ صحابہ کرام ۱۱، ۱۳، ۲۰، ۲۴، ۲۸، ۳۶، ۳۹ پڑھتے تھے۔" (ص ۷۵) پھر لکھتے ہیں: "یہ تو صحیح ہے کہ بیس رکعت میں آٹھ رکعت شامل ہیں۔" (ص ۱۰۰) جب بیس رکعت پر خلافت راشدہ میں مواظبت مان لی تو بیس رکعت کا سنت خلفاء راشدین ہونا مان لیا اور یہ بھی لکھ دیا "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین پر عمل کرنے سے کون بے وقوف روک سکتا ہے، یہ بھی تو فرمان رسول اللہ ﷺ ہے۔" (ص ۹۳) آپ کی جماعت میں یہ سب بے وقوف ہی کیا نہیں جو ہر رمضان میں بیس رکعت کے خلاف چیلنج بازی اور اشتہار بازی کرتے ہیں۔

صاحب رسالہ نے بیس رکعت کی اتنی حیثیت تو مان لی جتنی اول شب باجماعت پورا ماہ مسجد میں ختم قرآن کے ساتھ تراویح پڑھنے کی ہے۔ جب ان پہلی باتوں کے خلاف انہوں نے کوئی رسالہ نہیں لکھا تو بیس رکعت کے خلاف رسالہ لکھ کر بقول خود بے وقوفی کا ثبوت کیوں دیا؟

اسی طرح کہہ دیا کہ ٹھیک ہے بیس رکعت جائز ہیں، اس میں آٹھ بھی شامل ہیں، دور فاروقی، دور عثمانی اور بعد میں بھی لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے، مگر پھر امام مالک کی طرف منسوب ایک جاہل قول سے گیارہ سے زائد کو بدعت بھی قرار دے دیا۔ (تحقیق تراویح ص ۳۴، ۹۹) امام مالک تو ایک ہزار سال سے دوسرے امام ہیں۔ ان کی فقہ باقاعدہ مرتب و مدون اور … میں تواتر کے ساتھ معمول بہ ہے۔ فقہ مالکی کی متواتر متن میں اگر یہ قول دکھا دیں تو ایوب اور اس کے دونوں استادوں کو ضرب (گوو) کا تحفہ پیش کریں گے، اس کے ناقل مالکی فقہا نہیں بلکہ علامہ سیوطی شافعی ہیں۔ راوی بھی کوئی مالکی نہیں شافعی ہے، نہ سیوطی کی ملاقات ثابت ہے کہ راوی کی امام سے ملاقات ثابت ہو۔ خود رسالہ میں لکھتا ہے جب تک

اسنادی حیثیت واضح نہ ہوگی، استدلال درست نہیں ۔ (ص ۵۵)

قلابازیاں:

علامہ سیوطیؒ کے اصل رسالہ میں قال الجوری میں 'صححانا' ہے لفظ صححانا سے صاف ظاہر ہے کہ یہ جوری شافعی ہے اور طبقات شافعیہ ص ۳۰۷ ج ۲ پر الجوری کا ذکر ہے۔ اس کا نام علی بن الحسین القاضی ہے، اس کی پیدائش ۳۲۸ھ میں ہے یعنی امام مالکؒ سے تقریباً ۱۵۹ سال بعد پیدا ہوا اور علامہ سیوطیؒ کی وفات ۹۱۱ھ میں ہے تقریباً چھ سو سال بعد، کیا اس سند کا اتصال شیخ الحدیث مع التکمیل ثابت کر سکتے ہیں؟

الجواب:

مولانا عطاء اللہ حنیف غیر مقلد نے جب علامہ سیوطیؒ کا یہ رسالہ چھپوایا تو اصل رسالہ میں تو الجوری ہی رہنے دیا مگر حاشیہ میں یہ جھوٹ لکھ دیا کہ بعض نسخوں میں الجوزی ہے، بعض میں ابن الجوزی۔ حالانکہ نہ تو الجوزی کا شافعی ہونا ثابت ہے (ان کی پیدائش ۳۵۰ھ اور وفات ۴۳۵ھ ہے) نہ امام مالکؒ اور علامہ سیوطیؒ سے ملاقات۔ اور ابن الجوزی حنبلی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴) ان کی پیدائش ۵۱۰ھ اور وفات ۵۹۷ھ میں ہے، ان کی بھی ملاقات نہ امام مالکؒ سے ثابت نہ علامہ سیوطیؒ سے۔

اعجوبے در اعجوبے:

بے چارے ایوب صابر نے ابن الجوزی کو مالکی لکھ مارا (صفحہ ۱۸) یہ ان کا علمی شاہکار ہے۔ ایوب صابر صاحب نے ص ۳۲ پر ایک عنوان قائم فرمایا "امت میں گیارہ رکعت تراویح کے قائلین" اور چودہ سو سال میں صرف سات آدمی تلاش کئے جن میں (۱) امام مالکؒ (ان کے قول کا بے سند ہونا گزر چکا ہے) (۲) ابوبکر بن العربی مالکی، اس کی کتاب شرح ترمذی میں اس کا یہ عمل ہمیں نہیں ملا (۳) عمر بن احمد جوزی ابو محمد شرقی (۴) عمر بن احمد جوری ابو امین (۵) وجیہ صاحب (۶) ابو منصور جس کا سن وفات ۳۶۹ھ

ہے مگر ان کا کوئی حوالہ نہیں دیا، حالانکہ خود ان کا فرمان ہے، اس پر ضروری اور لازم تھا کہ ان کے حوالے بھی ساتھ ذکر کرتے تاکہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو جاتی لیکن چونکہ یہ مسئلے اوہام وجنون تھے جن کا مقصد سے ادنیٰ سا تعلق بھی نہیں ہے، بنابریں حوالہ دینے سے عاجز رہے۔ (صفحہ ب) ہم نے کتاب الانساب سمعانی دیکھی، اس میں آٹھ تراویح کا تو اشارہ بھی نہیں البتہ ایسے نام معلوم ہوتے، وہاں ہے عمر بن احمد بن محمد الجوری حدیث عن ابی حامد احمد بن محمد بن الحسن الشرقی (ص ۱۱۵ ج ۲) اس نے لکھا عمر بن احمد جوزی ابو احمد شرقی، آدھا نام شاگرد کا آدھا استاد کا پہلے میں الجوری کو جوزی بنایا اور دوسرے میں ابو حامد کو ابو احمد۔ افسوس دل کی بصیرت سے تو یہ پہلے ہی محروم تھے اب آنکھوں کی بصارت بھی جواب دے گئی۔ مولوی سلطان محمود تو بے چارے بوڑھے ہیں، دوسرے ہی غور سے دیکھ لیتے اور جس کو عمر بن احمد جوری ابو الحسین لکھا ہے، اس کا اصل نام ابو الحسن احمد بن عمر الخفاف ہے، باپ کو بیٹا، حسن کو حسین بنا دیا اور وجیہ صاحب ابو بکر بن ابی عبد الرحمن الشحامی ہے اور ابو منصور اصحاب ابو حنیفہ میں سے ہیں۔ آٹھ رکعت تراویح کے ساتھ ان کو دور کا بھی تعلق نہیں۔ اب تو سلطان محمود کو یہ دو کرنا چاہیے:

اے میرے باغ آرزو کیسا ہے یہ ہائے تو
کلیاں تو تو ہیں چار سو کوئی کلی کھلی نہیں

مالکی فقہ کے متون اور مالکیوں کے متواتر تعامل کے خلاف ایسا بے سند قول پیش کرنا جہالت اور خرق اجماع ہے۔ (درمختار)

محمد امین صفدر

ابتدائیہ

نماز تراویح کے بارے میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات غیر مقلدین کسی حدیث صحیح صریح غیر معارض سے نہیں دے سکے:

۱...... جس طرح احادیث میں نماز فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء، چاشت، تہجد، وتر نمازوں کے نام آئے ہیں کیا کسی صحیح حدیث میں کسی نماز کا نام تراویح بھی آیا ہے یا نہیں؟

۲...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ چار رکعت رات کے وقت پڑھتے ثم یتروح و اطال پھر کافی دیر تک استراحت اور وقفہ کرتے تھے۔ (بیہقی ص ۴۹۷ ج ۲) امام بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے مگر پوری امت نے اس نماز کا نام تراویح رکھا ہے تو یا تلقی بالقبول کی وجہ سے یہ روایت مقبول ہے۔ اس تلقی بالقبول سے ہی خود غیر مقلدین نے اس نماز کا نام تراویح رکھا ہے۔

۳ حضرت عمر ﷺ چار رکعت کے بعد ترویحہ فرماتے کہ آدمی سلع پہاڑ تک جا سکے۔ (بیہقی ص ۴۹۷ ج ۲)

۴...... فتاویٰ علماء حدیث ص ۳۳۱ ج ۲ پر ہے "نماز تراویح کی تعریف علماء نے یہ لکھی ہے کہ نماز تراویح وہ نماز ہے جو ماہ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے اور اس نماز کا نام تراویح اس لئے رکھا گیا کہ لوگ اس میں ہر چار رکعت کے بعد استراحت کرنے لگے کیونکہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ کے معنی ایک مرتبہ آرام کرنے کے ہیں۔"

۵ ...فتاویٰ علماء حدیث ص ۳۳۳ ج ۲ پر ہے "قیام رمضان نماز تراویح سے اہم ہے کیونکہ نماز تراویح میں جماعت بھی شرط ہے۔ اگر اکیلے اکیلے پڑھیں تو تراویح نہ ہوگی بخلاف قیام رمضان کے کہ اس میں جماعت شرط نہیں خواہ جماعت کے ساتھ پڑھیں خواہ اکیلے اکیلے پڑھیں۔"

۶ نیز لکھتے ہیں کہ جو کرمانی نے کہا ہے کہ قیام رمضان سے بالاتفاق نماز تراویح مراد ہے، یہ انہوں نے ایک انوکھی بات کہی ہے۔ (ایضاً)

۷ اگر تراویح پہلے وقت میں پڑھے تو صرف تراویح ہے، پچھلے وقت میں پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہوتی ہے۔ (ایضاً ص ۳۳۵)

۸ نماز تہجد تو سارے سال میں ہوتی ہے اور تراویح خاص رمضان میں ہے۔ (ایضاً ص ۲۳۰/ ج ۹)

۹ جو شخص رمضان میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ آخر وقت میں تہجد پڑھ سکتا ہے۔ تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے، اول شب میں تہجد نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ علماء حدیث ص ۳۳۰/ ج ۶)

۳، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہوں تو وہ احادیث تحریر فرمائیں، اگر ثابت نہ ہوں تو ان اقوال کے لکھنے والے اہلحدیث تقلید سے مشرک ہیں یا نہیں؟

۱۰ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے، یہ قرآن کی آیت یا حدیث صحیح سے ثابت فرمائیں۔ اپنے قیاسات لکھ کر شیطان نہ بنیں، امتیوں کے اقوال لکھ کر مشرک نہ بنیں۔

۱۱ کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک نماز کا نام گیارہ مہینے تہجد ہے اور بارہویں مہینے تراویح ہے؟

۱۲ کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ نماز گیارہ ماہ نفل ہے اور بارہویں مہینے سنت ہے؟

۱۳ کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ گیارہ مہینے اس نماز کا وقت رات کا آخری حصہ ہے اور بارہویں مہینے اس کا وقت عشاء کے فوراً بعد ہے؟

۱۴ کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ گیارہ مہینے یہ نماز اکیلے پڑھو اور بارہویں مہینے باجماعت پڑھو؟

۱۵ کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ گیارہ مہینے اس میں قرآن ختم کرنا سنت

نہیں، ہاں بارہویں مہینے میں قرآن ختم کرنا سنت ہے؟

۱۶۔ ایک شخص نے ساری عمر میں تین دن نماز تراویح باجماعت پڑھی ہیں، اب نہیں پڑھتا کیا وہ گناہ گار ہے؟

۱۷۔ ایک آدمی کہتا ہے کہ نماز تہجد کی طرح یہ نماز تراویح بھی نفل ہے، اس نے ساری زندگی میں کبھی نماز تراویح پڑھی ہے نہ نماز تہجد، کیا وہ گناہ گار ہے؟ (اگر ہے تو اس پر کتنے کوڑے حد ہیں؟)

۱۸۔ جن محدثین اور فقہاء نے حدیث اور فقہ کی کتابوں میں نماز تہجد، نماز تراویح اور نماز وتر کے ابواب الگ الگ باندھے ہیں وہ لوگ منکر حدیث ہیں یا نہیں؟

۱۹۔ بعض غیر مقلدین اس قسم کی شرط لگایا کرتے ہیں کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیس رکعت میں شامل ہونا دکھاؤ، تو کیا یہ شرط کسی حدیث کے مطابق ہے؟ اگر کوئی یوں کہے کہ خود حضور ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اپنے ہاتھ سے قرآن جمع کرنا ثابت کرو ورنہ ہم یہ قرآن نہیں مانتے یا خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جمعہ کی پہلی اذان دینا ثابت کرو ورنہ ہم یہ اذان نہیں مانتے، کیا اس کا یہ کہنا صحیح ہے؟

۲۰۔ کیا خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کی جماعت میں شامل ہونا، پورا ماہ اول شب تراویح پڑھنا، پورا ماہ مسجد میں تراویح پڑھنا، پورا رمضان وتر جماعت سے پڑھنا، تراویح میں پورا قرآن خود پڑھنا یا خود سننا ثابت ہے؟ یا ان سب کا سوال کو بھی چھوڑ دیا جائے گا؟

۲۱۔ مولوی داؤد غزنوی اعلان فرمایا کرتے تھے کہ آٹھ تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے اور باقی بارہ رکعت مستحب ہیں، اس سے تمام جھگڑوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۲۶۵ ج ۲)

۲۲۔ مدرسہ رحمانیہ والے (اہل حدیث) یہ اعلان کرتے ہیں کہ آٹھ رکعت سے زائد تراویح درست ہیں اور باعث اجر بھی ہیں۔ (فتاویٰ ستاریہ ص ۹۸ ج ۳)

۲۱، ۲۲ کسی صحیح حدیث میں ہے یا ان حضرات کے اپنے شوق کی تصنیف ہے؟

۲۳۔ ...... فتاویٰ علمائے حدیث ص ۲۷۲، ۸۰۸، ج ۴ پر حدیث نبوی ﷺ درج ہے کہ "ماہ رمضان میں نفلی نیکی کا کام کرے وہ ایسا ہوگا کہ اس نے اور دنوں میں گویا فرض عبادت کی۔" کیا بیس رکعت تراویح پڑھنے والے اس ثواب کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟

۲۴۔...... جو لوگ اس ثواب سے روکیں وہ قرآنی زبان میں مناع للخیر اور ارأیت الذی ینھی عبدا اذا صلی کے مصداق ہوں گے یا نہیں؟

۲۵۔ ...... رحمانی صاحب انوار المصابیح میں بیس رکعت کے بارے میں فرماتے ہیں "بیس رکعت پڑھنے والوں کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کیوں روکتے، یہ کوئی معصیت اور منکر کام تو تھا نہیں۔ (ص ۲۲۶) اور فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس پر نکیر نہیں فرمائی، یہی اہل حدیث کا مذہب ہے۔ (ص ۲۲۶) معلوم ہوا آج جو بیس رکعت کے خلاف اشتہار رسالے لکھ رہے ہیں وہ اہل حدیث نہیں ہیں منکرین صحابہ ہیں۔

۲۶۔ ...... مولوی محمد حسان دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں: "مقلدین کی ایک بڑی جماعت نے بیس رکعت مقرر کر کے اس بدعت شنیعہ کا ارتکاب کیا ہے۔ (رفع الاختلاف ص ۵۴) بیس رکعت کو مستحب کہنے والے بھی اہل حدیث ہیں اور بدعت شنیعہ کہنے والے بھی اس تنازع کا فیصلہ خدا اور رسول ﷺ سے فرما کر بتائیں کہ کونسا اہل حدیث خدا و رسول کا منکر ہے؟

۲۷۔ ...... مولوی محمد حسان دہلوی غیر مقلد فرماتے ہیں: "جو شخص مغرب کی چار رکعات پڑھے اس کی نماز مغرب باوجودیکہ چار کے ضمن میں تین موجود ہیں ادا نہ ہوگی۔ ایسا ہی جس نے تراویح بیس رکعت پڑھی اس کی گیارہ رکعت مسنون ادا نہ ہوگی۔ (ایضاً ص ۵) یہ مولانا کا شیطانی قیاس ہے جس سے ساری امت بدعتی قرار پاتی ہے یا حدیث میں یہ ہے کہ بیس والے کی آٹھ ادا نہ ہوں گی تو وہ حدیث پیش فرمائیں؟

نوٹ: یہ مولوی محمد حسان صاحب غیر مقلدین کے بہت بڑے عالم ہیں۔ اخبار محمدی دہلی میں ان کے علمی جواہر پارے چھپا کرتے تھے۔ یہ غیر مقلدین کے محدث اعظم حافظ عبداللہ روپڑی صاحب کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے اخبار محمدی دہلی

میں حافظ عبد اللہ روپڑی کے نام ایک کھلا خط شائع کرایا تھا جس میں روپڑی صاحب کو لکھا تھا کہ آپ زمانہ طالب علمی میں علتہ المشائخ میں مبتلا تھے، اب وہ عادت چھوٹ گئی ہے یا اب بھی باقی ہے؟ قاعدہ تو یہ ہے کہ جب تک آپ میں صوفیت رہے گی یہ لکا بھی نہ جائے۔ لہذا مہربانی کر کے خدا سے ڈر کر اس کا صحیح جواب دیں اور اب بھی توبہ کر لیں۔ (اخبار محمدی ص۱۵ رکالم ۳، ۱۵ جولائی ۱۹۳۹ء) حافظ صاحب نے تو کوئی توبہ نامہ شائع نہیں فرمایا بلکہ سنا گیا ہے کہ آپ کے اخص تلامذہ بھی استاد محترم کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

۲۸۔ حال ہی میں فضیلۃ الشیخ عطیہ محمد سالم القاضی بالمحکمۃ الکبری بالمدینۃ المنورۃ والمدرس فی المسجد النبوی نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہی یہ ہے "التراویح اکثر من الف عام فی مسجد النبی علیہ الصلوۃ والسلام" جس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہزار سال میں ایک ماہ رمضان بھی ایسا نہیں گزرا کہ مسجد نبوی میں پورا مہینہ آٹھ تراویح باجماعت پڑھی گئی ہوں۔ اس کے رد میں ابھی تک غیر مقلدین نے کوئی اشتہار اور رسالہ شائع نہیں کیا۔ کیا مدینہ منورہ میں بدعات کی تائید میں رسالے لکھے جا رہے ہیں، ان پر عمل جاری ہو تو وہاں تردید کی ضرورت نہیں؟

۲۹۔ اسی طرح جامعہ ام القری مکۃ المکرمہ سے بھی ایک رسالہ شائع ہوا ہے جس کا نام "الھدی النبوی الصحیح فی صلوۃ التراویح" ہے جس میں بیس کی تائید اور آٹھ کی مخالفت ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شور مچائے گا کہ بیس رکعت تراویح سنت نبوی ﷺ ہے تو پھر ہم خاموش رہنا گناہ سمجھیں گے لیکن ابھی تک آپ نے اس کا رد نہیں لکھا۔ آپ کے شیخ الحدیث اور استاد بھی گناہگار بنے بیٹھے ہیں۔

۳۰۔ جو شخص بیس رکعت تراویح کو سنت کہے اس کے خلاف تو بیسیوں رسالے اور اشتہار آپ کی جماعت نے شائع کئے لیکن جو بیس رکعت تراویح کو بدعت کہتا ہے اس کے خلاف کتنے رسالے آپ نے شائع کئے ہیں؟ ان کا نام اور پتہ بتائیں؟

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اپنے والد عبد الرحمن سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت

ﷺ نے رمضان کے مہینے کا ذکر فرمایا کہ ایک مہینہ ہے کہ "کتب اللہ علیکم صیامہ وسننت لکم قیامہ" اللہ نے تم پر روزہ فرض کیا، میں نے قیام سنت کیا۔ پس جس نے اس مہینہ کے روزے رکھے اور قیام کیا ایمان سے نیکی اور ثواب طلب کرتے ہوئے تو وہ اپنے گناہوں سے اسی طرح نکل جائے گا جس طرح کہ اس دن اسے ماں نے جنا۔ (ابن ماجہ ص ۹۴، نسائی ص ۳۰۸ ج ۱، مسند احمد ص ۱۹۱ ج ۱)

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تراویح سنت ہے اس کا چھوڑنا جائز نہیں۔ (کبیری ص ۴۰۰، شرح نقایہ ص ۱۰۴)

امام نوویؒ فرماتے ہیں، خوب جان لو کہ نماز تراویح کے سنت ہونے پر علماء کا اتفاق ہے اور یہ بیس رکعت ہیں۔ (کتاب الاذکار ص ۸۳)

دعویٰ:

بیس رکعات تراویح سنت ہیں۔ (درمختار ص ۹۸ ج ۱، ہدایہ ص ۹۹ ج ۱، شرح نقایہ ص ۱۰۴ ج ۱)

سنت کی تعریف:

سنت دین کا وہ پسندیدہ معمول و مروج طریق ہے جو خواہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہو یا آپ کے صحابہ کرام ﷺ سے ثابت ہو۔ اس کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ تم پر لازم ہے کہ میرے طریق اور میرے بعد آنے والے خلفاء راشدین کے طریق کو اپناؤ اور اسے دانتوں سے (مضبوطی سے) تھام لو۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی عضوا علیھا بالنواجذ۔ سنت کا حکم یہ ہے کہ مسلمان کو اس کے زندہ کرنے کی امکانی کوشش کرنی چاہئے، اگر وہ اسے ترک کرے تو قابل ملامت ہوگا الا یہ کہ وہ سنت پر عمل کسی عذر کی بناء پر چھوڑ دے۔ (ترجمہ اردو اصول الشاشی ص ۲۲۴)

معلوم ہوا کہ سنت کے لئے اس کا رائج ہونا اور عادت ہونا ضروری ہے مثلاً:

(۱) کھڑے ہو کر پیشاب فرمانا حضرت ﷺ سے ثابت ضرور ہے مگر یہ عادت مبارکہ نہیں تھی عادت مبارکہ بیٹھ کر پیشاب فرمانے کی تھی، یہی سنت ہے۔

(۲) آنحضرت ﷺ کبھی ایک کپڑا بھی پہنتے، کبھی دو مگر عادت مبارکہ تین تین کپڑوں کی تھی تہبند، قمیص اور عمامہ تو تین کپڑوں کو سنت کہا جائے گا۔

(۳) اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ، دو دو مرتبہ دھونا آپ ﷺ سے ثابت ہے مگر یہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ نہ تھی، عادت مبارکہ تین تین مرتبہ دھونے کی تھی اس لئے یہ سنت ہے۔

(۴) وضو کے بعد بیوی سے بوس و کنار کرنا ثابت ہے لیکن وضو میں خلال کرنا آپ کی عادت تھی اس لئے خلال کو سنت کہا جائے گا نہ کہ بوس و کنار کو۔

(۵) نماز میں بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنا ثابت ہے مگر عادت نہ تھی اس کے برعکس نماز کے رکوع و سجود میں تسبیحات پڑھنا عادت تھی، اس کو سنت کہا جائے گا۔

(۶) بیوی سے روزہ میں بوس و کنار ثابت ہے مگر عادت نہ تھی، ہاں روزہ کے لئے سحری کھانا آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی اس لئے اسے سنت کہا جائے گا۔

(۷) خود ایوب صابر صاحب بھی ۳ پر وتر کے بعد دو نفل کو ثابت مانتے ہیں مگر ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ ان پر آپ ﷺ کی مواظبت ثابت نہیں۔

اس لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اگر بالفرض مختلف اعداد ہوں تو کس عدد پر مواظبت ثابت ہے، اس عدد کو سنت کہا جائے گا۔ حضرات غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ آٹھ رکعت آنحضرت ﷺ کی سنت ہے، ہم نے اس سے انکار کیا تھا کہ آٹھ رکعت پر حضور ﷺ کی مواظبت ثابت نہیں، رحمانی صاحب کی تنویر المصابیح، مولوی عبدالمنان نور پوری کی تعداد تراویح، ایوب صابر کی تحقیق تراویح اور کئی دیگر رسائل پڑھ کر ہمارا یقین اور زیادہ پختہ ہو گیا ہے کہ آٹھ رکعت تراویح ہرگز سنت نبوی ﷺ نہیں، کیونکہ سب نے بنیاد حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو بنایا ہے جس کا تراویح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں جیسا کہ تفصیل آئے گی۔

رہی حدیث جابر ؓ، وہ اول تو نہ صحیح ہے، نہ حسن۔ اسی لئے حافظ عبد المنان صاحب اور جناب ایوب صابر صاحب نے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ چنانچہ حافظ عبد المنان صاحب فرماتے ہیں: یاد رہے کہ رسول اکرم ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد رکعات کے اثبات کا مدار حضرت جابر ؓ کی یہ حدیث نہیں۔ (تعداد تراویح ص ۲۷) ایوب صابر صاحب فرماتے ہیں مذکورہ بالا دونوں حدیثیں (جابر، ابی بن کعب) ہم نے بطور شواہد پیش کی ہیں۔ (تحقیق تراویح ص ۲۲) پھر باوجود ضعف کے ان میں تراویح کی تعداد پوری مذکور نہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ساری تراویح جماعت سے نہیں پڑھائیں۔ چنانچہ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ تراویح پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے نماز مختصر کی اور حجرہ (اعتکاف) میں داخل ہو گئے فصلی صلوٰۃ لم یصلھا عندنا پھر نماز پڑھی جو ہمارے ساتھ نہ پڑھی تھی۔ (مسلم ص ۳۵۲ ج ۱، احمد ص ۱۹۳ ج ۳، قیام اللیل ص ۱۵۲) حضرت انس ؓ ہی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ رمضان المبارک کی رات میں نماز پڑھ رہے تھے، ایک قوم آئی اور آپ ﷺ کے ساتھ شریک نماز ہوئی۔ پھر حجرہ میں داخل ہوئے اور نماز پڑھی پھر باہر تشریف لائے اور پہلی نماز پڑھائی۔ صبح کے وقت لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ کے پیچھے تراویح پڑھ رہے تھے، آپ کبھی گھر میں جاتے، کبھی باہر آتے، فرمایا تمہاری وجہ سے ہی میں نے ایسا کیا۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ص ۱۷۳ ج ۳) امام احمد کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کئی بار حجرہ میں داخل ہوئے اور کئی بار باہر تشریف لائے۔ (ص ۱۰۳، ۱۸۵ ج ۳) ان صحیح احادیث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب تراویح کی جماعت کروائی تو ساری رکعات جماعت کے ساتھ نہیں پڑھائیں۔ کچھ حجرہ میں پڑھی ہیں۔ پس حدیث جابر ؓ میں باوجود ضعیف ہونے کے نہ پوری تعداد تراویح کا ذکر ہے، نہ اس پر مواظبت ثابت ہے، پس سنت ہرگز نہ ہوئی۔

تطبیق:

محدثین اور فقہاء کا اصول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی احادیث میں ٹکراؤ کی پالیسی کی بجائے تطبیق کی پالیسی مناسب ہے، یہ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے کچھ رکعت جماعت سے پڑھائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرما دی ہوں اور حجرہ کے اندر کتنی رکعات پڑھیں، حدیث جابر رضی اللہ عنہ اس سے خاموش ہے تو ضروری ہوا کہ کوئی اور حدیث تلاش کی جائے جس میں اس سے زیادہ تعداد مذکور ہو تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث مل گئی جس میں ۲۳ رکعت کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ کل رکعات ۲۳ تھیں، گیارہ (۱۱) باجماعت اور بارہ (۱۲) بلا جماعت، چونکہ جماعت پر آپ ﷺ نے مواظبت نہ فرمائی اس لئے گیارہ پر مواظبت نہ ہوئی اور بیس آپ بلا جماعت پڑھتے رہے۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تو پہلے باجماعت گیارہ کا حکم دیا ہو کیونکہ جماعت اتنے پر ہی ثابت تھی، پھر اس پر مواظبت نہ فرمائی کیونکہ حضور ﷺ نے مواظبت نہیں فرمائی تھی۔ پھر بیس رکعت اور تین وتر باجماعت پر ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے مواظبت فرمائی۔ اس طرح تمام روایات میں تطبیق بھی ہو گئی اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آٹھ رکعت نہ سنت نبوی ہے نہ سنت صحابہ، کیونکہ اس پر نہ تو حضور ﷺ نے مواظبت فرمائی اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے۔ ہاں بیس رکعت سنت ہے کیونکہ اس پر مواظبت ثابت ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اجماعاً اور حضور ﷺ کی تلقیاً۔ الغرض آٹھ پر نہ مواظبت ثابت، نہ صحت ثابت، نہ تلقی بالقبول ثابت۔

مسئلہ تراویح

آنحضرت ﷺ کا رمضان المبارک:

۱۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو آپ ﷺ رمضان المبارک میں غیر رمضان کی نسبت (عبادت میں) زیادہ کوشش فرماتے۔ (مسلم)

۲ ام المومنین رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ آتا تو آپ ﷺ کی نماز غیر رمضان کی نسبت بڑھ جاتی (کثرت صلوٰت) اور کثرت عبادت کی وجہ سے آپ ﷺ کا رنگ مبارک بدل جاتا۔ (بیہقی)

۳ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مبارک مہینہ آتا، آپ ﷺ کمربستہ ہو جاتے اور جب تک سارا رمضان گزر نہ جاتا آپ ﷺ رات کو بستر پر تشریف فرما نہ ہوتے۔ (شعب الایمان بیہقی)

۴ ... آپ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ جب رمضان کے آخری دس دن آتے تو آپ ﷺ بھی تمام رات بیدار رہتے اور اپنی ازواج مطہرات کو بھی بیدار رکھتے۔ (بخاری ص ۲۶۹ ج ۱)

اب جو شخص یہ دعویٰ رکھتا ہو کہ میں حضور ﷺ کی پوری تابعداری کرتا ہوں، اسے چاہئے کہ رمضان کی ساری راتیں عبادت میں گزارے، اتنی عبادت کرے کہ اس کا رنگ بدل جائے، آخری دس راتوں میں اپنے گھر والوں کو بھی نہ سونے دے۔ کیا غیر مقلدین کے کسی ایک گھر میں بھی اس طریقہ پر عمل ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر دین میں اور رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں ہی کم از کم جھوٹ بولنے سے توبہ کرلیں۔

۵ ... آپ ﷺ نے امت کو بھی رمضان میں غیر رمضان کی نسبت زیادہ عبادت کی ترغیب دلائی، یہاں تک فرمایا کہ اس میں ایک نفل کا ثواب ایک فرض کے برابر ہو جاتا ہے اور ایک فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر۔ (مشکوٰۃ مقابوی علامے حدیث ص ۲۷ ج ۲)

بیس رکعات تراویح کی احادیث:

۱ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما أن رسول اللہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ و الوتر (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۴ ج ۲) فلفظ سندہ حسن و تلقتہ الأمۃ بالقبول فھو صحیح۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ رمضان

تھی بیس رکعت (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔ یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن ہے اور امت کی عملی تائید اسے حاصل ہے اس لئے یہ صحیح ہے۔

اس حدیث کے جواب میں جناب ایوب صابر صاحب فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت بیس رکعت کے ثبوت میں پیش کرنا پرائمری سکول کے ماسٹر کا ہی کام ہو سکتا ہے جو کہ علم حدیث اور اصول حدیث سے ناواقف ہو صاحب علم آدمی اپنے مذہب کو بدنام کرنے کی خاطر اتنی حماقت کبھی نہیں کر سکتا۔ اس سے بڑھ کر افسوس ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اپنے مسلک یعنی حنفیت کو بدنام کرنے کے لئے اس رسالہ کو شائع کیا اور اس پر رقم لگائی۔ (تحقیق تراویح ص۳۶، ۳۷)

قارئین کرام! اسلام میں عملی مسائل کا اصل دارو مدار تعامل امت پر ہے جس حدیث پر امت بلا نکیر عمل کرتی چلی آ رہی ہو اس کی سند پر بحث کی ضرورت نہیں ہوتی اور جس حدیث پر پوری امت نے عمل ترک کر دیا ہو اس کی سند خواہ کتنی صحیح ہو وہ معلول قرار پاتی ہے۔ ''نور الانوار'' میں صراحت ہے کہ جس خبر واحد کو تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو جائے اس کی سند پر بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ المعجم الصغیر للطبرانی کے آخر میں ص۱۷۷ سے ۱۹۹ تک اس اصول پر مستقل رسالہ ہے جس کا نام ہے التحفۃ المرضیۃ فی حل بعض مشکلات الحدیثیہ، جس میں امام شافعیؒ، امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ، علامہ سیوطیؒ، سخاویؒ، شوکانی وغیرہ سے یہ اصول واضح فرمایا ہے، ان میں سے کوئی بھی پرائمری سکول کا ماسٹر نہیں۔ فتاویٰ علمائے حدیث ص۲۴ج۲ میں تحریر ہے: علاوہ ازیں ضعیف حدیث جب کہ قرون مشہود لہا بالخیر (خیر القرون) میں معمول بہ ہو، وہ امت کے ہاں مقبول ہے جیسے قلتین والی حدیث اور حدیث الماء طھور لا ینجسہ شئی الا ما غلب علی ریحہ اوطعمہ اولونہ کی اور حدیث لا وصیۃ لوارث کی اور ان جیسی حدیثیں اور بہت ہیں اور امت اس بات پر متفق ہے کہ نیند ناقض وضو ہے اور ان کی دلیل ضعیف حدیثیں ہیں، سو وہ اسناد کی حیثیت سے مردود ہیں اور معانی کے لحاظ سے مقبول ہیں۔ حافظ (ابن حجرؒ) نے تلخیص میں کہا ہے: ابن عمر نے ان علماء کی تصحیح پر تعقب کیا ہے

جنہوں نے حدیث البحر ھو الطھور ماؤہ کی تصحیح کی ہے پھر بایں ہمہ اس کے صحیح ہونے کا حکم دیا ہے کیونکہ علماء نے اس کو قبول کرلیا ہے سو اس حدیث کو اسناد کے لحاظ سے مردود اور معنی کے لحاظ سے قبول کیا ہے۔ نوویؒ نے کہا ہے کہ حدیث [illegible] غلب علی ریحه او طعمه کے ضعیف کہنے پر علماء کا اتفاق ہے۔ میں کہتا ہوں اور بایں ہمہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قلیل کثیر پانی جب نجاست پڑ کر رنگ یا بو یا مزہ کو بدل دے تو وہ پلید ہے۔ جس طرح ابن المنذر نے کہا ہے اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ عامہ علماء کا قول یہی ہے، میں نہیں جانتا کہ اس میں ان کے درمیان اختلاف ہو۔ شوکانی نے کہا ہے کہ محدثین اس زیادت کے ضعف پر اتفاق کر چکے ہیں لیکن اس کے مضمون پر اجماع ہے۔ جس طرح کہ ابن المنذر اور ابن الملقن نے نقل کیا ہے، سو اب جو لوگ اجماع کے حجت ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس زیادت کے مفاد پر اجماع ہی دلیل ہے اور جو لوگ اجماع کے حجت ہونے کے قائل نہیں ان کے ہاں یہ اجماع اس زیادت کے صحیح ہونے کا مفید ہوگا، اس لئے کہ یہ زیادتی ایسی ہوگی جس کے معنی پر اجماع ہو چکا ہے اور قبولیت کی نظر پڑ گئی ہے سو ان کا استدلال اس زیادت سے ہے نہ اجماع سے اور سخاوی نے شرح الفیہ میں کہا ہے جب امت ضعیف حدیث کو قبول کر لے تو مذہب صحیح یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جاوے یہاں تک کہ وہ یقینی اور قطعی حدیث کو منسوخ کرنے میں متواتر حدیث کے رتبہ میں سمجھی جائے گی اور اسی وجہ سے شافعیؒ نے حدیث لا وصیة لوارث کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ اس کو محدثین ثابت نہیں کہتے لیکن عامہ علماء نے اس کو قبول کرلیا ہے اور اس پر عمل رکھتے ہیں یہاں تک کہ اس کو آیت وصیت کا ناسخ قرار دیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے ص ۱۹۳، ۲۲۸، ۲۰۷ وغیرہ کئی مقامات پر فرمایا ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے مگر اس پر اہل علم کا عمل ہے۔ امام سیوطیؒ نے تدریب الراوی نواب صدیق حسن خان نے الروضة الندیة (ص ۶) پر اسی اصل کو لکھا ہے۔ ان اقتباسات سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوگئی کہ اگر کسی حدیث کی سند کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہو لیکن اس کے مضمون کو امت کی تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو تو اس پر عمل ضروری ہو جاتا ہے، خود اس کو ضعیف کہنے والے محدثین بھی اسی پر عمل کرتے ہیں۔

حضرات قارئین! پانی کے پاک ناپاک ہونے کا مسئلہ وضو کی بنیاد ہے اور یقیناً تراویح سے زیادہ اہم ہے لیکن تلقی بالقبول کی وجہ سے ضعیف حدیث بھی مقبول ہے۔ وارث کے لئے وصیت کا منع ہونا بظاہر قرآن پاک کی آیت وصیت کے خلاف ہے اور قرآن کی بظاہر مخالفت مسئلہ تراویح سے بہت اہم ہے مگر پھر بھی امت نے اس کو قبول کیا۔ سند کے ضعف کو جھٹک دیا اور آیت قرآنی کو اس سے تخصوص یا منسوخ مان لیا۔ یہ امت کے فقہاء اور محدثین کا مسلمہ اصول ہے، کسی پرائمری کے ماسٹر کی خانہ ساز بات نہیں۔ جب ان اہم مسائل میں تمام علماء کی تلقی بالقبول سے ضعیف احادیث درجہ متواتر تک پہنچ گئی ہیں تو وہ حدیث جس کو مہاجرین و انصار اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی تلقی بالقبول نصیب ہے وہ ان سے اعلیٰ درجہ کی صحیح و مقبول ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب اس حدیث کے موافق عمل کر کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم، مہاجرین، انصار، تابعین، تبع تابعین اور باقی امت نہ بدنام ہوئی نہ حماقت کی تو بے چاری حنفیت اس سے کیسے بدنام ہوئی اور کیا حماقت کی؟ ہاں ساری امت کو بدنام یا احمق کہنا شاید کہنے والے کی حماقت یا بدنامی ہی ہوگی۔

اس تلقی بالقبول کی بحث کے بعد سند کی بحث کی ضرورت نہیں تاہم اس میں غیر مقلدین کی ناانصافی بتانا ضروری ہے۔ اس کی سند یوں ہے: حدثنا يزيد بن هارون قال اخبرنا ابراهيم بن عثمان عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس جب ہم یہ حدیث پیش کرتے ہیں تو غیر مقلدین ورق کے ورق سیاہ کرتے ہیں کہ ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ سخت ضعیف ہے، اس سند کو پیش کرنا بدنامی ہے حماقت ہے، پرائمری سکول کے ماسٹر کا کام ہے۔

حضرات غیر مقلدین کے ہاں نماز جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا کم از کم سنت مؤکدہ ہے، اس کی دلیل میں حکیم محمد صادق سیالکوٹی نے صلوٰۃ الرسول ص ۴۳۴ پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پر فاتحہ پڑھی۔ (ابن ماجہ) صلوٰۃ الرسول کی تقریظیں کرنے والے حافظ محمد گوندلوی، مولانا احمد دین گکھڑوی، مولانا نور حسین گرجاکھی، مولانا عبداللہ ثانی امرتسری، مولانا محمد اسمٰعیل سلفی، مولانا

محمد داؤد غزنوی، ترجمان اہلحدیث، نوائے وقت لاہور، فاران کراچی، نور توحید لکھنؤ، نوائے ملت مروان، الاعتصام لاہور، امروز لاہور، نوائے پاکستان لاہور، زمیندار لاہور، احسان لاہور، صحیفہ کراچی، آفاق لاہور، انقلاب لاہور، ڈان کراچی ہیں۔ اس حدیث کی سند بھی یہی ہے ابراہیم بن عثمان عن حکم عن مقسم عن ابن عباس (ابن ماجہ) ظاہر ہے کہ صلوۃ الرسول کی تعریفیں لکھنے والے مذکورہ حضرات میں سے ایک بھی پرائمری سکول کا ماسٹر نہیں، لیکن نہ ان حضرات کے استدلال سے فرقہ اہلحدیث بدنام ہوا نہ ان علماء اہلحدیث کی حماقت کا ترانہ گایا گیا جنازہ میں فاتحہ کا مسئلہ تراویح سے زیادہ اہم مسئلہ ہے کیونکہ غیر مقلدین اسے فرض کہتے ہیں، تراویح کو آج تک کسی نے فرض نہیں کہا، جس راوی کی حدیث سے فرضیت ثابت کرنا حماقت اور بدنامی نہیں ہے اس راوی کی حدیث سے سنیت ثابت کرنا کیوں حماقت ہے؟ اس جنازہ والی حدیث کے خلاف نہ کوئی ورق سیاہ کئے گئے نہ چیلنج بازی ہوئی۔

فرق:

حالانکہ ہیں تراویح اور نماز جنازہ میں فاتحہ کی حدیث کی سند ایک ہونے کے باوجود ایک بہت بڑا فرق ہے کہ بیس رکعت کو تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے مگر نماز جنازہ میں فاتحہ مدینہ میں بالکل متروک تھی امام مالکؒ فرماتے ہیں نماز جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھنے کا ہمارے شہر مدینہ میں دستور نہیں (المدونۃ الکبریٰ) سند دونوں کی ایک ہے عمل میں دونوں میں فرق ہے تراویح میں تلقی بالقبول کی وجہ سے ضعف ختم ہو گیا مگر پھر بھی استدلال حماقت۔ فاتحہ کی حدیث میں متروک العمل ہونے کی وجہ سے ضعف اور بڑھ گیا مگر اس سے استدلال جائز اور درست۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

راوی کا حال:

کسی راوی کے ثقہ ہونے کے لئے بنیادی طور پر دو ہی باتیں ضروری ہیں، اس کا حفظ ثابت ہو اور عادل ہونا ثابت ہو۔ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کو حافظ ابن حجر نے الحافظ کہا ہے اور کسی نے اس کے حافظہ پر جرح نہیں کی۔ رہی اس کی عدالت، اس کے بارے میں امام شعبہ نے جرح مفسر کی ہے اور امام یزید بن ہارونؒ نے تعدیل مفسر کی ہے شعبہ کی جرح کا ذہبی نے مذاق اڑایا ہے، باقی جارحین صرف شعبہ کے مقلد ہیں تہذیب میں لکھا ہے کہ شعبہ ہمیشہ ثقہ راوی سے روایت لیتے تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ابوشیبہ سے شعبہ روایت کرتے تھے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ شعبہ نے اپنی جرح سے رجوع کر لیا ہوگا اگر رجوع مان لیا جائے تو راوی ثقہ، درجہ صحیح میں ہوگا اگر رجوع ثابت نہ مانا جائے تو راوی مختلف فیہ ہوگا، درجہ حسن میں آئے گا اسی لئے میں نے سندہ حسن لکھا تھا۔

اس حدیث کو نہ ماننے کا دوسرا بہانہ یہ ہے کہ یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف ہے، پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ جس حدیث کو تلقی بالقبول نصیب ہو وہ اگر قرآن کی آیت کے بھی خلاف ہو تو عمل جائز ہے چہ جائیکہ کسی مضطرب خبر واحد کے خلاف ہو اور یہاں تو اختلاف بھی نہیں کیونکہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا تہجد کے بارے میں ہے، یہ تراویح کے بارے میں۔ کل کو آپ یہ کہنا شروع کر دیں کہ عصر کے چار فرض اور مغرب کے تین فرض کی احادیث میں تعارض ہے اگر بعرض محال یہ ایک ہی نماز کے بارے میں ہوتیں تو بھی آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ تین دفعہ اعضاء کے وضو کو دھونے والی حدیث ایک یا دو دفعہ دھونے والی حدیث کے خلاف ہے، تین کپڑوں والی حدیث ایک کپڑا پہننے کے خلاف ہے آپ نے خود یہ لکھا ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ بیس رکعت میں آٹھ رکعت شامل ہیں (تحقیق تراویح ص ۱۰۰) یہ بھی لکھا ہے کہ ہم ان کی بیس رکعت تراویح پر کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ (ص ۱۰۳) اگر بیس رکعت تراویح حدیث صحیح کے خلاف ہے تو آپ کو اعتراض کیوں نہیں؟ اگر

خلاف نہیں تو بات ختم ہوئی۔

نوٹ:

ایوب صابر اور ان کے شیخ الحدیث صاحبین کی ایک عادت یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں لاجواب ہو جاتے ہیں تو موقع بے موقع تقلید کو گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں، اس بارے میں میرا خیال ہے کہ ان کو وکیل اہل حدیث ہند کی ایک نصیحت یاد کرا دوں انہوں نے بڑے درد دل سے فرمایا ہے جو شخص سچا اہل حدیث رہنا چاہتا ہے وہ اس نوٹ کو ملاحظہ کرے اور اس پر کاربند ہو ورنہ مطلق تقلید سے متنفر ہو کر دہریہ، نیچری، مرزائی، چکڑالویت اور دہریت میں جا پڑے گا، امام شافعی نے اتباع قول صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام تقلید رکھا ہے اور ابن القیم نے بھی اس محاورہ کو مسلم رکھا ہے، امام شافعی اور حافظ ابن القیمؒ کے یہ اقوال فرقہ اہل حدیث کے ان جہلاء اور بعض علماء پیروان خواہش جہلاء کے لئے ایک عبرت خیز وہدایت انگیز تازیانہ ہے جو لفظ تقلید و مقلد کے نام سے چونک اٹھتے ہیں اور یہ الفاظ سنتے ہی ایسے چڑتے اور جلتے ہیں جیسے دیہاتی سکھ بانگ (اذان) سننے سے یا متعصب ہندو کلمہ پڑھنے سے۔ (اشاعۃ السنۃ ص۲۶ ۱۳/ ج ۳) دیکھئے مولانا محمد حسین بٹالوی وکیل اہل حدیث ہند نے تقلید کو اذان اور کلمہ طیبہ سے تشبیہ دی ہے اور تقلید سے چڑنے والوں کو دیہاتی سکھوں اور متعصب ہندوؤں سے۔

تقلید سے تو آپ کو چڑ تھی ہی اب تو حدیث سے بھی چڑ ہو گئی ہے کہ جس حدیث کو امت کی تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے اس کے خلاف گستاخانہ لہجہ اختیار کیا ہے، یہ صرف ایوب صابر یا سلطان محمود کا ہی شیوہ نہیں بلکہ اپنے بڑوں سے احادیث کو رد کرنے کی عادت وراثت میں ملی ہے چنانچہ مولانا محمد حسین بٹالوی اپنے زمانہ کے غیر مقلدین کو نصیحت فرماتے ہیں: علماء کو یہ لائق نہیں کہ جو ایک حدیث خصوصاً احادیث طبقہ رابعہ سے بلا تحقیق صحت تمسک کریں اور نہ عوام کو یہ زیبا ہے کہ جو حدیث کسی کی زبان سے سن لیں یا تراجم کتب حدیث میں دیکھ لیں اس سے بلا تحقیق صحت و مراجعت علماء اپنے عمل کیا کریں اور اس

کی بساط پر اہل حدیث کہلاتے ہیں اور مطلق تقلید کو بالفاظ قبیحہ ضلالت وغیرہ وغیرہ وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں اور مقلدین مذاہب مجتہدین کو برائی سے یاد کرتے ہیں، ایسے ہی عامل بالحدیث کے مدعی احادیث پر عمل کرنے والے محققوں اور مذاہب مشہورہ کے مقلدوں میں سرِ مو فرق نہیں ہے، ہاں فرق یہ ہے کہ وہ ائمہ مجتہدین مسلم الاجتہاد کے مقلد ہیں اور یہ غیر مجتہدین کے مقلد۔ یہ مقلد نام کے محقق، جیسے احادیث غیر صحیحہ کے تسلیم میں بے ضبطی کر رہے ہیں ویسے ہی احادیث صحیحہ و حسنہ لائق عمل کو رد کرنے میں بے ضبط ہو رہے ہیں بہت سی احادیث کو جو ائمہ مجتہدین اور محدثین کے نزدیک ثابت ہوئی اور لائق عمل قرار دی گئی ہیں، یہ صرف ان کے بعض راویوں کو مجروح و مطعون دیکھ کر ضعیف قرار دیتے ہیں اور یہ بھی کہہ بیٹھتے ہیں کہ جو مسئلہ اس حدیث سے فلاں امام یا مجتہد نے نکالا ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ (اشاعت السنہ ج ۱۱)

مولانا عبدالجبار غزنوی اور مولانا عبدالتواب ملتانی فرماتے ہیں "اور ہمارے اس زمانہ میں ایک فرقہ نیا کھڑا ہوا ہے جو اتباع حدیث کا دعویٰ رکھتا ہے اور در حقیقت وہ لوگ اتباع حدیث سے کنارے (بہت دور) ہیں جو حدیثیں کہ سلف و خلف کے ہاں معمول بہا ہیں ان کو ادنیٰ سی قدح اور کمزور سی جرح پر مردود کہہ دیتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال کو ایک بے طاقت سے قانون اور بے نور سے قول کے سبب پھینک دیتے ہیں اور ان پر اپنے بے ہودہ خیالوں اور بیکار فکروں کو مقدم کرتے ہیں اور اپنا نام محقق رکھتے ہیں حاشا و کلا۔ اللہ کی قسم یہی لوگ ہیں جو شریعت نبویہ کی حد بندی کے نشان گراتے اور ملت حنفیہ کی بنیادوں کو ڈھا کرتے ہیں اور سنت مصطفویہ کے نشانوں کو مٹاتے ہیں اور احادیث مرفوعہ کو چھوڑ رکھا ہے اور متصل الاسانید آثار کو پھینک دیا ہے اور ان کے دفع کرنے کے لئے وہ حیلے بناتے ہیں کہ جن کے لئے کسی یقین کرنے والے کا شرح صدر نہیں ہوتا نہ کسی مومن کا سر اٹھتا ہے" (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۸۱/۷ ج ۷)

یہ غیر مقلد علماء کی شہادتیں ہیں اور قرآن پاک کے مطابق دو شہادتوں سے بات ثابت ہو جاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ فرقہ نیا ہے، ان کا مشن حیلے بہانوں سے صحیح احادیث کو رد کرنا، ملت حنفیہ کی بنیادیں کھودنا، سنت نبویہ کو مٹانا ہے آج بھی مشن سے

علمبردار سلطان محمود جلال پوری ہیں۔

دورفاروقی وعثمانی:

۱ دور فاروقی ۱۵ھ میں باقاعدہ نماز تراویح باجماعت کا اہتمام کیا گیا (بخاری ص۲۶۹/ج۱، مسلم ص۲۵۹/ج۱) اس وقت لوگ باجماعت کتنی رکعات پڑھتے تھے۔

۲ ... عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب فی شهر رمضان بعشرین رکعة قال وکانوا یقرؤن بالمئین وکانوا یتوکئون علی عصیهم فی عهد عثمان رضی الله عنه من شدة القیام (بیہقی ص۴۹۶/ج۲)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کے زمانہ میں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باجماعت) بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے اور قاری صاحب سوسو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور لوگ لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لیتے۔

اس روایت کے بارے میں خود ایوب صابر صاحب لکھتے ہیں: اس حدیث کی سند باقرار صحیح ہے (تحقیق تراویح ص۱۵) البتہ یہ جھوٹ بولا ہے کہ اس میں فی عہد عثمان کے الفاظ مدرج ہیں۔

۳ ... وروی مالک من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید عشرین رکعة۔ (فتح الباری ص۲۵۰/ج۴)

ترجمہ: امام مالکؒ نے یزید بن خصیفہ کے طریق سے سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح تھیں۔

٤ وفی الموطا من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید انها عشرون رکعة۔ (نیل الاوطار ص۲۹۸/ج۲)

ترجمہ: مثل سابق۔ یہ سند مالک عن یزید بن خصیفہ عن السائب، بخاری ص۳۱۲/ج۱ پر موجود ہے۔

ان دونوں روایات کی سند پر تو صاحب بر صاحب اعتراض نہیں کر سکے، ہاں انکار حدیث کے جذبے نے جوش کیا تو یہ لکھ دیا کہ یہ حافظ ابن حجر کا وہم ہے اور شوکانی نے اس کی تقلید کی ہے حافظ ابن حجر ۸۵۲ھ میں فوت ہوئے اس وقت سے چودہویں صدی کے اختتام تک تقریباً ساڑھے پانچ صدیاں گزر چکیں۔ اس زمانہ میں سینکڑوں محدثین گزرے، فتح الباری نایاب کتاب نہیں تھی، سب کی نظر سے گزری اور موطا بھی نایاب نہ تھی، ان صدیوں میں کسی مسلمہ محدث نے اس حدیث کو وہم قرار دیا ہو اس کا مستند حوالہ پیش فرمائیں ورنہ سوائے انکار حدیث کے جذبے کے اس انکار کی کوئی وجہ نہیں معلوم، امام مالک کے سولہ نسخے ہیں جن میں سے ہمارے پاس صرف دو ہیں امام یحییٰ والا اور امام محمد والا۔ ان دونوں میں بھی روایات کم و بیش ہیں تو جب ابن حجر اور شوکانی کے نسخہ میں یہ موجود ہے تو یہ اختلاف نسخ اور زیادت ثقہ ہے جو اجماعاً مقبول ہے۔

۵ ۔۔۔ عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ والوتر۔ (معرفۃ السنن بیہقی ص ۳۶۷، کنز العمال ص ۲۶۴/ ج ۸)

ترجمہ:۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح (باجماعت) اور وتر پڑھتے تھے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے (شرح المہذب) علامہ سبکی، سیوطی اور ملا علی قاری نے اس کو صحیح فرمایا ہے اور نیموی نے اس تصحیح کو نقل فرمایا ہے (آثار السنن ص ۵۵/ ج ۲) ان اہل فن محدثین کی تصحیح کے جواب میں اب صاحب کی کیا حیثیت ہے، ہاں جیسے کہ قادیانی معاذ اللہ حدیث سے گریز کرتے ہیں حیلے بہانوں سے احادیث کا انکار ان کی عادت قدیمہ ہے۔ ابن عبد البر فرماتے ہیں۔

۶ ۔۔۔ روی الحارث بن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال کان القیام علی عہد عمر بثلاث و عشرین رکعۃ (سندہ صحیح)

ترجمہ:۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ بیس رکعت تراویح باجماعت پڑھتے تھے۔

۷ ...... عن محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعۃ و یوترون بثلاث۔ (قیام اللیل ص ۱۵۷)

ترجمہ۔ حضرت محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں باجماعت بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے۔

۸ ...... عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ (موطا امام مالک ص ۴۰)

ترجمہ۔ یزید بن رومانؒ سے روایت ہے کہ سب لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان میں (باجماعت) بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے۔

۹ ...... عن یحیی بن سعید عن عمر بن الخطاب انہ امر رجلا ان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔ (ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ / ج ۲)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے۔

۱۰ ...... عن الحسن ان عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بھم عشرین رکعۃ (نسخہ ابوداؤد مطبوعہ عرب ص ۱۴۲۹)

ترجمہ۔ امام حسن فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے لئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تراویح کا امام مقرر کیا، وہ بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

اس حدیث میں ابوداؤد کے دو نسخے ہیں بعض نسخوں میں عشرین رکعۃ اور بعض میں عشرین لیلۃ ہے جس طرح قرآن پاک کی کسی آیت کی دو قرآتیں ہوں تو دونوں کو ماننا چاہیے، ہم دونوں نسخوں کو تسلیم کرتے ہیں لیکن حیلے بہانوں سے انکار حدیث کے عادی سلطان محمود جلالپوری نے اس حدیث کا انکار کر دیا اور الٹا الزام علماء دیوبند پر لگا دیا کہ انہوں نے حدیث میں تحریف کی ہے حالانکہ یہ حدیث الشیخ محمد علی الصابونی الاستاذ بکلیۃ الشریعۃ و الدراسات الاسلامیۃ جامعۃ أم القری مکۃ المکرمۃ نے بھی اپنی کتاب الھدی النبوی الصحیح فی صلوۃ التراویح (ص ۵۲) پر نقل کی ہے، بلکہ دیوبند کا مدرسہ بننے سے صدیوں پہلے علامہ زیلعی نے اپنی مشہور کتاب

سیر اعلام النبلاء ص۴۰۰/ج ا پر ابوداؤد کے حوالے سے عشرین رکعۃ نقل فرمایا ہے احادیث کا انکار کرنے کے لئے دوسروں پر تحریف کے الزامات لگانا یہ غیر مقلدوں کے شیخ الحدیثوں اور پیشہ ور واعظوں کا روز مرہ کا معمول بن چکا ہے امام اعظمؒ سے بغض کی نحوست ہے کہ اب احادیث کا کھلم کھلا انکار ہو رہا ہے۔

۱۱ ۔ ۔ ۔ عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطاب امرہ ان یصلی باللیل فی رمضان یصلی بھم عشرین رکعۃ (کنز العمال ص۲۶۴/ج۸)

ترجمہ۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا کہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاؤں۔

۱۲ ۔ ۔ ۔ عن السائب بن یزید ان عمر بن الخطاب جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب وتمیم الداری علی احدی وعشرین رکعۃ (عبدالرزاق ص۲۶۰، ج۴)

ترجمہ۔ حضرت سائب سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری پر جمع فرمایا اور وہ لوگوں کو اکیس رکعت پڑھاتے تھے۔

(الف) مالکی مذہب کی مستند کتاب المدونۃ الکبریٰ میں ہے ان عمر بن الخطاب و عثمان کانا یقومان فی رمضان مع الناس۔ (ص۱۹۳/ج۱) بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں لوگوں کے ساتھ باجماعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

(ب) شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث فرأی کثیر من العلماء ان ذلک ھو السنۃ لانہ قام بین المھاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر (فتاویٰ ابن تیمیہ قدیم ص۱۸۶/ج۱، فتاویٰ ابن تیمیہ جدید ص۱۱۲ ج۲۳)

ترجمہ۔ یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو بیس رکعت

تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے، اس لئے علماء کی اکثریت کی رائے میں بیس ہی سنت ہیں کیونکہ حضرت ابی بن کعب کے پیچھے مہاجرین (بھی بیس ہی پڑھتے تھے) اور انصار بھی بیس ہی پڑھتے تھے اور کسی منکر نے بھی (بیس تراویح کے سنت ہونے کا) انکار نہیں کیا۔

ایوب صابر صاحب نے بڑے جوش سے لکھا ہے کہ ابن تیمیہ کی کوئی ایسی عبارت نہیں ہے اس لئے اب ہم نے اصل عربی عبارت بھی لکھ دی ہے اور دو ایڈیشنوں کا حوالہ دیا ہے۔ اب ایوب صاحب اپنے شیخ الحدیث سلطان محمود اور استاذ محمد رفیق کو لے کر کسی پرائمری سکول میں داخل ہو جائیں تاکہ حرف شناسی کے بعد حوالہ تلاش کرنے کی بصیرت حاصل ہو جائے۔ ان روایات سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قولاً فعلاً تقریراً تحریراً بیس رکعت تراویح پر مواظبت ثابت ہوگئی ایسے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی فعلاً تقریراً اور تشریعاً بیس رکعت تراویح پر مواظبت ثابت ہوگئی، جس سے بیس رکعت کا سنت خلفاء راشدین ہونا واضح طور پر ثابت ہو گیا، ہمارا چیلنج ہے کہ دور فاروقی و دور عثمانی سے لے کر دور برطانیہ تک کسی ایک بھی سنی محدث، فقیہ یا مورخ نے دور فاروقی و دور عثمانی میں بیس رکعت تراویح کی مواظبت کا انکار نہیں کیا، نہ ہی دور برطانیہ سے قبل کسی مستند اسلامی کتاب میں اس مواظبت کے خلاف کوئی احتجاج ہے۔

غیر مقلدین کو احادیث کے انکار کی جرأت پڑ گئی ہے اس کے موافق ایوب صاحب نے پہلے تو انکار کے حیلے بہانے شروع کئے، مثلاً روایت نمبر ۵ کے بارے میں کہا کہ ابو عثمان بصری مجہول ہے مگر اس کا حوالہ اہل فن اسماء الرجال کی کتب سے پیش نہ کر سکے، جب کہ علامہ سبکی، سیوطی، نووی، ملا علی قاری جیسے اہل فن محدثین نے اس کو صحیح کہا ہے تو جاننے والے اہل فن کے مقابلے میں انجان نااہل کی بات کا کیا وزن؟ حدیث نمبر ۸، ۹، ۱۰ کے بارے میں انقطاع اور ارسال کا شور مچایا، حالانکہ سب کو خوب معلوم ہے کہ احناف کے ہاں خیر القرون کے ارسال کو جرح ہی نہیں مانا جاتا۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، اور امام احمدؒ تو مرسل کو ویسے ہی حجت مانتے ہیں امام شافعیؒ اور ان کی تقلید شخصی میں غیر مقلدین مقتدر کو

حجت مانتے ہیں۔ (دیکھو مبارک پوری کی تحقیق الکلام) یہ سب مراسیل معتضدہ ہیں، ان کے حجت ہونے کا کوئی مسلمان محدث یا فقیہ منکر نہیں ہے، صرف ایک معتضد قول تحریر کریں، ایوب صابر صاحب نے ان روایات کو صرف اس لئے رد کر دیا کہ فلاں راوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ۴۳ سال بعد پیدا ہوا اس لئے روایت مردود ہے، اس طرز سے بے چارے عوام تو سمجھیں گے کہ بہت بڑی تحقیق ہے مگر جن کی کتب حدیث پر نظر ہے وہ بے چارے کو نپ اٹھیں گے کہ دیکھو انکار حدیث کا دروازہ کھول دیا۔ جذبات اور تعصب سے ہٹ کر آپ غور فرمائیں کہ عیسائیوں اور نیچریوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر معجزات کا انکار اسی بنا پر کیا کہ فلاں معجزہ روایت کرنے والا صحابی تو اس وقت ابھی مسلمان بھی نہیں ہوا تھا یا ابھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا، منکرین حدیث نے بھی اکثر احادیث کا انکار اسی اصول پر کیا کہ فلاں صحابی واقعہ کا عینی شاہد نہیں ہے، اس لئے سند متصل نہیں مگر علمائے محدثین نے ان سب باتوں کا ایک ہی اصولی جواب دیا کہ مراسیل صحابہ رضی اللہ عنہم باجماع امت حجت ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے محدثین کے اس اجماعی ضابطہ کو قبول کر لیا وہ انکار معجزات و انکار حدیث سے بچ گئے اور جو جذبات اور تعصب کی رو میں بہہ گئے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور کتنے ہی سادہ لوح لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد خیر القرون کی مرسلات کے بارے میں اختلاف ہوا۔ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمدؒ نے ان مرسلات کو بھی قبول فرمایا، اگر راوی ثقہ ہو۔ امام شافعیؒ نے اس کو قبول کرنے سے انکار فرمایا مگر انہوں نے اندازہ لگایا کہ اس طرح تو بہت سا ذخیرہ احادیث کا انکار ہو جائے گا تو انہوں نے بعض تابعین کی مراسیل کو تو مطلقاً قبول فرما لیا اور بعض کے قبول میں یہ شرط لگا دی کہ اگر اس مرسل کی تائید دوسری سند سے یا تعامل سے ہو جائے تو وہ مقبول ہوگی، ایسی مرسلات کو مرسل معتضدہ کہا جاتا ہے جس طرح مراسیل صحابہ رضی اللہ عنہم کے ماننے پر امت کا اجماع ہے، ایسے ہی مراسیل معتضدہ کے ماننے پر امت کا اجماع ہے۔

عیسائیوں اور نیچریوں نے مراسیل صحابہ رضی اللہ عنہم کے ماننے سے انکار کیا اور بہت

سے معجزات و احادیث کا انکار کر دیا غیر مقلدین نے اجماع امت کے خلاف مراسیل معتضدہ کے ماننے سے انکار کیا اور بہت سی سنتوں کا انکار کر کے خود بھی گمراہ ہوئے، دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اگر غیر مقلدین اس اجماع کو نہیں مانتے تو وہ قرآن پاک کی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث سے ثابت کر دیں کہ مراسیل صحابہ رضی اللہ عنہم کو حجت ہیں لیکن مراسیل معتضدہ حجت نہیں اور مطلق مراسیل خیر القرون کے بارے میں تینوں اماموں کا قبول کرنا فلاں حدیث کے خلاف ہے اور امام شافعیؒ کا مرسل غیر معتضد کو رد کرنا فلاں حدیث کے موافق ہے۔ اور عجیب بات تو یہ ہے کہ جن کتابوں پر یہ مدار رکھا ہے کہ فلاں راوی کب پیدا ہوا؟ اس میں حافظ ابن حجر اور زیلعی، عینی یا آثار السنن سے اقوال نقل کئے ہیں جو ان راویوں سے سینکڑوں سال بعد لکھی گئیں۔ بیس سال کا انقطاع تو حجت نہیں، آٹھ سو سال کا انقطاع حجت ہے، یہ نبی کسی حدیث سے ثابت فرما دیں اور یہ بھی ثابت فرمائیں کہ خیر القرون پر اعتماد نہ کرنا بعد میں آٹھویں صدی والوں کو اربابا من دون اللہ بنا کر مان لینا، بلا چوں چراں ان کی باتوں سے ایسی احادیث کو بھی رد کر دینا جن پر پوری امت عمل کرتی چلی آ رہی ہے۔ چونکہ بیس رکعت کے بارے میں جو مراسیل ہیں وہ معتضدہ ہیں اس لئے خود امام شافعیؒ نے بھی بیس رکعت تراویح کا انکار نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا: احب الی عشرون (قیام اللیل) اور امام شافعیؒ کے مقلدین میں سے بھی کسی نے دور فاروقی کی بیس رکعت تراویح کا انکار نہ فرمایا بلکہ بیس رکعت تراویح کو بالاتفاق سنت مانا۔ چنانچہ امام نوویؒ کتاب الاذکار ص ۸۳ میں فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح کے سنت ہونے پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے، مرسل معتضد کا حجت ہونا غیر مقلدین میں سے حکیم محمد صادق سیالکوٹی نے صلوۃ الرسول اور عبدالرحمن مبارک پوری نے تحقیق الکلام میں تسلیم کر لیا ہے۔ ابن القیم کی زاد المعاد ص ۳۰۱ ج ۱ پر بھی ہے۔ جب دس کا دل اس جواب سے مطمئن نہ ہوا تو ان گیارہ احادیث (جو محکم ہیں اور جن پر متواتر عمل ساری امت تسلیم کرتی ہے) کے معارضہ میں ایک متشابہ اور ایسی روایت پیش کی جس کے بارے میں اہل سنت والجماعت

محدثین اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ یا تو وہم ہے یا اس پر مواظبت نہیں ہوئی اس لئے بیس کے سنت ہونے پر اس معارضہ کا کوئی اثر نہیں۔

خود یوسف صاحب نے اہل فن محدثین علامہ زرقانی، علامہ ابن عبدالبر اور امام بیہقی سے نقل کیا ہے کہ پہلے گیارہ کا حکم تھا، پھر بیس کا۔ (ص ۹۷، ۹۸) جس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ گیارہ پر مواظبت نہیں ہوئی، اس لئے وہ ہرگز سنت نہیں اور ۲۳ پر مواظبت ہوئی ہے، وہی سنت ہے۔ پوری امت کے مقابلہ میں ایوب صاحب بلا کسی مستند حوالہ کے اپنا وسوسہ یوں بیان کرتے ہیں: ہو سکتا ہے کہ پہلے بیس ہوں پھر گیارہ، مگر افسوس کہ ایسا ہوا نہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ ان دونوں مبارک زمانوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حیات تھیں اور یہ حدیث بھی روایت کرتی تھیں کہ جس نے دین میں بدعت جاری کی وہ بدعت مردود ہے۔ ان کے دل میں سنت کی محبت اور بدعت سے نفرت یقیناً غیر مقلدین کی نسبت ہزاروں گنا زائد تھی لیکن انہوں نے کبھی تہجد والی حدیث کو ان کے خلاف پیش نہ فرمایا۔ غیر مقلدین جواب دیں کہ آخر کیا وجہ تھی؟ یا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اتنی سمجھ ہی نہ تھی کہ کس حدیث کو بیس رکعت کے خلاف پیش کیا جا سکتا ہے یا سنت نبوی کے مٹنے اور بدعت کے جاری ہونے پر انہیں کوئی ملال نہ تھا اور ان میں دینی غیرت غیر مقلدوں جتنی بھی نہ تھی (معوذ اللہ) اور اس دور میں مدینہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی زندہ تھے جو آنحضرت ﷺ سے اپنے کانوں سے یہ حدیث سن چکے تھے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ مگر ان کے سامنے رمضان کے مقدس مہینے میں مسجد نبوی ﷺ میں کھلم کھلا سنت نبوی ﷺ کی مخالفت شروع ہوئی، بدعت جاری ہوئی مگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کوئی حدیث ان کے سامنے پیش نہ کی۔

دور مرتضوی رضی اللہ عنہ:

دور فاروقی کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں، بیس رکعت پر تمام مہاجرین و انصار نے مواظبت فرمائی، اس کے خلاف گیارہ کی روایت کو وہم قرار دیا گیا اور پوری امت

کا اجماع ہے کہ مواظبت تو اس پر یقیناً نہیں ہوئی۔ دورِ عثمانی میں بھی بیس رکعت تراویح پر ہی مواظبت ہوئی کسی مسلم محدث، کسی فقیہ اور کسی مورخ سے اس کا انکار ثابت نہیں اور آٹھ رکعت کا اس دور میں وہمی سند سے بھی کوئی نشان نہ ملا، نہ کتبِ حدیث میں، نہ کتبِ فقہ میں، نہ کسی مستند تاریخ میں، یہاں غیر مقلدین بھی "صم بکم" ہو گئے ہیں۔

۱۳ عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی قال دعا القراء فی رمضان فامر منهم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة وکان علی یوترهم۔ (بیہقی ص۴۹۶، ج۲)

ترجمہ: ابو عبد الرحمن سلمی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خود انہیں وتر پڑھاتے تھے۔

۱۴ عن ابی الحسناء ان علیا امر رجلا یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۳، ج۲)

ترجمہ: ابو الحسناء سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھائے۔

۱۵ عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالب امر رجلا ان یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعة۔ (بیہقی ص۴۹۷، ج۲)

ترجمہ: ابو الحسناء سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت تراویح پڑھایا کرے۔

۱۶ حدثنی زید بن علی عن ابیه عن جده عن علی رضی اللہ عنہ انه امر الذی یصلی بالناس صلاة القیام فی شهر رمضان ان یصلی بهم عشرین رکعة یسلم فی کل رکعتین ویراوح ما بین کل اربع رکعات فیرجع ذو الحاجة ویتوضأ الرجل وان یوتر بهم من آخر اللیل حین الانصراف۔ (مسند الامام زید ص۱۳۹)

ترجمہ: امام زیدؒ اپنے والد امام زین العابدینؒ سے اور وہ اپنے والد حضرت امام

حسین رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس امام کو رمضان میں تراویح پڑھانے کا حکم دیا اسے فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے، ہر دو رکعت پر سلام پھیرے، ہر چار رکعات کے بعد اتنا آرام کا وقفہ دے کہ حاجت والا فارغ ہو کر وضو کر لے اور سب سے آخر میں وتر پڑھائے۔

ان چاروں روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اور کتنے ہی اختلافات ہوئے ہوں مگر تراویح میں قطعاً کوئی اختلاف نہ تھا۔ سب نے بیس رکعت تراویح پر مواظبت فرمائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود یہ حدیث روایت فرماتے تھے کہ حرم میں بدعت ایجاد کرنے والے کے نہ فرض قبول ہیں نہ نفل۔ (بخاری ص۱۰۸۴ ج۲) آپ کو بدعت سے اتنی نفرت تھی کہ ایک مؤذن کو دیکھا کہ اذان کے بعد تثویب کر رہا ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔ (البحر الرائق ص۲۶۱ ج۱) ایک شخص کو عیدگاہ میں نماز سے پہلے نفل پڑھتے دیکھا تو اسے منع فرمایا۔ اس نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نماز پر مجھے سزا دیں گے؟ فرمایا عید سے پہلے نوافل کا ثبوت نہیں۔ اس لئے یہ عبث ہے، حرام ہے، مخالفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اس پر اللہ تعالیٰ تجھے سزا دے گا۔ (کذا فی المجد ص۱۴۵) جو حضرت علی رضی اللہ عنہ دو نفل کی بدعت تو برداشت نہیں کر سکتے، وہ خود بلا ثبوت بارہ زائد رکعات کا حکم کیسے دے سکتے ہیں؟ کسی مسلم محدث، فقیہ یا مؤرخ نے دور مرتضوی میں بیس رکعت تراویح کی مواظبت پر انکار نہیں فرمایا اور نہ ہی اس پورے دور میں کسی واہی یا ضعیف ترین سند سے آٹھ رکعت تراویح کا نشان ملا، نہ کتب حدیث میں، نہ کتب فقہ میں اور نہ کتب تاریخ میں۔ غیر مقلدین کی پوری جماعت یہاں کشتی ڈبو کے بیٹھی ہے۔ امام بیہقیؒ نے اثر علی رضی اللہ عنہ کو اثر شتیر بن شکل کی قوت کے لئے روایت کیا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ ص۲۲۴ ج۲ پر اس سے استدلال کیا ہے، اور علامہ ذہبیؒ جیسے ناقد فن نے اس پر المنتقی ص۵۴۲ میں سکوت فرمایا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں، اکثر اہل علم کا قول ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ

عنہ سے مروی ہے کہ بیس رکعات پڑھنی چاہئیں اور یہی قول امام سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں اسی طرح پایا ہے کہ سب لوگ بیس رکعات پڑھتے ہیں (ص ۱۳۹ ج ۱) ایوب صابر کو اس دور میں آٹھ تراویح کے بارے میں ہر طرف اندھیرا نظر آیا تو مارے حسد کے ان روایات کے انکار پر اتر آیا۔ یہ تو اس کی جماعت کی پرانی عادت ہے۔ کبھی تو یہ شور مچایا کہ ابو الحسناء غیر معروف ہے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ احناف کے ہاں تو خیر القرون کی جہالت و تدلیس وارسال جرح ہی نہیں اور شوافع کے ہاں متابعت سے یہ جرح ختم ہوگئی، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعت تراویح روایت کرنے میں ابو الحسناء اکیلے نہیں بلکہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور امام عبد الرحمٰن سلمی بھی یہی روایت کرتے ہیں۔ حماد بن شعیب کی طرف وہ روایت ضعیف ہے جس میں اس کا نہ کوئی متابع ہو اور نہ ہی کوئی شاہد ہو، یہاں تین سندیں اس کے شواہد میں ہیں اور محدثین کے نزدیک تعدد طرق سے ایسے ضعف بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ عطاء بن سائب پر آخر عمر میں خلط حفظ کی جرح کی ہے جو شواہد و متابعات سے بالکل ختم ہو جاتی ہے، اس لئے یک بھی جرح مؤثر نہیں۔ تمام جروح مردود ہیں۔ الحاصل خلافت راشدہ میں بلا نکیر بیس رکعت تراویح پر عمل جاری رہا اور قرآن پاک میں ہے کہ وہ خلافت میں اپنا دین مضبوطی سے پھیلائیں گے جس سے خدا راضی ہے۔ (سورۃ النور)

دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا تعامل:

۱۷۔　امام حسن بصریؒ عبد العزیز بن رفیعؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۲)

۱۸۔ .... عن زید بن وهب قال كان عبد الله بن مسعود يصلى لنا في شهر رمضان فينصرف و عليه ليل قال الا عمش كان يصلى عشرين ركعة (قیام اللیل ص ۹۱)

ترجمہ: زید بن وہب سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں رمضان شریف میں تراویح پڑھاتے تھے۔ امام اعمشؒ فرماتے ہیں کہ بیس تراویح پڑھاتے تھے۔

۱۹...... عن عطاء قال ادرکت الناس وهم یصلون ثلاثاً و عشرین رکعة بالوتر۔ (ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳، ج ۲) اسنادہ حسن۔

ترجمہ: حضرت عطاء (۱۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو بیس تراویح اور تین وتر ہی پڑھتے پایا ہے۔

۲۰...... أبو حنيفة عن حماد عن ابراهيم أن الناس كانوا يصلون خمس ترويحات في رمضان۔ (كتاب الآثار ابو يوسف ص ۴۱)

ترجمہ: امام ابو حنیفہؒ امام حمادؒ سے وہ امام ابراہیمؒ تابعی سے روایت کرتے ہیں کہ سب لوگ (صحابہ، تابعین و تبع تابعین) رمضان میں بیس تراویح ہی پڑھایا کرتے تھے۔

فائدہ: ۱۷، ۱۸ مراسیل متعضدہ ہیں جو اجماعاً حجت ہیں۔ ۱۹، ۲۰ کی سند بالکل صحیح ہے۔

۲۱...... عن شتير بن شكل وكان من أصحاب علي أنه كان يؤمهم في شهر رمضان بعشرين ركعة ويوتر بثلاث۔ (بیہقی ص ۴۹۶، ج ۲) ولا الجهالة في خير القرون لا يضر۔

ترجمہ: حضرت شتیر بن شکل جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔

۲۲...... عن أبي البختري أنه كان يصلي خمس ترويحات ويوتر بثلاث (ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳، ج ۲)

ترجمہ: ابو البختری (۸۳ھ یہ بھی اصحاب علی رضی اللہ عنہ سے تھے) بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ طبقہ سے شعبہ راوی ہے وھو لا یروی الا عن ثقة۔ (تہذیب ص ۱۳۹، ج ۳)

۲۳...... عن أبي الخصيب قال كان يؤمنا سويد بن غفلة في رمضان

کوئی شور نہیں کیا گیا اور آپ حیران ہوں گے کہ اس پورے خیر القرون میں صرف آٹھ رکعت تراویح کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔

نوٹ: آنحضرت ﷺ چونکہ تہجد اور وتر کی نماز اکٹھی پڑھا کرتے تھے اس لئے راوی ان سب کو ملا کر کبھی تہجد کے نام سے روایت کر دیتے ہیں اور کبھی وتر کے نام سے، مثلاً عموماً آنحضرت ﷺ آٹھ رکعت تہجد ادا فرماتے اس کے ساتھ تین وتر ملا کر گیارہ ہو جاتیں، کبھی فجر کی سنتوں کو بھی ساتھ ملا کر بیان کر دیتے تو تعداد تیرہ ہو جاتی اور کبھی شروع کے دو نفل تحیۃ الوضو کے بھی راوی ساتھ ملا لیتا تو تعداد پندرہ ہو جاتی تو یہ صرف طرز روایت کا اختلاف ہے نہ کہ تعداد کا اختلاف۔ اس سے جیسے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ آنحضرت ﷺ فجر کی سنتیں پندرہ پڑھتے تھے اسی طرح یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ وتر پندرہ پڑھتے تھے غلط ہے۔ وتر ان میں تین ہی تھے اور فجر کی سنتیں دو ہی تھیں۔

اسی طرح اہل مکہ ہر چار رکعت کے بعد خانہ کعبہ شریف کا طواف کر لیتے تھے، اہل مدینہ اس دوران چار رکعتیں پڑھنے لگے تو بیس تراویح میں سولہ نوافل ملا کر روایت کر دیا گیا تو تعداد چھتیس ہو گئی اور چونکہ تین وتر بھی تراویح کے ساتھ ہی پڑھتے تھے بعض نے ان کو بھی ملا کر روایت کر دیا تو تعداد انتالیس ہو گئی اور بعض نے وتر کے بعد والے نوافل کو بھی شامل روایت کر دیا تو تعداد اکتالیس بیان کر دی۔ ہاں بعض لوگ چار یا آٹھ نفل ملاتے تو چوبیس ستائیس تراویح راوی بیان کر دیتا الغرض یہ تعداد تراویح کی سنت مقدار کا بیان نہیں بلکہ باقی نوافل وغیرہ ساتھ ملا کر روایت کر دی گئی ہیں۔ صحابہ ؓ کی بلا نکیر مواظبت چونکہ بیس رکعت پر ہی ہے اس لئے سنت اسی کو ہی کہا جائے گا۔ باقی کوئی جتنے نفل چاہے پڑھے۔ کبھی اس کے خلاف احناف نے نہ رسالہ شائع کیا، نہ اشتہار، نہ تبلیغ نہ رمضان کے مقدس مہینہ میں زائد عبادت کرنے والوں کے خلاف کوئی شور کیا بلکہ ان لوگوں کی حوصلہ افزائی اور تعریف کرتے ہیں۔

ائمہ اربعہؒ:

نبی پاک ﷺ کی پاک سنتوں اور خلفائے راشدین کے مقدس طریقوں کی حفاظت وتدوین جس جامعیت اور تفصیل کے ساتھ ائمہ اربعہؒ نے فرمائی ہے یہ مقام امت میں کسی اور کو نصیب نہیں ہوا اسی لئے پوری امت ان ہی کی رہنمائی میں پاک سنتوں پر عمل کررہی ہے ان میں سے کسی امام کی فقہ کے کسی متن میں آٹھ رکعت تراویح کو سنت مؤکدہ یا بیس کو بدعت نہیں لکھا گیا۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بیس کے قائل تھے اور امام مالکؒ بیس تراویح مع سولہ نوافل ۳۶ کے قائل تھے۔ (بدایۃ المجتهد ص۱۵۲ / ج۱)

اجماع امت:

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح باجماعت پر اجماع ہوا حضرت ملا علی قاریؒ بھی فرماتے ہیں:

(۱)...... اجمع الصحابة علی أن التراویح عشرون رکعة (مرقات ص۱۹۴، ج۳)

(۲) وبالاجماع الذی وقع فی زمن عمر اخذ أبو حنیفة و النووی و الشافعی و أحمد و الجمهور واختاره ابن عبد البر۔ (اتحاف سادۃ المتقین ص۴۲۲، ج۳)

(۳)...... وثبت اهتمام الصحابة علی عشرین فی عهد عمر و عثمان وعلی فمن بعدهم۔ (حاشیہ شرح وقایہ مولانا عبدالحی لکھنوی)

(۴) ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں: صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں (ادلۃ المصابیح ص۱۸)

(۵) ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: وهو الصحیح عن أبی بن کعب من غیر خلاف من الصحابة۔ (عمدۃ القاری ص۳۵۷، ج۵)

(۹) علامہ قاضی خان فرماتے ہیں: وھو المشھور من الصحابۃ و التابعین۔ (فتاوی قاضی خان ص ۱۱۲)

(۷۔۱۳) ابن قدامہ مغنی ص ۸۰۳ ج ۱ میں، شمس الدین شرح مقنع ص ۸۵۲، ج ۱ میں، علامہ قسطلانی شرح بخاری میں، مولانا محمد زکریا صاحب اوجز المسالک ص ۳۹۰ میں، علامہ عبدالحئی لکھنوی تعلیق الممجد ص ۵۳ میں، ملا علی قاری شرح نقایہ ص ۱۰۴ میں، نواب صدیق حسن غیر مقلد عون الباری ص ۳۰۷ ج ۲ میں اس اجماع کو نقل فرماتے ہیں۔

(۱۴، ۱۵) امام نووی باتفاق المسلمین کے لفظ سے اور ابن تیمیہ فلما جمعھم عمر علی ابی بن کعب سے اس اجماع کا ذکر فرماتے ہیں (کتاب الاذکار ص ۸۳، فتاوی ص ۴۰۱ ج ۴)

(۱۶، ۱۷) علامہ طحطاوی ص ۲۶۸ ج ۱، علامہ شرنبلالی مراقی الفلاح ص ۸۱ پر لفظ متوارث سے اجماع بیان کرتے ہیں۔

(۱۸۔۲۹) علامہ ابن الھمام فتح القدیر ص ۳۰۷ ج ۱، علامہ انور شاہ العرف الشذی ص ۳۲۰، علامہ ابن نجیم البحر الرائق ص ۶۶ ج ۲، شیخ عبدالحق محدث دہلوی ماثبت بالسنۃ ص ۲۱۷، علامہ شامی رد المحتار ص ۵۱۱ ج ۱، علامہ کاسانی البدائع والصنائع ص ۲۸۸ ج ۱، علامہ سبکی المصابیح ص ۱۶، علامہ سیوطی المصابیح ص ۱۶، علامہ حلبی شرح منیہ ص ۳۸۸ پر ثم استقر الأمر علی ھذا وغیرہ الفاظ سے اس اجماع کا ذکر فرماتے ہیں اور کسی اہل فن نے اس کا انکار نہیں کیا۔ ایوب صابر صاحب تمام غیر مقلدین کو ساتھ ملا کر بلکہ غیر مقلدیت کی ترقی یافتہ اقسام نیچریوں، قادیانیوں، چکڑالویوں اور اپنے محسنین برطانیہ کو ساتھ ملا کر کسی ایک حدیث کی کتاب یا متن فقہ کی مسلمہ کتاب یا مسلمہ تاریخ اسلام سے دکھا دیں کہ عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح پر اجماع نہیں ہوا یا اس اجماع پر عمل جاری نہیں رہا بلکہ عہد فاروقی میں اجماع صرف آٹھ رکعت پر ہوا اور ان آٹھ رکعت پر ہی امت کا تعامل و توارث بلا نکیر جاری رہا تو ہم انہیں اس محنت کے صلہ میں ایک دو نسب نامہ کے لئے پیش کر دیں

ہے۔ جس طرح اہل فن نے بتایا ہے کہ کسی عامل مرفوع اور کسی اہل فن نے اس کا انکار نہیں کیا تو تمام لوگ اس کو فن کا اجماعی مسئلہ مانتے ہیں، اگر کوئی نااہل اس کو نہ مانے تو اس سے اجماع پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور یہ تو ایوب صابر صاحب بھی جانتے ہیں کہ قرآن پاک میں سبیل مومنین سے کٹنے والے کو اور حدیث میں اجماع اور سواد اعظم سے کٹنے والے کو دوزخی کہا گیا ہے۔ اسی بنا پر علامہ انور شاہؒ فرماتے ہیں: وأما من اكتفى بثمان ركعات الثمانية وشذ عن السواد الأعظم وجعل يرميهم بالبدعة فلير عاقبته۔ (فیض الباری ص ۱۸۱ ج ۳) یعنی جو آٹھ رکعات پر اکتفا کر کے سواد اعظم سے کٹ گیا اور سواد اعظم کو بدعتی کہتا ہے وہ اپنا انجام سوچ لے، اور مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعت پڑھنے والا سنت مؤکدہ کا تارک ہے۔ (حاشیہ ہدایہ ص ۱۵۱ ج ۱)

مثال:

جس طرح ظہر سے پہلے چار رکعت سنت مؤکدہ ہے اگر ان چار کے ساتھ کوئی شخص نفل ملا لے تو کوئی ملامت نہیں مگر چار رکعت سنت کی بجائے دو رکعت سنت پڑھنے والا یقیناً تارک سنت ہے اور قابل ملامت ہے۔

ضروری تنبیہ:

اہل سنت والجماعت بالترتیب چار دلیلوں کو مانتے ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع امت، قیاس شرعی، اصول حدیث، اصول فقہ یا اسماء الرجال کی کوئی کتاب خدا اور رسول ﷺ کی لکھی ہوئی نہیں۔ اس لئے یہ اصول یا اجماعی ہوں گے یا اختلافی۔ ہم اجماعی اصولوں کو دلیل اجماع سے مانتے ہیں اور اختلافی اصولوں میں اصول احناف کے پابند ہیں، جس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے وہ لازم العمل ہے، اس کی سند پر بحث کی ضرورت نہیں، یہ اصول اجماعی ہے، مرسل مطلقاً حجت ہے، یہ اصول اجماعی ہے، جس مسئلہ پر اجماع ہوا ہے۔ اسے اسنادی بحثوں سے مختلف فیہ بنانا بھی اجماعی اصول

سے انحراف ہے۔ ہاں خیر القرون میں ارسال، جہالت، تدلیس کا مسئلہ اختلافی ہے، احناف اس کو جرح نہیں سمجھتے، ان کو شوافع کے اختلافی اصول ماننے پر مجبور کرنا بھی خرق اجماع ہے، غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ ہم صرف قرآن و حدیث مانتے ہیں، اس لئے وہ بتائیں کہ ان کو تو اجماعی اصول کے استعمال کا بھی حق نہیں چہ جائیکہ اختلافی اصول استعمال کریں، وہ بھی ان کے خلاف جو ان کو مانتے ہی نہیں، اجماع امت کے خلاف غیر مقلدین جو بیس رکعت کو بدعت اور آٹھ رکعت کو سنت کہتے ہیں، ان کی اصل دلیل جس کو بنیادی سمجھتے ہیں، حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔

غیر مقلدین کے مستدل کے جوابات:

(۱)　لیکن اس سے استدلال کی بنیاد نماز تہجد اور نماز تراویح کا ایک ہونا ہے جس کا ثبوت نہ قرآن میں ہے، نہ حدیث میں، نہ اجماع میں۔

(۲)　امت کے تمام محدثین نے اپنی احادیث کی کتابوں میں تہجد اور تراویح کے الگ الگ ابواب قائم کئے ہیں۔

(۳)　امت کے تمام فقہاء نے خواہ وہ حنفی ہوں یا شافعی، مالکی ہوں یا حنبلی کتب فقہ میں تراویح و تہجد کے ابواب الگ الگ بناتے ہیں۔ گویا محدثین و فقہاء کا یہ قطعی اجماعی مسئلہ ہے۔

(۴تا۱۵)　امام مسلم، امام مالک، امام عبدالرزاق، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابوعوانہ، امام ابن خزیمہ، امام مروزیؒ، امام دارمی، صاحب بلوغ المرام، صاحب مشکوٰۃ سب اس حدیث کو اپنی کتابوں میں لائے ہیں مگر باب تراویح میں نہیں لائے۔

(۱۶)　یہ تمام محدثین اس حدیث کو امام مالکؒ کی سند سے لائے ہیں، امام مالکؒ نے کبھی اس سے تراویح پر استدلال نہیں فرمایا کیونکہ وہ تو مع النوافل ۳۶ رکعات کے قائل و فاعل ہیں۔

(۱۷) امام محمد، امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ ان کو قیام رمضان میں لائے ہیں مگر یہ حضرات بھی تراویح اور تہجد کو ایک نہیں مانتے کیونکہ ان حضرات نے بھی تہجد کا باب تراویح سے الگ باندھا ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ قیام رمضان میں تراویح اور تہجد دونوں پڑھنی چاہئیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ تراویح اور تہجد دونوں پڑھا کرتے تھے (تاریخ بغداد)۔

(۱۸) فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے: نماز تہجد تو سارے سال میں ہوتی ہے اور تراویح خاص رمضان میں ہے (ص ۳۳۰ ج ۶)۔ اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں سارے سال والی نماز کا ہی ذکر ہے جو تہجد ہے۔

(۱۹) فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے: نماز تراویح میں جماعت شرط ہے اگر اکیلے اکیلے پڑھیں تو وہ تراویح نہ ہوگی۔ (ص ۲۴۳ ج ۶) اس حدیث میں وہی نماز ہے جو آپ ﷺ نے اکیلے پڑھی۔

(۲۰) اس حدیث کو خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عہد فاروقی، عہد عثمانی، عہد علوی میں کبھی بھی بیس رکعت والوں کے خلاف پیش نہ فرمایا۔ ہم نے لکھا تھا کہ کوئی ثابت کرے تو دس ہزار روپیہ انعام دیں گے، ہے کوئی زندہ دل غیر مقلد؟ مگر جواب میں سب مردہ بن گئے۔

(۲۱) آنحضرت ﷺ کی تہجد کی نماز والی احادیث بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، کسی ایک صحابی نے بھی تہجد والی روایت کو بیس رکعت تراویح والوں کے خلاف پیش نہ کیا۔

(۲۲) صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی سب لوگ بیس تراویح اور بعض نوافل ملا کر ۳۶ پڑھتے رہے، کسی تابعی، تبع تابعی نے اس تہجد والی حدیث کو ان کے خلاف پیش نہ کیا۔

(۲۳) تمام صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ اور اجماع امت کے خلاف غیر مقلدین کا سہارا ایک شاذ شخص قول ہے کہ زیلعی، ابن ہمام وغیرہ چند افراد نے حدیث

عائشہ رضی اللہ عنہا کو حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے معارض قرار دیا ہے، ان کی علمی بات کا خلاصہ یہی ہے کہ حدیث ابن عباس سنداً ضعیف ہے مگر تمام امت کا اجماعی تعامل بیس پر ہے اور حدیث عائشہ اگرچہ سنداً صحیح ہے مگر عملی طور پر تراویح کے باب میں اجماعاً متروک العمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سب حضرات ہمیشہ بیس رکعت ہی پڑھتے رہے انہوں نے کبھی بھی بیس کو بدعت نہیں فرمایا۔ ان کی شاذ و متروک العمل روایت کو پیش کرنا اور اجماعی اور معمول بہ مسئلہ کو چھوڑ دینا یہ نہایت قبیح علمی خیانت ہے۔

(۲۴)　　پھر ہم پوچھتے ہیں کہ آپ تو صرف قرآن و حدیث کا نام لیا کرتے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کی بات ماننے کو تیار نہیں، ائمہ اربعہ تک کو ارباب من دون اللہ میں شامل فرماتے ہیں۔ یہ لوگ بوجہ مقلد ہونے کے آپ کے نزدیک مشرک بھی ہیں، جاہل بھی، اندھے بھی، ان کے اقوال کو کیوں پیش کیا؟ اگر یہ کہو کہ ہم نے محض الزامی طور پر پیش کیا ہے تو آپ نے مان لیا کہ اس کی کوئی تحقیقی دلیل آپ کے پاس نہیں ہے۔ ہاں الزام بھی درست نہیں کیونکہ الزام مسلمات خصم پر مبنی ہوتا ہے۔ ہمارا مذہب متفق طور پر متون میں صرف بیس رکعت تراویح سنت ہے، یہ شاذ قول ایسا ہی ہے جیسے متواتر قرآن کے خلاف شاذ قرأتیں اور سنت متواترہ کے خلاف شاذ و متروک روایات۔ اس لئے ہمارا اصول یہی ہے وان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جہل وخرق للاجماع۔ قاضی کا حکم کرنا یا مفتی کا فتویٰ دینا مرجوح قول پر جہالت اور اجماع کا پھاڑنا ہے یعنی باطل اور حرام ہے۔ (درمختار ص ۳۱، ج ۱)

(۲۵،۳۰)　　خود غیر مقلدین کا بھی اس حدیث پر عمل نہیں۔ یہاں غیر رمضان کا لفظ ہے وہ غیر رمضان میں تراویح نہیں پڑھتے، یہاں چار چار رکعت کا ذکر ہے وہ دو دو پڑھتے ہیں، یہاں گھر میں نماز کا ذکر ہے وہ مسجد میں پڑھتے ہیں، یہاں تین وتر کا ذکر ہے وہ ایک پڑھتے ہیں، یہاں بلا جماعت نماز کا ذکر ہے وہ با جماعت پڑھتے ہیں، یہاں وتر سے پہلے سونے کا ذکر ہے وہ وتر سے پہلے نہیں سوتے۔ امید ہے کہ ان تین نمبروں کا جواب قرآن و

حدیث سے دیا جائے گا۔

حدیث جابر رضی اللہ عنہ کے جوابات:

دوسری روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی پیش کرتے ہیں۔ یہاں انہیں تین باتیں ثابت کرنا تھیں، ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح ہے، دوسری یہ کہ اس میں آٹھ رکعت پر مواظبت ثابت ہے، تیسری یہ کہ جب دور فاروقی وعثمانی وعلوی میں بیس رکعت تراویح باجماعت علی الاعلان مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پڑھی جاتی تھیں تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو ان کے خلاف پیش کیا تھا اور اپنی مسجد آٹھ تراویح کے لئے کوئی الگ بنائی تھی، مگر ایوب صاحب اور ساری کمپنی اس میں بالکل ناکام رہی ہے۔

۱......اس کا ایک راوی یعقوب بن عبداللہ قمی ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ ایک روایت کے بعد لکھتے ہیں: وهذا الحديث منكر جدا وفي إسناده ضعيف ويعقوب هذا هو القمي، وفيه تشيع ومثل هذا لا يقبل تفرده. (البدایہ والنہایہ ص ۲۷۵ ج ۸) یہ حدیث تحت منکر ہے اس کی سند ضعیف اور یعقوب قمی شیعہ ہے، ایسے مسائل میں اس کا تفرد مقبول نہیں۔ الغرض جہاں عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم یا مسلک صحابہ رضی اللہ عنہم مجروح ہوتا ہو وہاں ایسے راوی کا تفرد قبول نہیں اور اس تراویح والی روایت میں بھی یہ منفرد ہے اور اس کی روایت اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے۔

۲......دوسرا راوی عیسیٰ بن جاریہ ہے۔ امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں اس کے پاس منکر روایات ہوتی تھیں امام نسائی اس کو منکر الحدیث اور متروک فرماتے ہیں۔ امام ابوزرعہؒ لا باس بہ فرماتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ص ۳۱۱ ج ۲)

خود ایوب صابر نے بھی مانا ہے کہ یہ روایت بنیاد نہیں بطور شاہد ہے۔ اب شاہد کے لئے پہلے بنیاد تو بتاؤ، پھر ایسی روایت جب اجماع کے خلاف ہو تو اس کے منکر ہونے میں کیا شبہ؟ خود یہ بھی کسی حدیث وفقہ میں ثابت نہیں کہ یہ دونوں راوی ساری امت کے خلاف اپنی الگ مسجد بنا کر آٹھ تراویح پڑھا کرتے تھے۔

۳ پھر اس میں مواظبت تو کیا ثابت ہوتی بعض کتابوں میں لیلۃً صرف ایک رات کی صراحت ہے جو مواظبت کی تردید ہے۔ اجماع امت کے خلاف وتر فعل کو سنت کہنا غلط ہے۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت کے جوابات:

تیسری روایت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ والی پیش کرتے ہیں۔ یہاں بھی تین باتیں ثابت کرنا ضروری تھا، ایک یہ کہ یہ روایت صحیح ہے، دوسرے یہ کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھ پر از خود مواظبت ثابت ہے، تیسرے یہ کہ جب دور فاروقی وعثمانی میں لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ روایت ان کے خلاف پیش کی تھی اور نہ ماننے کی صورت میں یہ الگ ہو کر صرف آٹھ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے مگر یہ اس میں بالکل ناکام رہے ہیں۔

(۱،۲) یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں ابن یعقوب اور عیسیٰ ہیں۔

(۳) اس کی سند میں محمد بن حمید رازی ہے جس کو خود اہل حدیث بھی ثقہ نہیں مانتا، اس سے جان چھڑانے کے لئے بہت بڑا دھوکہ دیا ہے کہ محمد بن حمید کاتب کی غلطی ہے مگر اس پر بارہ (۱۲) صدیوں میں سے کسی محدث کا حوالہ موجود نہیں۔ پھر یہ لکھا ہے کہ میزان الاعتدال اور طبرانی میں اس کی سند میں جعفر بن حمید ہے، حالانکہ یہ محض جھوٹ ہے۔ جعفر بن حمید پچھلی روایت جابر رضی اللہ عنہ والی کا راوی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی نماز کا ذکر ہے۔ یہ حدیث وہ ہے جس میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے عورتوں کو نماز پڑھانے کا ذکر ہے۔

(۴) اس میں یہ بھی ثابت نہیں کہ یہ ضرور رمضان کا واقعہ ہے کیونکہ مسند احمد اور طبرانی میں رمضان کا ذکر ہی نہیں۔ ابو یعلیٰ میں یعنی رمضان ہے جو کسی راوی نے تفسیر کی ہے نہ کہ روایت راوی اور قیام اللیل میں رمضان کا لفظ ہے۔

(۵) اس میں مواظبت کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ مواظبت کے خلاف یہ جملہ ہے: کان منی اللیلۃ شیئٌ آج رات ایک عجیب بات ہوگئی۔

(۶) پھر دور فاروقی میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ خود بیس رکعت پڑھاتے رہے۔

(۷)...... پھر یہ روایت اجماعاً متروک العمل ہے ہو بہ اللہ علی الحمد نہ وفاق من شد شذ فی النار۔ الغرض آٹھ رکعت پر نہ مواظبت نبوی ثابت ہے نہ مواظبت صحابہ رضی اللہ عنہ بلکہ یہ مواظبت اور اجماع کے خلاف ہے۔

غیر مقلدین اور مخالفتِ نبی ﷺ:

غیر مقلدین مندرجہ ذیل امور میں حضور ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں۔

۱...... آج کل غیر مقلدین چاند رات سے نماز تراویح کی جماعت شروع کرتے ہیں حالانکہ آنحضرت ﷺ نے ساری زندگی میں ایک بار بھی چاند رات سے یہ جماعت شروع نہیں کروائی۔ یہ سنت نبوی ﷺ نہیں بلکہ سنت خلفاء راشدین ہے۔

۲...... آج کل غیر مقلدین پورا ماہ رمضان نماز تراویح باجماعت ادا کرتے ہیں حالانکہ آنحضرت ﷺ نے مسجد میں آنے ہوئے لوگوں کو فرمایا تھا اپنے گھر نماز پڑھو۔ یہ سارا مہینہ جماعت تراویح سنت نبوی نہیں بلکہ سنت خلفاء راشدین ہے۔

۳...... آج کل غیر مقلدین ہر سال رمضان میں تراویح باجماعت ادا کرتے ہیں جبکہ آنحضرت ﷺ نے صرف ایک سال آخری عشرہ میں تین دن جماعت کروائی تھی، یہ بھی سنت نبوی ﷺ ہرگز نہیں ہے بلکہ سنت خلفاء راشدین ہے۔

۴ آج کل غیر مقلدین پورا مہینہ رمضان میں عشاء کے فوراً بعد نماز تراویح پڑھتے ہیں حالانکہ یہ سنت نبوی ہرگز نہیں ہم تو اسے سنت خلفاء راشدین کہتے ہیں مگر مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبد القادر حصاروی فرماتے ہیں: بہر حال نماز عشاء کے بعد تراویح جماعت کے ساتھ ہمیشہ ادا کرنا جیسا کہ عام طور پر مروج ہے نہ تعامل نبوی سے ثابت ہے نہ تعامل خلفائے اربعہ سے اس لئے یہ سنت نہیں، جائز ہے۔ (صحیفہ اہل حدیث کراچی یکم رمضان ۱۳۹۲ھ)

۵...... آج کل غیر مقلدین سارا مہینہ مسجد میں نماز تراویح پڑھتے ہیں حالانکہ یہ سنت نبوی ہرگز نہیں۔ چنانچہ مولانا عبد القادر حصاروی تحریر فرماتے ہیں: مسجد میں جماعت سے عشاء کے بعد ہمیشہ نماز تراویح پڑھنا بدعت حسنہ ہے، سنت مؤکدہ نہیں بلکہ سنت نبوی اور

سنت خلفاء اربعہ بھی نہیں ہے۔ (حوالہ مذکور) نیز فرماتے ہیں: گھر میں تراویح پڑھنے کے یہ فضائل ہیں: فرضوں کے برابر ثواب ملنا، باجماعت نماز سے زیادہ ثواب ملنا، گھر میں نورانیت پیدا ہونا، گھر میں خیر و برکت نازل ہونا، یہ عمل خدا اور رسول کو محبوب ہونا وغیرہ۔ (ایضاً)

نوٹ: حصاروی صاحب فرماتے ہیں: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے بدعت کی دو قسمیں ثابت ہوئیں، ایک حسنہ، دوسری سیئہ، حسنہ وہ ہے جس کا ثبوت شارع سے ہو مگر اس کی ہیئت کذائیہ کا ثبوت نہ ہو اور سیئہ وہ ہے جس کا ثبوت ہی شارع سے نہ ہو یا ثبوت ہو مگر صحابہ کرام نے اس ہیئت کذائیہ پر تعامل نہ رکھا ہو، ایسی بدعت سے بالدوام بچنا چاہئے۔ (ایضاً)

۶ آج کل غیر مقلدین نماز تراویح باجماعت میں قرآن پاک ختم کرتے ہیں حالانکہ نماز تراویح میں قرآن پاک کا ختم ہرگز سنت نبوی نہیں ہے بلکہ سنت صحابہ ہے، البتہ اوکاڑہ کے غیر مقلدین نے ایک اشتہار میں اب ختم قرآن کو بدعت لکھ دیا ہے۔

۷ آج کل غیر مقلدین تراویح میں ختم قرآن کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ مولانا حصاروی لکھتے ہیں: کسی قرآن خوان کو امام بنا کر گھر میں جماعت کر لیا کریں۔ اس طرح ختم قرآن اور جماعت کا ثواب بھی حاصل ہو جائے گا یا سورۃ قل ھو اللہ ہر رکعت میں تین بار پڑھ لیا کریں۔ (ملخصاً ایضاً)

۸ آج کل غیر مقلدین نماز تراویح کے بعد سو جاتے ہیں حالانکہ یہ سنت نبوی نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ شروع ہوتا، آپ ﷺ کمر کس لیتے اور پورا مہینہ رات کو نہ سوتے۔ (عزیزی ص ۱۲۷ ج ۲ بحوالہ شعب الایمان بیہقی) ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سو جانا ثابت ہے۔ عہد فاروقی میں: والتی تنامون عنہا افضل۔ (بخاری ص ۲۶۹ ج ۲)

۹ صحیح بخاری شریف ص ۲۶۹ ج ۲ پر ہے کہ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں آنحضرت ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو بھی بیدار رکھتے تھے جب کہ غیر مقلدین اپنی بیویوں کو بیدار نہیں رکھتے۔

۱۰ آج کل غیر مقلدین تراویح میں قرآن پاک اس طرح دیکھ کر پڑھتے ہیں کہ اٹھایا ہوا ہے، ورق گردانی بھی ہو رہی ہے، رکوع کے وقت نیچے زمین پر رکھ دیتے ہیں، اگلی رکعت میں پھر اٹھا لیتے ہیں، یہ طریقہ نماز تراویح میں ہرگز ہرگز سنت نبوی سے ثابت نہیں ہے۔

ایوب صابر نے تحقیق تراویح ص ۸۷ میں امام ابوحنیفہؒ کو ان احبار و رہبان میں شامل فرمایا ہے جو اپنی طرف سے حرام کو حلال، حلال کو حرام کرتے تھے اور احناف کو ان عیسائیوں میں شامل کیا ہے جو اپنے احبار و رہبان کے حلال و حرام کرنے کو خدا و رسول کے مقابلے میں مانتے تھے۔ ایوب صابر کے شیخ الحدیث صاحب، اساتذہ اور جماعت کو اس پر بہت خوشی ہوئی کہ کتنا بڑا کارنامہ ہے کہ مسلمانوں کے امام اعظمؒ کو ان احبار و رہبان میں شامل کر دیا جو حرام خور، جھوٹے تھے۔ اہل حدیث زندہ باد کے نعرے بھی لگے ہوں گے، سب حنفی عیسائی، اہل حدیث زندہ باد۔ مگر جن لوگوں کی قرآن و حدیث پر نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ بخاری شریف کی حدیث کے موافق یہ خارجیوں کا وطیرہ تھا کہ کافروں والی آیات مسلمانوں پر چسپاں کیا کرتے تھے اور قرآن پاک کے مطابق یہود کا یہ وطیرہ تھا یحرفون الکلم عن مواضعہ وہ کلمات خداوندی کو بے موقع استعمال کرتے تھے۔ ایوب صابر کا استدلال جب درست ہوتا کہ وہ ان احبار و رہبان کا مجتہد ہونا قرآن و حدیث سے ثابت کرتے پھر اس آیت کو مجتہد پر فٹ کرتے اور یہ بھی بتاتے کہ یہود کے یہ احبار و رہبان چونکہ مجتہد تھے اس لئے ان کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اجر سے نوازا ہے، صواب پر دو اجر، خطا پر ایک۔ ایوب صابر نے قرآن کی آیت کا غلط استعمال کرکے مرزا قادیانی کی روح کو خوش کیا ہے اور اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔

قرآن و حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء دو قسم کے تھے، ایک تو خدا پر جھوٹ باندھتے۔ فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ جیسا کہ اس کا نقشہ آپ نے مذہب کی مستند کتابوں نزل الابرار، بدور الاہلہ، عرف الجادی، ہدیۃ المہدی میں دیکھ لیا ہے کہ ان حضرات نے یہ باتیں اس دعویٰ کے ساتھ لکھیں

کہ ان کتابوں کے مسائل صرف خدا اور رسول کے مسائل ہیں مگر جس اتفاق اور یقین سے آج تمام غیر مقلدین نے یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ ان کتابوں میں خدا رسول پر جھوٹ ہیں، اتنی صفائی سے شاید یہود و نصاریٰ نے بھی اپنے احبار و رہبان کے خلاف بیان نہ دیا ہو۔ یہاں دو شہادتیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی شہادت:

جماعت اہل حدیث اپنے نقص اعظم اور غیر محتاط نام نہاد علماء کی تحریروں اور تقریروں سے دھوکہ نہ کھائے کیونکہ ان میں سے بعض تو پرانے خارجی اور بے علم محض اور بعض پرانے کانگریسی ہیں جو کانگریس کا حق نمک ادا کرنے کے لئے ایک نہایت گہری زمین دوز (UNDER GROUND) تجویز کے تحت انگریز کی پالیسی (DEVIDE AND CONQUER) تفرق ڈالو اور فتح کرو سے مسلمانوں کو اختلافی مسائل میں مشغول کر کے باہمی اتفاق میں رکاوٹ اور مسلمانوں میں خصوصاً اہل حدیث میں تعصب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ (احیاء ملیت ص ۳۴)

(۲) علامہ وحید الزمان کی شہادت:

غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی بھی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین صحابہ اور تابعین کی۔ قرآن کی تفسیر صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے اس کو بھی نہیں سنتے۔ (حیات وحید الزمان ص ۱۰۲ بحوالہ لغات الحدیث)

نصیحت:

کاش اب بھی مدیر کے شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود جلالپوری اور استاد محمد رفیق جلالپوری اپنے شاگردوں کو مولانا داؤد غزنوی سابق امیر جماعت کی یہ نصیحتیں یاد دلا دیتے۔ مولانا داؤد غزنوی فرماتے ہیں: ”دامرے لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ اہل حدیث

حضرات ائمہ اربعہ کی توہین کرتے ہیں، بلا وجہ نہیں ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے حلقہ میں عوام اس گمراہی میں مبتلا ہو رہے ہیں اور ائمہ اربعہ کے اقوال کا تذکرہ حقارت کے ساتھ کر جاتے ہیں، یہ رجحان سخت گمراہ کن اور خطرناک ہے، ہمیں سختی کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کرنی چاہئے۔" (داؤد غزنوی ص ۸۹)

بنی اسرائیل میں دوسری قسم کے علماء وہ تھے جن کو قرآن پاک نے ربانی فرمایا ہے اور صحیح بخاری ص ۱۶ ج ۱ پر ربانی کا معنی فقیہ لکھا ہے اور قرآن پاک میں حضرت موسیٰ کے ذکر کے بعد فرمایا ہے: وجعلنا منہم ائمۃ یہدون بامرنا۔ معلوم ہوا ان میں ائمہ اور فقہاء بھی تھے تو امام ابوحنیفہؒ جو امام اور فقیہ ہیں ان کے لئے یہ آیات لکھنی چاہئیں تھیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے بھی یہ نہ فرمایا کہ میں خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتا ہوں بلکہ فرمایا: القیاس مظہر لا مثبت۔ میں خدا رسول کے وہ احکام جو عوام کے ذہن سے پوشیدہ اور چھپے ہوئے ہیں صرف ان کو ظاہر کرتا ہوں۔ نہ پوشیدہ حکم کی تلاش گناہ ہے نہ ہی ظاہر شدہ حکم پر عمل گناہ ہے۔ ہم بھی ائمہ مجتہدین کو شارع نہیں بلکہ شارح سمجھتے ہیں، وہ واسطہ فی التعلیم اور واسطہ فی الایمان ہیں۔ ایوب صاحب نے دو مثالیں بھی دی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شراب (خمر) کو حرام فرمایا، امام ابوحنیفہ نے خمر کو حلال کر دیا حتیٰ اب خدا کی بات نہیں سنتے امام ابوحنیفہ کی بات مانتے ہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ اور تمام احناف کے نزدیک خمر قطعاً حرام ہے اور پیشاب پاخانہ کی طرح نجاست غلیظہ بھی ہے جب کہ غیر مقلدین خمر کو پاک کہتے ہیں۔ ایوب صاحب کا جھوٹ اور بہتان منافق کی نشانی ہے نہ کہ اہل حدیث کی۔ دوسری مثال یہ دی کہ رسول اقدس ﷺ سے پوچھا گیا کہ ضب (گوہ) حرام ہے، آپ نے فرمایا نہیں لیکن میں نہیں کھاتا، اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا ضب مکروہ ہے۔ یہاں بھی ایوب صاحب اگر صحاح ستہ میں سے صرف ابوداؤد شریف ہی دیکھ لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ بعد میں خود حضور ﷺ نے ضب سے منع فرما دیا تھا۔ اب امام صاحب کا علم کامل ہے کہ دونوں باتیں سامنے ہیں اور آخری حدیث پر فتویٰ ہے اور ایوب کا علم ناقص ہے اور خواہ مخواہ

ائمہ دین کا مت چڑا رہا ہے۔ مولانا داؤد غزنوی کی یہ نصیحت یاد فرمالیں، انہوں نے مولوی اسحاق کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا: "مولوی اسحاق! جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابوحنیفہ کی روحانی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے، ہر شخص ابوحنیفہ ابوحنیفہ کہہ رہا ہے۔ کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ کہہ دیتا ہے پھر ان کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ۔ اگر کوئی بہت بڑا احسان کرے تو وہ انہیں سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے، جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطہ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد و یک جہتی کیونکر پیدا ہو سکتی ہے۔" (داؤد غزنوی ص ۱۳۷)

آپ کے جن علماء نے ہاتھی، خچر، جنگلی بلے اور ہر سمندری جانور خواہ کتا ہو یا خنزیر، مینڈک ہو یا کچھوا حلال کہا ہے اور گدھے، کوے چمگادڑ کو حلال کہا ہے بلکہ منی تک کا کھانا ایک قول میں حلال کہا ہے۔ اس بارے میں کوئی قطعی نصوص آپ پیش کر سکتے ہیں؟ اگر آپ کو حلت کی نصوص نہ ملیں اور آپ اپنے احبار و رہبان کے خلاف ان کو حرام کہیں تو ان کی حرمت کی نصوص تحریر فرمادیں ورنہ بتائیں کہ ان کی حلت و حرمت کن احبار و رہبان سے آپ نے لی ہے۔ آپ نے ائمہ اربعہ کو احبار و رہبان والی آیت کا مصداق قرار دیا ہے۔ آپ کے بھائی اہل قرآن تمام محدثین، معدلین، اور جارحین کو اس آیت کا مصداق قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے سب اصول بھی قیاسی اور ظنی ہیں۔

آپ نے ابن حجرؒ، زرقانیؒ، زیلعیؒ، ابن ہمامؒ وغیرہ بہت سے علماء کے اقوال لکھے ہیں، آپ ان کو خدا سمجھتے ہیں یا رسول یا ارباباً من دون اللہ۔ آپ نے بہت سے سوال و جواب اپنے قیاسات سے گھڑے ہیں جب کہ آپ کے نزدیک قیاس کار شیطان ہے۔

آپ نے تحقیق تراویح پر قلم اٹھایا:

(۱)...... آپ قرآن پاک سے نہ آٹھ رکعت تراویح کا سنت ہونا ثابت کر سکے نہ بیس رکعت تراویح کا منع ہونا۔

(۲)...... آپ کسی قولی حدیث سے آٹھ رکعت با جماعت بعد عشاء مسجد میں ختم قرآن

کے ساتھ، اس کا نہ حکم پیش کر سکے نہ قولی حدیث سے جس کا ثبوت ثابت کر سکے۔

(۳) آپ نے جو نفل حدیث پیش کی نہ اسے صحیح ثابت کر سکے، نہ اس پر مواظبت ثابت کر سکے، بلکہ اس حدیث پر عمل سے انکار کر دیا جس کو تلقی بالقبول حاصل تھی۔

(۴) خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے نہ آٹھ کی کوئی غیر مضطرب روایت پیش کر سکے نہ مواظبت ثابت کر سکے کہ آٹھ کو سنت خلفاء ہی کہا جاتا ہے ہاں اس کے بالمقابل ان احادیث کے انکار کا گناہ سر پر لیا جن پر امت کا تواتر ہے۔

(۵) ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی فقہ کے متن سے آٹھ کا سنت اور بیس کا بدعت ہونا ثابت نہ کر سکے، ہاں امام مالک کی طرف بے سند قول اور ابن ہمام کا شاذ قول پیش کیا جو آپ کے اصول پر شرک اور ہمارے اصول پر باطل اور خرق اجماع اور حرام ہے۔ (درمختار)

(۶) بعض بعض لوگوں کے اقوال وہ بھی شاذ اور غیر متعلق پیش کر کے اپنے مشرک ہونے کا ثبوت دیا۔ بعض جگہ تمیں محض بے سند لکھ کر اپنے اصول پر بے دین بنے اور بعض اپنے قیاسات لکھ کر شیطان بنے۔

(۷) آپ یہ فرمائیں کہ جو مسائل صراحۃً کتاب و سنت میں نہیں ملتے ہم ان مسائل کو اجتہاد و تقلید میں دائر سمجھتے ہیں کہ مجتہدین اجتہاد کر لیں، غیر مجتہدین تقلید۔ آپ کے نزدیک اجتہاد کرنا شیطان کا کام ہے اور تقلید کرنا مشرک کا۔ آخر آپ کے عوام کے لئے ایسے مسائل میں عمل کرنے کا کون سا راستہ ہے وہ عوام بے چارے دلیل تفصیلی کو سمجھنا تو کیا تھیں اس کی تعریف بھی نہیں کر سکتے۔ آپ کے علماء اجتہاد تو کیا کریں گے، اجتہاد کی جامع مانع تعریف اور اس کی شرائط بھی ہماری کتابوں سے چوری کئے بغیر نہیں بتا سکتے۔ آپ کے عوام اپنے علماء سے ایسے مسائل پوچھیں بغیر تفصیلی دلیل جانے تو مشرک بنیں، نہ پوچھیں تو ساری عمر جاہل بے عمل رہیں اور جاہل بے عمل ہی مریں۔ بہر حال اس کا جواب آپ کے ذمہ ہے پیچھے جو سوالات گزرے ہیں ان کے جوابات بھی آپ کے ذمہ ہیں جو نہ آپ نے دیئے اور نہ دے سکتے ہیں (ان شاء اللہ) میں اپنی اس تحریر کو یہیں ختم کرتا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین۔

میں ایک طرف کی روایات پر اجماع ہے تو ان پر عمل کرتے ہیں اور اگر اجماع نہ ہو تو اس تعارض کے لئے مجتہد کی طرف رجوع کرتے ہیں، کیونکہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ سے صراحۃً ثابت ہے کہ اگر فیصلہ کتاب وسنت سے نہ ملے تو اجتہاد کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ جو شخص خود اجتہاد کر سکتا ہے وہ خود اجتہاد کرے اور جو اس کی اہلیت نہ رکھتا ہو وہ مجتہد کی تقلید کر کے راجح حدیث پر عمل کرے۔ ائمہ مجتہدین کا یہ اختلاف حق اور باطل کا اختلاف نہیں بلکہ صواب وخطا کا اختلاف ہے اور مجتہد نہ ہی معصوم ہے نہ ہی مطعون ہے بلکہ ہر ہر حال میں ماجور ہے، خواہ دو اجر ملیں یا ایک اجر ملے، عمل بہر حال مقبول ہے اس لئے کسی وسوسہ کی ضرورت نہیں۔

اس کے برعکس لامذہب غیر مقلدین کا طرز ایسی روایات کے بارے میں نہایت خطرناک ہے ان کے مولوی اپنی جہالت کو چھپانے کے لئے خود تو روپوش ہیں، ان پڑھ لڑکوں کو گلی بازار میں چھوڑا ہوا ہے ان کا طرز یہ ہے:

ا۔ جس سے ملتے ہیں اس پر پہلا سوال یہ کرتے ہیں کہ آپ کا فلاں عمل کس حدیث میں ہے اور شور مچاتے ہیں کہ تمہارے پاس کوئی حدیث نہیں۔ جب آپ ان سے پوچھیں کہ آپ کے پاس اس عمل کے خلاف کون سی حدیث ہے تو خاموش۔

۲۔ ان سے آپ پوچھیں کہ آپ جو فلاں عمل کرتے ہیں اس کی حدیث سنائیں تو چونکہ ان کو حدیث نہیں آتی اس لئے فوراً کہتے ہیں کہ تم ہی حدیث سناؤ کہ کس حدیث میں یہ کام منع ہے؟

۳۔ جب انہیں دکھادی جائے تو اس کو ہرگز نہیں مانتے بس یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ صحاح ستہ میں نہیں۔ صحاح ستہ کے علاوہ تمام احادیث کا کھلم کھلا انکار کرتے ہیں اور نام اہل حدیث رکھتے ہیں۔

۴۔ اگر سنن اربعہ سے حدیث دکھائیں تو کہتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے، بخاری مسلم سے دکھاؤ۔ اس طرح سنن اربعہ کی احادیث کے بھی منکر ہیں۔

۵۔ اگر صحاح ستہ سے کوئی حدیث دکھائیں تو فوراً اپنی طرف سے کوئی شرط لگا

دیتے ہیں کہ فلاں لفظ ہوگا تو ہم مانیں گے ورنہ ہم نہیں مانیں گے۔ گویا یہ فرقہ اللہ تعالیٰ اور رسول اقدس ﷺ کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ حضرت اگر کوئی دینی مسئلہ بتانا ہو تو ہم سے پوچھ لینا کہ کن الفاظ میں مسئلہ بیان کریں اور کس شرط کے موافق بات کریں۔ اے اللہ تعالیٰ! اے نبی پاک! آپ نے اپنے الفاظ میں کوئی مسئلہ بیان فرمادیا جو ہماری شرط کے موافق نہ ہوا تو ہم ہرگز نہیں مانیں گے۔ یاد رہے کہ یہ لا مذہب نہ خدا کی مانتے ہیں نہ رسول ﷺ کی، صرف اپنی شرط پر ایمان رکھتے ہیں۔

۶۔ اگر ایسی حدیث بھی پیش کر دی جائے جس میں وہی الفاظ ہوں اور ان کی شرط بھی پوری ہو جائے تو پھر بھی اس کو بالکل نہیں مانتے بلکہ بڑے زور و شور سے کہتے ہیں یہ ضعیف ہے، ضعیف ہے۔ تاکہ عوام سمجھیں کہ بڑا محدث ہے حالانکہ وہ سکول کا طالب علم یا رکشا ڈرائیور ہوتا ہے۔ الغرض انکار حدیث کے لئے یہ فرقہ ہر دھوکہ کرتا ہے۔

۷۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ احناف کی نماز غلط ہے ہم کہتے ہیں کہ اچھا ہم تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کرتے ہیں آپ بالترتیب ہر مسئلہ کے خلاف ایک ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث لکھواتے جائیں تو بالکل تیار نہیں ہوں گے۔ حالانکہ احادیث لکھوانا کوئی گناہ نہیں۔

۸۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم جو نماز پڑھتے ہیں اس کا ہر ہر مسئلہ حدیث سے ثابت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ نماز بدنی افعال اور زبانی اذکار کا مجموعہ ہے۔ آپ اپنی نماز کے اعمال اور اذکار یا لترتیب لکھ دیں پھر ہر عمل اور ذکر کی ترتیب اور درجہ کہ یہ فرض ہے یا سنت یا نفل وغیرہ حدیث صریح سے دکھائیں، اور ہر ذکر کے بارے میں یہ فیصلہ کہ بلند آواز سے پڑھا جائے یا آہستہ اس کی صریح حدیث دکھاتے جائیں اور ہر عمل اور ذکر میں بھول کا مسئلہ حدیث صریح سے بتاتے جائیں تو ہرگز تیار نہیں ہوں گے۔ کراچی، رحیم یار خان، کوہاٹ، وہاڑی، لاہور، اوکاڑہ، چیچہ وطنی، گکھڑ، دالی اور ہارون آباد میں وعدہ کر کے بھاگ گئے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں کہ ہم نے اپنی مکمل نماز فلاں شہر میں ثابت کر دی لیکن جب کہا جاتا ہے کہ کیسٹیں لاؤ تو فوراً آ کر کہتے ہیں کہ کیسٹیں ہمارے پاس موجود ہیں ہم نے خود سنی ہیں۔ جب کہا جاتا ہے کہ ہمیں،

ان کیسٹوں سے مکمل مسائل حدیث سے سنا دو تو وہاں تکبیر تحریمہ کے مسئلہ کی بھی پوری وضاحت نہیں ملی۔

۹۔ان لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ آپ نمازیوں کے دلوں میں وسوسے کیوں ڈالتے ہیں؟ کیونکہ قرآن پاک نے وسوسے ڈالنے والے کو خناس کہا ہے تو اہل حدیث تو عوام کو کہتے ہیں کہ ہم تو تحقیق کرتے ہیں۔ تو یاد رہے کہ یہ تحقیق نہیں بلکہ گناہ اور فتنہ وفساد ہے کیونکہ یہ لوگ نہ تو محدث ہیں نہ مجتہد، بلکہ بے علم اور نا اہل ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا آخری زمانہ میں بے علم لوگ فتویٰ دیا کریں گے وہ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے (بخاری) اور دوسری حدیث پاک میں ہے کہ: "اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ" (بخاری) "کہ جب نا اہل کی طرف معاملہ سپرد کیا جائے گا تو وہ قیامت ڈھائے گا۔" اور قیامت نام ہی فساد کا ہے دو بھی دین میں فساد برپا کریں گے اور عجیب بات ہے کہ اس فساد کا نام تحقیق رکھا ہے اور یہ لوگ باوجود جاہل اور نا اہل ہونے کے مجتہدین مثلاً ائمہ اربعہ اور محدثین مثلاً زیلعی، عینی، علی قاری، ابن ترکمانی، علامہ انور شاہ، حضرت بنوری رحمہم اللہ وغیرہ پر تنقیدیں کرتے ہیں اور ان سے جھگڑا کرتے ہیں حالانکہ حضور ﷺ بیعت لیتے وقت یہ شرط لیا کرتے تھے کہ ان لا ننازع الامر اھلہ (بخاری) "کہ ہم اہل فن سے منازعت نہیں کریں گے۔" یہ نا اہل کی منازعت گناہ کبیرہ ہے، لا مذہبوں نے اس کا نام تحقیق رکھا ہے حالانکہ قرآن مجید میں ہے: الفتنۃ اشد من القتل۔

لا مذہب غیر مقلدین اور احناف کے درمیان بہت سے مسائل میں اختلاف ہے ان مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ عورت اور مرد کی نماز میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ کوئی فرق نہیں ہے۔ لا مذہب غیر مقلدین کا یہ مسئلہ قرآن اور حدیث سے ہرگز ثابت نہیں ہے بلکہ اجماع امت اور احادیث کے خلاف محض ابن حزم ظاہری کی تقلید پر مبنی ہے۔

شریعت مطہرہ میں بعض احکام مرد اور عورت میں مشترک ہونے کے باوجود بعض

تفصیلات میں فرق ہوتا ہے مثلاً:

۱۔ حج مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے مگر عورت کے لئے زادِ راہ کے علاوہ محرم کی شرط بھی ہے یا خاوند ساتھ ہو۔

۲۔ حج سے احرام کھول کر مرد سر منڈا دیتے ہیں مگر عورت سر نہیں منڈاتی۔

۳۔ حکمِ نکاح مرد و عورت دونوں میں مشترک ہے مگر طلاق مرد کے ساتھ خاص ہے اس کا حق صرف مرد کو ہے اور عدت عورت کیساتھ خاص ہے۔

۴۔ ایک مرد کو چار عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے مگر ایک عورت کو ایک سے زائد مرد سے نکاح کی اجازت نہیں۔

خود لامذہب غیر مقلدین بھی نماز کے بہت سے مسائل میں مرد اور عورت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ ان کی مساجد میں مرد تو امام اور خطیب ہیں لیکن کسی مسجد میں عورت نہ امام ہے نہ خطیب۔

۲۔ ان کی مساجد میں مؤذن ہمیشہ مرد ہوتا ہے عورت کو بھی مؤذن نہیں بناتے۔

۳۔ نماز باجماعت کی اقامت ہمیشہ مرد کہتے ہیں عورت سے اقامت نہیں کہلاتے۔

۴۔ ہمیشہ اگلی صفوں میں مرد کھڑے ہوتے ہیں، عورتوں کو اگلی صفوں میں کھڑا نہیں کرتے۔

۵۔ ان کے اکثر مرد ننگے سر نماز پڑھتے ہیں مگر عورتیں نماز کے وقت دوپٹہ نہیں اتار پھینکتیں۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت قال رسول اللہ ﷺ لا تقبل صلوٰۃ الحائض الا بخمار (ترمذی ج ۱ ص ۸۶، ابوداؤد ج ۱ ص ۹۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بالغ عورت

کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں ہوتی۔

۶۔ان کے مردوں کی اکثر کہنیاں اور نصف پنڈلیاں نماز میں ننگی رہتی ہیں لیکن ان کی عورتیں اس طرح نماز نہیں پڑھتیں۔

۷۔مرد اور عورت کے "ستر عورت" میں بھی فرق ہے۔

۸۔نماز جمعہ مرد پر فرض ہے عورت پر فرض نہیں۔ اسی طرح نماز پنجگانہ کا باجماعت ادا کرنا مردوں پر لازم ہے نہ کہ عورتوں پر۔

۹۔نماز میں کوئی بات پیش آئے تو مرد تسبیح کہے اور عورت ہاتھ سے کھٹکا کرے (ترمذی وغیرہ)

ظاہر ہے کہ ان سب مسائل میں سنتوں بلکہ فرائض تک کے مقابلہ میں عورت کے ستر اور پردہ کو خاص اہمیت دی گئی ہے اس لئے ائمہ اربعہ نے رکوع سجود اور قعدے وغیرہ کی ہیئت میں بھی مرد اور عورت کے فرق کو ملحوظ رکھا ہے اور اس میں اصل علت اسی ستر پوشی کو قرار دیا ہے۔

ائمہ احناف میں سے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ عورت ہاتھ کندھوں تک اٹھائے یہ اس کے لئے زیادہ ستر کا باعث ہے اور سجدہ کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عورت سمٹ کر سجدہ کرے یہ اس کے پردہ کے زیادہ مناسب ہے۔

امام شافعیؒ کتاب الام (ص ۱۱۵ ج ۱) میں فرماتے ہیں عورت کے لئے پسندیدہ یہی ہے کہ سمٹ کر سجدہ کرے کیونکہ یہ زیادہ باعث ستر ہے اور ساری نماز میں ستر کا اہتمام کرے۔

امام نوویؒ نے مجموع میں اسی طرح مذہب شافعی بیان کیا ہے۔

مالکیہ میں سے ابو زید قیروانی نے الرسالہ میں صراحت فرمائی ہے کہ ابن زیاد کی روایت جو صحیح ہے یہی ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ عورت سمٹ کر سجدہ کرے۔

(بحوالہ نصب العمود ص ۵۰)

حنابلہ کی معتبر کتاب مغنی ابن قدامہ میں بھی اس فرق کی صراحت موجود ہے۔

(قال الامام الخرقی الحنبلیؒ)

و الرجل و المرأة في ذلك سواء الا ان المرأة تجمع نفسها في الركوع و السجود و تجلس متربعة او تسدل رجليها فتجعلهما في جانب يمينها (قال الشارح ابن قدامة الحنبلیؒ) الاصل ان يثبت في حق المرأة من احكام الصلوة ما ثبت للرجال لان الخطاب يشملها غير انها خالفته في ترك التجافي لانها عورة فاستحب لها جمع نفسها ليكون استر لها فانه لا يؤمن ان يبدو منها شيء حال التجافي و ذلك في الافتراش قال احمد و السدل اعجب الي و اختاره الخلال (المغني لابن قدامة ج ۱ ص ۵۶۲)

امام خرقی حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ مرد و عورت اس میں برابر ہیں سوائے اس کے کہ عورت رکوع و سجود میں اپنے آپ کو اکٹھا کرے (سکیڑے) پھر یا تو چہار زانو بیٹھے یا سدل کرے کہ دونوں پاؤں کو دائیں جانب نکال دے، ابن قدامہ حنبلیؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ عورت کے حق میں نماز کے وہی احکام ثابت ہوں جو مرد کے لئے ثابت ہیں کیونکہ خطاب دونوں کو شامل ہے بایں ہمہ عورت مرد کی مخالفت کرے گی ترک تجافی میں (یعنی عورت مرد کی طرح رانوں کو پیٹ سے دور نہیں رکھے گی بلکہ ملائے گی) کیونکہ عورت ستر کی چیز ہے لہٰذا اس کے لئے اپنے آپ کو سمیٹ کر رکھنا مستحب ہے تاکہ یہ اس کے لئے زیادہ ستر کا باعث بنے اور وجہ یہ ہے کہ عورت کے لئے رانوں کو پیٹ سے جدا رکھنے میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ اس کا کوئی عضو کھل جائے۔

• محدثین میں سے ابن دقیق العید نے شرح عمدۃ الاحکام میں اور ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں اسی کو بیان فرمایا ہے بلکہ غیر مقلدین میں سے امیر یمانی نے سبل السلام میں، مولانا عبد الجبار غزنوی نے فتاویٰ غزنویہ میں اور مولوی علی محمد سعیدی نے فتاویٰ علماء حدیث میں اسی طرح لکھا ہے بلکہ مولوی عبد الحق ہاشمی مہاجر مکی غیر مقلد نے اس فرق پر پورا رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے نصب العمود فی تحقیق مسئلہ تجافی المرأۃ فی

للرکوع و السجود و القعود.

مثال: آنحضرت ﷺ کا فرمان پاک ہے کہ مکھی پینے کی چیز میں گر جائے تو اسے غوطہ دے کر نکال کر پھینک دو اور وہ چیز ناپاک نہیں ہوتی۔ اس حدیث سے مجتہدین نے اجماعاً یہ علت تلاش کر لی کہ مکھی کی رگوں میں دم مسفوح (رگوں میں دوڑنے پھرنے والا خون) نہیں ہے۔ اس لئے جس جانور میں یہ صفت پائی جائے گی وہاں یہی حکم پایا جائے گا چنانچہ مچھر، جگنو، بھڑ، چیونٹی وغیرہ سینکڑوں جانوروں کا حکم معلوم ہو گیا کہ ان کے گرنے سے اجماعاً چیز ناپاک نہیں ہوتی۔ اسی طرح کتاب و سنت اور اجماع سے مجتہدین نے اجماعاً یہ سمجھا کہ عورت کے پردہ کا اتنا اہتمام ہے کہ بعض اجماعی سنتیں مثلاً اذان، اقامت، امامت بلکہ بعض فرائض جیسے جمعہ، جہاد ان سے ساقط کر دیئے گئے۔ پس نماز میں بھی اس کے ستر کا کامل خیال رکھا گیا۔

۱۔ عن وائل بن حجر ؓ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ یا وائل بن حجر اذا صلیت فاجعل یدیک حذاء اذنیک والمرأۃ تجعل یدیها حذاء ثدییها

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے ابن حجر جب تم نماز پڑھو تو کانوں کے برابر ہاتھ اٹھاؤ اور عورت اپنے ہاتھوں کو چھاتی کے برابر اٹھائے (کنز العمال ج ۷ ص ۳۰۷، مجمع الزوائد ص ۱۰۳ ج ۲ ص ۱۷۲ ج ۹، طبرانی ص ۱۹ ج ۲۲)

اسی پر عمل امت میں جاری رہا۔ مرکز اسلام کوفہ میں امام حماد یہی فتویٰ دیتے تھے کہ عورت جب نماز شروع کرے تو اپنے ہاتھ چھاتی تک اٹھائے۔

مدینہ اسلام مدینہ منورہ میں امام زہریؒ یہی فتویٰ دیتے تھے کہ عورت اپنے ہاتھ اپنے کندھوں تک اٹھائے اور ام درداءؓ بھی کندھوں تک ہاتھ اٹھاتی تھیں۔

عن عبد ربہ بن سلیمان بن عمیر قال رأیت ام الدرداء ترفع یدیها فی الصلٰوۃ حذو منکبیها (جزء رفع یدین للامام البخاری ص ۷)

حضرت عبد ربہ بن سلیمان بن عمیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ام درداء رضی

اللہ عنہا کو دیکھا کہ آپ نماز میں اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتی ہیں۔

اسی طرح مجمع الاسلام مکہ مکرمہ میں حضرت عطاء بھی فتویٰ دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہاتھ اٹھانے میں عورت مرد کی طرح نہیں ہے (ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۳۹)

اور اس خیر القرون میں کسی ایک فرد نے بھی اس پر اعتراض نہ کیا کیونکہ لا مذہب اس زمانہ میں نہ تھے۔

۲۔ استاذ العلماء حضرت مولانا عبد الحئی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں۔

واما فی حق النساء فاتفقوا علی ان السنۃ لهن وضع الیدین علی الصدر (السعایہ ج ۲ ص ۱۵۶)

عورتوں کے متعلق سب کا اتفاق ہے کہ ان کے لئے سنت سینے پر ہاتھ رکھنا ہے۔

قال الامام ابو الحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی والمرأۃ ترفع یدیها حذاء منکبیها هو الصحیح لانه استر لها وقال ایضاً والمرأۃ تنخفض فی سجودها وتلزق بطنها بفخذیها لان ذلک استر لها (ہدایہ ج ا ص ۹۲)

امام ابو الحسن علی بن ابو بکر فرماتے ہیں "اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اپنے مونڈھوں تک اٹھائے یہی صحیح ہے کیونکہ یہ طریقہ اس کے لئے زیادہ پردہ کا ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں، اور عورت اپنے سجدہ میں پست رہے اور اپنے پیٹ کو رانوں سے ملائے کیونکہ یہ اس کے لئے زیادہ پردہ کا باعث ہے۔

یہ مسئلہ بھی اجماعی ہے اور اجماع امت کا مخالف بحکم قرآن و حدیث دوزخی ہے اور حدیث میں اجماع سے کٹنے والے کو شیطان بھی کہا گیا ہے۔

افسوس ہے کہ غیر مقلدین مرد بھی عورتوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں۔ ایک جگہ غیر مقلدین کا جلسہ تھا۔ کوئی غیر مقلد وہاں نماز پڑھ رہا تھا اس کا یہ طریقہ دیکھ کر دو شخص آپس میں باتیں کرنے لگے کہ یہ عجیب آدمی ہے کہ خدا نے اس کو مرد بنایا مگر یہ نماز عورتوں والی پڑھتا ہے۔ دوسرے نے کہا اس نے نماز اپنی بے بے جی سے سیکھی ہوگی۔ اس لئے زنانی نماز پڑھتا ہے۔

۳۔ مردوں کو چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر بائیں کلائی کو پکڑنا چاہیے اور داہنی تین انگلیاں بائیں کلائی پر بچھانی چاہئیں اور عورت کو داہنی ہتھیلی بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھنی چاہیے، حلقہ بنانا اور بائیں کلائی کو پکڑنا نہ چاہیے (شامی ج۱ص۳۲۹)

عورت کے لئے اس طرح ہاتھ رکھنا بھی اجماعی مسئلہ ہے اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں۔

فائدہ: آنحضرت ﷺ کے ہاتھ باندھنے کی روایات مختلف ہیں۔ کسی میں ہے کہ آپ ﷺ نے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا، کسی میں ہے کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑا، کسی میں ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں بازو پر رکھا۔ فقہاء جو بفرمان رسول ﷺ حدیث کے معانی زیادہ سمجھتے ہیں انہوں نے ایک طریقہ سکھایا کہ تمام احادیث پر عمل ہو گیا۔ ہتھیلی ہتھیلی پر بھی آ گئی۔ انگلی اور انگوٹھے سے بائیں ہاتھ کو پکڑ بھی لیا اور دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں بازو پر بچھ بھی گئیں۔

۴۔ مردوں کو رکوع میں اچھی طرح جھک جانا چاہیے کہ سر اور سرین اور پشت برابر ہو جائیں اور عورتوں کو اس قدر نہ جھکنا چاہیے بلکہ صرف اس قدر کہ ان کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں (عالمگیری)

اس میں بھی ستر کا زیادہ اہتمام ہے اور اس کے خلاف بھی کسی سے منقول نہیں۔

۵۔ مردوں کو رکوع میں انگلیاں کشادہ کر کے گھٹنوں پر رکھنی چاہئیں اور عورتوں کو بغیر کشادہ کئے ہوئے بلکہ ملا کر رکھنی چاہئیں (عالمگیری)

کیونکہ اس میں ستر کا زیادہ اہتمام ہے۔

۶۔ مردوں کو حالت رکوع میں کہنیاں پہلو سے علیحدہ رکھنی چاہئیں اور عورتوں کو ملی ہوئی (عالمگیری)

۷۔ مردوں کو سجدہ میں پیٹ رانوں سے اور بازو بغل سے جدا رکھنے چاہئیں اور عورتوں کو ملا کر رکھنے چاہئیں (عالمگیری)

۸۔ مردوں کو سجدے میں کہنیاں زمین سے اٹھی ہوئی رکھنی چاہئیں اور عورتوں کو زمین پر بچھی ہوئی۔

۹۔ مردوں کو سجدوں میں دونوں پاؤں انگلیوں کے بل کھڑے رکھنے چاہئیں عورتوں کو نہیں (عالمگیری)

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ مرفوعاً اذا جلست المرأة في الصلوة وضعت فخذها على فخذها الأخرى واذا سجدت الصقت بطنها في فخذيها كأستر ما يكون لها وان الله تعالى ينظر اليها يقول يا ملائكتي اشهدكم اني قد غفرت لها (بیہقی ج ۲ ص ۲۲۳)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عورت جب نماز میں بیٹھے تو ایک ران دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنا پیٹ اپنی رانوں کے ساتھ ملا لے جو زیادہ ستر کی حالت ہے اللہ تعالیٰ اسے دیکھ کر فرماتے ہیں اے فرشتو! گواہ ہو جاؤ میں نے اس عورت کو بخش دیا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ مردوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ ان يتجافوا في سجودهم خوب کھل کر سجدہ کریں۔ اور عورتوں کو حکم دیا کرتے تھے ان ينخفضن في سجودهن سجدہ خوب سمٹ کر سجدہ کیا کریں (بیہقی ج ۲ ص ۲۲۲)

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ مراسیل میں روایت فرماتے کہ آنحضرت ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں تو فرمایا اذا سجدتما فضما بعض اللحم الى الارض فان المرأة في ذلك ليست كالرجل (ص ۲۲۳ ج ۲)

جب تم دونوں سجدہ کرو تو اپنے جسم کو زمین سے ملا دو بے شک عورت اس بارے میں مرد کی طرح نہیں ہے۔

آخری خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ اذا سجدت المرأة فلتحتفز ولتضم فخذيها (ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۰۲) جب عورت سجدہ کرے تو خوب سمٹ کر سجدہ کرے اور اپنی رانوں کو ملا لے۔

جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے عورت کی نماز کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا: تجتمع و تحتفز (ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۰۲)

یعنی خوب اکٹھی ہو کر اور سمٹ کر نماز پڑھے۔

عن مجاهد انه كان يكره ان يضع الرجل بطنه على فخذيه اذا سجد كما تضع المرأة (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۰)

مجاہد اس بات کو مکروہ جانتے تھے کہ مرد جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں پر رکھے جیسا کہ عورت رکھتی ہے۔

اسی طریق پر عمل جاری رہا۔ چنانچہ کوفہ میں امام ابراہیم نخعی یہی فتویٰ دیتے تھے کہ عورت مرد کی طرح کھل کر سجدہ نہ کرے بلکہ خوب سمٹ کر سجدہ کرے۔ مدینہ منورہ میں حضرت مجاہدؒ اور بصرہ میں امام حسن بصریؒ یہی فتویٰ دیتے تھے (ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۰۲، ۳۰۳)

دور صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین میں سے کسی نے اس پر انکار نہیں فرمایا اور ائمہ اربعہ کا بھی اس پر اجماع ہے۔

۱۰۔ مردوں کو بیٹھنے میں بائیں پاؤں پر بیٹھنا چاہیے اور دائیں پاؤں کو انگلیوں کے بل کھڑا رکھنا چاہیے اور عورتوں کو بائیں سرین کے بل بیٹھنا چاہیے اور دونوں پاؤں دائیں طرف نکال دینے ہوتے ہیں، اس طرح کہ دائیں ران بائیں ران پر آ جائے اور دائیں پنڈلی بائیں پنڈلی پر (مستملی)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ عورتیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کس طرح نماز پڑھتی تھیں؟ فرمایا کہ پہلے چوکڑی بیٹھتی تھیں پھر ان کو حکم دیا گیا کہ خوب سمٹ کر بیٹھا کریں (جامع المسانید امام اعظم ج ۱ ص ۴۰۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ مردوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ تشہد میں دایاں پاؤں کھڑا رکھیں اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھا کریں اور عورتوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ سمٹ کر بیٹھیں (بیہقی ج ۲ ص ۲۲۲)

پہلی تمام روایات اور امت کا اجماع بھی اسی کی تائید میں ہے۔

مولانا محمد داؤد غزنویؒ کے والد امام عبدالجبار غزنویؒ سے سوال کیا گیا کہ عورتوں کو نماز میں انضمام کرنا چاہیے یا نہیں؟ آپ نے جواب پہلے مراسیل ابوداؤد والی حدیث نقل کر کے لکھا: ''اسی پر تعامل اہل سنت مذاہب اربعہ وغیرہ سے چلا آیا ہے۔'' پھر چاروں مذاہب کی کتابوں سے حوالے پیش کر کے تحریر فرماتے ہیں: ''غرض کہ عورتوں کا انضمام وانکماش نماز میں احادیث وتعامل جمہور اہل علم از مذاہب اربعہ وغیرہم سے ثابت ہے۔ اس کا منکر کتب حدیث وتعامل اہل علم سے بے خبر ہے۔'' (فتاویٰ غزنویہ ص ۲۷، ۲۸، فتاویٰ علماء اہلحدیث ص ۱۴۸، ۱۴۹، ج ۳)

الغرض احادیث مذکورہ اور اجماع امت اس پر نص ہیں کہ ان مسائل میں مرد اور عورت کی نماز میں فرق ہے۔ ابن حزم اور اس کے مقلدین کے پاس کوئی نص ہرگز موجود نہیں۔ فقہاء نے اجماعا ان احادیث سے عموم مراد نہیں لیا اور معانی حدیث میں فقہاء پر ہی اعتماد اصل دین ہے۔

عورتوں کا مسجد میں آکر نماز پڑھنا

اعتراض: حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عورتیں عید کی نماز میں مردوں کے ساتھ شریک ہوں اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ عورتوں کو مسجد میں آکر نماز پڑھنے سے مت روکو۔ مگر فقہاء نے حدیث کے بالکل خلاف عورتوں کو مسجد میں آنا جماعت یا جمعہ یا عید کے لئے مکروہ قرار دے دیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کا کھلا مقابلہ ہے۔

جواب: جس طرح اہل قرآن نامی فرقہ یہ پروپیگنڈہ کرتا ہے کہ احادیث قرآن کے خلاف ہیں، مثلاً وہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں تبتل کا حکم ہے و تبتل الیه تبتیلا (المزمل) اور حضور ﷺ نے تبتل سے منع فرمادیا "ان النبی ﷺ نهی عن التبتل" (ترمذی ج ۱ ص ۳۹۸) اور قرآن پاک میں مسافر وغیرہ کے لئے حکم ہے۔ "و ان تصوموا خیر لکم" کہ روزہ رکھنا بہتر ہے۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا: "لیس من البر الصیام فی

فی السفر" سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں۔ یہ کھلم کھلا رسول اللہ ﷺ نے خدا کا مقابلہ کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ میں نہ اختلاف ہے نہ مقابلہ۔ یہ صرف آپ کی کج فہمی ہے۔ یہی حال ان غیر مقلدین کا ہے کہ یہ حدیث اور فقہ میں مقابلہ ثابت کرنے کے لئے دھوکہ دیتے ہیں۔ جس طرح اہل قرآن سے ہم کہتے ہیں کہ فہم قرآن میں جب رسول اقدس ﷺ سے منکرین حدیث اختلاف کریں گے تو آنحضرت ﷺ کے فہم قرآن پر اعتماد ہوگا نہ کہ منکرین حدیث کے فہم قرآن پر۔ اسی طرح جب فقہاء اور غیر مقلدین کے درمیان فہم قرآن و حدیث میں اختلاف ہوگا تو بحکم اللہ تعالیٰ "لیتفقهوا فی الدین" اور بحکم رسول اللہ ﷺ "رب حامل فقه غیر فقیه" (الحدیث) اور بہ تحقیق محدثین "الفقهاء اعلم بمعانی الحدیث" (ترمذی) فہم فقہاء پر اعتماد ہوگا نہ کہ غیر مقلدین کی کج فہمی پر اعتماد ہوگا۔

زیر بحث مسئلہ میں نہ تو فقہاء نے کبھی یہ کہا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں عورتیں مساجد میں نہیں جاتی تھیں، نہ آپ ﷺ کے حکم سے انکار کیا البتہ فقہاء کا یہ کہنا ہے کہ قرآن کا بھی ہر حکم ایک درجہ میں نہیں۔ امر کا صیغہ بعض اوقات وجوب کے لئے آتا ہے جیسے "اقیموا الصلوٰة" کبھی استحباب کے لئے جیسے "فکلوا منها واطعموا البائس الفقیر" کبھی اباحت کے لئے جیسے "واذا حللتم فاصطادوا" (القرآن)

فقہاء کا کہنا ہے کہ مردوں کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کا حکم تاکیدی تھا لیکن عورت کے لئے یہ حکم نہ استحباب کے لئے تھا نہ تاکید کے لئے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا: "اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں ان گھروں کو جلانے کا حکم دیتا جن کے مرد مسجد میں نہیں" (مشکوٰۃ)۔ آپ ﷺ نے عورتوں کو اجازت ضرور دی مگر ساتھ ہی فرمایا: "عن ام سلمة زوج النبی ﷺ خیر مساجد النساء قعر بیوتهن (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۰۹)" حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کے لئے ان کے نماز پڑھنے کی جگہوں میں سب سے بہتر جگہ ان کے گھروں کے اندرونی حصے ہیں۔

۲۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عورت کا اندر کمرے میں نماز پڑھنا برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور برآمدے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے (طبرانی مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۴)

۳۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تمنعوا نساءکم المساجد وبیوتھن خیر لھن (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۰۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اپنی عورتوں کو مساجد میں جانے سے منع نہ کرو اور ان کے لئے ان کے گھر زیادہ بہتر ہیں۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عورت چھپانے کی چیز ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے (یعنی لوگوں کے دلوں میں اس کے متعلق گندے خیالات اور وساوس ڈالتا ہے) اور عورت اپنے گھر کی سب سے زیادہ بند کوٹھری ہی میں اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہوتی ہے (الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۸۸ بحوالہ طبرانی)

۵۔ اسی طرح کی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۵)

۶۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، اتنے میں ایک عورت آئی اور بڑے ناز سے زینت کئے ہوئے مسجد میں داخل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اے لوگو! اپنی عورتوں کو منع کرو زینت کا لباس پہن کر اور ناز کے ساتھ مسجد میں آنے سے۔ اس لئے کہ بنی اسرائیل پر لعنت نہیں ہوئی (یعنی اللہ کا غصہ ان پر نہیں اترا) یہاں تک کہ ان کی عورتوں نے بناؤ کیا اور مسجدوں میں ناز کے ساتھ داخل ہونے لگیں (ابن ماجہ مترجم ج ۳ ص ۲۷۹)

۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو دیکھا کہ مسجد کو جا رہی ہے اور خوشبو لگائے ہوئے ہے، انہوں نے کہا اے اللہ کی بندی تو کہاں جا رہی ہے؟ وہ بولی مسجد میں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا تو نے خوشبو لگائی ہے؟ وہ بولی ہاں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جس عورت نے عطر لگایا اور

مسجد میں آئی اس کی نماز قبول نہ ہوگی یہاں تک کہ غسل کرے (یعنی خوشبو کو دھو ڈالے اپنے بدن اور کپڑے سے)(ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۷۶)۔

۸۔ حضرت ام حمید (جو آپ ﷺ کے صحابی ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں) فرماتی ہیں کہ ہمارے قبیلے کی عورتوں کو ہمارے خاوند مسجد میں آنے سے منع کرتے تھے۔ میں نے رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارا دل چاہتا ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھا کریں مگر ہمارے خاوند ہمیں اس سے منع کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا کمروں کے اندر نماز پڑھنا برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور برآمدے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور صحن میں نماز پڑھنا (میرے ساتھ مسجد نبوی ﷺ میں) باجماعت نماز پڑھنے سے بہتر ہے (طبرانی، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۴)

اس کے بعد ام حمید رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ میرے گھر کے تاریک کمرے میں میری نماز کی جگہ بنا دو اور وہ وصال تک وہیں نماز ادا فرماتی رہیں (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۴)

۹۔ عن عائشة رضي الله عنها قالت لو ادرك رسول الله ﷺ ما احدث النساء لمنعهن المسجد (بخاری ج ۱ ص ۱۲۰، مسلم ج ۱ ص ۱۸۳، عبد الرزاق ج ۳ ص ۱۳۱) ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اگر آنحضرت ﷺ اس (آزادی) کو دیکھ لیتے جو عورتوں نے ظاہر کی ہے تو آپ ﷺ ان کو مسجد میں جانے سے ضرور منع فرما دیتے۔

۱۰۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن عورتوں کو مسجدوں سے نکال دیتے اور فرماتے اپنے گھر جاؤ۔ تمہارے لئے تمہارے گھر بہتر ہیں (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۵)

۱۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز کھڑے ہو کر عورتوں کو کنکریاں مار مار کر مسجد سے نکالتے (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۲۸) یہ سب صحابہ کی موجودگی میں ہوتا تھا۔

۱۲۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب مسجد میں نماز کے لئے تشریف لاتے تو آپ کی بیوی عاتکہ بھی پیچھے ہو لیتیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت ہی غیور تھے، وہ ان کے مسجد

جانے کو مکروہ جانتے تھے (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۳)

مندرجہ بالا احادیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہی قبیلہ بنی ساعد کے لوگوں نے اپنی بیویوں کو مسجد میں آنے سے روکنا شروع کر دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان خاوندوں کو نہیں ڈانٹا بلکہ عورتوں کو گھروں میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دیگر صحابہ کرام کی موجودگی میں بختی سے مسجد میں آنے سے روکتے تھے کہ اب دور فتنے کا آگیا ہے اور کسی صحابی نے ان کی مخالفت نہیں کی نہ ان کو مخالف حدیث کہا۔

اب غیر مقلدین جو اس بات پر زور دیتے ہیں کہ عورتیں مساجد میں آ کر جماعت، جمعہ، عیدین میں شریک ہوں، شاید یہ لوگ اپنے امام مسجد کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ متقی اور پرہیزگار سمجھتے ہیں اور اپنی مسجد کو مسجد نبوی سے زیادہ مقدس خیال کرتے ہیں اور اپنے آج کے زمانے کو خیر القرون یعنی "دور نبوت اور دور صحابہ" سے بہترین زمانہ خیال کرتے ہیں اور اپنی عورتوں کو صحابیات اور تابعیات سے زیادہ عفیف اور پاک باز جانتے ہیں۔ اگر یہ نہیں ہے تو پھر جس کام کی حضرت ﷺ نے تاکید نہیں فرمائی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شدید مخالفت کی آپ لوگ اس کو اتنا مؤکد کیوں سمجھتے ہیں کہ اس پر فقہاء کو گالی گلوچ دینے تک کو جائز سمجھتے ہو اور مسلمانوں کی مساجد میں فتنہ ڈالتے ہو۔ حالانکہ فتنہ ڈالنا قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔

بتایئے اس فحاشی اور عریانی کے دور میں اس بات کی گارنٹی غیر مقلدین ہی دے سکتے ہیں کہ عورتیں خوشبو، پاؤڈر اور بھڑکیلا لباس استعمال نہ کریں گی اور نگاہ نیچی رکھیں گی اور راستے میں فساق، فجار کی نگاہیں بھی نیچی رہیں گی۔

الغرض فقہاء نے فتنہ کی وجہ سے عورتوں کو مساجد میں آنے سے روکا ہے۔ فتنے کا احساس جب خیر القرون میں ہی ہو گیا تھا تو اس دور میں فتنے کا انکار کون کر سکتا ہے اور کس آیت اور حدیث میں ہے کہ فتنہ کی حالت میں ہی عورتوں کو مسجد میں جانے کی تاکید ہے؟

ثابت فرما دیا کہ اہل دیہات پر جمعہ نہیں۔

(۳) صحیح بخاری شریف ج۱ ص۱۱ باب زیادۃ الایمان ونقصانہ میں ہے کہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے دن نازل ہوئی اس دن جمعہ کا دن تھا اور صحیح مسلم ج۱ ص۳۹۷ باب حجۃ النبی ﷺ میں ہے ثم اذن ثم اقام فصلی الظہر ثم اقام فصلی العصر ولم یصل بینہما شیئا. ظاہر ہے کہ جمعہ کے دن آپ نے نماز ظہر ادا فرمائی نماز جمعہ ادا نہیں فرمائی آپ کے ساتھ حج میں اہل مکہ اور قرب وجوار کے لوگ بھی تھے جو مسافر نہیں تھے آپ نے انہیں بھی نماز جمعہ کی ادائیگی کا حکم نہیں دیا اگر آیت میں ہر جگہ جمعہ ادا کرنے کا حکم ہوتا تو آپ علیہ السلام حکم خداوندی کے خلاف کیوں کرتے۔ اور ایک لاکھ سے زائد حاضرین میں سے کسی ایک کو بھی یہ شبہ نہیں ہوا کہ آیت جب ہر جگہ کے لئے عام ہے تو آج یہاں نماز جمعہ کیوں نہیں ادا کی گئی، معلوم ہوا کہ آیت سے ہر جگہ کے مراد لینے کا تصور تک آنحضرت ﷺ کو نہ آیا ہوگا اور نہ صحابہ کرام کو خیال تک آیا۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں خمسۃ لا جمعۃ علیہم المرأۃ والمسافر والعبد والصبی واہل البادیۃ (رواہ الطبرانی فی الاوسط) الحاصل آنحضرت ﷺ کے قول و فعل اور تقریر سے ثابت ہوا کہ اہل دیہات پر جمعہ نہیں۔

(۵) عن علی رضی اللہ عنہ قال لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع اخرجہ ابوعبید باسناد صحیح۔ فتح الباری ج۲ ص ۳۸۰ و اخرجہ عبدالرزاق و اسنادہ صحیح، الدرایۃ ص ۱۳۱، و اخرجہ ابن ابی شیبۃ و اسنادہ صحیح، عمدۃ القاری شرح بخاری ج۳ ص ۲٦٤، و ذکر الامام خواہر زادہ فی مبسوطہ ان ابا یوسف ذکرہ فی الاملاء مسنداً مرفوعاً الی النبی ﷺ و ابو یوسف امام الحدیث حجۃ (البنایۃ شرح ہدایۃ ج۱ ص ۹۸۲) اس اثر علی رضی اللہ عنہ کو غیر مقلد علماء حدیث ج۳ ص ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳ پر بار بار صحیح تسلیم کیا ہے اور اس کے ایک راوی کا ثقہ ہونا اور اپنے استاد سے سماع ثابت کر کے متصل اس کی صحت ثابت کی ہے امام ابو یوسف ثقہ ہیں اس لئے ان کا مرفوع نقل کرنا زیادت ثقہ ہے پھر وہ مجتہد ہیں اور مجتہد کا کسی حدیث سے

استدلال کریں اس حدیث کی صحت کی دلیل ہے پس اس طرح یہ مرفوع متصل بھی ہوئی اور دو طرح سے یہ مرفوع حکمی ہے، ایک اس لئے کہ یہ خلیفہ راشد کا قول ہے اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهديين الحديث (ترمذی)

دوسرے یہ کہ عام صحابی کا ایسا قول جس میں اجتہاد کو دخل نہ ہو وہ باتفاق محدثین حکماً مرفوع ہوتا ہے پس یہ مرفوع متصل بھی ہے اور حکمی بھی، اس کی صحیح صریح روایت سے مخالفین بہت پریشان ہیں اس لئے (الف) کبھی تو نووی سے یہ نقل کرتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے حالانکہ اس کی تین سندیں ہیں زبید ایامی والی، طلحہ والی، حجاج بن ارطاۃ والی، نووی کا قول صرف حجاج بن ارطاۃ والی سند سے متعلق ہے اور وہ بھی بلا دلیل، کیونکہ یہ راوی مختلف فیہ ہے جس کی حدیث حسن ہوتی ہے اور پہلی دو سندیں صحیح ہیں چنانچہ فتاویٰ علماء حدیث والے کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔ (ب) کبھی کہتے ہیں کہ یہ ان کا اجتہاد ہے جو نص قطعی اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جب کہا جاتا ہے کہ نصوص قطعیہ کے خلاف قیاس کرنا تو کفار و مشرکین کا طریق تھا یا یہود کے احبار کا وطیرہ یا شیطان کی حرکت تو اس قیاس کے بعد ان کو خلیفہ راشد کیسے مانو گے (ج) اس سے لاجواب ہونے کے بعد ایک جواب یہ آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر کا آخری حصہ دور فسادات اور جنگ کا دور تھا ممکن ہے عراق کی دیہاتی آبادی کے لئے یہ حکم اس لئے دیا گیا ہو کہ وہ مفسدانہ اجتماعات سے بچے رہیں اور دوسرے مفسدین کی آتش بیانی دیہاتی ذہن کو متاثر نہ کر سکے، ان حالات میں لا جمعة و لا تشريق الا في مصر جامع وقتی مصالح کے مطابق ہو سکتا ہے (فتاویٰ علماء حدیث ج ۴ ص ۳۵) دیکھئے جمعہ کے اجتماع کو مفسدانہ اجتماع کا نام دے کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کو بچانے کے لئے ایک فرض عین پر پابندی لگا دی اس عقل مند کو اس سے کوئی پوچھے کہ خلافت کو صرف گاؤں کے اجتماعات سے کیوں خطرہ تھا اور شہروں کے اجتماعات کیوں خطرہ سے خالی تھے حالانکہ الٹا حکومت شہروں کے اجتماعات سے متاثر ہوتی ہے نہ کہ دیہات کے اجتماعات سے، شاید اسی بنا پر امام حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فدا رہنے والوں نے بھی نہ لگائی

ہو۔(د) پھر کہتے ہیں کہ اس میں نفی کمال ہے، اولاً تو نفی کمال معنی مجازی ہے اس کے لئے قرینہ چاہئے جو یہاں موجود نہیں جس آیت کو قرینہ سمجھا گیا ہے وہ قرینہ صحیح نہیں مثلاً حدیث لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب فصاعداً میں ہم نفی کمال مراد لیتے ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے خود دوسری حدیث میں خداج غیر تمام کہہ کر یہ معنی متعین فرما دیا نیز حدیث میں ہے لا صلوٰة الا بقراءة ولو بفاتحة الکتاب فما زاد میں "ولو" نے نفی کمال کو متعین کر دیا تو گویا گاؤں میں جمعہ ادا کرنے کا حکم ایسا ہی ہوا جیسے بغیر فاتحہ کے کوئی اکیلا آدمی نماز پڑھے۔ ہم جو نفی کمال کہتے ہیں ہمارے نزدیک بھی ترک واجب کی وجہ سے وہ نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے تو کیا آپ نے جو حدیث لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع میں "لا" سے نفی کمال مراد لیا ہے تو آپ کے نزدیک بھی گاؤں والوں کو دوبارہ شہر میں جا کر جمعہ پڑھنا واجب ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ جس اکیلے نمازی نے فاتحہ کے بغیر نماز پڑھی اسے دوبارہ فاتحہ کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے۔ نفی کمال سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ تو یہ ہے کہ گاؤں والے ایک دفعہ گاؤں میں جمعہ پڑھیں پھر فوراً شہر میں جا کر ادا کریں یہ واجب ہے اور یہ قول دین میں بدعت اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ الغرض یہ صریح حدیث ایسی ہے کہ اس کو تسلیم کئے بغیر چارہ کار نہیں۔

جواثی میں جمعہ:

(1) جب ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں کسی گاؤں میں حضور علیہ السلام کے حکم سے جمعہ شروع نہیں ہوا کسی ایک ہی گاؤں کا نام تو بتا دو تو کہتے ہیں کہ جواثی نامی گاؤں میں جمعہ پڑھا گیا اس کے علاوہ کسی اور گاؤں کا نام نہیں لیتے عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللہ ﷺ فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین (بخاری ج ۱ ص ۱۲۲ باب الجمعة فی القری والمدن) عثمان بن ابی شیبہ کہتے ہیں قریة من قری البحرین (ابوداؤد) بالغرض اگر یہ جواثی گاؤں ہی ہوتا تو پھر بھی اس حدیث سے

استدلال درست نہیں تھا کیونکہ نہ تو اس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ جواثی میں جمعہ پڑھو کہ اس حدیث کو قولی کہا جائے اور نہ ہی یہ ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ جواثی میں خود جمعہ پڑھا کہ اس کو حدیث فعلی کہا جائے اور نہ یہ ہے کہ ان کے جمعہ پڑھنے کی حضور علیہ السلام کو اطلاع پہنچی اور آپ علیہ السلام سن کر خاموش رہے کہ اس کو حدیث تقریری کہا جائے تو یہ مرفوع حدیث کی کوئی بھی قسم نہیں ہے قولی نہ فعلی اور نہ تقریری نہ حکمی کہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے جمعہ کی نماز کو عام نمازوں پر قیاس کر لیا ہو تو ان کا فعل غیر مدرک بالقیاس نہ رہا اگر ذرا غور سے دیکھیں اور غور کریں تو یہ ہماری دلیل ہے اس کو سمجھنے سے قبل چند چیزوں کی تحقیق ضروری ہے۔

(الف) وفد عبدالقیس حضور علیہ السلام کی خدمت میں کب حاضر ہوا بیہقی نے السنن الکبریٰ میں حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وفد عبدالقیس کو نماز زکوٰۃ اور روزہ کے علاوہ بیت اللہ شریف کے حج کا بھی حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ وفد حج کی فرضیت کے بعد آیا اور حج ۶ھ میں فرض ہوا جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں حج کے باب میں لکھا ہے تو گویا یہ وفد یقیناً ۶ھ کے بعد آیا اب کس سال آیا اس میں اختلاف ہے مؤرخ واقدی ۸ھ بتاتے ہیں اور محمد بن اسحاق ۹ھ (ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۶) اب پہلا جمعہ تو مدینہ منورہ میں پڑھا جاتا تھا اس کے بعد ۸ھ یا ۹ھ میں اسلام عرب کے کئی علاقوں میں پھیل چکا تھا وہ قرآن بھی پڑھتے تھے لیکن کسی گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھتے تھے، نہ کسی نے آیت جمعہ سے گاؤں میں جمعہ پر استدلال کیا نہ حضور علیہ السلام نے ان کو جمعہ ادا کرنے کا حکم دیا، آخر ۸ھ یا ۹ھ میں جواثی میں جمعہ پڑھا گیا اگر جواثی گاؤں تھا تو اس کو دوسرے بہت سے گاؤں کے مقابلہ میں کیا فضیلت تھی کہ ان (دوسرے گاؤں) میں جمعہ نہ پڑھا گیا اور یہاں (جواثی میں) جمعہ پڑھا گیا۔

(ب) تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ آنحضرت ﷺ کے زمانے سے قبل بھی تجارتی منڈی تھی جیسا کہ امرؤ القیس نے شعر میں ذکر کیا ہے (آثار السنن ج ۲ ص ۸۰) حضرت رسول اکرم ﷺ کے صحابہ خلافت صدیق میں جواثی کے قلعہ میں محصور ہوئے (آثار

السنن ج ۳ ص ۱۸۰) بحوالہ معجم البلدان اس نے روایت کیا ہے کہ جواثی شہر ہے جوہری، زمخشری اور ابن اثیر نے کہا کہ جواثی قلعہ ہے (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۱۲۲ نمبر ۸ فتاویٰ علماء اہلحدیث ج ۳ ص ۱۲۳، ج ۴ ص ۱۲۹) معلوم ہوا کہ وہ شہر تھا اب مسجد نبوی کے بعد دور نبوت میں کسی گاؤں میں جمعہ نہ پڑھا جانا اور جواثی میں پڑھا جانا واضح دلیل ہے کہ جمعہ صرف شہر میں ادا ہوتا تھا اور پورے دور نبوت میں کسی ایک شخص نے بھی آیت جمعہ یا کسی مرفوع حدیث سے گاؤں میں جمعہ پڑھنے پر نہ استدلال کیا اور نہ گاؤں میں جمعہ پڑھا، رہا فتاویٰ علماء حدیث کا یہ فریب کہ حدیث میں آیا ہے کہ جواثی گاؤں تھا تو یہ بالکل جھوٹ ہے نہ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جواثی گاؤں ہے نہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نہ کسی تابعی اور تبع تابعی نے کہا کہ جواثی گاؤں ہے۔ یہ قول عثمان بن ابی شیبہ کا ہے جو خود ضعیف راوی ہے (دیکھو میزان الاعتدال) پھر اس نے بھی قریہ کا لفظ بولا ہے جو شہر پر بھی بولا جاتا ہے قرآن پاک میں مکہ مکرمہ طائف مدینہ منورہ، مصر وغیرہ جیسے شہروں کو قریہ کہا گیا ہے ملاحظہ ہو آیات ربانیہ لولا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم پ ۲۵ قریتین سے مراد مکہ و طائف ہے۔ ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها پ ۵ قریہ سے مراد مکہ ہے واسئل القرية التي كنا فيها پ ۱۳ وإذ قلنا ادخلوا هذه القرية پ ۱۔ اس سے مراد شہر مصر ہے قریہ کے معنی جہاں بستی و آبادی کے ہیں وہاں اس کا اطلاق شہر پر بھی ہوتا ہے چنانچہ قریہ بمعنی شہر بستی گاؤں، قریتان مراد مکہ و طائف، قریہ سے الانصار مراد مدینہ منورہ (منجد تحت القاف ص ۶۵۸) اس حدیث سے ثابت صرف ہوگئی کہ پورے دور نبوت میں کسی گاؤں میں نماز جمعہ ادا نہیں ہوئی جو ہو المطلوب نیز قریہ کے اطلاق سے جواثی کا گاؤں و بستی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

اہل عوالی:

(۷) عن عائشة رضي الله عنها قالت كان الناس ينتابون (يوم) الجمعة

من منازلهم و العوالی (بخاری ج ۱ ص ۱۲۳)و فی روایۃ یتناوبون ـ فتح الباری ج ۲ ص ۳۲۱ ـ عوالی عالیہ کی جمع ہے ان سے مراد وہ گاؤں ہیں جو مدینہ کے مشرق کی طرف دو میل سے لے کر آٹھ میل کی حدود میں آباد تھے (حاشیہ بخاری ص ۱۲۳ نمبر ۱۲) یتناوبون کے معنی باری باری آنے کے ہیں (یعنی حاشیہ بخاری ص ۱۲۳ نمبر ۱۱) اب یہ گاؤں والے لوگ باری باری جمعہ پڑھنے آتے تھے ایک جمعہ کو ایک آیا دوسرے جمعہ کو دوسرا آگیا اور جو گاؤں میں رہتے تھے وہ وہاں جمعہ نہیں پڑھتے تھے کیونکہ بخاری کی حدیث سے گزر چکا ہے کہ مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ جواثی میں پڑھا گیا اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ نہ گاؤں میں جمعہ فرض ہے نہ شہر میں جا کر پڑھنا فرض ہے ہاں اگر کوئی شہر میں جا کر پڑھ لے تو جمعہ ہو جائے گا دیکھئے نہ تو اہل عوالی خود آیت جمعہ سے یہ سمجھے کہ ہر گاؤں میں جمعہ فرض ہے اور نہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کے مطابق تم پر گاؤں میں جمعہ پڑھنا فرض ہے نہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی ان کے عمل کو خلاف قرآن فرماتی ہیں۔ صاف ظاہر ہوا کہ اس دور میں کوئی بھی اس آیت سے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنے پر استدلال نہیں کرتا تھا

(۸) خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں بھی ایک گاؤں کا نام نہیں بتایا جا سکتا جس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حکم سے جمعہ شروع ہوا ہو یا صحابہ نے گاؤں میں نماز جمعہ ادا کی ہو۔ خدا جانے اس دور میں قرآن کی آیت کا یہ معنی کسی کو کیوں سمجھ نہیں آیا۔

(۹) دور فاروقی میں بھی کسی ایک گاؤں کا نام نہیں لیا جا سکتا جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ پڑھنے کا حکم دیا ہو۔

(۱۰) عن عمر رضی اللہ عنہ قال کنت انا وجار من الانصار فی بنی امیۃ بن زید و هی من عوالی المدینۃ و کنا نتناوب النزول علی رسول اللہ ﷺ ینزل یوماً و انزل یوما اذا نزلت جئتہ بخبر ذلک الیوم من الوحی و غیرہ و اذا نزل فعل مثل ذلک (الحدیث بخاری ج ۱ ص ۱۹ باب التناوب فی العلم)

اس سے ایک تو باری باری آنے کا مطلب اور مقصد معلوم ہوا پھر یہ حدیث عام ہے ہفتہ کے سب دنوں کو شامل ہے جس میں جمعہ بھی شامل ہے یعنی ایک جمعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

آتے اور دوسرے جمعہ کو انصاری آتا۔ جس جمعہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف نہ لاتے وہ وہاں بھی جمعہ نہیں پڑھا کرتے تھے کیونکہ مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ جواثی میں پڑھا گیا

(پ/۱۰) قال البیھقی فی المعرفۃ و حکی اللیث بن سعد ان اھل الاسکندریۃ و مدائن سواحلھا کانوا یجمعون الجمعۃ علی عھد عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان رضی اللہ عنھما بامرھما (اعلاء السنن ج ۸ ص ۸۲)

نہ تو امام بیہقی نے لیث بن سعد تک اس کی سند بیان کی ہے اور نہ ہی لیث بن سعد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے اور پھر اس میں ذکر بھی مدائن یعنی شہروں کا ہے۔ گاؤں کا ذکر نہیں کہ شہروں میں ان کے حکم سے جمعہ شروع ہوا۔ کیا شہروں کے علاوہ باقی گاؤں والے آیت جمعہ کا یہ معنی نہیں جانتے تھے یا معاذ اللہ وہ مومن نہیں تھے (۱۰/ج) کہتے ہیں امام بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بحرین سے خط لکھا اور جمعہ کے بارہ میں سوال کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو لکھا جمعوا حیث ما کنتم۔ اس میں پہلی بات تو سوچنے کی یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بحرین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حاکم تھے علاء بن الحضرمی کے بعد (آثار السنن ج ۲ ص ۸۳ بحوالہ معجم البلدان) اور حاکم دارالحکومت میں رہتا ہے اور دارالحکومت شہر ہوتا ہے نہ کہ گاؤں ..... دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ احادیث کے بھی حافظ تھے اور قرآن پاک بھی پڑھے ہوئے ہیں ان کو بحرین میں جمعہ پڑھنے میں تردد کیوں ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ کر پوچھنا پڑا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ نہیں لکھا کہ قرآن کی آیت ہوتے ہوئے تجھے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ معلوم ہوا نہ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہر ہر جگہ جمعہ کے جواز کے قائل تھے نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنی قیام گاہ میں بھی تردد تھا یعنی جمعہ کے بارہ میں تو جواب دیا حضرت تم جہاں حاکم ہو وہاں جمعہ پڑھ لیا کرو اس سے نہ تو بارہ الخصوص گاؤں میں جمعہ ثابت ہوتا ہے نہ قیاس سے (پتہ نہیں غیر مقلد مسئلہ تراویح اور تین طلاق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیوں نہیں مانتے اور یہاں مان رہے ہیں)

(۱۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پورے دور خلافت میں ایک گاؤں کا نام بھی ثابت

نہیں کیا جا سکتا جس میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہو۔

(۱۲) حضرت ابو عبیدہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عید الاضحیٰ جمعہ کے دن آ گئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عید کے بعد اعلان فرما دیا ان ھذا یوم قد اجتمع لکم عیدان فمن احب ان ینتظر الجمعۃ من اھل العوالی فلینتظر و من احب ان یرجع فقد اذنت لہ (بخاری ج ۲ ص ۸۳۵) ظاہر ہے کہ اہل عوالی اپنے گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھتے تھے، اگر گاؤں والوں پر جمعہ فرض ہوتا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کو کبھی رخصت نہ دیتے یہ اعلان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی موجودگی میں عید کے عظیم اجتماع میں کیا، کسی ایک صحابی نے بھی اٹھ کر یہ نہیں کہا حضرت آپ ہی تو جامع القرآن ہیں ساری دنیا میں قرآن پھیلا دیا مگر خود آپ کو آیت جمعہ کیوں یاد نہیں رہی۔ (اب یہ مولوی عبد الستار صاحب ہی بتائیں کہ تمہارے نزدیک تو اہل عوالی پر بھی جمعہ فرض ہے تو کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرض ترک کرنے کی اجازت دی تھی اور کیا آپ لوگ انہیں اس اجازت کے بجا ماننے ہیں تو کس نص صریح سے) اسی طرح جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا لا جمعۃ و لا تشریق الا فی مصر جامع تو کسی صحابی یا تابعی نے نہیں کہا کہ حضرت آپ تو باب مدینۃ العلم ہیں آپ کا یہ اعلان قرآن اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے، خارجی آپ کے سخت مخالف تھے جو آپ کی عیب جوئی کرتے تھے مگر انہوں نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس اعلان کی بناء پر منکر قرآن ہونے کا حکم لگایا نہ منکر فرض ہونے کا، ان حقائق کی موجودگی میں ہر آدمی جان سکتا ہے کہ زمانہ نبوت اور زمانہ خلافت راشدہ میں کسی گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھا گیا۔

(۱۳) عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال لیس علی اھل القری جمعۃ انما الجمعۃ علی اھل الامصار مثل المدائن (ابن ابی شیبہ بحوالہ آثار السنن ج ۲ ص ۸۷)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان حکماً مرفوع ہے کیونکہ اس میں اجتہاد کو دخل نہیں سمجھتے تھے اور نہ کسی اور نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ آیت سنائی کیونکہ عہد صحابہ و تابعین میں کوئی شخص اس آیت کا یہ مطلب نہیں لیتا تھا جو آج کل غیر مقلدین لے رہے ہیں۔

(۱۴) امام بخاریؒ بغیر سند کے روایت لائے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ زاویہ میں

رہتے تھے کبھی جمعہ پڑھتے اور کبھی نہ پڑھتے تھے ج۱ ص۲۲۲، اگر وہ زاویہ میں جمعہ کو فرض سمجھتے تھے تو چھوڑتے کیوں تھے۔ کیا کوئی ایسی روایت بھی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ زاویہ میں کبھی فجر کی نماز پڑھتے اور کبھی نہیں پڑھتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے اس کو مفصلاً روایت کیا ہے

عن انس رضی اللہ عنہ انہ کان یشھد الجمعۃ من الزاویۃ وھی علی فرسخین من البصرۃ (فتح الباری ج۲ ص۳۲۰) تو اصل بات یہ ہوئی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ زاویہ نامی گاؤں میں رہتے تھے مگر نہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا فرض سمجھتے تھے اور نہ گاؤں والوں کو شہر میں جا کر جمعہ پڑھنا فرض جانتے تھے، جب وہ زاویہ میں رہتے جمعہ کے دن تو جمعہ نہ پڑھتے اور جب جمعہ کے دن بصرہ تشریف لے جاتے تو شہر میں جمعہ پڑھ لیتے یہ ہماری دلیل ہے وہ آیت جمعہ اور احادیث کو جانتے تھے مگر اس آیت سے فرضیت بر اہل گاؤں نہیں سمجھتے۔

(۱۵) عن الحسن و محمد (بن سیرین) انھما قالا الجمعۃ فی اھل الامصار رواہ ابن ابی شیبۃ واسنادہ صحیح (آثار السنن ج۲ ص۷۱) دیکھئے امام حسن بصریؒ اور محمد بن سیرینؒ جو دونوں تابعین میں بصرہ کے مفتی تھے وہ آیت جمعہ پڑھتے اور احادیث کے حافظ ہونے کے باوجود صحابہ و تابعین کی موجودگی میں یہی فتویٰ دیا کرتے تھے کہ جمعہ شہروں میں پڑھا جائے گا۔

(۱۶) حضرت عطاء بن ابی رباحؒ (صحابہ تابعین تبع تابعین کے سامنے) یہی فتویٰ دیا کرتے تھے کہ جمعہ ایسی جامع بستی میں پڑھنا واجب ہے جہاں امیر اور جماعت اور کئی محلے ہوں (عبدالرزاق) یہ بھی آیت کو عام نہیں لیتے۔

(۱۷) کوفہ میں حضرت امام ابراہیم نخعیؒ بھی یہی فتویٰ دیا کرتے تھے (کتاب الآثار امام محمد) الغرض خیر القرون میں تمام مراکز اسلام مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ کا اس فتویٰ پر اتفاق تھا کہ جمعہ گاؤں والوں پر واجب نہیں شہر والوں پر واجب ہے۔

کیا مدینہ منورہ شہر تھا؟

گاؤں میں نماز جمعہ کو فرض قرار دینے والوں کا دامن دلائل سے بالکل خالی ہے،

جب وہ دلائل سے عاجز آجاتے ہیں تو بڑی عجیب و غریب قسم کی باتیں انکی زبان و قلم پر آتی ہیں چنانچہ ابن حزم کی اندھی تقلید میں کہتے ہیں کہ مدینہ شریف شہر نہیں تھا وہ ایک گاؤں تھا اس لئے گاؤں میں جمعہ ثابت ہو گیا حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ مدینہ کا معنی ہی شہر ہے، مدینہ بمعنی شہر (جواہر اللغات ص۴۶۳ مفتاح اللغات ص۷۵۳) اللہ تعالیٰ قرآن میں اس کو مدینہ یعنی شہر فرماتے ہیں، حضور علیہ السلام اس کو مدینہ یعنی شہر فرمایا کرتے تھے، تمام صحابہ تابعین تبع تابعین اور پوری امت اسلامیہ اس کو مدینۃ الرسول مدینۃ النبی ﷺ یعنی رسول ﷺ کا شہر نبی ﷺ کا شہر کہتی ہے لیکن ایک غیر مقلد کہتا ہے کہ نہ مدینہ شہر تھا اور نہ شہر سلطان شہر ہے (مدینہ کو گاؤں تسلیم کرنے میں اور شہر نہ ماننے میں غیر مقلد اکیلا یعنی اقلیت میں ہے حالانکہ سر بسجود ہونے اور سجدہ نہ کرنے میں شیطان اکیلا اقلیت میں) خدا جانے اس نے یہ کس سے پڑھا ہے کہ نہ مدینہ شہر ورنہ شہر سلطان شہر ہے۔ حضور علیہ السلام مکہ سے ہجرت فرما کر قباء میں تقریباً چودہ پندرہ دن قیام پذیر ہوئے اہل قباء نے درخواست کی کہ آپ ہمارے پاس رہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا میں مدینہ جا رہا ہوں جب آپ مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینہ کے ہر محلہ و خاندان کے سردار نے حضور علیہ السلام کی میزبانی کی خواہش کا اظہار کیا کہ حضور علیہ السلام ہمارے پاس قیام فرمائیں چنانچہ بنی سالم، بنی ساعدہ، بنی حارث، بنی بیاضہ، بنی عدی، بنی نجار، بنی مازن سب نے آپ کی اونٹنی کو روکنا چاہا مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا چھوڑ دو یہ مامورۃ (ابن ہشام) یہاں یہ نہیں فرمایا کہ یہ مدینہ نہیں، میں مدینہ جا رہا ہوں، حضرت عبداللہ المدنی فرماتے ہیں ہمارے گھر دور سلع کے پاس تھے ہم نے (مسجد کے) قریب آباد ہونے کی کوشش کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا تمہارے قدموں کے نشانات پر بھی ثواب ملتا ہے اور یہ سلع مسجد نبوی سے ایک میل پر ہے جس کی آبادی ایک میل تک پھیلی ہو اس کو بھی غیر مقلد شہر ماننے کے لئے تیار نہیں پھر حضور علیہ السلام نے اہل مدینہ کو حکم فرمایا کہ اپنے اپنے محلوں میں مساجد تعمیر کرو (ابوداؤد) تو اہل مدینہ نے نو مسجدیں تعمیر کیں۔ مسجد بنی عمرو، مسجد بنی نجار، مسجد بنی ساعدہ، مسجد بنی عبید، مسجد بنی سلمہ، مسجد بنی راتج، مسجد بنی زریق، مسجد بنی غفار، مسجد اسلم، مسجد جہینہ، (مراسیل ابوداؤد)

مولوی عبدالستار نے شہر سلطان کو بھی شہر ماننے سے انکار کیا حالانکہ اس شہر میں کئی کئی محلے اور مساجد موجود ہیں، شہر سلطان کی مشہور مساجد یہ ہیں مسجد مہاجرین والی، مسجد لوہاراں والی، مسجد درکھاناں والی، مسجد قاضیاں والی، مسجد عالم پیر بخاری والی، مسجد مولوی مشتاق والی، مسجد تبلیغی جماعت والی، مسجد تھانہ والی، مسجد عیدگاہ والی، یہ سب مساجد ہیں احناف کی ہیں غیر مقلدین کی ایک مسجد بھی نہیں شاید اس لئے مولوی صاحب نے شہر سلطان کو شہر ماننے سے انکار کیا ہے۔ الغرض جس مدینہ میں نو محلے اور مساجد ہوں اگر اس کو شہر نہ کہا جائے تو اور کس کو شہر کہا جائے گا، ہاں وہاں مدینہ منورہ میں دو چار امرتسر کی طرح سکھوں کے گوردوارے نہیں تھے شاید غیر مقلد کے نزدیک شہر کے لئے یہ بھی شرط ہو جو مدینۃ النبی علیہ السلام میں واقعی مفقود ہے۔

ایک اور بہانہ

جب اور کوئی بات نہیں بنتی تو کہتے ہیں کہ احناف میں شہر کی تعریف میں اختلاف ہے اس لئے ہم یہ شرط نہیں مانتے۔

یہ دلیل غیر مقلد نے بڑے بھائیوں سے چرائی ہے، ایک فریق کہتا ہے قرآن کی قراتوں میں اختلاف ہے اس لئے ہم قرآن کو نہیں مانتے، خدا کی صفات کے بارہ میں اختلاف ہے کہ عین ذات ہیں یا غیر ذات اس لئے ہم خدا کو نہیں مانتے، کوئی کہتا ہے صحابہ میں اختلاف ہے اس لئے ہم صحابہ کو نہیں مانتے۔ کوئی کہتا ہے مسائل نماز میں اختلاف ہے اس لئے ہم نماز نہیں پڑھتے، کوئی کہتا ہے حدیث اور اہل حدیث میں اختلاف ہے اس لئے ہم حدیث اور اہل حدیث کو نہیں مانتے۔ مرزا کہتا ہے مسیح کے بارہ میں اختلاف ہے کہ جب وہ آسمان پر اٹھائے گئے وہ بیدار تھے یا نیند میں یا حالت موت میں اس لئے پہلے یہ فیصلہ کرو ورنہ ہم مسئلہ حیات مسیح کو نہیں مانتے حالانکہ غیر مقلدین کا دعویٰ یہ ہے کہ اختلاف کے وقت ہم قرآن و حدیث سے فیصلہ لیتے ہیں تو ان کا فرض تھا کہ وہ قرآن و حدیث سے جامع مصر کی جامع مانع تعریف بیان کر دیتے ہم ان کے علم و تحقیق کی داد دیتے مگر غیر مقلد کا کام کی بلا

دلیل دعوے کر کے جاتا ہے اور بس، جب قرآن و حدیث میں مصر کی تعریف مذکور نہیں تو اس کا مدار عرف پر ہے۔ عرف میں اختلاف مکان، زمان کے اعتبار سے ہو جاتا ہے اصل بات یہ ہے کہ شہر وہ ہے جس کو عرف میں شہر کہا جائے۔ اب ہر زمانے اور علاقے والوں نے اپنا اپنا عرف بیان فرما دیا، یہ اختلاف عنوان ہے اختلاف معنون نہیں، مولوی صاحب حدیث صحیح کی تعریف میں پندرہ اختلاف ہیں وہاں کیا حکم ہے کہ حدیث صحیح کو ہی چھوڑ دیا جائے گا۔ خدا ایسی جہالت سے محفوظ رکھے۔ .... مولوی عبدالستار صاحب غیر مقلد نے اپنی جہالت کو مزید واضح کرنے کے لئے علم اصول کا بھی غلط استعمال کیا ہے مولوی صاحب آپ اصول فقہ کو سمجھتے ہی نہیں اس لئے خواہ مخواہ معقولات میں دخل نہ دیا کریں، جس کا کام اسی کو ساجھے اور کرے تو ٹھینگا باجے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ حنفیہ کا اصول ہے کہ عام آیت قطعی کو خبر واحد سے مخصوص نہیں کیا جا سکتا اس بے چارے کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ حنفیہ کے نزدیک یہ آیت مطلق ہے ہی نہیں چنانچہ برہان شرح مواہب الرحمٰن میں ہے ان قوله تعالى فاسعوا الى ذكر الله ليس على اطلاقه اتفاقا بين الائمة اذ لا يجوز اقامتها فى البوادى اجماعا۔ تو یہ آیت باجماع امت عام نہیں ہے، جب اس کی تخصیص ہو چکی تو اب خبر واحد سے تخصیص بالکل جائز ہے لیکن مولوی صاحب کو اصول کی کیا خبر۔

وائے فرقہ کہ ہمت شاں　　جملہ کیاہی و دغا باشد

مولوی صاحب! آپ نے آیت جمعہ کو عام بھی کہا پھر ابوداؤد کی حدیث سے غلام، عورت، مریض اور بچے کو مخصوص بھی کر لیا، کیا یہ تخصیص آپ نے خبر واحد سے کی ہے یا حدیث متواتر سے۔ اور آپ نے ابوداؤد سے حدیث تو نقل کر دی مگر ابوداؤد نے جو اس کے بعد طارق بن شہاب کے بارہ میں لکھا ہے کہ طارق بن شہاب نے حضور اکرم ﷺ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ یہ آپ نے نقل نہیں کی، کیا لا ایمان لمن لا امانة له یاد نہیں رہی اسی لئے اذا اؤتمن خان پر عمل کر لیا۔ اس کے بعد ایک یہ اصول لکھا ہے کہ موقوف مرفوع کے مقابلہ میں حجت نہیں یہاں بھی دھوکا ہی دیا ہے یہ موقوف تو حکماً مرفوع ہے اور اس کے

مقابل مرفوع تو کجا کوئی صحیح السند موقوف بھی نہیں یہ فریب کی عادت آپ چھوڑنے کے لئے کیوں تیار نہیں ہیں کسی نے سچ کہا ہے۔

جمعہ بعد عید

ہماری طرف سے دو مسائل تھے، دوسرا عنوان دلائل نماز جمعہ نمبر ۵ پر اثر علی رضی اللہ عنہ اور نمبر ۲ پر اعلان عثمان رضی اللہ عنہ درج تھا مگر مولوی صاحب نے اپنی جہالت سے اس کو تیسرا مسئلہ بنایا کہ جمعہ کے دن عید آجائے تو عید ہی پڑھ لے جمعہ پڑھنے کی ضرورت نہیں آپ تو آیت جمعہ کو نص قطعی اور عام کہہ رہے تھے اور ہم سے ناراض ہو رہے تھے کہ خبر واحد سے تخصیص کیوں کی۔ جو آپ کی بے سمجھی تھی مگر عید کے دن کے جمعہ کی فرضیت آپ نے جس حدیث سے ساقط کی ہے کیا وہ متواتر ہے یا مشہور۔ وہ تو خبر واحد بھی صحیح نہیں ہم تو غیر مقلد کا معنی سمجھتے تھے جو کسی کی نہ مانے اور مولوی عبدالستار کی تحقیقی تحریر پڑھ کر پتہ چلا کہ غیر مقلد وہ ہوتا ہے جو اپنی بات پر بھی قائم نہ رہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی جو حدیث نقل کی ہے اس کی سند میں ایاس بن رملہ مجہول راوی ہے (تقریب) اور آپ کے نزدیک مجہول روایت مردود ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جو نقل کی ہے اس کو امام احمد اور دارقطنی مرسل کہتے ہیں (تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۳۶) جو آپ کے نزدیک حجت نہیں، تراویح کی بحث میں تو آپ مرسل معتضد کو بھی حجت نہیں مانتے اور یہاں اپنی مطلب برآری کے لئے مرسل (وہ بھی) غیر معتضد بھی حجت بن گئی ہے۔ تیسرے نمبر پر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا فعل نقل کیا ہے مگر جملہ عاب ذلک علیہ السلام (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۹۶) نقل ہی نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ و تابعین عید کے بعد جمعہ پڑھنا ضروری جانتے تھے مگر آپ کی پیش کردہ حدیثیں صحیح بھی ہوتیں تو بھی ان احادیث کا وہ مطلب صحیح ہوگا جو دوسری حدیث کے مخالف نہ ہو۔ عن عمر بن عبد العزیز قال اجتمع عیدان علی عهد النبی ﷺ فقال من احب ان یجلس من اهل العالیة فلیجلس فی غیر حرج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال نمبر۱:- تقلید کا لغوی اور شرعی معنی کیا ہے؟

جواب:- تقلید کا لغوی معنی:

"تقلید کا معنی لغت میں پیروی ہے، اور لغت کے اعتبار سے تقلید، اتباع، اطاعت اور اقتداء سب ہم معنی ہیں۔ تقلید کے لفظ کا مادہ قلادہ ہے یہ قلادہ جب انسان کے گلے میں ڈالا جائے تو ہار کہلاتا ہے اور جب جانور کے گلے میں ڈالا جائے تو پٹہ کہلاتا ہے، ہم چونکہ انسان ہیں اس لئے انسانوں والا معنی بیان کرتے ہیں اور جانوروں کو جانوروں والا معنی پسند ہے۔

تقلید کا شرعی معنی:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی تقلید کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلاوے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا" (الاقتصاد ص ۵)

تقلید کی اس تعریف کے مطابق راوی کی روایت کو قبول کرنا تقلید فی الروایت ہے اور مجتہد کی درایت کو قبول کرنا تقلید فی الدرایت ہے۔ کسی محدث کی رائے سے کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف ماننا بھی تقلید ہے اور کسی محدث کی رائے سے کسی راوی کو ثقہ یا مجہول یا

ضعیف ماننا بھی تقلید ہے۔ کسی امتی کے بنائے ہوئے اصول حدیث، اصول تفسیر، اصول فقہ کو ماننا بھی تقلید ہے۔

تقلید جائز اور ناجائز:

جس طرح لغت کے اعتبار سے کتیا کے دودھ کو بھی دودھ ہی کہا جاتا ہے اور بھینس کے دودھ کو بھی دودھ ہی کہتے ہیں مگر حکم میں حرام اور حلال کا فرق ہے اسی طرح تقلید کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اگر حق کی مخالفت کے لئے کسی کی تقلید کرے تو یہ مذموم ہے جیسا کہ کفار و مشرکین خدا اور رسول ﷺ کی مخالفت کے لئے اپنے گمراہ وڈیروں کی تقلید کرتے تھے۔ اگر حق پر عمل کرنے کے لئے تقلید کرے کہ میں مسائل کا براہ راست استنباط نہیں کر سکتا اور مجتہد کتاب و سنت کو ہم سے زیادہ سمجھتا ہے۔ اس لئے اس سے خدا اور رسول ﷺ کی بات سمجھ کر عمل کرے تو یہ تقلید جائز اور واجب ہے۔

(الف) کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے؟

صرف مسائل اجتہادیہ میں تقلید کی جاتی ہے اور حدیث معاذ رضی اللہ عنہ (جس کو نواب صدیق حسن خان صاحب حدیث مشہور فرماتے ہیں۔ الروضۃ الندیہ ج ۲ ص ۲۴۲) میں اجتہاد کا مقام متعین ہے کہ جو مسئلہ صراحۃً کتاب و سنت سے نہ ملے اس کا حکم رائے اور اجتہاد کے اصولوں سے کتاب و سنت سے مجتہد اخذ کرے گا۔

نوٹ: محدثین کا اصول حدیث بنانا، کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنا، کسی راوی کو ثقہ یا مجروح قرار دینا بھی ان کا اجتہاد ہے۔

(ب) کن کی تقلید کی جائے؟

ظاہر ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں مجتہد کی ہی تقلید کی جاتی ہے اور مجتہد کا اعلان ہے کہ اذا صح الحدیث فہو مذہبی (شرح عقود رسم المفتی) کہ ہم کوئی مسئلہ اپنی رائے سے نہیں کہتے بلکہ ہر مسئلہ کتاب و سنت و اجماع سے ہی اخذ کر کے بیان کرتے ہیں اور مجتہدین کا

اعلان ہے کہ ہم پہلے مسئلہ قرآن پاک سے لیتے ہیں وہاں سے نہ ملے تو سنت سے، وہاں نہ ملے تو اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے، اگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہو جائے تو جس طرف خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم ہوں اس سے لیتے ہیں اور اگر یہاں بھی نہ ملے تو اجتہادی قاعدوں سے اسی طرح مسئلہ کا حکم تلاش کر لیتے ہیں جس طرح حساب دان ہر نئے سوال کا جواب حساب کے قواعد کی مدد سے معلوم کر لیتا ہے اور وہ جواب اس کی ذاتی رائے نہیں بلکہ فن حساب کا ہی جواب ہوتا ہے۔

(ج) کون تقلید کرے؟

ظاہر ہے کہ حساب دان کے سامنے جب سوال آئے گا تو وہ خود حساب کے قاعدوں سے سوال کا جواب نکال لے گا اور جس کو حساب کے قاعدے نہیں آتے وہ حساب دان سے جواب پوچھ لے گا۔ اسی طرح مسائل اجتہادیہ میں کتاب و سنت پر عمل کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ جو شخص خود مجتہد ہوگا وہ خود قواعد اجتہادیہ سے مسئلہ تلاش کر کے کتاب و سنت پر عمل کرے گا اور غیر مجتہد یہ سمجھ کر کہ میں خود کتاب و سنت سے مسئلہ استنباط کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا اس لئے کتاب و سنت کے ماہر سے پوچھ لوں کہ اس میں کتاب و سنت کا کیا حکم ہے۔ اس طرح عمل کرنے کو تقلید کہتے ہیں۔ اور مقلد ان مسائل کو ان کی ذاتی رائے سمجھ کر عمل نہیں کرتا بلکہ یہ سمجھ کر کہ مجتہد نے ہمیں مراد خدا اور مراد رسول ﷺ سے آگاہ کیا ہے۔

غیر مقلد کی تعریف:

نوٹ (۱): مجتہد اور مقلد کا مطلب تو آپ نے جان لیا، اب غیر مقلد کا معنی بھی سمجھ لیں کہ جو نہ خود اجتہاد کر سکتا ہو اور نہ کسی کی تقلید کرے یعنی نہ مجتہد ہو نہ مقلد۔ جیسے نماز باجماعت میں ایک امام ہوتا ہے باقی مقتدی لیکن جو شخص نہ امام ہو نہ مقتدی، کبھی امام کو گالیاں دے کبھی مقتدیوں سے لڑے یہ غیر مقلد ہے۔ یا جیسے ملک میں ایک حاکم ہوتا ہے باقی رعایا لیکن جو نہ حاکم ہو نہ رعایا بنے۔ وہ ملک کا باغی ہے۔ یہی مقام غیر مقلد کا ہے۔

نوٹ (۲): غیر مقلدین میں اگرچہ کئی فرقے اور بہت سے اختلافات ہیں۔ اتنے اختلافات کسی اور فرقے میں نہیں ہیں مگر ایک بات پر غیر مقلدین کے تمام فرقوں کا اتفاق اور اجماع ہے، وہ یہ ہے کہ غیر مقلدوں کو نہ قرآن آتا ہے، نہ حدیث۔ کیونکہ نواب صدیق حسن خان، میاں نذیر حسین، نواب وحید الزمان، میر نور الحسن، مولوی محمد حسین اور مولوی ثناء اللہ وغیرہ نے جو کتابیں لکھی ہیں اگرچہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن و حدیث کے مسائل لکھے ہیں لیکن غیر مقلدین کے تمام فرقوں کے علماء اور عوام بالاتفاق ان کتابوں کو غلط قرار دے کر مسترد کر چکے ہیں بلکہ برملا تقریروں میں کہتے ہیں کہ ان کتابوں کو آگ لگا دو۔ گویا سب غیر مقلدین کا اجماع ہے کہ ہر فرقہ کے غیر مقلد علماء قرآن و حدیث پر جھوٹ بولتے ہیں، انہیں قرآن و حدیث نہیں آتا، وہ غلط گندے اور نہایت شرمناک مسائل لکھ لکھ کر قرآن و حدیث کا نام لے دیتے ہیں اس لئے وہ کتابیں اجماعاً مردود ہیں اور یہ سب جاہل ہیں۔

سوال دوم:- لفظ تقلید کا ذکر قرآن و حدیث میں ہے یا نہیں؟

الجواب:- قرآن پاک نے ان مقدس جانوروں کو جو خاص خانۂ کعبہ کی نیاز ہیں، قلائد فرمایا ہے اور ان کی بے حد تعظیم و حرمت کا حکم فرمایا ہے اور ان مقلدین کی بے حرمتی کرنے والوں کو عذاب شدید کی دھمکی دی ہے۔ البتہ کسی خنزیر، کتے وغیرہ کو قلائد بنانے کی اجازت ہرگز نہیں دی ہے۔

اور بخاری (ص ۴۸ ج ۱، باب التیمم) اور مسلم (باب التیمم ص ۱۶۰ ج ۱) میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مقدس ہار کو قلادہ فرمایا ہے اور مشکوۃ شریف میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سونے، موتی، جواہرات کے ہار کو خنزیر کے گلے میں ڈالنے سے منع فرمایا۔

نوٹ (۱): اصول حدیث میں مرسل، مدلس، معضل وغیرہ جس قدر اصطلاحی الفاظ محدثین نے استعمال کئے ہیں، ان الفاظ کا ان ہی اصطلاحی معنوں میں قرآن و حدیث میں

ہونا ثابت فرمادیں یا اصول حدیث کا انکار کردیں۔

نوٹ (۲): سائل نے سوال میں صرف قرآن وحدیث کا ذکر کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ سائل اجماع کو دلیل شرعی نہیں مانتا۔ اگر واقعی ایسا ہے تو سائل انکار اجماع کی وجہ سے دوزخی ہے اور سائل قیاس شرعی کو بھی شاید دلیل شرعی نہیں مانتا تو اس کے بدعتی ہونے میں کچھ شک نہیں کیونکہ انکار قیاس کی بدعت نظام معتزلی نے جاری کی تھی۔

ائمہ مجتہدین کی اتباع کے لئے تقلید کا لفظ اسی اجماع اور تواتر کے ساتھ امت میں استعمال ہوتا چلا آ رہا ہے، جس طرح اصول حدیث، اصول تفسیر، اصول فقہ، قواعد صرف ونحو تواتر کے ساتھ مستعمل ہیں۔ محدثین کے حالات میں جو کتابیں محدثین نے مرتب فرمائی ہیں وہ چار ہی قسم کی ہیں: طبقات حنفیہ، طبقات شافعیہ، طبقات مالکیہ اور طبقات حنابلہ، طبقات غیر مقلدین نامی کوئی کتاب کسی محدث نے تحریر نہیں فرمائی۔

سوال سوم:— کیا قرآن وحدیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ چاروں اماموں میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرو؟

الجواب: قرآن پاک میں قرآن کی تلاوت کا حکم موجود ہے مگر ان دس قاریوں کا نام مذکور نہیں جن کی قرأتوں پر آج ساری دنیا تلاوت قرآن کر رہی ہے اور نہ یہ حکم ہے کہ ان دس قاریوں میں سے کسی ایک قاری کی قرأت پر قرآن پڑھنا ضروری ہے مگر ہمارے ملک پاک وہند میں سب مسلمان قاری عاصم کوفیؒ کی قرأت اور قاری حفص کوفیؒ کی روایت پر قرآن پڑھتے ہیں۔ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ ساری زندگی ایک قرأت پر قرآن پڑھنا کفر ہے یا شرک یا حرام یا جائز؟

اسی طرح کتاب وسنت سے سنت کا واجب العمل ہونا ثابت ہے مگر نام لے کر بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کو صحاح ستہ نہیں کہا گیا۔ نہ بخاری ومسلم کو صحیحین کہا گیا۔ نہ بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا گیا جس طرح ان دس قاریوں کا

قرار دی ہو، اجماع امت سے ثابت ہے۔ اسی طرح اصحاب صحاح ستہ کا محدث ہونا اجماع امت سے ثابت ہے۔ اسی طرح ان چاروں اماموں کا مجتہد ہونا اجماع امت سے ثابت ہے اور مجتہد کی تقلید کا حکم کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

نوٹ: سائل نے یہ سوال اصل میں شیعہ سے چوری کیا ہے کیونکہ کوئی اہل سنت یہ سوال نہیں کرتا۔ شیعہ کے ان سوالات کا ذکر ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں کیا ہے اور بعض کا ذکر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے تحفہ اثنا عشریہ میں کیا ہے۔ اس ملک میں جب انگریز آیا اور اس نے لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کو اپنایا تو یہاں غیر مقلدین کا فرقہ پیدا ہوا جس کا مشن یہ تھا کہ انگریز کے خلاف جہاد حرام اور مسلمانوں کی مساجد میں فساد فرض۔ یہاں کے سب مسلمان مکہ اور مدینہ کو مرکز اسلام مانتے تھے۔ ان مراکز اسلام سے جب اس فرقہ کے بارے میں فتویٰ لیا گیا تو انہوں نے بالاتفاق ان کو گمراہ قرار دیا (دیکھو تنبیہ الضالین) ان لوگوں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے مایوس ہو کر یمن کے زیدی شیعوں کی شاگردی اختیار کر لی اور قاضی شوکانی، امیر یمانی کے افکار کو اپنا لیا۔ وہاں سے ہی یہ سوالات درآمد کئے گئے اور اہل اسلام کے دین میں وسوسے ڈالے گئے اور یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ آج تک اس بدعتی فرقہ کو یہ جرات نہیں ہوئی کہ ان سوالات کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مفتی صاحبان کے سامنے پیش کر کے فتویٰ حاصل کریں کیونکہ ان کو کامل یقین ہے کہ وہاں سے سوالات کا جواب ان کے خلاف آئے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ شیعہ کو یہ سوال کیوں کرنا پڑا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ شیعہ اپنے بارہ اماموں کو معصوم من اللہ مانتے ہیں اس لئے اہل سنت والجماعت نے ان بارہ اماموں کی معصومیت پر نص پیش کرنے کا مطالبہ کیا۔ شیعہ اپنے ائمہ کے بارے میں نص پیش نہ کر سکے تو الٹا اہل سنت والجماعت سے مطالبہ کر دیا کہ تم چاروں اماموں کے لئے نص پیش کرو، حالانکہ اہل سنت والجماعت ان چاروں کو معصوم من اللہ مانتے ہی نہیں تو نص کا

مطالبہ ہی غلط ہے۔ ہاں ہم اہل سنت والجماعت باجماع امت ان کا مجتہد ہونا مانتے ہیں۔

سوال چہارم:۔ چاروں اماموں سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں مثلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر امام ابو حنیفہؒ تک یہ لوگ کس امام کی تقلید کرتے تھے۔ یا اس وقت تقلید واجب نہ تھی؟

الجواب:۔ یہ سوال بھی کسی اہل سنت والجماعت محدث یا فقیہ نے پیش نہیں کیا بلکہ یہ سوال بھی شیعہ کی طرف سے اٹھایا گیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: "صحابہ رضی اللہ عنہم دو گروہ تھے۔ مجتہد اور مقلد" (قرۃ العینین) یہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم عربی دان تھے لیکن بقول ابن القیمؒ ان میں اصحاب فتویٰ صرف ۱۴۹ تھے۔ جن میں سے سات مکثرین میں ہیں یعنی اصحاب نے بہت زیادہ فتوے دیے۔ ۲۰ صحابہ رضی اللہ عنہم متوسطین میں ہیں جنہوں نے کئی ایک فتوے دیے۔ اور ایک سو بائیس مقلین میں ہیں جنہوں نے بہت کم فتوے دیے۔ ان مفتی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہزاروں فتاویٰ مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبد الرزاق، تہذیب الآثار، معانی الآثار وغیرہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں جن میں ان مفتی صاحبان نے صرف مسئلہ بتایا، ساتھ بطور دلیل کوئی آیت یا حدیث نہیں سنائی اور باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے بلا مطالبہ دلیل ان اجتہادی فتاویٰ پر عمل کیا اسی کا نام تقلید ہے۔ ان مفتی صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں "ثم انہم تفرقوا في البلاد وصار كل واحد مقتدى ناحية من النواحي" کہ صحابہ رضی اللہ عنہم متفرق شہروں میں پھیل گئے اور ہر علاقہ میں ایک ہی صحابی کی تقلید ہوتی تھی۔ (الانصاف ص ۳) مثلاً مکہ مکرمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ مدینہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ کوفہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ یمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور بصرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تقلید ہوتی تھی۔ پھر ان کے بعد تابعین کا دور آیا تو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: "وبعد ذلك صار لكل عالم من التابعين مذهب على حياله فانتصب في كل بلد امام" (الانصاف ص ۶) یعنی ہر تابعی عالم کا ایک مذہب قرار پایا اور ہر شہر میں ایک ایک امام

ہو گیا۔ لوگ اس کی تقلید کرتے۔

صدر الائمہ مکیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عطاء خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے ہاں تشریف لے گئے تو خلیفہ نے پوچھا کہ آپ شہروں کے علماء کو جانتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں، تو خلیفہ نے پوچھا: اہل مدینہ کے فقیہ کون ہیں؟ فرمایا: نافع، مکہ میں عطاء، یمن میں طاؤس، یمامہ میں یحییٰ بن کثیر، شام میں مکحول، عراق میں میمون بن مہران، خراسان میں ضحاک بن مزاحم، بصرہ میں حسن بصری، کوفہ میں ابراہیم نخعی (مناقب موفق ص ۷) یعنی ہر علاقہ میں ایک ہی فقیہ کے شخصی فتاویٰ پر عمل درآمد ہوتا تھا۔ یہ واقعہ امام حاکم نے بھی معرفت علوم حدیث میں لکھا ہے۔ اس لئے امام غزالی فرماتے ہیں "تقلید پر سب صحابہ ؓ کا اجماع ہے کیونکہ صحابہ ؓ میں مفتی فتویٰ دیتا تھا اور ہر آدمی کو مجتہد بننے کے لئے نہیں کہتا تھا اور یہی تقلید ہے اور یہ عہد صحابہ ؓ میں تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ (المستصفیٰ ج ۲ ص ۳۸۵)

علامہ آمدی فرماتے ہیں صحابہ ؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں مجتہدین فتویٰ دیتے تھے مگر ساتھ دلیل بیان نہیں کرتے تھے اور نہ ہی لوگ دلیل کا مطالبہ کرتے تھے اور اس طرز عمل پر کسی نے انکار نہیں کیا، بس یہی اجماع ہے کہ عامی مجتہد کی تقلید کرے۔ شاہ ولی اللہؒ شیخ عز الدین بن سلامؒ سے نقل کرتے ہیں۔ ان الناس لم یزالوا من زمن الصحابة ؓ الی ان ظهرت المذاهب الاربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکاره ولو کان ذلك باطلا لانکروه (عقد الجید ص ۳۶)

اور خود فرماتے ہیں: فهذا کیف ینکره احد مع ان الاستفتاء لم یزل بین المسلمین من عهد النبی ﷺ ولا فرق بین ان یستفتی هذا دائما و یستفتی هذا حینا بعد ان یکون مجمعا علی ما ذکرناه (عقد الجید ص ۲۹)

یعنی دور صحابہ ؓ و تابعینؒ سے تقلید تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور اس دور میں ایک شخص بھی منکر تقلید نہ تھا چونکہ ان صحابہ ؓ اور تابعینؒ کی مرتب کی ہوئی کتابیں آج

موجود نہیں جو متواتر ہوں۔ ہاں ان کے مذاہب کو ائمہ اربعہ نے مرتب کرادیا تو اب ان کے واسطے سے ان کی تقلید ہو رہی ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ بھی قرآن پاک تلاوت فرماتے تھے مگر اس وقت اس کا نام "قرأت حمزہ" نہ تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ بھی احادیث مانتے تھے مگر رواہ البخاری اور رواہ مسلم نہیں کہتے تھے۔ یہ سوال سائل کا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کیا دس قاریوں سے پہلے قرآن نہیں پڑھا جاتا تھا؟ یا صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین میں نہ کسی نے بخاری پڑھی نہ مشکوۃ۔ کیا اس زمانہ میں حدیث کا ماننا اسلام میں ضروری نہ تھا؟

سوال پنجم:۔ کیا چاروں اماموں کے بعد کوئی مجتہد پیدا نہیں ہوا اور اب کوئی مجتہد پیدا ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ سوال تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ "۳۰۰ھ کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا" اور امام نوویؒ نے بھی شرح مہذب میں یہی فرمایا ہے۔ اب مجتہد مطلق کا آنا نہ تو محال شرعی ہے نہ ہی محال عقلی ہاں محال عادی ہے۔ لیکن وہ آ کر کیا کرے گا؟ کیا اگر کوئی آج کا محدث دعویٰ کرکے ساری صحیح بخاری کو غلط قرار دے اور حدیث اور محدثین کی عظمت کو ختم کرے تو اس سے دین کا کیا فائدہ ہوگا۔ اسی طرح کوئی مجتہد بن کر پہلے سارے علمی سرمائے سے اعتماد ختم کرے تو کیا فائدہ؟

سوال ششم:۔ ایک امام کی تقلید واجب ہونے کے کیا دلائل ہیں؟ اور واجب کی تعریف اور حکم بھی بیان کریں؟

الجواب:۔ اس ملک میں یہ سوال ہی غلط ہے کیونکہ جیسے یمن میں صرف حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے اور سب لوگ ان کی ہی تقلید کرتے تھے اسی طرح اس ملک میں مدارس، مساجد، مفتی صرف اور صرف سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مذہب کے ہیں۔ دوسرے کسی مذہب کے مفتی موجود ہی نہیں کہ عوام ان سے فتویٰ لیں۔ اس لئے یہاں تو ایک ہی امام

متعین ہے۔ جیسے کسی گاؤں میں ایک ہی مسجد ہو اور ایک ہی امام کے پیچھے ساری نمازیں پڑھنی واجب ہیں، ایک ہی ڈاکٹر ہو سب اسی سے علاج کرواتے ہیں، ایک ہی قاری ہو سب اسی سے قرآن پڑھ سکتے ہیں اس لئے یہاں ایک ہی امام کی تقلید واجب ہے جیسے مقدمۃ الواجب واجب کہا جاتا ہے۔ اس کے بغیر دین پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ کوئی شخص ایک رکعت نماز بھی نہیں پڑھ سکتا اور تارک اس تقلید کا فاسق ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں اور صاحب جمع الجوامع فرماتے ہیں کہ "عامی پر ایک امام کی تقلید واجب ہے"۔ (عقد الجید ص ۳۵) اور دلیل اس کی اجماع ہے۔ (الاشباہ ج۱ ص ۱۳۲)

سوال ہفتم:۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں اور آپ کی تقلید بھی کرتے ہیں مگر انہوں نے بہت سے مسائل میں امام صاحب کی مخالفت کیوں کی؟

الجواب:۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ یہ دونوں حضرات خود مجتہد فی المذہب ہیں اور مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید واجب نہیں ہوتی۔ ہاں اگر اپنے سے بڑے مجتہد کی تقلید کرے تو جائز ہے۔

سوال ہشتم:۔ کیا کسی امام نے اپنی تقلید کرنے کا حکم دیا ہے؟

الجواب:۔ ائمہ اربعہؒ کے اقوال مختلف کتابوں میں موجود ہیں جن میں ان حضرات نے واضح طور پر کہا ہے کہ ہماری ہر اس بات کو مانو جو قرآن و سنت کے موافق ہو اور جو خلاف ہو جائے اس کو مت۔ تو مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے اقوال پر عمل کی ترغیب دے رہے ہیں اور یہ بھی بتا رہے ہیں کہ ان کے اقوال قرآن و سنت کے موافق ہیں اور وہ قرآن و سنت کی مخالفت نہیں کرتے بس اس سے ان کی تقلید کا حکم ان کے اپنے اقوال سے ثابت ہوا۔

سوال نہم:۔ جو لوگ چاروں اماموں میں سے کسی امام کی تقلید نہیں کرتے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ موجودہ دور میں جو لوگ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید نہیں کرتے

وہ فاسق ہیں، اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں اور حرمین شریفین کے فتووں کے مطابق ان پر تعزیر واجب ہے۔

سوال دہم:۔ کیا مسئلہ تقلید پر اردو زبان میں بھی کوئی کتاب لکھی گئی ہے جسے پڑھ کر اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھا جا سکے؟

الجواب:۔ اس مسئلہ پر بے شمار کتابیں موجود ہیں۔ چند کے نام لکھ دیتا ہوں:

۱۔ تقلید کی شرعی حیثیت ۲۔ الکلام المفید فی اثبات التقلید ۳۔ تقلید ائمہ اور مقام امام ابوحنیفہؒ ۴۔ الاقتصاد ۵۔ تنقیح التقلید ۶۔ خیر التنقید ۷۔ اجتہاد اور تقلید ۸۔ تقلید شخصی ۹۔ توفیر الحق ۱۰۔ تنویر الحق ۱۱۔ تحفۃ العرب والعجم ۱۲۔ تقلید اور امام اعظمؒ ۱۳۔ سبیل الرشاد ۱۴۔ ادلہ کاملہ ۱۵۔ ایضاح الادلہ ۱۶۔ مدار الحق بجواب معیار الحق ۱۷۔ انتصار الحق بجواب معیار الحق ۱۸۔ تنقید فی بیان التقلید وغیرہ وغیرہ۔ (مشتاق)

دیباچہ

انتصار الحق فی اکساد اباطیل معیار الحق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام جو ایک عالمگیر دین ہے' اس کو ساری دنیا میں پھیلانے کا سہرا اہل سنت والجماعت احناف کے سر رہا اور کوئی فرقہ اس عالمگیر حیثیت کو پا ہی نہ سکا۔ پوری دنیا میں خدا کا قرآن رسول اقدس ﷺ کی مقدس تعلیمات اور فقہ اسلامی کی نشر و اشاعت اسی جماعت کی مرہون منت ہے۔ اور ان مقدس ہستیوں کے ہاتھوں پر جن لاکھوں کافروں نے اسلام قبول کیا وہ سب بھی اہل سنت والجماعت حنفی ہی کہلائے۔ اس حقیقت کا اعتراف نواب صدیق حسن خان نے یوں فرمایا ہے: "خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں' اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے ہیں اور اسی مذہب کے عالم اور فاضل قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے ہیں۔"

(ترجمان وہابیہ ص ۱۰)

اسی حقیقت کو علامہ قلیب ارسلان یوں بیان فرماتے ہیں: "مسلمانوں کی اکثریت امام ابو حنیفہؒ کی پیرو اور مقلد ہے۔ سارے ترک اور بلقان کے مسلمان' روس اور افغانستان کے مسلمان' چین کے مسلمان' ہندوستان کے مسلمان اور عرب کے اکثر مسلمان' شام و عراق کے اکثر مسلمان فقہ حنفی مسلک رکھتے ہیں۔" (حاشیہ حسن التقاضی ص ۷۹) اور ۱۹۱۱ء کی سرکاری مردم شماری کے اعداد و شمار یہ ہیں: اثنا عشری ایک کروڑ ۲۳ لاکھ' زیدی ۳۰ لاکھ'

حنبلی ۳۰ لاکھ مالکی ایک کروڑ شافعی دس کروڑ حنفی ۲۰ کروڑ سے زائد (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

صاف ظاہر ہے کہ ۱۹۱۱ء میں اہل سنت والجماعت مقلدین کی تعداد ۳۰.۸۱ کروڑ تیس لاکھ سے زائد تھی جبکہ غیر مقلدین اس وقت تک کوئی قابل ذکر فرقہ نہیں تھا اسی لیے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں ۱۹۱۱ء کی مردم شماری میں نہ ان کا نام نہ شمار۔ چنانچہ غیر مقلدین کے مشہور عالم اور مورخ مولانا شاہ جہان پوری نے ۱۹۰۰ء میں ایک کتاب "الارشاد" تحریر فرمائی۔ اس میں لکھتے ہیں۔ "کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آ رہے ہیں جس سے لوگ بالکل ناآشنا ہیں۔ پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔ اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے۔" (الارشاد الی سبیل الرشاد ص ۱۳)

غیر مقلد مورخ کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہ فرقہ (ایک نیا اور بدعتی) فرقہ ہے اور یہ واقعی ایک تاریخی حقیقت ہے کیونکہ اسلامی لٹریچر میں طبقات حنفیہ، طبقات مالکیہ، طبقات شافعیہ اور طبقات حنابلہ کی کتابیں تو ملتی ہیں جن میں ان کے محدثین، فقہاء، مفسرین، سلاطین اور دیگر علمی طبقات کا تذکرہ ہے مگر اسلامی لٹریچر طبقات غیر مقلدین نامی کسی کتاب کے نام سے بالکل خالی ہے۔ مذاہب اربعہ کی کتب حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث، اصول تفسیر اور اسماء الرجال تو دستیاب ہیں مگر غیر مقلدین کی کوئی حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ وغیرہ کی کتاب انگریز کے دور سے پہلے کی موجود نہیں ہے۔ نہ دور برطانیہ سے پہلے کا ان کا ترجمہ قرآن نہ ترجمہ حدیث نہ نماز کی کتب تو اس فرقہ کے نئے (بدعتی) ہونے میں کسی کافر کو بھی شک نہیں ہو سکتا۔

الغرض یہ خطہ پاک و ہند (متحدہ ہندوستان) جس کے فتح ہونے کی پیشین گوئی زبان رسالت مآب ﷺ نے فرمائی تھی (دیکھو مسند احمد ص ۲۰۸ ج ۵، نسائی ص ۶۳ ج ۲، ص ۲۹۹ ج ۲) اس فتح کی پیشین گوئی اہل سنت والجماعت احناف کے ہاتھوں پر ہی پوری

ہوئی اور اس ملک میں صدیوں تک اسلامی قانون یعنی فقہ حنفی کا نفاذ رہا۔

جب انگریز کے منحوس قدم اس ملک میں آئے اور اسلامی حکومت ختم ہوئی، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اہل سنت والجماعت احناف نے حکومت برطانیہ کی چولیں ہلا کر رکھ دیں تو انگریز نے اپنی پالیسی یہ بنائی کہ "لڑاؤ اور حکومت کرو۔" ایک طرف انگریز، احناف مجاہدین جنگ آزادی پر ظلم ڈھا رہا تھا، کتنوں کو پھانسی دی، کتنے کالے پانی بھیجے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملکہ وکٹوریہ نے آزادی مذہب کا اشتہار دے دیا کہ مذہب حنفی سے آزاد ہو کر لامذہب اور غیر مقلد بن جاؤ تو حکومت برطانیہ کے خیر خواہ سمجھے جاؤ گے اور جو مذہب حنفی پر جما رہے گا وہ سرکار برطانیہ کا باغی شمار ہو گا۔ اس کی تفصیل نواب صدیق حسن خان کی کتب ترجمان وہابیہ اور رسائل اہل حدیث جلد اول کے مقدمے میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ملکہ وکٹوریہ کے اس اشتہار مذہبی آزادی کی تکمیل کا بیڑہ میاں نذیر حسین دہلوی نے اٹھایا اور مسلمانوں کو اپنے اسلاف سے باغی بنانے اور ملکہ وکٹوریہ کا خیر خواہ بنانے کے لئے کتاب معیار الحق تحریر فرمائی۔

آنحضرت ﷺ نے قیامت کے بارہ میں فرمایا تھا: الآیات بعد المائتین۔ محدثین اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ آثار قیامت یعنی دین و دنیا کی تباہی کے آثار ۱۲۰۰ھ کے بعد شروع ہوں گے۔ چنانچہ یہ کتاب معیار الحق آنحضرت ﷺ سے ۱۲۸۷ سال بعد ۱۲۹۷ھ میں لکھی گئی۔

میاں نذیر حسین دہلوی ۱۲۲۰ھ میں صوبہ بہار کے ضلع مونگھیر کے ایک گاؤں سورج گڑھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم پٹنہ میں حاصل کی، پھر دہلی آ گئے۔ یہاں حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ کا طوطی بول رہا تھا۔ ملکی اور غیر ملکی ہزاروں لوگ کتاب و سنت کے اس سرچشمہ سے سیراب ہو رہے تھے۔ میاں نذیر حسین صاحب بھی یہاں پہنچے، لیکن استعداد عربی ھدایۃ النحو تک ہی محدود تھی، اس لئے اس مدرسہ میں باقاعدہ داخلہ نہ مل سکا۔ کبھی کبھار شاہ صاحب کے درس میں سماع کے لئے بیٹھ جاتے۔ علم میں اگرچہ کمی تھی مگر طبیعت میں بہت تیزی تھی۔ مذہبی چھیڑ چھاڑ کا شغف رکھتے تھے تاکہ عوام میں رعب جم جائے، اگرچہ ذہن اسلاف سے باغی تھا جس کی بو شاہ اسحاق صاحب سونگھ چکے تھے۔ چنانچہ

ایک دن فرمانے دیا کہ "اس لڑکے سے وہابیت کی جھلک آتی ہے بڑا تیز ہے۔" (تحفۃ العرب والعجم ص ۲)

میاں نذیر حسین نے از راہ تقیہ غیر مقلدین کے خلاف لکھنا شروع کر دیا اور چند رسائل لکھے۔ ورنہ اصل حقیقت وہی تھی جو حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رحمہ اللہ شاگرد شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ نے تحریر فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ (سید نذیر حسین صاحب و حفیظ اللہ خان صاحب و مولوی عبدالحق بنارسی) "پہلے خدمت مولانا محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ کی میں معتقدانہ حاضر ہوتے تھے اور اپنے تئیں پکا اہل سنت ظاہر کرتے تھے اور جو کوئی ابو حنیفہ پر طعن کرتا قرآن و حدیث سے جواب دینے کا دعویٰ کرتے اور غصہ کے مارے منہ میں کف آجاتا تاکہ آدمی ہم کو اہل سنت حنفی مذہب حنفی شاگرد میاں صاحب کا خیال کریں اور معتقد ہوجائیں۔ جب یہ اعتقاد آدمیوں کے ذہن میں جما دیا۔ بعد ہجرت جناب مغفور کے اور دہلی کے خالی ہونے کے علم سے بتدریج اپنا مذہب رواج دینا شروع کیا۔ لیکن تقیہ نہ چھوڑا اور آہستہ آہستہ عوام کو رفض کی سڑک پر ڈال دیا اور قرآن و حدیث سے عوام کا دل پھیر دیا اور عمل بالحدیث کے پردے میں صدہا آیات و احادیث کو رد کر دیا نعوذ باللہ من ھذا۔" (کشف الحجاب ص ۱۰) نیز لکھتے ہیں: "مولانا اسحاق صاحب وعظ میں لامذہبیوں (غیر مقلدوں) کو شان معتزل فرماتے تھے اور یہ گمراہ باہر نکل کر کہتے تھے میاں صاحب نے ظاہر میں کہہ دیا ورنہ مذہب میاں صاحب کا وہی ہے جو ہم کہتے ہیں اور ایسا ہی ایک اور جعل کرتے ہیں کہ سوال کسی مسئلہ کا بنا کر اور اس کا جواب موافق اپنے مطلب کے لکھ کر علمائے سابقین کے نام سے چھپواتے ہیں۔ چنانچہ بعض مسئلے مولانا شاہ عبدالعزیز کے نام سے اور بعضے مسئلے مولوی حیدر علی کے نام سے علیٰ ہذا القیاس چھپواتے ہیں تاکہ عوام فریب کھاویں اور جانیں کہ یہ علماء بھی لامذہب تھے۔" (کشف الحجاب ص ۹) نیز لکھتے ہیں: "مولوی نذیر حسین صاحب نے سید محمد مجتہد شیعہ سے بذریعہ خطوط مطاعن ابو حنیفہ کے طلب کئے اور ہمت آپ کی بالکل طرف مطاعن ائمہ فقہاء اور تجہیلات صحابہ کے مصروف ہے... مطاعن صحابہ و فقہاء کو عبادات اور جہاد قرار دے کر مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کو عبادت عظمیٰ قرار دیا... لہٰذا مولوی نذیر حسین

کے شیعہ ہونے میں شبہ نہیں ہے۔" (حاشیہ کشف الحجاب ص ۸)

الغرض میاں صاحب نے تقیہ کی آڑ میں کتنے ہی لوگوں کو گمراہ کردیا۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "میں نے خواب میں دیکھا کہ میاں صاحب چھاچھ تقسیم کر رہے ہیں جس سے میں سمجھ گیا کہ اسلام کی مثال تو احادیث میں دودھ سے آئی ہے مگر ان کے پاس دودھ نہیں چھاچھ ہے جس کی صورت تو دودھ کی سی ہے مگر حقیقت سے خالی ہے۔ یہی حال ان کے مذہب کا ہے۔"

مولوی عبدالمجید ہزاروی فرماتے ہیں کہ جب میں نے مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی کے پاس حدیث پڑھنی شروع کی تو دل اندر سے گھبراتا تھا اور خواب میں اکثر خنزیر کے بچے نظر آیا کرتے تھے کہ میرے چاروں طرف پھرتے ہیں۔ ایسی خوابیں دیکھ کر میرا دل اچاٹ ہوگیا۔ پھر مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: مولانا رشید احمد گنگوہی سے حدیث پڑھو۔ چنانچہ مولانا سے پڑھنا شروع کردیا تو یہ پریشانی ختم ہوئی اور دلی فرحت نصیب ہوئی (تذکرۃ الرشید ص ۳۲۰ ج ملخصا)

الغرض میاں صاحب کے تقیہ نے کافی عرصے تک لوگوں کو دھوکے میں رکھا آخر حکومت برطانیہ کے ایک پنشنر حافظ محمد یوسف کے کہنے سے میاں صاحب نے تقیہ کا نقاب دور اتار کر غیر مقلدیت پر عمل شروع کیا۔ (نقوش ابو الوفا ص ۴۲،۴۳)

میاں نذیر حسین صاحب کے دھوکوں سے عوام کو بچانے کے لئے حضرت مولانا نواب قطب الدین رحمہ اللہ صاحب مظاہر حق نے دو مختصر رسالے لکھے۔ تنویر الحق اور توقیر الحق تو میاں نذیر حسین صاحب کو ان پر بڑا پیچ و تاب رہا۔

معیار الحق :

میاں نذیر حسین صاحب نے اس کا جواب لکھنا شروع کیا لیکن اپنے میں اتنی استعداد و کمال نہ تھی اس لئے محمد حسین کو مسلم کو ساتھ ملایا (مدار الحق ص ۵۸) اور محمد حسین بٹالوی تو اس کو اپنی کتاب ہی کہتا تھا (اشاعۃ السنہ ص ۳۳۹، ۳۴۲ ج ۲۳)

میاں صاحب کی علمی استعداد کا یہ حال ہے کہ

(۱) شاہ ولی اللہ کی طرف ایک کتاب غلط منسوب کر دی (القول السدید ص ۵۳)

(۲) ابن حجر کی عبارت کو علامہ شامی کی عبارت قرار دے دیا۔

(۳'۴'۵'۶) امام ابن خلکان' ابن حجر عسقلانی' امام نووی' علامہ ابن طاہر پٹنی کی عبارات میں ایسی قطع و برید کی کہ گویا یہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کو تابعی نہیں مانتے' حالانکہ یہ سب امام کی تابعیت کے قائل ہیں۔

(۷) میاں صاحب لکھتے ہیں کہ قتادہ نے سائل سے کہا کہ محمد بن اسماعیل (بخاری) کو امام احمد سمجھ لے (معیار ص ۲۶) جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ جناب قتادہ کی وفات کے ۸۷ سال بعد پیدا ہوئے اور امام احمد رحمہ اللہ قتادہ کی وفات سے ۴۳ سال بعد پیدا ہوئے۔ افسوس اس کم علمی پر اسلاف سے بغاوت۔

(۸'۹'۱۰) اسماء الرجال کے بارہ میں استعداد کا یہ حال تھا کہ ایک حدیث جس کا راوی سلیمان بن مہران ابو اعمش صحاح ستہ کا اجماعی شیخ ہے اس کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے اس راوی کو سلیمان بن ارقم قرار دے دیا (ص ۲۲۵) اور خالد بن حارث کو خالد بن مخلد قرار دے دیا اور ص ۲۲۳ پر ایک حدیث کا انکار کرنے کے لئے اسامہ بن زید اللیثی کو اسامہ بن زید العدوی قرار دے دیا۔ احادیث نبویہ کے انکار کا یہ طریقہ ابھی تک منکرین حدیث کو بھی نہیں سوجھا کہ جہاں عن عبداللہ قال قال رسول اللہ ﷺ کا لفظ آجائے وہاں عبداللہ بن مسعودؓ کی بجائے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی قرار دے کر حدیث کو ماننے سے انکار کر دیں۔

(۱۱) ص ۴۱۹ پر حدیث میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں مسار میلین او ثلاثۃ' اور ترجمہ کیا ہے دو تین کوس مسافت چلے۔ حالانکہ ایک کوس تین میل کا ہوتا ہے۔ افسوس اس کم استعدادی پر بھی ان کو شیخ الکل کہا جاتا ہے۔

جس کی بہار یہ ہو اس کی خزاں نہ پوچھ

انتصار الحق :

اگرچہ معیار الحق میں کوئی خاص علمی تحقیق نہ تھی مگر غیر مقلدین نے چور ن بیچنے

والے کی طرح اس کو ہر مسئلے کا لاجواب رد قرار دیا' آسمان سر پر اٹھالیا' ھل من مبارز کی صدائیں پشاور سے کلکتہ تک بلند کی گئیں۔ آخر ان کا غرور توڑنے اور ان کے شیخ الکل کی شیخی کرکری کرنے کے لئے معیار الحق کو متن بنا کر اس کا مفصل رد مولانا ارشاد حسین رام پوری المتوفی ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۳ء) نے لکھا۔ اب غیر مقلدین کا فرض تھا کہ وہ بھی اسی طرح انتصار الحق کو متن بنا کر اس کا مفصل رد لکھتے' لیکن یہ قرض آج تک غیر مقلدوں کے سر پر باقی ہے۔ کسی غیر مقلد میں اتنی ہمت نہ تھی نہ ہے کہ اس کا جواب اسی طرز پر لکھے۔

مسئلہ تقلید :

میاں صاحب نے تقلید کے رد میں یہ کتاب لکھی ہے اور تقلید کی چار قسمیں قرار دی ہیں۔ تقلید کی یہ تقسیم خود ایک بدعت ہے جس پر میاں صاحب دلیل شرعی پیش کرنے سے عاجز رہے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "رہی تقلید وقت ناعلمی کے سو یہ چار قسم ہے۔"

قسم اول :

واجب ہے اور وہ مطلق تقلید ہے مجتہد کی مجتہد اہل سنت کی سے لا علی التعیین۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے عقد الجید میں کہا ہے: "سمجھ لے کہ مجتہد کی پیروی دو قسم کی ہے: واجب اور حرام۔ سو ایک تو یہ ہے کہ باعتبار دلالت کے روایت کا اتباع ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص قرآن و حدیث کو نہیں جانتا اور وہ بذات خود جستجو سے مسائل اور استنباط کی طاقت نہ رکھتا ہو' اس کا یہی وظیفہ ہے کہ کسی فقیہ سے پوچھ لے کہ آنحضرت ﷺ نے فلاں فلانے مسئلے میں کیا حکم فرمایا ہے ..... جب فقیہ بتادے تو اس کی پیروی کرے' برابر ہے کہ صریح نص سے لیا ہو یا اس سے استنباط کیا ہو یا منصوص پر قیاس کیا ہو۔ یہ سب صورتیں حضرت ﷺ کی روایت کی طرف رجوع کرتی ہیں اگرچہ بطور دلالت کے ہی ہوں اور ایسی تقلید کی صحت پر تمام امت کے ہر طبقہ میں اتفاق ہے' بلکہ اور تمام امتیں بھی اپنی اپنی شریعتوں میں ایسی صورت میں متفق ہیں۔" (عقد الجید مترجم اردو ص ۳۰۱ھ معیار الحق طبع اول ص ۳۲)

نیز فرماتے ہیں: "جس آیت کے حکم سے تقلید ثابت ہوتی ہے وہ اس صورت میں

ہے جبکہ لاعلمی ہو۔ قال اللہ تعالٰی فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ یعنی پس سوال کرو اہل ذکر سے اگر نہ جانتے ہو تم' اور یہی آیت دلیل ہے وجوب تقلید پر۔ کما اشار الیہ المحقق ابن الھمام فی التحریر (معیار الحق ص ۷۳) گویا تقلید کا وجوب قرآن پاک اور تمام امتوں کے اجماع سے ثابت ہے۔ اس وجوب کو مولانا محمد حسین بٹالوی نے اشاعۃ السنۃ' مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے تاریخ اہل حدیث ص ۳۵' مولانا ثناء اللہ امرتسری نے فتاوی ثنائیہ ص ۲۵۳/ج ا' مستری نور حسین گرجاکھی نے ارکان اسلام اور مولانا داؤد غزنوی نے کتاب داؤد غزنوی ص ۳۷۵ پر تسلیم کیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ تقلید کو واجب ماننے کے بعد وہ غیر مقلد تو نہ رہے بلکہ مقلد ہو گئے اور واجب کا تارک فاسق ہوتا ہے۔ واجب کو شرک' کفر' حرام یا بدعت کہنے والا تو بہت ہی خطرے میں ہے۔ آج جو لوگ جذبات میں آکر تقلید کو کتے کا پٹہ اور مقلد کو جانور تک کہہ جاتے ہیں انھیں ضد چھوڑ کر قرآن پاک اور اجماع کو مان لینا چاہیے۔

نوٹ ضروری :

میاں نذیر حسین اور ان کے مذکورہ جماعتیوں نے اس تقلید میں جو لا علی التعیین کی قید لگائی ہے یہ ان کی اپنی بدعت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی طرف اس کی نسبت کرنا ان پر محض افتراء ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق دیں' کیونکہ یہ حرکت منافق کی علامت ہے نہ کہ اہل حدیث کی۔

قسم دوم :

مباح ہے اور وہ تقلید مذہب معین کی ہے بشرطیکہ مقلد اس تعیین کو امر شرعی نہ سمجھے' بلکہ اس نظر سے تعیین کرے کہ جب امر اللہ تعالیٰ کا واسطے اتباع اہل ذکر کے عموماً صادر ہوا تو جس ایک مجتہد کا اتباع کریں گے اسی کے اتباع سے عہدہ تکلیف سے فارغ ہو جائیں گے اور اس میں سہولت بھی پائی جاتی ہے (معیار الحق ۷۴) تقلید ایک شخص کی لازم اور واجب نہیں اگرچہ اولیٰ اور بہتر اور موجب سہل ہونے عمل کے ہے (معیار الحق ص ۸۸) اور جو مقلد تخصیص مذہب معین کی بطور قسم ثانی کے اختیار کرے وہ حقیقتاً تارک

بعض ما آتی به الرسول کا نہیں ہے۔ بلکہ عامل بمقتضائے عموم نص سمجھے ہے (معیار الحق ص ۸۹) یہی بات مذکورہ پانچوں صاحبان بھی مانتے ہیں، لیکن اس سے ان کے شیخ الکل اور جماعت کی کم استعدادی سامنے آتی ہے۔ جب تقلید کی یہ قسم بھی نص سے ثابت ہے اور نص وجوب تقلید کی دلیل ہے تو اس تقلید سے بھی واجب ہی ادا ہوگا اور جب وجوب حکم شرعی ہے تو اس کو حکم شرعی کیوں نہ سمجھے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے منکرین حدیث کہتے ہیں کہ حدیث کو حکم شرعی نہیں سمجھنا چاہئے اور بخاری و مسلم کی احادیث کو متفق علیہ سمجھنا کوئی حکم شرعی نہیں۔ یہاں مباح کا حکم ہے اور اس کو شرعی نہ سمجھنے کی ضد خالص میاں صاحب کی بدعت ہے، کسی شرعی دلیل سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ :

میاں صاحب نے تقلید کے مسئلہ کا بیان شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے شروع کیا تھا مگر دوسرے ہی قدم پر شاہ صاحب کو چھوڑ گئے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اگر ایک جاہل شخص ہندوستان یا ماوراء النہر کے کسی خطے میں ہو اور اس کے قریب کوئی شافعی، مالکی یا حنبلی عالم نہ ہو، نہ ان کے مسالک فقہ کی کوئی کتاب ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی تقلید کرے اور اس سے باہر جانا اس کے لئے حرام ہوگا، اس لئے اس وقت اگر اس نے ایسا کیا تو اپنے آپ کو دائرہ شریعت سے نکال لے گا اور شتر بے مہار بن کر رہ جائے گا (فقہی اختلاف کی اصلیت ص ۷۲، ترجمہ الانصاف)

قسم سوم :

حرام و بدعت ہے اور وہ تقلید ہے بطور تعیین کے بزعم وجوب کے (معیار الحق ص ۹۲) یہ قول خود بدعت ہے، اس پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔

قسم چہارم :

شرک ہے۔ یہ تقلید ائمہ اربعہ کے مقلدین کی نہیں نہ ہی ان کے اصول میں اس کا ذکر ہے، البتہ خود غیر مقلدین کا یہی حال ہے۔ ان کو قرآن سناؤ، احادیث سناؤ ہرگز نہیں مانتے، ان کو ضعیف کہہ کر ٹالتے جاتے ہیں۔ ہاں اپنے نفس کی اتباع کا نام عمل بالحدیث رکھا

ہوا ہے اور اسی سے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

میاں صاحب نے یہ چار قسمیں تو گن کر گنوا دیں مگر جو بات لکھنا چاہیے تھی وہ نہ لکھی کہ جو عوام غیر مقلدین اپنے مولویوں پر اعتماد کرتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ ان کے مولویوں میں اجتہاد کی شرائط نہیں ہوتیں بلکہ اجتہاد کی جامع مانع تعریف بھی نہیں کر سکتے۔ ہم اجتہادی مسائل میں ایسے امام کی تقلید کرتے ہیں جن کا مجتہد ہونا دلیل شرعی یعنی اجماع امت سے ثابت ہے اور وہ اجتہاد کی شرائط کے جامع تھے۔ خود میاں نذیر حسین، امام صاحب رحمہ اللہ کے بارہ میں فرماتے ہیں: "ان کا مجتہد ہونا اور متبع سنت اور متقی اور پرہیزگار ہونا کافی ہے۔ ان کے فضائل میں اور آیت کریمہ ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم زینت بخش مراتب ان کے لئے ہیں۔" (معیار الحق ص ۵)

ان دونوں تقلیدوں میں ایسا ہی فرق ہے کہ ایک مسجد کے لوگ اس امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں جس میں نماز کی شرائط مکمل طور پر موجود ہیں، اس کی اپنی نماز بھی صحیح ہے اور مقتدیوں کی بھی صحیح ہے۔ دوسری مسجد میں لوگ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں جس میں نماز کی ایک شرط بھی نہیں ہے، اس کا منہ قبلے سے پھرا ہوا، گندے مکان پر کھڑا ہے، گندے جسم اور گندے کپڑوں سے نماز پڑھا رہا ہے، نہ وضو کیا ہے نہ غسل، ظاہر ہے کہ ایسے امام کی نہ اپنی نماز درست ہوگی نہ مقتدیوں کی، وہ ضال بھی ہوگا اور مضل بھی۔ اس نالائق کی تقلید کے خلاف کتب لکھنی چاہئے تھی نہ کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید کے خلاف۔

لطیفہ :

ایک دفعہ ایک لاندہب شیخ الحدیث صاحب ایک دکان پر گئے، وہاں ایک حنفی نوجوان کو پوچھا کیا تم مقلد ہو؟ اس نے کہا کہ جی ہاں میں ان پڑھ ہوں۔ ظاہر ہے کہ میرے سامنے کسی عالم پر اعتماد کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، اس لئے تقلید کے بغیر نہ نماز پڑھ سکتا ہوں نہ کوئی اور دینی کام سرانجام دے سکتا ہوں۔ شیخ الحدیث صاحب نے کہا کس کی تقلید کرو گے؟ اس نے کہا آپ بھی عالم ہیں، میں آپ پر اعتماد کرکے مسائل پوچھ لوں گا اور آپ

کی تقلید کروں گا۔ یہ بات سن کر شیخ الحدیث صاحب خاموش ہو گئے۔ وہ نوجوان تھوڑی دیر خاموش رہا کہ شیخ الحدیث صاحب اپنی تقلید سے مجھے منع کریں گے' کوئی آیت یا حدیث پڑھیں گے مگر شیخ الحدیث صاحب خاموش رہے۔ اس نوجوان نے کہا کہ حضرت! اگر میں کہہ دیتا کہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کرتا ہوں تو سارا قرآن میرے خلاف پڑھا جاتا' کبھی ابو جہل کے متعلق آیات مجھ پر فٹ کی جاتیں' کبھی احبار و رہبان والی آیات میرے امام پر چسپاں کی جاتیں' کبھی مجھے مشرک کہا جاتا' کبھی میرے امام کو قیاس کی وجہ سے شیطان کہا جاتا' کبھی تقلید کو کتے کا پٹہ کہا جاتا' کبھی میرے محمدی ہونے کا انکار کیا جاتا' مجھے نبی کا منکر اور دین کا دشمن کہا جاتا' مگر اب میں آپ کی تقلید کے لئے تیار ہو گیا ہوں۔ اب نہ کوئی میرے خلاف آیت پڑھی جاتی ہے نہ حدیث۔ معلوم ہوا کہ اصل اختلاف تقلید میں نہیں' وہ تو آپ کے عوام میں بھی پائی جاتی ہے۔ صرف امام صاحب رحمہ اللہ سے حسد ہے کہ لوگ ان کی کیوں تقلید کرتے ہیں' ہماری کیوں نہیں کرتے؟ ہم جس طرح ڈاکٹر کو چھوڑ کر اناڑی سے دوا نہیں لیتے' وکیل کو چھوڑ کر جاہل سے قانونی مشورہ نہیں لیتے' اسی طرح امام صاحب کے مقابلہ میں آپ کو نااہل سمجھتے ہیں' اس لئے آپ کی تقلید نہیں کرتے۔

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے :

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جب تک اس ملک میں تقلید کا دور دورہ رہا' لوگ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں کفر سے اسلام کی طرف آتے رہے' لیکن جماعت غیر مقلدین نے جو ترک تقلید کا سبق پڑھایا تو صرف پچیس سال میں اس کا کیا نتیجہ نکلا؟

مولانا محمد حسین بٹالوی کی شہادت :

"پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر کار اسلام کو ہی سلام کر بیٹھتے ہیں۔ ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں' بعض لا مذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق' خروج تو اس آزادی کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ ان فاسقوں میں سے بعض تو کھلم کھلا جمعہ' جماعت اور نماز روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں' سود و شراب سے پرہیز نہیں

کرتے اور بعض جو کسی مصلحت دنیوی کی وجہ سے فسق ظاہری سے بچتے ہیں وہ فسق خفی میں سرگرم رہتے ہیں' ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں' کفر وارتداد اور فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت ہیں' مگر دین داروں کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔ گروہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔ اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہوتے جاتے ہیں۔" (اشاعۃ السنۃ)

قاضی عبدالاحد خان پوری کی شہادت :

"اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ما جاء بہ الرسول سے جاہل ہیں' وہ اس صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ اور روافض کے۔ جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر و نفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ اور زنادقہ کا تھے اسلام کی طرف' اسی طرح یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے بعینہ مثل اہل تشیع کے۔ دیکھو ملاحدہ نیچریہ جو کفار ہیں اور منافقین ہیں وہ بھی انہی کے باب اور دہلیز اور مدخل سے داخل ہوئے اور انہی کو گمراہ کر کے ان سے اپنا حصہ مفروض کامل اور وافی مثل شیطان کے لے گئے' پھر ملاحدہ مرزائیہ قادیانیہ نکلے تو انہوں نے بھی انہیں کے باب اور دہلیز اور مدخل سے داخل ہونا اختیار کیا اور جماعت کثیرہ کو ان میں سے مرتد اور منافق بنا دیا اور جب ملاحدہ زنادقہ چکڑالویہ نکلے تو وہ بھی انہی کی دہلیز اور باب سے داخل ہوئے اور ایک خلق کو انہوں نے مرتد بنا دیا۔ اور جب یہ مولوی ثناء اللہ خاتمۃ الملحدین نکلا تو وہ بھی انہی جہال اہل حدیث کے باب اور دہلیز میں داخل ہوا اور کیا جو کیا۔ مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کر کے حضرت علیؓ اور حسینؓ کی غلو کے ساتھ تعریف کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیں' پھر جس قدر الحاد و زندقہ پھیلا دیں کوئی پرواہ نہیں۔ اسی طرح ان جہال بدعتی کاذب اہل حدیثوں میں کوئی ایک دفعہ رفع یدین کرے اور تقلید کا رد کرے اور سلف کی ہتک کرے مثل امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے جن کی امامت فی الفقہ اجماع کے ساتھ ثابت ہے اور پھر

جس قدر کفر، بدعقیدگی اور الحاد و زندیقیت ان میں پھیلا دے، بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ چیں بجبیں نہیں ہوتے۔ اگرچہ علماء اور فقہاء اہل سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ہرگز نہیں سنتے۔ سبحان اللہ ما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ اور سبب اس کا یہ ہے کہ وہ مذہب و عقائد اہل سنت والجماعت سے نکل کر اتباع سلف سے مستنکف و متکبر ہو گئے ہیں۔ فافہم و تدبر (کتاب التوحید والسنۃ ص ۲۲۳/ج ۱) گویا ترک تقلید نے کفر، ارتداد، فسق، دین بیزاری، تفرق و تشتت میں اہل اسلام کو مبتلا کر دیا۔ اس دین بیزاری کی مثال تاریخ تقلید میں ہرگز نہیں ملے گی۔

مسئلہ تقلید :

تقلید کہتے ہیں کسی فن میں اہل فن پر اعتماد و اعتبار کرنا کہ یہ دلیل کے موافق مسئلہ بیان کرتا ہے اور اس سے دلیل تفصیلی کا مطالبہ نہ کرنا محض اس حسن ظن پر اعتماد کرنا کہ یہ مسئلہ خود نہیں گھڑتا بلکہ مسئلہ کو جو عوام کی نظر سے پوشیدہ تھا صرف ظاہر کر دیتا ہے۔

۱..... کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے؟ میاں صاحب خود قاضی عضد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ مسئلہ جس میں کسی کی تقلید چاہئے وہ مسائل اجتہادیہ ہیں نہ کہ منصوصہ (معیار الحق ص ۲۸)

۲..... کون تقلید کرے اور کس کی کرے؟ میاں صاحب ملا علی قاری کی شرح عین العلم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تکلیف دی ہے کہ علماء براہ راست کتاب و سنت پر عمل کریں اور ناواقف لوگ علماء کی تقلید کریں (یعنی ان کی راہنمائی میں کتاب و سنت پر عمل کریں) اور حم القوارض کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ "جو مجتہد نہ ہو اس پر یہ واجب ہے کہ کسی عالم کی تقلید کرے بسبب اس آیت کے "پوچھو تو اہل ذکر سے اگر تم نہیں جانتے" اور بسبب اس قول بعض مشائخ کے کہ جو کسی عالم کی پیروی کرے گا تو قیامت میں گرفت سے سالم رہے گا (معیار الحق ص ۷۵، ۷۶ طبع اول)

۳..... یہ تقلید کب سے شروع ہوئی؟ میاں صاحب کتابوں کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں: "زمانہ صحابہ سے لے کر زمانہ اصحاب مذاہب تک یہی چال تھی کہ بدوں تخصیص ایک

مذہب کی تقلید کیا کرتے۔" (معیار الحق ص ۵۵) سید بادشاہ سے نقل کرتے ہیں: "صحابہ کے زمانہ سے لے کر آج تک یہی حال اور مسلک چلا آیا کہ کبھی کسی کی تقلید کرتے کبھی کسی کی بدوں انکار کے۔" (ص ۷۵) اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ اور تابعین رحمہم اللہ میں ایک شخص بھی غیر مقلد یا تقلید کا منکر نہ تھا۔

ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ تقلید کا تعلق مسائل منصوصہ سے نہیں بلکہ مسائل اجتہادیہ میں مجتہد پر اجتہاد واجب ہے اور غیر مجتہد پر تقلید، اور یہی طریقہ صحابہؓ و تابعین رحمہم اللہ اور بعد میں آج تک امت میں تواتر کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ اب ہر غیر مقلد یہ کہنے لگا ہے کہ ہمیں صرف قرآن و حدیث اور اس کے فہم میں اپنا فہم سلیم کافی ہے۔ کسی مجتہد کے فہم سلیم کی رہنمائی کی ہمیں ضرورت نہیں۔

طریقہ امتحان :

آپ کو جو غیر مقلد ملے اس کو سادہ قرآن پاک اور حدیث کی ایک آدھ کتاب دے دیں اور کہیں کہ ہمیں نماز کا مکمل طریقہ سکھا دیں۔ نماز زبانی اور بدنی عبادات کا مجموعہ ہے۔ پہلے ہر ذکر اور عمل کا حکم پوچھیں کہ تکبیر تحریمہ اور ثنا کی رفع یدین کا حکم کیا ہے؟ فرض ہے یا واجب، سنت ہے یا نفل؟ یہ حکم صاف طور پر قرآن و حدیث میں دکھا دیں، وہ قیامت تک نہیں دکھا سکے گا۔ اب تنگ آ کر کہے گا کہ ہم کسی چیز کو فرض، واجب، سنت نہیں مانتے، یہ احکام بدعت ہیں۔ آپ فوراً کہیں کہ بہت اچھا آپ لکھ دیں کہ رکوع کی رفع یدین، امام کے پیچھے فاتحہ، سینے پر ہاتھ باندھنا، اونچی آواز سے آمین کہنا نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ نفل۔ جو لوگ ان کو فرض یا سنت وغیرہ کہتے ہیں وہ سب بدعتی ہیں۔ پھر اس سے پوچھیں کہ میں کسی مسجد کا امام نہیں ہوں، فرائض مقتدی بن کر پڑھتا ہوں اور سنتیں اور نفل اکیلا پڑھتا ہوں، مجھے قرآن و حدیث سے دکھا دیں کہ مقتدی اور اکیلا نمازی تکبیر تحریمہ، ثناء، تعوذ، تسمیہ، آمین، رکوع و سجدہ کی تکبیرات اور تسبیحات، تشہد، درود، دعا، سلام آہستہ آواز سے کہیں یا بلند آواز سے، وہ جو جواب دے اسے کہہ دیں کہ یہ قرآن و حدیث میں دکھا دو، وہ ہرگز یہ صاف اور صریح الفاظ میں قرآن و حدیث میں نہ دکھا سکے گا۔ اب اس سے

شاید بعض آخر ھذہ الامۃ اولھا پر عمل کرنے کو عمل بالحدیث سمجھتے ہیں۔

ان کی تقلید :

یہ لوگ لغت میں ائمہ لغت پر اندھا اعتماد کرتے ہیں' جو ان کی تقلید ہے۔

اسماء الرجال :

اصول حدیث اور احادیث کی صحت و ضعف کے بارہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد محدثین کی تقلید کرتے ہیں' صرف و نحو میں ائمہ صرف و نحو کی تقلید سے ذرا عار محسوس نہیں کرتے' ڈاکٹر اور طبیب کی تقلید طریقہ علاج میں لازم جانتے ہیں' قانونی مسائل میں ماہرین قانون کی تقلید کو لازم قرار دیتے ہیں' صرف مسائل فقہ میں ائمہ فقہ کی بجائے جاہل مولویوں کی تقلید کرتے ہیں۔ اہل کو چھوڑ کر نااہل کی تقلید کرنا تو علامات قیامت سے ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ (بخاری) جب نااہل کے سپرد کام کیا جائے تو قیامت یعنی بربادی اور تباہی کا انتظار کرو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ڈاکٹری علاج موچی سے کرایا جائے' قانونی مشورہ جولاہے سے لیا جائے' تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کو چھوڑ کر مرزا قادیانی کی پیروی کی جائے' فن حدیث میں امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کے مقابلہ میں اسلم جیراجپوری اور پرویز کو ناقد اور محقق مانا جائے۔ میاں صاحب کا فرض تھا کہ ان تقلیدوں کا فرق بیان کرتے اور اس کی دلیل قرآن و حدیث سے لاتے۔ آخر باقی تقلیدوں میں چار قسمیں کیوں نہ کیں۔ صرف اس میں یہ تقسیم کس حدیث سے کی؟

جس طرح لغت' صرف و نحو' بیان' اصول ایسے علوم ہیں جو کتاب و سنت کے خادم ہیں' ایسے ہی فقہ کتاب و سنت کی قانونی تعبیر و تشریح کا نام ہے۔ جس طرح کوئی یہ کہے کہ لغت' صرف و نحو' اصول' قرآن و حدیث کے خلاف ہیں تو یہ حماقت ہے' اس سے بڑھ کر یہ حماقت ہے کہ فقہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اگر فقہ قرآن و حدیث کے خلاف ہوتی تو قرآن میں فقہ کی تعریفیں نہ ہوتیں۔

ایک دھوکہ :

غیر مقلد اپنے ذہن اور اپنی سوچ کو خدا اور رسول ﷺ کی سوچ اور معصوم سمجھتے ہیں۔ اس لئے جو شخص ان کے فہم سے اختلاف کرے اس کو یہ نہیں کہتے کہ اس نے ہمارے فہم کو نہیں مانا بلکہ اس کو خدا اور رسول ﷺ کا مخالف کہتے ہیں۔ ان کی سمجھ کے خلاف کسی امام کا فہم ہو صحابی کی سوچ ہو خلیفہ راشد کا فتویٰ ہو سب کو رسول ﷺ کا مخالف کہیں گے اور دھوکہ یہ دیں گے کہ ایک طرف قول معصوم ہے دوسری طرف قول مجتہد جس سے خطا کا امکان بلکہ وقوع بھی ہے حالانکہ اتنی بات صاف ہے کہ دونوں جہانوں کی کامیابیاں اتباع رسول معصوم سے وابستہ ہیں مگر رسول پاک ﷺ کا دین ہم تک بواسطہ امت پہنچا ہے۔ اب اگر اس پر امت کا اجماع ہے تو اجماع معصوم ہوتا ہے اس لئے ایسے مسائل حجت قاطعہ ہیں کہ معصوم کی بات معصوم واسطہ سے ہم تک پہنچ گئی لیکن اگر اس مسئلہ پر اجماع نہیں بلکہ مجتہدین میں اختلاف ہے تو رحمت واسعہ ہے کہ صواب پر دو اجر اور خطا پر ایک اجر اور عمل ہر حال میں مقبول۔ اس لئے مجتہد اور مقلد کو ذرہ بھر خطرہ نہیں۔ ان کے اعمال مقبول ہیں اور اجر بھی یقینی ہے خواہ ایک اجر ملے یا دو' مجتہد اور غیر مقلد کا مقابلہ معصوم اور غیر معصوم کا مقابلہ نہیں بلکہ اہل اور نااہل کا مقابلہ ہے اور نااہل کا عمل مردود اور گناہ لازم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: من قال فی القرآن برایہ فاصاب فقد اخطاء۔ کتنا بڑا فرق ہے کہ مجتہد کو خطا پر بھی اجر' غیر مقلد کا صواب بھی خطا۔ جیسے غیر ڈاکٹر آپریشن کرے تو مجرم' گو مریض تندرست ہو جائے اور جس کے پاس ڈرائیونگ لائسنس نہ ہو بغیر ایکسیڈنٹ کرنے کے بھی قانونی مجرم ہے۔

الغرض میاں نذیر حسین نے "معیار الحق" کتاب لکھ کر مسلمانوں کو ایسی بے راہ روی اور آوارہ گردی پر لگا دیا جس سے آج ہزاروں لوگ مرتد اور کم از کم فاسق بن گئے۔ اہل سنت میں کئی فرقے بن گئے۔ بلکہ اسی فتنہ ترک تقلید سے مرزائیت' انکار حدیث اور دین بیزاری کے فتنوں نے جنم لیا۔

حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری نسبا فاروقی' مذہبا حنفی اور حضرت مجدد

نہیں بلکہ سب لوگ تقلید شخصی کرتے تھے۔

اشتہار والے نے تقلید فرض یا واجب ماننے والوں سے دلیل مانگی ہے لیکن شرک اور حرام کہنے والوں سے دلیل نہیں مانگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا آدمی ہے، لینے کے باٹ اور ہیں اور دینے کے باٹ اور۔

تقلید کی تعریف:

اجتہادی مسائل میں مجتہد کے ان اقوال کو جو ادلہ اربعہ میں سے کسی دلیل سے ثابت ہوں ان بادلیل باتوں کو بلا مطالبہ دلیل مان لینا عرف میں تقلید کہلاتا ہے۔

سوال نمبر۲:

جس تقلید کے بارے میں اس قدر اختلافات ہیں، اس تقلید سے کیا مراد ہے یعنی تقلید شخصی واصطلاحی؟

جواب:

کتاب وسنت میں غیر مجتہد اپنی ناقص رائے کو چھوڑ کر کتاب وسنت کے ماہر کی راہنمائی میں کتاب وسنت پر عمل کرے اور اگر کوئی تحریر میں اختلاف ہو تو جس مجتہد کا مذہب اس کے ملک میں درساً وعملاً متواتر ہو اس کی راہنمائی میں کتاب وسنت پر عمل کرے۔

نوٹ:

رائے ناقص از خود رائی، کم علمی، کم فہمی، بدفہمی، کج فہمی اور خوش فہمی کو کہتے ہیں۔ اسی کا نام غیر مقلدیت ہے۔

سوال نمبر۳:

کیا تقلید شخصی اصطلاحی آنحضرت ﷺ کے یا آپ ﷺ کے صحابہ ؓ یا تابعینؒ کے زمانہ میں تھی؟

جواب:

تقلید شخصی ہر زمانہ میں رہی۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں پورے یمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی اور دورِ صحابہ و تابعین میں ہر شہر کے لوگ اپنے شہر کے مجتہد کی تقلید کرتے تھے۔

سوال نمبر ۴:

(الف) ... جو کام ان مبارک زمانوں میں نہ ہوا، اگر اسے بعد والے دینی امر سمجھ کر کریں تو آیت الیوم اکملت لکم دینکم جو قرآن میں ہے، وہ بتلاتی ہے کہ اللہ کا دین ہر طرح کامل ہو گیا، پھر ائمہ دین کی رائے و قیاس کو بھی دین میں داخل کرنا اس آیت کے خلاف تو نہیں؟

(ب) ... وہ اصطلاحی شرعی بدعت کیوں نہیں؟

جواب:

تقلید شخصی خیر القرون میں موجود تھی ابتداء سے ثابت ہے اور بدعت کہنا دورِ حاضر کی بدعت ہے۔

سوال نمبر ۵:

چاروں ائمہ یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اس تقلید کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا ہے یا نہیں؟ اور اگر فرمایا ہے تو کیا؟ ہم نے سنا ہے کہ چاروں ائمہ تقلید کو حرام فرمایا کرتے تھے۔

جواب:

چاروں ائمہ نے جو اپنی فقہ مرتب کروائی، ہر مسئلہ دلیل سے مرتب کروایا۔ مرتب کروانے کا مقصد اس پر عمل کرانا تھا تو گویا ہر مسئلہ دعوتِ تقلید ہے۔ اس لئے جب ان کی یہ فقہ متواتر ہے تو دعوتِ تقلید بھی ان سے متواتر ثابت ہے۔ نیز الکفایہ کتاب الصوم میں

صراحۃً بھی امام ابوحنیفہؒ سے عامی کے لئے تقلید کا وجوب ثابت ہے۔ ہاں ان ائمہ نے یہ فرمایا جو شخص خود اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہے اس پر اجتہاد واجب، تقلید حرام ہے۔ جو خطاب انہوں نے مجتہدین کو کیا تھا ان کو عوام پر چسپاں کرنا یحرفون الکلم عن مواضعہ کی بدترین مثال ہے۔ ہمارے ہاں مجتہد پر اجتہاد واجب، غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے اور غیر مقلد پر تعزیر واجب ہے۔

دائرہ اجتہاد و تقلید:

تقلید کا تعلق چونکہ اجتہادی مسائل سے ہے اس لئے اجتہاد کے دائرہ کار کا پتہ چلنے سے تقلید کی ضرورت بھی واضح ہوتی ہے۔ رسول اقدس ﷺ نے ۱۰ھ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرمایا تو پوچھا: اے معاذ! فیصلہ کیسے کرو گے؟ تو انہوں نے عرض کیا۔ کتاب اللہ سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا فان لم تجد فیہ عرض کیا بسنۃ رسول اللہ۔ فرمایا فان لم تجد فیہ۔ عرض کیا اجتہد برایی و لا آلو تو آپ ﷺ نے فرمایا: الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ۔ (ابوداؤد، ترمذی) اس سے معلوم ہوا کہ جو مسئلہ، حکم کتاب و سنت میں صراحۃً نہ ملے وہاں اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ وضاحت یوں ہے کہ مسائل فرعیہ کی دو قسمیں ہیں: منصوص، غیر منصوص۔ پھر منصوص کی دو قسمیں ہیں۔ متعارض، غیر متعارض۔ پھر غیر متعارض کی دو قسمیں ہیں: محکم، محتمل۔

(۱) مسائل منصوص، غیر متعارض محکم میں نہ اجتہاد کی ضرورت نہ تقلید کی۔ جیسے پانچ نمازوں کی فرضیت، نصاب زکوۃ وغیرہ۔

(۲) مسائل منصوص متعارض میں، رفع تعارض کر کے مجتہد راجح نص پر عمل کرتا ہے اور مقلد بھی اس کی راہنمائی میں راجح نص پر عمل کرتا ہے جیسے ترک قرأت خلف الامام، ترک رفع یدین وغیرہ۔

(۳) مسائل منصوص محتمل میں مجتہد اپنے اجتہاد سے راجح احتمال کی تلاش کرتا ہے

اور اس نص سے راجح احتمال پر عمل کرتا ہے اور مقلد اس کی راہنمائی میں اس نص کے راجح احتمال پر عمل کرتا ہے جیسے احکام فرض، سنت، واجب وغیرہ۔

(۴) مسائل غیر منصوصہ میں مجتہد منصوص مسائل میں کوئی علت تلاش کرتا ہے۔ وہی علت جن غیر منصوص مسائل میں پائی جاتی ہے تو وہی حکم اس میں جاری کرتا ہے اور مقلد مجتہد کی راہنمائی میں اسی حکم پر عمل کرتا ہے جس کی بنیاد مجتہد نے کتاب و سنت کی بنیاد پر رکھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجتہد اپنی اجتہادی بصیرت سے کتاب و سنت کے منصوص اور علت سے ثابت مسائل پر عمل کرتا ہے اور مقلد بھی اس کی راہنمائی میں کتاب و سنت ہی کے مسائل پر عمل کرتا ہے۔ اس لئے ان اجتہادی مسائل میں مجتہد پر اجتہاد واجب ہے۔ جو اجتہاد کی اہلیت نہ رکھے اس پر تقلید واجب ہے، اس لئے اسے مقلد کہتے ہیں اور جو نہ خود اجتہاد کر سکے اور نہ مجتہد کی تقلید کرے اسے غیر مقلد کہتے ہیں، اس پر تعزیر واجب ہے۔

تمہید:

دورِ نبوی ﷺ سے لیکر آخر خیر القرون تک اہل سنت و الجماعت میں مجتہدین اجتہاد کرتے تھے اور غیر مجتہدین ان کی تقلید کرتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں سے ایک نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جو نہ اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو اور نہ تقلید، کتاب و سنت پر عمل کرتا ہو اور اپنے کو غیر مقلد کہتا ہو۔ ہم فی حوالہ سو روپے انعام دیں گے۔ خیر القرون کے بعد اجتہاد کی ضرورت نہ رہی اس لئے سب اہل سنت ائمہ اربعہؒ میں سے کسی کی تقلید کرتے تھے۔ اس لئے چار ہی قسم کی کتابیں ملتی ہیں۔ طبقات حنفیہ، طبقات مالکیہ، طبقات شافعیہ، طبقات حنابلہ۔ جس طرح حنفیہ و شافعیہ کے دور سے پہلے طبقات مرزائیہ نام کا ذکر نہیں ملتا کہ مرزائیوں کا وجود ہی نہیں تھا، اسی طرح طبقات غیر مقلدین نامی کوئی کتاب کسی محدث یا مورخ کی لکھی ہوئی انگریز سے پہلے نہیں پائی گئی کیونکہ غیر مقلدین کا فرقہ تھا ہی نہیں۔

نوٹ:

تقلید کی تعریف میں الدلیل کا لفظ آتا ہے، اس سے وہ خاص دلیل مراد ہوتی ہے جو بوقت اجتہاد مجتہد کے پیش نظر تھی اور دلیل تفصیلی اسے کہتے ہیں جو شرع اور نقل سے ثابت ہو۔

تقلید:

مجتہد نے جو مسئلہ کتاب وسنت سے نکالا، اس سے اس کی خاص دلیل تفصیلی کا مطالبہ کیے بغیر اس با دلیل مسئلہ کو بلا مطالبہ دلیل ماننا اور مجتہد کی راہنمائی میں کتاب وسنت پر عمل کرنا تقلید کہلاتا ہے۔

نوٹ:

آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں پورے یمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی تقلید شخصی ہوتی تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے دور میں سب لوگ اپنے شہر کے مجتہد مفتی کی تقلید شخصی کرتے تھے۔

چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں غیر مقلدیت کا نام ونشان تک نہ تھا اس لئے غیر مقلدین کے بدعتی ہونے میں کوئی شک نہیں۔

سوال نمبر ۲:

شامی شریف جو مذہب حنفی کی فقہ کی معتبر کتاب ہے۔ سنا ہے کہ اس میں یہ مذکور ہے کہ چاروں اماموں نے اپنا مذہب قرآن وحدیث بتایا ہے۔ پس قرآن وحدیث پر عمل کرنا، ان کی تابعداری کرنا چاہئے یا قرآن وحدیث پر عمل چھوڑ کر ان کے اقوال کو ماننا، ان کی تقلید کرنا چاہئے؟

جواب:

ائمہ اربعہؒ سے فقہ کے جو اصول متواتر ہیں ان میں مسائل ہیں دلائل نہیں تو بار آگر

دلائل سے مسائل کو جمع کر دیا اس پر متواتر عمل ہوتا رہا۔ ائمہ اربعہ سے جواز تقلید کا متواتر ثبوت ہے۔ ہر کہ شک آرد کافر گردد۔ ہاں البتہ انہوں نے مجتہدین کو فرمایا کہ مجتہد پر اجتہاد واجب ہے، تقلید حرام۔ اس حکم کو عوام پر چسپاں کرنا یحرفون الکلم عن مواضعہ کی بدترین مثال ہے۔

سوال نمبر ۷:

چاروں ائمہ سے پہلے بھی یہ تقلید جاری تھی یا نہیں؟ اور تھی تو کس کی؟

جواب:

فقہ کے اصول بالاتفاق چار ہیں کتاب و سنت، اجماع و قیاس۔ مجتہد ان چاروں دلائل سے مسائل لیتا ہے اور مقلد بھی انہی مسائل پر عمل کرتا ہے، جو مجتہد نے ان چاروں میں سے کسی بھی دلیل سے لئے ہوں، جیسے کامل اجتہاد کی بنیاد چار دلیلیں ہیں، اسی طرح کامل مجتہد کی راہنمائی میں کتاب و سنت پر عمل کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۸:

اگر چاروں اماموں سے پہلے تقلید جاری تھی تو کس امام کی تقلید جاری تھی اور اس وقت اس امام کی تقلید فرض، واجب یا مباح تھی یا نہیں؟ اگر تھی تو کیوں؟ اور نہیں تو کیوں؟ اور پھر منسوخ کیوں ہوئی؟

جواب:

چاروں اماموں سے پہلے بھی ہر قوم اپنی قوم کے فقیہ کی تقلید کرتی تھی۔ لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون (سورۃ التوبہ آیت ۱۲۲) چاروں اماموں سے پہلے اپنے علاقے یا قوم کے مجتہد کی تقلید ہوتی تھی: لعلمه الذین یستنبطونه منهم (سورۃ النساء آیت: ۸۳) اس وقت واجب تھی لیکن چونکہ ان کے مذاہب مدون نہ تھے اور نہ عمل متواتر ہوا اس لئے ان کی وفات کے بعد ان کا مذہب مٹ

گیا تقلید ختم ہوگئی جیسے مسجد کے امام کی وفات کے بعد اقتداء ختم ہو جاتی ہے۔

سوال نمبر۹:

چاروں اماموں سے پہلے جس امام کی تقلید جاری تھی اس کا نام کیا ہے؟ اور اب بھی اس امام کی تقلید فرض، واجب یا مباح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ کب منع ہوئی؟ کس نے منع کی؟ اور پھر کس نے اس منصب پر ائمہ کو پہنچایا؟

جواب:

ائمہ اربعہ سے پہلے مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت عطاءؒ کی تقلید ہوتی رہی مدینہ میں اپنی اپنی خلافت میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم، زید بن ثابت، ان کے بعد فقہاء سبعہؒ کی تقلید ہوتی رہی، کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر حضرت ابراہیم نخعیؒ کی تقلید ہوتی رہی، بصرہ میں حضرت حسن بصریؒ کی تقلید ہوتی رہی، ان کے چونکہ مذاہب مدون نہ ہو سکے اس لئے ان کے جو مسائل عملاً متواتر تھے ان کو ائمہ اربعہؒ نے اپنی فقہ میں لے لیا، جو ان سے شاذ اقوال مروی تھے ان کو ترک کر دیا، یہ ایسے ہی ہے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بہت سے قاری تھے مگر انہوں نے اپنی قرأت کو مکمل طور پر مدون نہ فرمایا، پھر سات قاریوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی متواتر قرأت کو مدون کیا، شاذ و متروک قرأت کو ترک کر دیا۔ اب ان سات متواتر قرأتوں میں تلاوت کرنے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی متواتر قرأت پر عمل ہو رہا ہے، البتہ ان سات قرأتوں کے علاوہ کوئی قرأت صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب ہو تو اس کی تلاوت جائز نہیں کیونکہ متواتر کے خلاف شاذ واجب الترک ہے۔ اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کے متواتر فقہی مسائل پر ائمہ اربعہؒ کی تقلید میں عمل ہو رہا ہے، ان متواترات کے خلاف کوئی شاذ قول کسی صحابی رضی اللہ عنہ، مجتہد یا تابعی کی طرف منقول ہو تو اس پر عمل جائز نہیں کیونکہ متواتر کے خلاف شاذ واجب الترک ہے۔

سوال نمبر ۱۰:

اجماع کی تعریف کیا ہے؟ اور اجماع کن لوگوں کا معتبر ہے؟ کیا تقلید شخصی پر اجماع ہوا؟ اگر ہوا ہے تو کب، کہاں اور کن کا؟

جواب:

ہم عصر مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر اتفاق کرنا اجماع کہلاتا ہے اور اس پر متواتر عمل ہونے سے اس کا متواتر ثبوت ہوتا ہے جیسے اہل فن نے اجماع کیا کہ کل فاعل مرفوع سب جگہ اہل فن فاعل پر رفع پڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات اہل فن کے ہاں اجماعی ہے۔ اسی طرح خیر القرون کے بعد ہر جگہ کسی نہ کسی امام کی تقلید شخصی پر متواتر عمل جاری رہا، یہی اس کے اجماع پر قوی ترین دلیل ہے۔

سوال نمبر ۱۱:

مجتہد کس کو کہتے ہیں؟ کیا ہر مجتہد کی تقلید فرض ہوتی ہے؟ چودہ سو سالوں میں اسلام میں مجتہد کیا صرف چار ہی ہوئے ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین تو شاید اجتہاد کے درجہ سے محروم ہی رہے ہوں گے؟ پھر ان چاروں ائمہ میں سے ایک کی تقلید کس ترجیح کی بناء پر ہے؟

جواب:

یاد رہے کہ دور نبوی ﷺ میں تو شرعی احکام معلوم کرنے کے تین طریقے تھے: جو لوگ ذات اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے وہ ہر مسئلہ دریافت کر لیتے، جو حضور ﷺ سے دور ہوتے وہ اگر مجتہد ہوتے تو اجتہاد کرتے جیسے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن میں، جو مجتہد نہ ہوتے وہ اپنے علاقے کے مجتہد کی تقلید کرتے جیسے اہل یمن۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد دو طریقے باقی رہے: مجتہدین اجتہاد کرتے اور غیر مجتہدین تقلید کرتے۔ خیر القرون کے بعد اجتہاد کی ضرورت باقی نہ رہی اس لئے وہ ختم ہو گیا، اس کے بعد صرف

تقلید ہی باقی رہ گئی، یہ تقلید شروع سے پہلے دن سے ہے۔ خیر القرون میں کچھ مجتہدین ہوتے تھے، اب صرف مقلدین باقی رہ گئے ہیں، یہ تفصیل مقدمہ ابن خلدون میں ہے۔ اس اجماع میں عملا تمام محدثین، مفکرین، فقہاء، سلاطین شامل ہیں جیسا کہ کتب طبقات سے روز روشن کی طرح واضح ہے۔ ہمارا سوال غیر مقلدین سے ہے کہ قرآن و حدیث سے جواب دیں کہ اجماع کی تعریف کیا ہے؟ اجماع کن کا اور بخاری کی اصح کتب ہونے پر اجماع کب ہوا اور کہاں ہوا اور کن کا ہوا؟

سوال نمبر۱۲:

چاروں مذکورہ بالا اماموں میں سے فلاں ایک ہی کے مسائل سچے ہیں، اس کا علم مقلد کو کیسے حاصل ہوا؟

جواب:

جس طرح علم حساب کا مجتہد اسے کہتے ہیں جو قواعد حساب کا واضع ہو، اسی طرح جو کتاب وسنت سے قواعد کا استنباط کر سکے اس کو مجتہد کہتے ہیں جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم میں بہت قاری ہوئے لیکن انہوں نے اپنی قرأتوں کو مدون نہ فرمایا، البتہ ساتوں قاریوں نے انہی کی قرأتوں کو مدون کیا۔ اسی طرح ائمہ اربعہؒ سے پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ میں بہت مجتہد گزرے لیکن انہوں نے اپنے مذاہب کو مکمل طور پر مرتب نہ کروایا، البتہ ائمہ اربعہؒ نے ان کے متواتر احکام کو مرتب کر لیا جس طرح سات قرأتوں میں سے کسی قرأت پر بھی قرآن پڑھنا نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم والا قرآن پڑھنا ہی ہے، اسی طرح چاروں اماموں میں سے کسی کی تقلید کرنا نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے پر عمل کرنا ہے۔ ہاں چاروں اماموں میں سے جس امام کا مذہب رسما اور عملا متواتر ہوگا اسی کی تقلید کی جائے گی جیسے سات قاریوں میں سے جس قاری کی قرأت ہمارے ملک میں تلاوتا متواتر ہوگی اسی پر تلاوت کی جائے گی۔

سوال نمبر ۱۳:

ان چاروں ائمہ کی تعلیم بذریعہ وحی ہوئی یا اور ائمہ سے انہوں نے پڑھا؟ اگر بذریعہ وحی ہوئی تو ان میں اور نبی میں کیا فرق رہا؟ اور اگر بذریعہ اور ائمہ ہوئی تو ان کے استاد ان سے افضل تھے یا مفضول؟ اگر افضل تھے تو ان کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی؟

جواب:

جس امام کا مذہب جس علاقے میں متواتر ہوگا اس پر مقلد حدیث رسول ﷺ کے مطابق اس عقیدہ سے عمل کرے گا کہ مجتہد صواب کو پہنچتا ہے اور خطاء کو بھی، اس لئے مجتہد کا عمل یقینی ہے، مقبول ہے۔ جیسے تحری فی القبلہ والے کی نماز یقیناً مقبول ہے اور ایک اجر کا پکا یقین ہے۔ چونکہ مجتہد فقط خطاء پر ماجور ہے اور دوسرے اجر کی مجتہد اور مقلد کی خدا کی رحمت واسعہ سے امید ہے۔ اس کے برعکس غیر مقلدین کا عمل جو محض خود رائی پر مبنی ہے۔ خود رائی کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، وہ یقیناً مردود ہے اور اس پر گناہ لازم ہے، وہ نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق ہے۔

سوال نمبر ۱۴:

یہ چاروں ائمہ افضل تھے یا چاروں خلفاء؟ جب ان چار ائمہ کی تقلید فرض ہو تو ان چار خلفاء کی کامل فرض کیوں نہ ہو؟

جواب:

ائمہ پر وحی نازل نہیں ہوتی لیکن مراد نبی ﷺ سمجھنے اور سمجھانے میں ماہر ہوتے ہیں، ان کے اساتذہ کے متواتر مسائل ان کی فقہ میں آگئے جیسے صحاح ستہ والوں کے اساتذہ کی حدیثیں صحاح ستہ میں آگئیں۔ ساتوں قاریوں کے اساتذہ کی قرائتیں سات قراتوں میں آگئیں۔ اسی طرح قاری عاصمؒ کی قرأت پڑھنے سے ان کے اساتذہ کی قرأت پڑھی گئی

اور ہر امام کی تقلید کرنے میں ان کے اساتذہ کے مسائل پر بھی عمل ہو رہا ہے۔

سوال نمبر ۱۵:

قرآن وحدیث پر عمل کرنا عامی آدمیوں پر فرض ہے یا مجتہدوں اور اماموں پر بھی فرض ہے؟ کیا جتنا فرق ہم میں اور اماموں میں ہے اتنا اماموں اور نبی ﷺ میں نہیں؟

جواب:

چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم ائمہ کے پیشوا اور افضل ہیں۔ ان کی حیات میں ان کے اجتہادی مسائل کی تقلید ہوتی رہی لیکن چونکہ ان کے مذاہب مدون نہ ہوئے اس لئے ائمہ نے ان کے متواتر مسائل کو مدون کر لیا۔ اب ان ائمہ کے ذریعے ان کے مسائل پر بھی عمل ہو رہا ہے جیسے ساتوں قراءتوں میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی قراءتیں بھی پڑھی جا رہی ہیں۔

غیر مقلدین سے ہمارا سوال:

(۱) حدیث کی کتابیں صحاح ستہ والوں نے وحی سے مرتب کیں یا استادوں سے سن کر؟ ان کے استاد ان سے افضل تھے یا نہیں؟ پھر ان کے استادوں کی کتابوں کو صحاح ستہ سے کیوں خارج کیا گیا؟

(۲) صحاح ستہ والے افضل تھے یا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم؟ تو پھر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی کتابوں کو صحاح ستہ میں کیوں شامل نہ کیا گیا؟

(۳) سات قاری افضل تھے یا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم؟ کیا آپ کے خیال میں خلفاء کی قراءتوں کو سات قراءتوں سے خارج کر دیا تو کیوں؟

سوال نمبر ۱۶:

جو ائمہ اربعہ کے علاوہ ہیں ان کی تقلید فرض، واجب و مباح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ حالانکہ وہ ان کے استاد ہیں، علم میں، ادب میں، زہد میں، فقہ میں، اجتہاد و تقویٰ

میں ان سے بڑے ہیں۔ یہ ان کی بزرگی کے قائل تھے۔ ان کا ادب کرتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم
کی تقلید نہ کرکے پہلے، دونوں کی تقلید کرنا کون سی عقل مندی ہے؟

جواب:

کتاب و سنت پر عمل کرنا مجتہد پر فرض ہے اور مقلد پر بھی فرض ہے لیکن مجتہد اپنے
اجتہاد کی روشنی میں عمل کرتا ہے اور مقلد اس کی راہنمائی میں کتاب و سنت پر عمل کرتا ہے جیسے
آنکھوں والا چاند کو دیکھ کر روزہ رکھتا ہے اور نابینا پوچھ کر، جیسے نماز میں قبلہ رو ہونا بینا اور نابینا
دونوں پر فرض ہے، بینا دیکھ کر اور نابینا بینا سے پوچھ کر۔ اسی طرح نبی ﷺ کا مقام مجتہد
سے انتہائی زیادہ ہے، نبی ﷺ کی اتباع مسائل منصوصہ غیر معارضہ محکمہ میں ہے، مجتہد کی
اتباع ان مسائل میں ہے جہاں اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے صراحت نہیں ملی، اس لئے
یہاں مقابلے کی صورت ہی نہیں ہے۔

سوال نمبر ۱۷:

جو امام ان چاروں تک کے سوا ہیں وہ درجہ میں ان کے برابر ہوئے یا بڑھ کر یا
گھٹ کر ہیں؟ تو ان کے مقلد وہ کیوں نہ ہوئے اور اگر بڑھ کر ہوئے ہیں تو یہ خود ان کے
مقلد کیوں نہ ہوئے؟

جواب:

صحابہ رضی اللہ عنہم میں جتنے قاری ہوئے، ان کی قرأت ہمیں ان سات قاریوں کے
ذریعہ ملی ہے اور ان قرأتوں پر تلاوت سب صحابہ رضی اللہ عنہم اور نبی ﷺ والی ہی تلاوت ہے۔
اس لئے ان قرأتوں پر تلاوت کرنا صحابہ رضی اللہ عنہم کی حضرت کو کم کرنا ہے نہ ان کی قرأت سے
انکار اور مخالفت ہے۔ جس طرح سات قاریوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف سمجھنا روافض کا وسوسہ
ہے، اسی طرح ائمہ کی تقلید کو صحابہ کے خلاف سمجھنا وسوسہ ہی خناس ہی سے ہے۔ ائمہ سے
پہلے مجتہدین ہی ائمہ اربعہ کے پیشوا ہیں جیسے پہلے قاری قراء سبعہ کے پیشوا ہیں اور پہلے محدثین

اصحاب صحاح ستہ کے پیشوا ہیں۔ان سب نے اپنے پیشواؤں کی باتوں کو مرتب کیا ہے۔

سوال نمبر ۱۸:

(الف) ...... جب امام چار ہیں اور چار میں سے ایک کی تقلید کرنی ہے، ہمیں کیا خبر کہ ان میں سے کس کے مسئلے صحیح ہیں اور کس کے غلط ہیں؟ پس ہم کیسے حنفی، شافعی بن جائیں؟

(ب) اگر یہ چاروں مذہب برحق ہیں تو ایک مذہب پر عمل کرنے سے حق کی تین چوتھائیاں ہم سے چھوٹ جاتی ہیں پھر تو تقلید نہ کرنے والے ہی اچھے رہے کہ جس امام کے کلام کو قرآن وحدیث کے مطابق پایا اسے لے لیا یہی طریقہ ہم کیوں نہ رکھیں؟ کہ پورا حق ہمارے ہاتھ میں رہے؟

(ج) یہ ظاہر ہے کہ چاروں اماموں کے مذاہب میں حلال وحرام کا فرق ہے، پھر ان چاروں کو برحق ماننے اور کہنے کا کیا معنی؟ ایک چیز کو حرام کہے اور ہم کہیں سچ ہے، دوسرا حلال کہے تو ہم کہیں سچ ہے، یہ کیا اندھیرا ہے ذرا تفصیل سے بتائیں ورنہ دامن تقلید ہمارے ہاتھ سے چھوٹ ہی جائے گا۔

جواب:

(الف) ... جس طرح ساتوں قراءتوں میں سے آپ اسی قرأت پر تلاوت کریں گے جو آپ کے ہاں تلاوتاً متواتر ہوئی، جب آپ امام القرأت ہیں ہی نہیں تو آپ کو کسی قرأت کو صحیح یا غلط کہنے کا حق بھی نہیں۔

(ب) جس طرح ساتوں قراءتوں میں سے ایک قرأت پڑھنے والوں کو پورا قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے اسی طرح ایک امام کی تقلید کرنے سے پوری سنت پر عمل ہو جاتا ہے۔

(ج) اجتہادی حلال وحرام میں ہم اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں جیسے ناسخ منسوخ میں ہم اپنے نبی ﷺ کی اتباع کرتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ اور حضرت یعقوبؑ کی شریعت میں سجدہ تعظیمی کے جواز کا حق تھا اب بھی اس کی صداقت حق ہے لیکن ہم اپنے نبی

ﷺ کی تابعداری کریں گے مگر شریعت سابقہ کو حق کہیں گے۔ اجتہادی حق کی مثال کچھ اس طرح ہے۔ ڈاکٹر ایک مریض کو کہتا ہے کہ اچار ضرور کھانا، دوسرے مریض کو سختی سے منع کرتا ہے ڈاکٹر کے دونوں حکم درست ہیں۔ کوئی مریض اتنا بیوقوف نہیں ہوتا کہ جو ڈاکٹر نے کہا ہے اسے چھوڑ دے دوسرے پر عمل کرے۔ پھر اس سوال کی یہاں سرے سے گنجائش ہی نہیں کیونکہ یہاں صرف ایک ہی امام کی تقلید ہو رہی ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام میں حلال اور حرام میں اختلاف ہے لیکن ان کا زمانہ الگ الگ ہے، ائمہ میں حلال و حرام میں اختلاف ہے لیکن ان کے علاقے الگ الگ ہیں۔

سوال نمبر ۱۹:

چاروں امام امامت کی حیثیت سے دنیا میں آئے اس سے پہلے اسلام پر سو سال گزر چکے تھے تب تک نہ یہ امام تھے نہ یہ مقلد تو اس وقت کے مسلمان مسلمان بھی تھے یا نہ تھے اور اگر تھے تو ادھورے یا پورے؟ کیونکہ تقلید تو اس وقت تھی ہی نہیں بلکہ وہ امام بھی نہ تھے جن کی تقلید شروع ہوئی۔ اگر یا وجود تقلید نہ کرنے کے وہ مسلمان تھے اور کامل تھے تو آج کا اسلام جو پورا ہو گیا اس وقت اسلام کا کونسا روپ رہ جاتا تھا جو تقلید کی ایجاد کی ضرورت پیش آئی؟ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کا اسلام ہمیں کافی نہیں جو ہمیں کسی نئے نویلے اسلام کی ضرورت ہو؟ اب فرائض تو سب اللہ تعالیٰ اتار چکا وحی حضور ﷺ کے وصال کے بعد بند ہو گئی، سو سال بعد امام دنیا میں آئے، اب کس آسمان سے کونسا فرشتہ وحی لے کر آیا جس سے سو سال کے بعد ان ائمہ میں سے ایک ایک کی تقلید فرض ہو گئی اور مسلمین چار راستوں میں بٹ گئے اور اللہ کے گھر بیت اللہ کے بھی چار ٹکڑے کرنے پر مجبور ہو گئے، یہ حنفی حنبلی، یہ شافعی مالکی قرآن و حدیث میں ان مضمونوں کا ذکر کہاں ہے؟

جواب:

جس طرح ان سات قاریوں سے پہلے بھی قرأت پڑھنے والے سب مسلمان

کتب احادیث پر عمل کرتے ہے نبی ﷺ کی احادیث اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی احادیث پر عمل ہو رہا ہے، جیسے ائمہ اربعہ کی فقہ پر عمل کرنا اور ان کی تقلید کرنا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی تقلید ہے۔ یہ ایسی ہی باتیں ہیں جیسے کوئی کہے کہ آپ صحیح محمدی چھوڑ کر صحیح بخاری کیوں پڑھتے ہیں، صحیح ابوبکر چھوڑ کر ترمذی کیوں پڑھتے ہیں، جامع فاروق اعظم چھوڑ کر جامع مسلم کیوں پڑھتے ہیں، مسند علی چھوڑ کر مسند احمد کیوں پڑھتے ہیں۔ یہ سب باتیں جہالت سے ناشی ہیں۔

سوال نمبر ۲۱:

حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، حضرت امام زین العابدین، حضرت امام باقر اور حضرت امام جعفر صادق افضل ہیں یا چاروں امام ان سے افضل ہیں؟ پھر آل رسول ﷺ کے ان بارہ اماموں کے مقلد کو ہم شیعہ اور رافضی کہیں اور ان سے کم درجے کے اماموں کی تقلید کو فرض مانیں، اس تفریق کی کیا وجہ؟

جواب:

ائمہ اہل بیت فن تصوف کے امام ہیں جب کہ صحاح ستہ والے فن حدیث کے اور ائمہ اربعہ فن فقہ کے امام ہیں۔ ہمارے تصوف کے شجروں میں اکثر ائمہ اہل بیت کے اسماء گرامی آتے ہیں اور حدیث کی سندوں میں صحاح ستہ والوں کے اور فقہ میں ائمہ اربعہ کے۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔ جب آپ صحاح ستہ کی بحث میں محدثین کو چھوڑ کر فقہاء کی نہیں مانتے تو فقہی احکام میں فقہاء کو چھوڑ کر محدثین اور صوفیاء کی بات ماننا کیسے درست ہے؟ الکل فن رجال۔

سوال نمبر ۲۲:

اگر چاروں خلفاء راشدین اور ائمہ اہل بیت افضل ہیں ائمہ اربعہ سے تو چاروں

اماموں کی تقلید کیوں کی جاتی ہے؟ ان چاروں خلفاء و حضرات ائمہ اہل بیت کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی؟ ہاں ان چاروں اماموں نے ان چاروں خلفاء کی تقلید کیوں نہیں کی؟

جواب:

ایک ہی بات کو بار بار دہرایا جا رہا ہے جس طرح صحاح ستہ کی تابعداری میں احادیث نبویہ ﷺ کا علم امت کو ملا، سات قاریوں نے نبی ﷺ اور خلفاء والا قرآن ہی مرتب کیا، اسی طرح ائمہ اربعہؒ نے اللہ کے نبی ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو زندہ کیا۔ یہ جہالت ہے کہ ائمہ اربعہؒ نے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی بات نہیں مانی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ ساتوں قاریوں نے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم والا قرآن نہیں مانا، اصحاب صحاح ستہ خلفاء کے منکر تھے۔

سوال نمبر ۲۳:

چاروں خلفاء راشدین مجتہد تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو ان کی تقلید کیوں چھوڑی جاتی ہے؟

جواب:

چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم مجتہد تھے، ان کے مذاہب مدون نہیں ہوسکے، ان کے جو اجتہادات متواتر تھے ان کو ائمہ اربعہؒ نے اپنی فقہ میں سمو لیا، اس لئے ائمہ اربعہؒ کی تقلید خلفاء رضی اللہ عنہم کی ہی تقلید ہے جیسے نہر کا پانی، دریا کا پانی ہے۔

سوال نمبر ۲۴:

چاروں خلیفہ چاروں اماموں کے برابر مجتہد تھے یا بڑھ کر یا گھٹ کر؟ اگر بڑھ کر تھے تو پھر انہیں گھٹا کیوں دیا کہ ان کا مقلد ایک بھی نہیں ہے؟

جواب:

جس طرح چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم ساتوں قاریوں سے بڑھ کر قاری تھے، صحاح ستہ

والوں سے اعلیٰ محدث تھے، اسی طرح چاروں ائمہ اربعہؒ سے بہت بڑے مجتہد تھے لیکن جس طرح بڑے محدث ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی کوئی حدیث کی کتاب مرتب نہیں کی اس لئے ان کی مرویات حدیث کے لئے ہم صحاح ستہ کی کتابوں کے محتاج ہیں، اسی طرح اعلیٰ قاری ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی مکمل قراءت مدون نہ فرمائی اس لئے ان کی قراءت کے لئے آج ہم قراء سبعہ کے محتاج ہیں ایسے ہی بہترین مجتہد ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے مذاہب مدون نہ کروائے، اس لئے ان کی تابعداری کے لئے آج ہم ائمہ اربعہؒ کے محتاج ہیں۔

سوال ۲۵:

چاروں ائمہ سے قبل چاروں خلفاء کی تقلید کی جاتی تھی یا نہیں؟ جب نہیں کی جاتی تھی تو پھر ائمہ کی کیوں کی جاتی ہے؟

جواب:

چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کی حیات میں ان کے اجتہادی فتاویٰ کی بلا نکیر تقلید کی جاتی تھی۔ اب چونکہ ان کے مذاہب مدون نہیں اس لئے ائمہ اربعہؒ کے ذریعہ ان کے مسائل متواتر پر عمل ہو رہا ہے۔

سوال نمبر ۲۶:

ظاہر ہے کہ چاروں اماموں کا وجود بحیثیت امام پہلی صدی میں نہ تھا، پس پہلی صدی کے لوگ مقلد ہوئے یا غیر مقلد؟ اور وہ نجات پانے والے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوں گے یا نجات سے محروم اور دائرہ اسلام سے خارج کہے جائیں گے؟

جواب:

جس طرح چاروں اماموں کا وجود بحیثیت امام پہلی صدی میں نہ تھا، اسی طرح ساتوں قاریوں کا وجود بھی بحیثیت امام پہلی صدی میں نہ تھا اور صحاح ستہ والوں کا وجود

بحیثیت امام دوسری صدی میں بھی نہ تھا۔ اب فرمائیں کہ پہلی دو صدیوں کے مسلمان صحاح ستہ کو مانے بغیر مسلمان تھے یا نہیں۔ ان کو آپ منکر حدیث مانیں گے یا حدیث والے؟ اب اگر کوئی پہلی دو صدیوں کی طرح صحاح ستہ والوں کو نہ مانے تو آپ اس کو خیر القرون والا مسلمان مانیں گے یا نہیں؟ اسی طرح آج بھی کوئی شخص ساتوں قراتوں کو ترک کر کے یہ چاہے کہ میں پہلی صدی کا مسلمان ہوں تو کیا آپ نے اس پر عمل کرلیا ہے یا نہیں؟ اگر آپ یہ کہیں کہ صحاح والی احادیث اس زمانہ میں تھیں فرمایئے کہ اس وقت اور والہ الہ ساری نہیں کہتے تھے؟ یہ ساتوں قراتیں صحابہ ﷺ میں تھیں لیکن ان کا الگ نام نہیں رکھا گیا۔ اسی طرح فقہی مسائل پر عمل اس وقت بھی تھا لیکن نام فقہ حنفی نہیں تھا۔ ان لوگوں کو غیر مقلد کہنا ایسی گندی گالی ہے جیسے یہ کہنا کہ وہ صحاح ستہ والوں کو نہ مان کر منکر حدیث تھے یا ساتوں قاریوں کو نہ مان کر منکر قرآن تھے۔

سوال نمبر ۲۷:

چاروں خلفاء کی تقلید سے منع ہے یا نہیں؟ اگر منع نہیں تو اماموں کی تقلید کی آمد منع ہے تو اماموں کی بطور راوی منع ہونی چاہیے؟

جواب:

چاروں ائمہ کی تقلید میں خلفاء راشدین ﷺ کے متواتر مسائل کی اسی طرح تقلید ہو رہی ہے جس طرح ساتوں قراتوں میں خلفاء راشدین ﷺ کی متواتر قرأت پڑھی جارہی ہے۔ ہاں جس طرح متواتر قرأت کے خلاف کوئی شاذ قرأت ان کی طرف منسوب ہو تو وہ قابل تلاوت نہیں، اسی طرح مذاہب کے خلاف کوئی شاذ قول ان کی طرف منسوب کرنا قابل عمل نہیں۔ خوب سن لو یہاں مقابلہ شاذ کا ہے نہ کہ قاری اور خلیفہ کا۔

سوال نمبر ۲۸:

اگر چاروں خلفاء کی تقلید اب منع ہے تو کیوں اور کس نے منع کی؟ پھر چاروں

اماموں کی تقلید کیوں اور کس نے باقی رکھی؟ ان ائمہ نے کب کہا کہ لوگ حنفی شافعی کہلوائیں؟

جواب:

چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کے مذاہب نہ مدون ہیں، نہ براہ راست متواتر۔ البتہ ائمہ تک ان کے جو مسائل متواتر پہنچے وہ ائمہ اربعہؒ نے لے لئے، ان پر اب بھی عمل ہو رہا ہے۔ رہا یہ کہ ائمہؒ نے کب کہا تھا کہ حنفی، شافعی کہلوانا، جس طرح یہ کہنا کہ یہ بخاری کی حدیث ہے، قاری حمزہ کی قراءت ہے، درست ہے، اس پر امت کا اجماع ہے، اسی طرح مجتہد کے مذہب کو مجتہد کی طرف منسوب کرنا جس طرح اجماع سے ثابت ہے خود حدیث سے بھی ثابت ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے سامنے عرض کیا اجتہد برأیی اپنی رائے کی نسبت اپنی طرف کی، جس سے حضور ﷺ نے منع نہیں کیا تو غیر مقلدوں کو منع کرنے کا کیا حق ہے؟ بخاری ص ۳۴۳ ج ۱ پر بکالی اور عدوی کی نسبتیں ہیں۔ کیا کوئی غیر مقلد ثابت کر سکتا ہے کہ ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عثمانی اور علوی کہلوانے کا حکم دیا تھا؟

سوال نمبر ۲۹:

چاروں خلفاء نے بھی اپنی تقلید کا حکم دیا تھا یا نہیں؟ اگر دیا ہے تو ہم نے کیوں نہ مانا؟ اگر نہیں دیا تو پھر اماموں کے بارے میں یہ حکم کیوں ہوا؟ یہاں تک کہ محمدی کہلوانا چھوڑ دیا۔

جواب:

چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی تابعداری کا حکم خدا کے رسول ﷺ نے دیا۔ ان کی حیات میں براہ راست ان کی تقلید ہوتی رہی اور اب ائمہ اربعہؒ کے ذریعے ان کی تقلید ہو رہی ہے۔ محمدی کہلانے کا حکم نہ اللہ تعالیٰ نے دیا، نہ رسول اللہ ﷺ نے دیا اور نہ ہی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم میں سے کوئی محمدی کہلایا۔ مسلمانوں کو محمدی عیسائیوں نے کہنا شروع کیا جیسے مرزائیوں نے احمدی کہنا شروع کیا۔ آخر امام بخاریؒ نے صحیح محمدی چھوڑ کر اپنی کتاب کا

نام صحیح بخاری کیوں رکھا؟

سوال ۳۰:

اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تقلید کا حکم دیا تھا تو ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تقلید جاری تھی یا نہیں؟ اگر نہ تھی تو امام ابوحنیفہ کی تقلید امام شافعی اور امام احمد کے زمانے میں اور اس کے بعد کیوں جاری رہی ہے؟

جواب:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تقلید ان کی حیات میں جاری تھی اور اب بھی ائمہ اربعہؒ کے ذریعہ جاری ہے البتہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اجتہاد کا حق حاصل تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی حق تھا۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کے بعد بھی امام شافعیؒ اور امام احمدؒ جیسے مجتہدین کو اجتہاد کا حق تھا۔ تقلید غیر مجتہدین کے لئے ہوتی ہے نہ کہ مجتہدین کے لئے۔

سوال نمبر ۳۱:

اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تقلید جاری تھی تو اس تقلید کو کس نے بند کیا؟ اور کیوں بند کیا؟ اور اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ کی تقلید بند کیوں نہ ہو؟

جواب:

جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قرأت جاری ہے اسی طرح ان کی تقلید بھی ائمہ اربعہؒ کے ذریعہ جاری ہے، ان کا فیض بند نہیں ہوا۔ اسی طرح فقہ حنفی کی کتابیں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے اجتہادات کا مجموعہ ہیں۔ یہ بات کئی دفعہ واضح کی جا چکی

کے اصول پر نکالے جاتے ہیں ان کو واقعات نوازل کہا جاتا ہے، ان کو عند ابی حنیفۃ، عند ابی یوسف لکھا جاتا ہے۔ بہر حال ان تینوں قسموں سے جو مسائل مفتی بہا اور معمول بہا ہیں صرف ان کو مذہب حنفی کہا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۳۲:

ذرا مہربانی فرما کر یہ بھی بتایا جائے کہ فقہ حنفی کی موجودہ کتابوں میں سے کوئی ایک بھی ایسی ہے جسے امام ابوحنیفہؒ نے خود لکھا ہو؟

جواب:

فقہ حنفی کے وہ مسائل جو متون معتبرہ میں مذکور ہیں وہ امام صاحبؒ سے اسی طرح متواتر ہیں کہ جس طرح نبی ﷺ سے قرآن متواتر ہے اور متون کے علاوہ شروح اور فتاویٰ میں بعض مسائل اخبار آحاد کی طرز پر مروی ہیں جیسے کتب احادیث کی حدیثیں۔ ان اصولوں میں جو مفتی بہا ہیں وہ امام صاحبؒ سے ثابت ہیں اور غیر مفتی بہا ثابت نہیں۔ تمام اہل سنت والجماعت حنفی شافعی وغیرہ متون فقہ کو ان ائمہ سے متواتر ہی مانتے گئے۔ سب سے پہلے محمد معین ٹھٹھوی نے اپنی کتاب دراسات میں یہ شبہ ظاہر کیا کہ ان مسائل کی نسبت ائمہ کی طرف یقینی نہیں لیکن اس کی ان خرافات رافضی پر کسی نے کان تک نہ دھرا حتیٰ کہ چودھویں صدی کے شروع میں ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد نے اس رافضی کی غلطیات کو اپنا دین وایمان بنالیا اور غیر مقلدین نے اس پر شور مچایا کہ ان مسائل کا ثبوت امام صاحبؒ سے نہیں لیکن اس کے باوجود خود غیر مقلدین بھی اس بات پر پورا یقین نہیں رکھتے۔ جب اپنی فتاویٰ کی کتابوں میں اپنی حمایت میں فقہ کا قول پیش کرتے ہیں تو پھر اس کتاب کو ابوحنیفہؒ سے ثابت مانتے ہیں، جب کوئی بات ان کے خلاف ہو تو کہتے ہیں کہ اس کا ثبوت امام صاحبؒ سے نہیں ہے۔

سوال نمبر ۳۳:

ذرا یہ بھی بتایا جائے کہ فقہ کی موجودہ کتابوں میں بہت سے مسئلے خلاف طہارت اور

خلاف تہذیب ہیں جنہیں سننے سے طبیعت میں کراہت پیدا ہو اور سنتے آنے لگے، کیا یہ مسائل فی الواقع امام ابوحنیفہؒ کے ہی ہیں؟

جواب:

فقہ حنفی کی کتابوں میں وہ مسائل جو مفتی بہا اور معمول بہا ہیں وہ مذہب حنفی ہیں، ان سے اگر کسی کو گھن آتی ہے تو پھر یہی سمجھا جائے گا کہ کتے کو گھی ہضم نہیں ہوتا، سنتے آجاتی ہے۔ باقی شاذ اور متروک مسائل مذہب حنفی ہیں ہی نہیں۔

سوال نمبر۳۴:

اگر ہم ان غلط اور خلاف تہذیب مسائل کو چھوڑ دیں تو دائرہ تقلید سے باہر تو نہیں ہو جائیں گے؟

جواب:

تقلید کا تعلق صرف ان مسائل سے ہے جو مفتی بہا اور معمول بہا ہیں، ان کو چھوڑنے سے آدمی واقعی تقلید سے باہر ہو جاتا ہے لیکن غیر مفتی بہا اور غیر معمول بہا اقوال کا تعلق تقلید سے نہیں ہے۔ متواتر قرآن کو چھوڑنے والا قرآن کا مخالف ہے لیکن شاذ اور متروک قرأتوں کی تلاوت ترک کرنے والا قرآن کا مخالف نہیں۔ اسی طرح سنت کا تارک اہل سنت سے خارج ہے، شاذ اور متروک حدیثوں کا تارک اہل سنت سے خارج نہیں۔

سوال نمبر۳۵:

اس تقلید کے بارے میں کچھ اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے یا نہیں؟ اگر فرمایا ہے تو کیا فرمایا ہے وہ آیت یا حدیث صاف لکھ دیں کہ جس میں ہو کہ امام ابوحنیفہؒ یا فلاں امام کی تقلید تم پر فرض ہے، جو نہ کرے وہ بد مذہب ہے۔

جواب:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ اس آیت میں لوگوں کی دو قسمیں بتا دیں: (۱) وہ جو اہل ذکر ہیں جن کو دین خوب یاد ہے، ان کو مجتہدین کہتے ہیں۔ (۲) وہ لوگ جو مجتہدین نہیں ہیں ان کو حکم دیا کہ تم اہل ذکر (مجتہدین) سے پوچھ کر عمل کیا کرو، اسی کا نام تقلید ہے۔ رہا یہ سوال کہ آیت یا حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کا نام ہو تو یہ ایک جاہلانہ سوال ہے۔ جیسے قرآن کریم میں حکم ہے فاقرؤا ما تیسر من القرآن اس میں قرآن پڑھنے کا حکم ہے، اب جو استاد بھی میسر آ جائے اس سے پڑھ لے تو اس حکم پر عمل ہو گیا۔ اب کوئی ضد کرے کہ آیت میں یوں لکھا ہو کہ محمد اسلم نورانی تو عبد المجید دین سے پڑھے اور تیسواں پارہ محمد علی سے پڑھے، تو یہ جہالت ہے۔ اسی طرح قرآن میں حکم آ گیا: فانکحوا ما طاب لکم من النساء۔ اب کوئی یہ کہے کہ یہ تو نکاح کا حکم ہے، یہ دکھاؤ کہ قرآن پاک میں صاف ہو کہ محمد علی کی شادی زینب بی بی سے ہو۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اپنی بیماری کا علاج کرو، اب جو بھی ڈاکٹر میسر آ جائے اس سے علاج کروا لیا جائے گا، یوں سوال کرنا کہ بیماری کا نام بھی ہو اور ہیضہ کا علاج ڈاکٹر محمد اسلم سے کروانا اور انگریزی دوائی لینا اور ملیریا کا علاج حکیم حنیف اللہ سے کروانا اور یونانی دوائی لینا جہالت ہے۔ جس طرح مومنوں کو نماز پڑھنے کا حکم قرآن میں ہے لیکن سب مومنوں کے نام مذکور نہیں، اب کوئی کہے کہ جب تک یہ لفظ نہ دکھاؤ گے کہ عبد الرزاق نماز پڑھے، میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ دلیل کے دو مقدمے ہوتے ہیں: ایک یہ کہ مومن نماز پڑھے، یہ مقدمہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ دوسرا یہ کہ عبد الرزاق مومن ہے، یہ قرآن و حدیث میں نہیں ہے بلکہ ہمارے مشاہدہ سے ثابت ہے۔ اسی طرح تمہید کا پہلا مقدمہ کہ اہل ذکر سے مسائل پوچھو، یہ قرآن میں ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا اہل ذکر میں سے ہونا امت کے اجماع سے ثابت ہے اور ہمارے ملک میں صرف مذہب حنفی کا متواتر ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے۔

اسی طرح منکرین حدیث بھی آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ قرآن میں ہے اطیعوا الرسول۔ آپ ہمیں کہتے ہیں کہ اصح البخاری و اصح الترمذی وغیرہ، منکرِ قرآن بھی پوچھ سکتے ہیں کہ قرآن میں حکم ہے فاقرءوا ما تیسر من القرآن تم ہمیں کہتے ہو صرف، نحو، معانی و بیان یاد کرو۔ یاد رہے کہ اللہ کی مخلوق کا ... ہے، اگر ان سوالوں کی ضرورت ہے تو پہلے ان سب چیزوں کے نام قرآن و حدیث میں دکھائیں، پھر خدا ترس والوں سے نام قرآن و حدیث میں دکھائیں اور پھر مسئلہ پر ہم سے مطالبہ کریں۔

سوال نمبر ۳۶:

مجتہد کو بھی تقلید کرنے کا حکم ہے یا نہیں؟

جواب:

مجتہد پر اجتہاد واجب ہے اور اپنے جیسے مجتہد کی تقلید حرام ہے۔ ہاں اپنے سے بڑے مجتہد کی تقلید جائز ہے یا نہیں، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جواز کے قائل ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ عدم جواز کے۔

سوال نمبر ۳۷:

صحیح احادیث پر عمل ہو، مجتہد کو اور اس کے مقلدوں کو کرنا چاہئے یا خود رد کرلیں کہ ان احادیث پر تم عمل کرو ان پر ہم عمل کریں گے وغیرہ۔

جواب:

احادیث کی دو قسمیں ہیں، متعارض اور غیر متعارض۔ غیر متعارض احادیث پر سب عمل کرتے ہیں لیکن متعارض احادیث میں تمام احادیث پر عمل ممکن نہیں، اس لئے احادیث راجح پر عمل کیا جاتا ہے۔ ہم ان احادیث کو راجح قرار دیتے ہیں جن کو امام صاحب نے کسی وجہ سے ترجیح دی یا جس کو بعد والوں نے راجح قرار دیا اور غیر مقلدین ان احادیث کو راجح قرار

رہے ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین میں متداول تھیں۔

سوال نمبر ۳۸:

چاروں امام بھی مقلد تھے یا نہیں؟ اور مقلد تھے تو کس کے؟ اور نہیں تھے تو کیوں؟

جواب:

چاروں امام مجتہد تھے۔ مجتہد پر اجتہاد واجب ہے نہ کہ تقلید۔

سوال نمبر ۳۹:

الحمد! ذرا یہ بھی بتایئے کہ کسی امام کی طرف نسبت کر لینا یعنی شافعی، مالکی، حنبلی، یہ خود اماموں کی تعلیم ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ عبارت کس کتاب میں ہے؟

جواب:

یہ نسبتیں حنفی، صوفی، حنفی، شافعی مسلمانوں میں بلانکیر رائج ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان کی صحت پر اجماع ہے اور اجماع دلیل شرعی ہے۔ آپ بھی فرمائیں کیا امام بخاری نے کہا تھا کہ میری کتاب کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہو؟ امام بخاری کا یہ فرمان کس کتاب میں ہے؟ اور کیا ان چھ محدثین نے کہا تھا کہ ہماری کتابوں کو صحاح ستہ کہو؟ ان کا فرمان کس کتاب میں ہے؟ اور کیا بخاری و مسلم نے کہا تھا کہ جس حدیث کو ہم دونوں لکھیں اس کو متفق علیہ کہو؟ ان کا یہ قول کس کتاب میں ہے؟

سوال نمبر ۴۰:

اگر چاروں ائمہ مسائل قرآن و حدیث سے لیتے رہے تو ہمیں قرآن و حدیث سے مسائل لینے میں غیر مقلدین بن جانے کا خوف کیوں ہو؟

جواب:

چاروں امام مجتہد تھے اس لئے وہ کتاب و سنت سے مسائل استنباط کر سکتے تھے۔

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مجتہد پر اجتہاد واجب ہے لیکن جو لوگ اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتے وہ براہ راست یعنی بغیر واسطہ کے کتاب و سنت سے مسائل لیں گے وہ مطابق حدیث نبوی ﷺ اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة (بخاری ص ۱۴ ج ۱) تو وہ دین پر قیامت ڈھائیں گے۔ اگر وہ نااہل ہو کر مجتہد بنیں گے تو بھی رسول ﷺ کے نافرمان ہوں گے کیونکہ حضرت ﷺ جب بیعت لیتے تو یہ شرط ہوتی تھی۔ ان لا ننازع الامر اهله (بخاری ص ۱۰۶۹ ج ۲) جیسے کسی ان پڑھ جاہل کو ڈاکٹری کی کتاب سے نسخے لکھ کر علاج کرنا جرم ہے، کسی نااہل کمہار کو ہائیکورٹ کے فیصلوں کے خلاف قانون کی تشریح کرنا جرم ہے اور ایسا شخص توہین عدالت کا مستحق ہے۔ اسی طرح نااہل غیر مقلد کا براہ راست کتاب و سنت کو کھینچنا کتاب و سنت کی توہین ہے۔ اگر غیر مقلد یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص کو حق ہے کہ قرآن و حدیث میں اپنی سمجھ کے مطابق عمل کرے تو مرزا کو کیسے غلط کہیں گے؟ وہ کہتا ہے کہ میں نے وفات مسیح قرآن سے سمجھی ہے۔ منکرین حدیث کو کیسے غلط کہیں گے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی اطاعت برحق ہے اور زندگی میں تھی۔ جیسے ہر حاکم کی اطاعت موت کے بعد ختم ہو جاتی ہے اسی طرح آپ ﷺ کی اطاعت بھی وفات کے بعد باقی نہیں رہی۔

سوال نمبر ۴۱:

تقلید فرض ہے یا واجب یا مباح؟ تو کن لوگوں کے لئے اور کیوں؟

جواب:

تقلید مطلق واجب بالذات ہے اور تقلید شخصی واجب بالغیر اور اس مجتہد کی تقلید ہو گی جس کا مذہب اس ملک میں مدون اور متواتر ہو گا۔

نوٹ: واجب بالذات کے لئے نص کی ضرورت ہے لیکن واجب بالغیر کے

لئے نص کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کو فقہ میں مقدمۃ الواجب واجب کہتے ہیں، جیسے نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس لئے کہ اس کی نص موجود ہے، نماز میں فاتحہ نہ ہو تو نماز ناقص ہے لیکن یہاں کے لوگ اس واجب کو ادا نہ کر سکتے جب تک سورۂ فاتحہ پر اعراب اوقاف نہ لگے ہوں، اس لئے فاتحہ واجب بالذات ہے لیکن ان کے بغیر اعراب اوقاف واجب بالغیر ہے۔ اس لئے فاتحہ واجب بالذات ہے لیکن بغیر واجب بالغیر ادا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح شرعاً مجتہد چاروں ہیں لیکن بحکم نا جس کا مذہب متواتر ہوگا تقلید اسی کی واجب ہوگی۔

سوال نمبر ۴۲:

یہ جو فقہ کی کتابوں میں ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں، اس کے کیا معنی؟ پھر تو حنفی ہو کر بھی حنفی نہ رہے؟

جواب:

شامی میں لکھا ہے کہ عامی کا مذہب نہیں ہوتا۔ ہاں جس مفتی کا التزام کرے اس کے مذہب کی طرف منسوب ہوگا اور اگر کسی مفتی کا التزام نہ کرے تو لا مذہب ہی رہے گا، اس لئے مقلد تقلید کے بعد صاحب مذہب ہوتا ہے لیکن غیر مقلد ساری عمر لا مذہب ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۴۳:

مقلد قرآن و حدیث کا مطلب سمجھ سکتا ہے یا نہیں؟ حالانکہ ہماری فقہ کی کتابوں میں ہے کہ مقلد قرآن و حدیث سے دلیل لے ہی نہیں سکتا پھر تو گویا قرآن و حدیث منسوخ اور بے کار ہیں، اگر لے سکتا ہے تو تقلید کی ضرورت ہی کیا؟ اگر نہیں لے سکتا تو قرآن و حدیث ہی کیا؟

جواب:

مجتہد اور مقلد میں مابہ الامتیاز استنباط اور اجتہاد ہے۔ مجتہد کتاب و سنت سے نئے

پیش آمدہ مسائل اخذ کر سکتا ہے لیکن مقلد نہیں کر سکتا۔ ہاں مجتہد کی رہنمائی میں ان مسائل پر عمل کر سکتا ہے جو مجتہد کتاب و سنت سے اخذ کرتے ہیں۔ اس کو یوں سمجھیں کہ ڈاکٹری کی کتاب مریضوں کے علاج کے لئے ہے لیکن خود مریض اس سے نسخہ نہیں لکھ سکتا نسخہ ماہر ڈاکٹر ہی لکھے گا۔ کتاب و سنت کے جو مسائل نص سے سمجھ آتے ہیں وہ ہر ترجمہ جاننے والا جانتا ہے لیکن مسائل کے وہ الفاظ جو ان کی تہہ میں ہیں ان کو نکال کرنا ہو تو اس کے لئے غوطہ خور کی ضرورت ہے جو خود غوطہ خور نہیں وہ موتی کے لئے غوطہ لگائے تو وہ موتی نہیں لائے گا بلکہ خود ڈوب جائے گا۔ جیسے ڈاکٹری کی کتابیں بے فائدہ نہیں لیکن ڈاکٹر کے لئے لکھی گئی ہیں نہ کہ کمہاروں کے لئے، قانون کی کتابیں بے فائدہ نہیں لیکن ان کو سمجھنا وکیل کا کام ہے نہ کہ چمار کا۔

سوال نمبر ۴۴:

مقلد قرآن و حدیث سے دلیل پکڑ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:

مقلد اور مجتہد میں مابہ الامتیاز نیا مسئلہ تلاش کرنا ہے، یہ مقلد نہیں کر سکتا البتہ تلاش شدہ مسائل کے لئے کتاب و سنت کے دلائل تلاش کر سکتا ہے، چنانچہ امام طحاوی، صاحب ہدایہ، علامہ عینی، ملا علی قاری، ابن حجر، ابن عبد البر مکی اور ابن تیمیہ وغیرہ باوجود مقلد ہونے کے مسائل کے ساتھ کتاب و سنت کے دلائل ذکر کرتے ہیں۔ مقلد کی تعریف میں عدم علم شامل نہیں، ہاں مجتہد سے کسی خاص دلیل کا مطالبہ مقلد نہیں کرتا جیسے امتی کو یہ حق حاصل نہیں کہ نبی ﷺ کو سنت کے جزئیات میں نبی ﷺ سے الجھے۔ کہ سنت کی دلیل دو گے تو عمل کروں گا ورنہ نہ کروں گا۔ امتی اپنے نبی ﷺ سے بلا مطالبہ دلیل مسئلہ تسلیم کر لیتا ہے۔ ہاں تسکین قلب کے لئے کوئی دلائل جمع کرے یا محققین کی زبان بندی کے لئے اپنے نبی ﷺ کے مسئلے پر دلیل بیان کرے تو اس سے وہ امتی ہونے سے نہیں نکلتا بلکہ اعلیٰ درجہ کا امتی شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح مقلد اپنے امام سے بلا مطالبہ دلیل تسلیم کرے، اپنے تسکین

قلب کے لئے خود اس کے دلائل تلاش کرے یا مخالفین کی زبان بندی کے لئے امام کے مسئلے بیان کر دے تو وہ امام کا نافرمان نہیں ہوگا بلکہ امام کا اعلیٰ درجہ کا وفادار ہوگا۔

سوال نمبر ۴۵:

چار مصلے مکہ معظمہ میں خاص خانہ کعبہ میں قائم ہوئے تھے، ان کو کس نے قائم کیا تھا اور کیوں قائم کیا اور کب قائم کیا؟ کیا اس سے مسلمانوں کے دین کے ٹکڑے نہیں ہوئے؟ اور اماموں نے اسے کیوں قائم نہ کیا بلکہ یہ ساتویں صدی کی بدعت ہے۔

جواب:

ساتویں صدی سے لے کر ۱۳۶۵ھ تک مکہ مکرمہ میں چار مصلے رہے جس سے پوری دنیا پر واضح رہا کہ اہل سنت کے چار مذاہب ہیں۔ ان کا فائدہ یہ تھا کہ اہل سنت کے نام سے کوئی نیا فرقہ نہیں بن سکتا۔ جس ملک میں نیا فرقہ بنتا لوگ فوراً پوچھتے خانہ کعبہ میں تمہارا کون سا مصلیٰ ہے؟ جب وہ نہ بتا سکتا تو ان کا فتنہ وہیں ختم ہو جاتا۔ ۱۳۶۵ھ میں نجدی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے ایک حنبلی مصلیٰ باقی رکھا۔ کعبہ میں جب چار مصلے تھے تو غیر مقلدوں کا مصلیٰ اس وقت بھی نہ تھا، اب ایک ہے وہ بھی مقلدوں کا ہے غیر مقلدوں کا اب بھی نہیں۔ اس لئے غیر مقلدوں کا تعلق کبھی بھی نہ رہا۔ آج جو غیر مقلدین شور مچاتے ہیں کہ وہاں کا امام رفع یدین کرتا ہے، وہ رفع یدین غیر مقلدین کا امتیازی نشان نہیں، وہ حنبلی، شافعی بھی کرتے ہیں۔ غیر مقلدین یہ بتائیں کہ تقریباً چھ سو سال خانہ کعبہ میں چار مصلے رہے کیا چاروں حق تھے یا نہیں؟ اگر صدیوں تک وہاں ناحق رہ سکتا ہے تو یہ حکومت جس کی ابھی ایک صدی مکمل نہیں ہوئی ان کا طریقہ حق ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ہم چاروں کو برحق مانتے ہیں۔ غیر مقلدین تقلید کو شرک کہتے ہیں وہ بتائیں کم از کم چھ سو سال کعبہ میں شرک ہوتا رہا؟ کعبہ اس وقت کعبہ بھی تھا یا نہیں؟

سوال نمبر ۴۶:

جب کہ ہمارے نزدیک چاروں مذاہب برحق ہیں پھر اہل حدیث کو جو ایک برحق مذہب ہے کے مطابق آمین، رفع یدین اور سورۂ فاتحہ بجالاتے ہیں، کیوں روکا جائے؟

جواب:

چاروں مذاہب برحق ہیں، ان کی مثال جیسے چار کھیت ہوں اور ان میں سے وہ آدمی جس کا کھیت نہیں، وہ مانگ کر گنا لے لے، یقیناً حلال ہے لیکن غیر مقلدوں کی طرح گنا ایک کھیت سے چوری کر لیا، آلو دوسرے کھیت سے چوری کر لئے، لکڑیاں تیسرے کھیت سے چوری کر لیں، یہ چوری کا مال یقیناً حرام ہے۔ وہ چاروں مذاہب ہیں، غیر مقلدیت چوری ڈاکہ کی مارکیٹ ہے۔ اتنی بے غیرتی ہے کہ ائمہ اربعہ کو دین کے ٹکڑے کرنے والا کہا جاتا ہے اور ان کے مسائل چوری کر کے نماز میں شامل کئے جاتے ہیں، ہم اسے نمک حرامی کہتے ہیں۔ انسان جس دیگ سے کھائے اسی میں پیشاب کرے، کتا جہاں سے کھاتا ہے ان کو نہیں بھونکتا ہے۔ غیر مقلد ایسا باؤلا کتا ہے کہ جہاں سے کھاتا ہے انہی کو کاٹتا ہے۔

سوال نمبر ۴۷:

اہل سنت والجماعت کی کیا تعریف ہے؟ جب کہ مقلدین سنت سے دلیل لے سکتے نہ جماعت صحابہ کے اجماع سے، پھر اہل سنت کیوں کہا جائے؟

جواب:

اہل سنت وہ لوگ ہیں جو چار دلائل کو مانتے ہیں۔ سنت میں علم قرآن کا اور نمونہ عمل نبی ﷺ کی شان کا۔ والجماعت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع جس کی پہچان ائمہ کے اجماع سے ہوتی ہے اور حنفی، شافعی ہیں اجتہادی مسائل اور ہمارے لئے اجماعی مسائل حجت قاطعہ ہیں اور اجتہادی اختلافی مسائل رحمت واسعہ ہیں۔ یہ کہنا کہ مقلد کتاب و سنت ؛

اجماع کو نہیں مانتا، یہ جھوٹ ہے۔

فقہ حنفی کے چار اساس
کتاب و سنت اجماع و قیاس

سوال نمبر ۴۸:

اہل حدیث صرف کتاب وسنت پر عمل کرنے والی جماعت ہے۔ جب سے کتاب وسنت ہے تب سے یہ ہے۔ بعد میں ان کا عامل کوئی نہیں رہا تھا یعنی کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ پر کسی کا عمل ہی نہ تھا حالانکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کے عامل قیامت تک رہیں گے۔

جواب:

اہل حدیث انگریز کے دور سے پہلے کسی مذہبی فرقہ کا نام نہ تھا بلکہ ایک علمی طبقہ کا نام تھا جیسے محدث یا شیخ الحدیث کو اہل حدیث یا اصحاب حدیث کہتے تھے۔ اسی طرح انگریز سے پہلے اہل قرآن کسی مذہبی فرقے کا نام نہ تھا بلکہ ایک علمی طبقہ کا نام تھا جو قرآن کا حافظ ہو۔ اس لئے اہل قرآن، اہل حدیث بحیثیت فرقہ انگریز سے پہلے کہیں وجود میں نہ تھا۔ مذہبی فرقے اور علمی طبقے کے نام میں ایک واضح فرق ہوتا ہے۔ مذہبی فرقے کا نام ہر عالم، جاہل، بچے، بوڑھے پر بولا جاتا ہے جیسے عالم سنی، جاہل بھی سنی، بچہ بھی سنی۔ علمی طبقے کا نام، جب تک علم حاصل نہ کرے، اس پر استعمال نہیں ہوتا، مثلاً شیخ الحدیث کے بیٹے کو شیخ الحدیث نہیں کہتے جب تک علم حاصل نہ کرے، سائنس دان کی بیوی کو سائنس دان نہیں کہتے جب تک وہ سائنس نہ پڑھے۔ اس لئے ہمارا مطالبہ ہے کہ اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ انگریز سے پہلے اہل حدیث کسی فرقے کا نام تھا تو صرف ایک حوالہ دیں کہ انگریز سے پہلے کسی ان پڑھ کو اہل حدیث یا اہل قرآن کہا گیا ہو؟ ہر حوالہ آپ کو دس لاکھ روپے انعام دیں گے۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

سوال نمبر ۴۹:

قیامت کے دن حمد کا جھنڈا صرف نبی ﷺ کے ہاتھ میں ہی ہوگا یا ان چاروں اماموں کے بھی جھنڈے الگ الگ لہرا رہے ہوں گے؟ حوض کوثر صرف حضور ﷺ ہی کا ہوگا یا چاروں اماموں کے بھی ہوں گے؟ اگر یہ صرف حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہے تو پھر ہم دنیا میں کیوں ادھر ادھر منہ ماریں؟

جواب:

قیامت کے دن حمد کا جھنڈا حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا اس کے نیچے سارے امام مقلدین سمیت ہوں گے۔ اسی طرح حوض کوثر پر بھی سب حاضر ہوں گے۔ امام شعرانیؒ نے قیامت کا نقشہ جو اپنے کشوف سے مرتب کیا ہے اس میں حنفی، شافعی سب مقلدین تو میدان قیامت میں پل صراط پر بھی اور جنت کے دروازے میں بھی دکھائے گئے ہیں۔ غیر مقلدین کا وہاں نام ونشان تک نہیں وہ پہلے ہی دوزخ میں گر چکے ہوں گے۔

سوال نمبر ۵۰:

اگر کسی امام کے مقلد کے پاس کوئی صحیح حدیث پہنچے اور وہ اس امام کے قول کے خلاف ہو تو اسے کیا کرنا چاہئے؟ اور جو یہ کہہ کر حدیث کو ٹال دے کہ یہ میرے مذہب میں نہیں، وہ مسلمان رہا یا اسلام سے خارج ہو گیا؟ اور ایسے وقت مقلد کو کیا کرنا چاہئے؟

جواب:

اللہ اور رسول ﷺ نے فرمایا: کتاب وسنت فقہاء سے سمجھنے چاہئیں اس لئے اگر عامی کو حدیث ملے تو فرمان رسول ﷺ فرب حامل فقه الی من هو افقه منه ورب حامل فقه ليس بفقيه۔ (ترمذی شریف ابواب العلم ص ۹۴، ج ۲) کے مطابق فقیہ کے پاس لے جانی چاہئے اس لئے غیر مقلدین فقہاء سے سمجھنے کی بجائے اپنی رائے سے جانچنے

کی کوشش کرتے ہیں وہ فقہاء کے نہیں بلکہ خدا اور رسول ﷺ کے نافرمان ہوتے ہیں۔
آپ تحریر کرلیں غیر مقلدین کو یہ حدیث دکھائیں جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہو وہ کبھی اس پر عمل نہ کریں گے اور کہیں گے لکھ دو، ہم اپنے مولوی (غیر فقیہ) سے سمجھیں گے۔ نبی ﷺ نے فقیہ سے سمجھنے کا حکم دیا، وہ خود غیر فقیہ ہیں اور غیر فقیہ کے پاس جاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید:

آج سے چند سال قبل بھی کوہاٹ میں ایک مناظرہ ہوا تھا۔ جس میں غیر مقلدین کی طرف سے یہ شور اور دعویٰ تھا کہ اہل سنت والجماعت حنفی جو نماز پڑھتے ہیں وہ قرآن و حدیث سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں۔ ہم صرف قرآن اور حدیث کو مانتے ہیں، جب کہ یہ لوگ امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ ہم بالترتیب چار دلائل شرعیہ کو تسلیم کرتے ہیں:

(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اجماع (۴) قیاس

مگر اولیت ہمارے ہاں بھی کتاب و سنت کو ہی حاصل ہے۔ جب مسئلہ کتاب وسنت سے صراحۃً مل جائے تو ہم کسی اور طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اس لئے اگر آپ نماز کی مکمل ترتیب اور مسائل کی مکمل تفصیل ہمیں صرف قرآن اور حدیث سے صراحۃً دکھا دیں گے تو ہم وہی نماز پڑھنا شروع کر دیں گے۔ اور اگر آپ مکمل نماز ثابت نہ کر سکے اور ہرگز نہ کر سکیں گے تو آپ دنیا میں بھی مجرم ہوں گے کہ قرآن، حدیث کا نام محض دھوکے کے لئے لیتے ہو، نہ قرآن، حدیث سے تمہارا نام اہل حدیث ثابت ہے، نہ تمہاری نماز، اور تم آخرت میں بھی مجرم ہو گے، وہاں ہم استغاثہ کریں گے کہ اے اللہ ان لوگوں نے ہمیں قرآن، حدیث سے مکمل نماز نہیں دکھائی تھی۔ مناظرہ شروع ہو گیا تو اہل سنت والجماعت مناظر نے کہا کہ ہمارے نزدیک نماز کی حسب ذیل سات شرائط ہیں:

۱۔ بدن کا پاک ہونا۔	۲۔ کپڑوں کا پاک ہونا۔	
۳۔ جگہ کا پاک ہونا۔	۴۔ ستر کا چھپانا۔	
۵۔ وقت کا ہونا۔	۶۔ قبلہ کی طرف منہ ہونا۔	
۷۔ نیت کرنا۔	(تعلیم الاسلام ص ۴۷)	

جب کہ اہل حدیث کہلانے والے ان شرائط کو نہیں مانتے، چنانچہ نواب صدیق حسن صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ گندگی سے آلودہ جسم سے نماز پڑھنا گناہ ہے۔ لیکن اس طرح پڑھی ہوئی نماز باطل نہیں (بدور الاہلہ ص ۳۸) ان کے صاحبزادہ میر نور الحسن صاحب فرماتے ہیں ''جو شخص ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھے یا بالکل ننگا نماز پڑھے اس کی نماز صحیح ہے (عرف الجادی ص ۲۲) اور فرماتے ہیں اگر عصر کے وقت فٹ بال کھیلنا ہو تو عصر کی نماز وقت سے پہلے ہی ظہر کے ساتھ ادا کر لے۔ (فتاویٰ ثنائیہ) تو آپ قرآن وحدیث سے ان کا غلط ہونا ثابت کر دیں۔

اہل سنت والجماعت مناظر کا مطالبہ یہ تھا کہ آپ کسی آیت یا حدیث سے ان شرائط کا غلط ہونا ثابت کر دیں، ہم ان شرائط کا غلط ہونا مان لیں گے ان سے توبہ کر لیں گے۔ لیکن چونکہ نماز پھر بھی فرض ہی رہے گی۔ اس لئے اس کی ادائیگی کے لئے نماز کی صحیح شرائط کا جاننا اور ان کے مطابق نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اس لئے آپ پھر ہمیں نماز کی شرائط اسی عام فہم ترتیب سے قرآن پاک یا حدیث صحیح سے دکھادیں تاکہ ہم ان کے مطابق نماز ادا کر لیا کریں۔ مگر غیر مقلد مناظر شیر سرحد ابو عمر عبد العزیز نورستانی پوری نماز تو کیا ثابت کرتا۔ نماز کی شرائط بھی دکھانے سے عاجز رہا۔ اور آج تک عاجز ہے اور رہے گا۔

مناظرہ کا اثر:

الحمد للہ اس مناظرہ کا اثر ملک گیر ہوا۔ پورے ملک میں غیر مقلدین نے کان پکڑ پکڑ کر توبہ کی کہ آئندہ کبھی ہم اس بات پر مناظرہ نہیں کریں گے کہ اپنی مکمل نماز کی ترتیب وتفصیل قرآن وحدیث سے ثابت کریں۔ اس کے بعد لاہور۔ اوکاڑہ۔ گوجرانوالہ۔ وہاڑی۔ مظفر گڑھ۔ جہلم۔ گجرات وغیرہ مختلف شہروں میں اہل سنت والجماعت نے ان

سے مطالبہ کیا گیا آپ اپنی نماز مکمل ترتیب و تفصیل سے ثابت کردیں مگر

نہ تن خنجر نہ خنجر تورستانی والا معاملہ

ان حضرات کو غلط بیانی کرتے وقت کبھی فکر آخرت کا خیال نہیں آتا۔ اگر یہ لوگ اس کے خلاف بات کریں کہ فلاں فلاں جگہ اہل سنت والجماعت کو شکست ہوئی تو ہم صرف ایک ہی مطالبہ کرتے ہیں کہ یک اور صرف ایک مناظرے کی کیسٹیں مہیا کی جائیں جس میں غیر مقلد مناظر نے اپنی نماز کی مکمل ترتیب اور تفصیل صرف قرآن حدیث سے ثابت کر دی ہو۔ تو ہم آپ کی فتح اور حقانیت کے قائل ہو جائیں گے۔ لیکن

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

مناظرے سے فرار کا طریقہ:

جب شیر سرحد یو محمد عبدالعزیز تورستانی (سفید ڈھیری پشاور) نماز کی شرائط بھی نہ بتا سکے تو اب مناظرہ کی بجائے ہنگامہ آرائی پر اتر آئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قوت حاصل کرنے کے لئے شراب پینا جائز ہے۔

اہل سنت والجماعت کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ شراب بھی عربی لفظ ہے۔ ہر پینے والی چیز کو شراب یا مشروب کہتے ہیں۔ ہاں جس کو ہم اپنی زبان میں شراب کہتے ہیں اس کو عربی زبان میں خمر کہتے ہیں۔ اگر تورستانی صاحب خمر کا لفظ دکھا دیں کہ امام صاحبؒ نے فرمایا ہو کہ قوت حاصل کرنے کے لئے خمر کا پینا جائز ہے، تو ہم اپنی شکست تسلیم کرلیں گے بلکہ لکھ دیں گے۔

ڈھٹائی کی حد:

تورستانی نے ترمذی شریف کے ساتھ لگی ہوئی تقریر ترمذی جو حضرت شیخ الہندؒ کی طرف منسوب ہے اور اس کے مرتب کرنے والے کا نام وہاں نہیں ہے میں سے ایک عبارت پڑھی کہ خمر کا لفظ بول گیا اور سب غیر مقلد مولویوں نے شور مچا دیا کہ ہم جیت گئے

مسلک اہل حدیث زندہ باد کے نعرے لگاتے رہے مگر حوالہ ہمیں نہیں دکھاتے تھے۔ جب نعرہ بازی سے تھک گئے تو ہم نے حوالہ دکھانے کا مطالبہ کیا تو وہاں خمر کی بجائے ماسوی الخمر کا لفظ تھا کہ امام صاحبؒ خمر کے علاوہ مشروبات پینے کی اجازت دیتے ہیں۔ خدا ضد کا ستیاناس کرے غیر مقلد کہنے لگے اگر چہ پورا لفظ ماسوی الخمر ہی ہے مگر اس میں خمر کا لفظ بھی تو آ گیا ہے جب پوچھا گیا کہ اللہ اور ماسوی اللہ میں آپ کے نزدیک کوئی فرق نہیں کیا ان فقروں کا ایک ہی مطلب ہے کہ اہل سنت اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور غیر مقلدین ماسوی اللہ کی ہی عبادت کرتے ہیں تو اب شیر سرحد پر موت کی سی خاموشی طاری تھی۔ گویا منہ میں زبان نہیں اور آیت کریمہ صم" بکم" عمی" فھم لا یعقلون. ان کے لئے ہی نازل ہوئی ہے،اس کے بعد شیر سرحد کی زبان پر مناظرہ کا لفظ تک نہ آیا مگر مسلمانوں میں یہ لوگ اگر انتشار پیدا نہ کریں تو ان کا کھانا ہضم نہیں ہوتا اتنے دنوں کے بعد پیٹ اپھر گیا تھا اب یہ شور مچا دیا کہ اہل سنت والجماعت جو تقلید شخصی کرتے ہیں یہ شرک اور بدعت ہے اور یہ سب حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی مشرک ہیں۔

دوسرا مناظرہ:

یہ مناظرہ ۲۰ اگست ۱۹۹۳ء کو ہونا طے پایا تھا۔ ہم اہل سنت والجماعت چونکہ مسائل اجتہادیہ میں تقلید کے مدعی ہیں اور ہر عدالت میں پہلے مدعی اپنا دعویٰ پیش کرتا ہے۔ اُس دعویٰ کی پوری تنقیح ہوتی ہے۔ پھر عدالت میں بحث کا آغاز ہوتا ہے۔ اگر دعویٰ کی ہی وضاحت نہ ہو تو بحث سننے والے ہرگز فیصلہ نہیں کر سکتے کہ دلائل دعویٰ کے مطابق تھے بھی یا نہیں،اور دعویٰ ثابت ہوا یا نہیں،اس لئے اہل سنت والجماعت کی طرف سے صبح سات بجے اپنا دعویٰ اور شرائط غیر مقلدین کو بھیج دی گئیں۔

شرائط مناظرہ مابین اہل سنت والجماعت وغیر مقلدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ دلائل:

غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ وہ صرف قرآن اور حدیث کو دلیل مانتے ہیں۔ اس لئے غیر مقلد مناظر قرآن کی آیت یا صریح صحیح غیر معارض حدیث کے علاوہ کچھ نہیں کہے گا۔ اگر کہے گا تو اس کا کوئی جواب نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ انتظامیہ اُسے روکے گی۔ اگر نہ رکا تو اُس کی شکست کی تحریر دے گی۔ اہل سنت والجماعت مناظر کتاب اللہ۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اجماع اُمت اور قیاس سے استدلال کرے گا۔ وہ ان چار دلیلوں سے باہر نہیں نکلے گا۔ اگر نکلے تو اُس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا جائے گا بلکہ روکنے پر نہ رُکے تو اُس کی شکست کی تحریر دی جائے گی۔

۲۔ نام:

جس طرح منکرین سنت کو قرآن نے کہیں اہل قرآن نہیں کہا۔ اسی طرح منکرین اجماع وقیاس وفقہ کو قرآن وحدیث میں کہیں اہل حدیث نہیں کہا گیا۔ غیر مقلدین کے نزدیک چونکہ قرآن، حدیث کے علاوہ کوئی دلیل شرعی نہیں۔ اس لئے وہ اہل حدیث نام استعمال نہیں کریں گے کیونکہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ اہل سنت بننے کا حضورؐ نے حکم دیا۔ علیکم بسنتی (الحدیث) من رغب عن سنتی فلیس منی (الحدیث) اس لئے اہل سنت والجماعت نام ہم استعمال کریں گے۔

۳۔ قرآن پاک کا نام اہل قرآن بھی لیتے ہیں اہل حدیث بھی قادیانی بھی اہل سنت بھی لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس ملک میں قرآن پاک اہل سنت ہی لائے۔ انگریز کے دور سے پہلے کی ان کی تفاسیر۔ تراجم حواشی موجود ہیں لیکن اہل قرآن۔ قادیانی اور غیر مقلدین کا کوئی ترجمہ یا تفسیر یا حاشیہ قرآن انگریز کے دور سے پہلے کا نہیں۔ پھر یہ بھی یاد رہے جو قرآن یہاں پڑھا جارہا ہے وہ قاری عاصم کوفی کی قرات اور قاری حفص کوفی کی روایت ہے

۴۔ جس طرح اہل قرآن کے نام سے یہ دھوکا نہیں ہونا چاہیئے کہ شاید قرآن اہل قرآن کا ہی ہے۔ اس لئے اہل حدیث نام رکھ لینے سے اس دھوکا میں نہیں آنا چاہیئے کہ حدیث کی کتابیں غیر مقلدین کی ہیں کیونکہ حدیث۔ فقہ۔ تفسیر اور اصول کی تمام کتابیں اہل سنت کی ہیں کسی ایک مؤلف کے بارہ میں بھی یہ ثابت نہیں کہ وہ نہ اجتہاد کی اہلیت رکھتا تھا نہ تقلید کرتا تھا بلکہ مجتہدین کو بوجہ قیاس ابلیس اور مقلدین کو مشرک کہتا تھا۔ جب تک غیر مقلد مناظر کسی کتاب کے بارہ میں یہ ثابت نہ کر دے گا کہ اس کا مؤلف نہ مجتہد تھا نہ مقلد بلکہ مجتہد کو ابلیس مقلد کو مشرک کہتا تھا۔ اُسے اپنی کتاب نہ کہے گا۔

۵۔ ہم غیر مقلدین کی وہ کتابیں ان کے مقابلہ میں پیش کریں گے جن کا غیر مقلد ہونا ان کے اقرار یا تاریخی شہادت سے ثابت کریں گے۔

۶۔ مناظرہ صرف تحقیقی دلائل کا نام ہوتا ہے کہ تحقیقی دلائل سے آگے نہیں بڑھے گا۔ الزامی جواب مناظرہ کا حصہ نہیں ہوتا۔ اس لئے الزامی جوابات کی بجائے تحقیقی جوابات طلب ہوں گے، اگر غیر مقلد مناظر تحقیقی جوابات سے گریز کر کے الزامی جوابات پر اتر آیا تو ہم اس کے مقابلے میں الزاماً ہر غیر مقلد کی کتاب پیش کریں گے خواہ وہ تقلید چھوڑ کر نیچری بنا ہو یا چکڑالوی۔ قادیانی بنا ہو یا لامذہب۔

۷۔ خلط مبحث نہیں ہوگا زیر بحث مسائل اجتہادیہ میں مجتہدین کی تقلید ہے جو کتاب وسنت کا حکم بتانے والی ہے نہ کہ کافر باپ داداوں کی تقلید جو کتاب وسنت سے ہٹانے والی ہے خلط مبحث ہوگا اور یہود کی طرح تحریف وتلبیس ہوگی جو شکست کی علامت ہوگی۔

۸۔ وقت مناظرہ دو گھنٹے ہوگا۔ پہلے گھنٹے میں غیر مقلد مناظر مسائل اجتہادیہ میں عامی کے لئے مطلق تقلید کا وجوب اور شخصی کی اباحت ثابت کرے گا یا مستند کتاب سے حرام اور شرک کا حکم دکھا کر حرام اور شرک ثابت کرے گا۔ پھر فیصلہ لکھا جائے گا کہ کیا دلائل قرآن اور اپنی حدیث کی کتاب سے اس نے یہ دعویٰ ثابت کر دیا۔ دوسرے گھنٹے میں اہل سنت مناظر ثابت کرے گا کہ مسائل اجتہادیہ میں عامی کے لئے مجتہد کی تقلید مطلق واجب بالذات اور شخصی واجب بالغیر ہے۔ پھر فیصلہ لکھا جائے گا کہ اہل سنت مناظر نے یہ دعویٰ ثابت کر دیا کہ نہیں فقط۔

موضوع بحث منجانب اہل سنت والجماعت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسائل اجتہادیہ میں جو خود اجتہاد کر سکتا ہو۔ اسے مجتہد کہتے ہیں اس پر اجتہاد کرنا واجب ہے۔ جو شخص اجتہاد نہ کر سکتا ہو اس پر تقلید واجب ہے جو شخص خود اجتہاد کی اہلیت نہ رکھتا ہو نہ تقلید کرے اس پر تعزیر واجب ہے اس کو غیر مقلد کہتے ہیں۔

۱۳۲۵ھ میں علمائے حرمین شریفین نے علمائے دیوبند سے چند سوالات پوچھے جن میں سوال نمبر ۸، نمبر ۹ یہ تھا۔

سوال: تمام اُصول وفروع میں چار اماموں میں سے کسی ایک امام کا مقلد بن جانا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر درست ہے تو مستحب ہے یا واجب، اور تم کس امام کے مقلد ہو؟

الجواب: اس زمانہ میں نہایت ضروری ہے کہ چار اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کی جائے بلکہ واجب ہے کیونکہ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ آئمہ کی تقلید چھوڑنے اور اپنے نفس وہوا کی اتباع کرنے کا انجام الحاد و زندقہ کے گڑھے میں جا گرنا ہے۔ اللہ پناہ میں رکھے اور بایں وجہ ہم اور ہمارے مشائخ تمام اصول وفروع میں امام المسلمین ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ خدا کرے اسی پر ہماری موت ہو اور اسی زمرہ میں ہمارا حشر ہو۔ المہند علی المفند یعنی عقائد علمائے اہل سنت دیوبند (صفحہ ۳۳) اس پر چوبیس متقدمین علماء اہلسنت دیوبند اور سینتیس (۳۷) متاخرین علماء اہل سنت دیوبند کے دستخط ہیں۔ اس کے بعد اس جواب پر علمائے حرمین شریفین۔ علمائے مصر۔ علمائے شام کی بھی تصدیقات لکھی گئیں اور سب نے علماء دیوبند کو اہل سنت قرار دیا۔

بعد ازاں جب حرمین شریفین میں موجودہ سعودی حکومت قائم ہوئی تو اس حکومت نے بھی تقلید کے خلاف کوئی حکم نافذ نہ فرمایا بلکہ حضرت امام عبداللہ بن شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ نے مکہ مکرمہ میں اعلان فرمایا کہ

ہمارا مسلک :

ہم فروعی مسائل میں امام احمد بن حنبلؒ کے طریقہ پر ہیں چونکہ آئمہ اربعہ (ابو حنیفہ۔ مالک۔ شافعی۔ محمد بن حنبل رحمہم اللہ کا طریقہ منضبط ہے۔ اس لئے ہم ان کے کسی مقلد پر انکار نہیں کرتے ان کے سوا چونکہ اور لوگوں مثلاً روافض۔ زیدیہ امامیہ وغیرہ کے مذاہب منضبط نہیں ہیں، اس لئے ہم ان کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہم لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ چاروں آئمہ میں سے کسی ایک کی تقلید کریں (الهدیة السنیه) مؤلفہ علامہ سلیمان بن سحمان نجدی کا اردو ترجمہ تحفہ وہابیہ اسمٰعیل غزنوی ص ۲۱۔

حرم پاک مکہ مکرمہ میں جب چار مصلے تھے تو بھی غیر مقلدین کا مصلی وہاں نہ تھا اب ایک مصلی تو بھی حنابلہ کا نہ کہ غیر مقلدین کا، غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کی معیار الحق بار دوم ۱۲۹۷ھ ص ۲۲ پر ہے کہ عامی پر مجتہد اہل سنت کی مطلق تقلید واجب ہے اور شخصی مباح۔ مولانا محمد حسین بٹالوی ۱۳۳۸ھ نے اشاعۃ السنہ میں، مولانا ثناء اللہ امرتسری ۱۹۴۸ء نے اخبار اہل حدیث میں مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی ۱۹۵۲ء نے تاریخ اہل حدیث میں، مولانا سید محمد داؤد غزنوی ۱۹۶۳ء نے (داؤد غزنوی) میں اسی بات کو دہرایا گویا جماعت اہل حدیث کے ۲۲ تن پک کا ۱۹۶۳ء تک مطلق تقلید کے وجوب اور شخصی کے مباح ہونے پر اتفاق رہا ہے۔ جس طرح ہم نے اپنا مسلک اپنی مستند کتاب کے حوالہ سے لکھا آپ بھی اپنی مستند کتاب کے حوالہ سے تقلید کے بارہ میں تحریر کر کے بھیج دیں۔ اور یہ بھی وضاحت کریں کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے جن علماء نے الصدد پر تصدیق لکھی اور موجودہ سعودی حکومت کا مسلک اور مذکورہ پانچ اہل حدیثوں کا مسلک مشرکانہ ہے یا نہیں۔

فقط۔ محمد امین صفدر عفی اللہ عنہ

۱۹۹۳۔۸۔۲۰ صبح سات بجے

نوٹ: آپ کی جماعت کی مستند کتاب کے حوالہ کے بغیر کوئی تحریر متعلق حکم تقلید مطلق و تقلید شخصی ہرگز مقبول نہ ہوگی۔

فقط محمد امین صفدر عفی اللہ عنہ

غیر مقلدین نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ صرف شور مچایا کہ ہم ان کا جواب اتنی جلدی کیسے لکھ سکتے ہیں۔ آخر اہل سنت والجماعت نے کہا کہ اگر جواب لکھنے میں زیادہ وقت صرف ہونے کا اندیشہ ہے تو آپ ان کا جواب ٹیپ کروا دیں۔ مگر ان کو جواب آتا تو ٹیپ کرواتے۔ نہ جواب آیا نہ ٹیپ کروا سکے، بالآخر تقریباً نو بجے مناظرہ کے لئے بیٹھے۔

اہل سنت والجماعت کی طرف سے راقم (محمد امین صفدر) مناظر تھا لیکن شیر سرحد تورستانی اب باوجود موجود ہونے کے مناظرہ کرنے کو تیار نہ ہوا۔ اس نے اپنی طرف سے اسلام آباد قرطبہ یونیورسٹی کے لیکچرار طالب الرحمن زیدی کو مناظرہ کے لئے بٹھایا۔ جو ہارون آباد میں اپنی نماز کا مکمل طریقہ ثابت کرنے سے عاجز رہا تھا۔ اہل سنت والجماعت کی طرف سے مناظرہ ہارون آباد کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے مگر طالب الرحمن نماز کے بارہ میں سوالات کا آج تک جواب شائع نہ کر سکا۔

اہل سنت والجماعت مناظر نے ابتداء کی اور لوگوں کو سمجھایا کہ پہلے یہ سمجھیں کہ اہل سنت اور غیر مقلدین میں اختلاف کیا ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری غیر مقلد حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے تقلید کی تعریف یوں نقل فرماتے ہیں: تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلا دے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا (الاقتصاد ص ۲۷) اس سے صاف معلوم ہوا کہ مقلدین جن مسائل میں تقلید کرتے ہیں وہ مسائل یقیناً بادلیل ہیں کوئی ایک مسئلہ بھی بے دلیل نہیں۔ البتہ عوام کے لئے مسائل جان کر ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ان مسائل کے دلائل کا مطالبہ ضروری نہیں۔

وضاحت:

(۱)　اسلام واقعۃً حق اور سچا دین ہے مگر آج کل کے اکثر مسلمان ایسے ہیں جو اسلام کو حق مانتے ہیں لیکن اس کی حقانیت کے دلائل کفار کے سامنے بیان نہیں کر سکتے۔ ایسے اسلام کو تقلیدی اسلام کہا جاتا ہے۔ ہم اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام کو حق مانتے

کی وجہ سے مسلمان ہیں غیر مقلدین کہتے ہیں کہ دلیل تفصیلی نہ جاننے کی وجہ سے مشرک ہیں ہرگز ہرگز مسلمان نہیں۔ حالانکہ اکثر غیر مقلدین بھی اسی طرح کے مسلمان ہیں اور اپنے آپ کو غلطی سے مسلمان سمجھتے بھی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اصول دین میں تقلید کر کے مسلمان ہیں مشرک نہیں تھے اور فروعی مسائل میں تقلید کیسے شرک ہو جائے گی۔

(۲) مولوی صاحب جو بانی مناظرہ ہیں یہ حج کرنے آئے ہیں مگر حج کا مکمل طریقہ اب بھی قرآن وحدیث سے نہیں نکال سکتے۔ یہ دوسروں کو دیکھ کر حج کر آئے ہیں۔ جو تقلید ہے۔ اہل سنت کے نزدیک یہ حاجی صاحب کہلائیں گے جب کہ ان غیر مقلدین کے نزدیک یہ مکہ مدینہ میں شرک کرتے رہے اور اب بھی حاجی نہیں بلکہ مشرک ہیں۔

(۳) حاجی صاحب جب تلاوت قرآن پاک کرتے ہیں تو قرآن پاک کے اعراب اور اوقاف کے دلائل ان کو ہرگز یاد نہیں۔ مگر یہ اس حسن ظن پر تلاوت کرتے ہیں کہ اگرچہ مجھے ان کے دلائل یاد نہیں مگر قرآن پاک میں ایک زبر اور ایک زیر بھی بغیر دلیل کے نہیں اس تلاوت کو تقلیدی تلاوت کہتے ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک حاجی صاحب کو اس تلاوت پر ثواب ملے گا۔ لیکن غیر مقلدین کے نزدیک یہ تقلیدی تلاوت کی وجہ سے مشرک ہے تلاوت کا ثواب کیا ملتا۔ اس شرک کی وجہ سے باقی نیکیاں بھی برباد ہو گئیں۔ نکاح بھی ٹوٹ گیا۔

(۴) آج جو لوگ نماز پڑھتے ہیں اور ان کو ہر ہر مسئلے کی دلیل تفصیلی قرآن وحدیث سے معلوم نہیں وہ تقلیدی نماز پڑھ رہے ہیں صرف اس حسن ظن پر کہ اگرچہ ان مسائل کے تفصیلی دلائل یاد نہیں مگر اس نماز کا ایک مسئلہ بھی بے دلیل نہیں۔ تمام مسائل با دلیل ہیں۔ اہل سنت اس نماز کو صحیح مانتے ہیں۔ غیر مقلدین اس نماز کو شرک قرار دیتے ہیں۔ غیر مقلدین سو فیصد یہی تقلیدی نماز پڑھتے ہیں اور اپنے عقیدے کے مطابق مشرک بنتے ہیں افسوس کہ تقلید کا نام چھوڑا مگر شرک ان کی جان نہیں چھوڑتا۔

(۵) ایک شخص ہمارے پاس آتا ہے جو عیسائی ہے اس کا نام رحمت مسیح ہے اور کہتا ہے کہ میں اسلام قبول کرنے آیا ہوں ہم نے اسے مسلمان کر لیا۔ اس کا نام حسیب اللہ رکھ دیا۔

اس نے نہ ہی عیسائیت کا حق ہونا ہمارے سامنے کسی دلیل سے ثابت کیا بلکہ بلا دلیل عیسائیت چھوڑ دی۔ اور نہ ہی اسلام کی حقانیت کے دلائل کا ہم سے مطالبہ کیا۔ مگر اسلام قبول کر لیا صرف اس حسن ظن پر کہ اسلام یقیناً سچا دین ہے۔ اور اس کی صداقت دلائل سے ثابت ہے اگر چہ میں نے وہ دلائل نہیں پوچھے اب اہل سنت کے نزدیک یہ آیا تو کافر تھا اور گیا مسلمان ہو کر۔ مگر غیر مقلدین کے نزدیک وہ کافر آیا تھا کافر ہی۔ بلکہ اس پر دو شرک اور سوار ہو گئے عیسائیت کو بھی تقلیداً چھوڑا جو شرک ہے اور اسلام بھی تقلیداً قبول کیا جو دوسرا شرک ہے۔

اہل سنت والجماعت مناظر نے جب اس عام فہم طریقہ سے نقطۂ اختلاف سمجھایا۔ تو شیر سرحد نور ستانی اور طالب الرحمٰن کے جسم پر لرزہ اور زبان پر سکتہ طاری تھا اور پورے مناظرے میں ان کا جواب نہیں دے سکے۔ اور اپنے غیر مقلد حاجیوں، قاریوں اور نمازیوں کو شرک کی دلدل سے نہیں نکال سکے۔

دلائل کی وضاحت

مسئلہ کی وضاحت کے بعد دلائل کی وضاحت ضروری تھی کہ کون مناظر کون سے دلائل سے استدلال کر سکتا ہے۔ اہل سنت والجماعت مناظر نے بتایا کہ ہم اہل سنت والجماعت بالترتیب چار دلائل مانتے ہیں۔ کتاب اللہ۔ سنت رسولؐ۔ اجماع اور قیاس۔ اور مثال سے سمجھایا کہ دیکھو ہم نماز میں رکوع کرتے ہیں اس کا حکم قرآن پاک میں ہے۔ مگر رکوع جاتے وقت اللہ اکبر کہنا۔ رکوع میں سبحان ربی العظیم پڑھنا۔ رکوع سے اٹھتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ۔ ربنا لک الحمد پڑھنا قرآن پاک سے ثابت نہیں۔ یہ سب سنت سے ثابت ہے۔ اب تینوں اذکار کا آہستہ پڑھنا نہ قرآن پاک میں صراحتاً ہے نہ کسی حدیث میں صراحتاً ہے۔ البتہ اس پر امت کا اجماع ہے۔ پھر اگر بھول کر رکوع میں سبحان ربی العظیم کی بجائے سبحان ربی الاعلیٰ پڑھ لیا جائے تو نماز فاسد ہو گئی یا سجدہ سہو لازم ہو گیا۔ یا کیا ہوگا اس کا جواب سوائے قیاس کے کہیں نہیں ملے گا کہ یہ ترک سنت ہے اور سنت کے ترک سے

نہ نماز فاسد ہوتی ہے نہ سجدہ سہو لازم آتا ہے نماز ہو گئی۔ اس مسئلہ میں ہم نے اپنے امام کی تقلید کی اگر آپ اس مسئلہ کا حکم صراحتاً قرآن و حدیث میں نہ دکھا سکے تو آپ یہ مسئلہ کہاں سے لیں گے افسوس کہ نورستانی اور اس کے مناظر نے پورے مناظرے میں اس مسئلہ کا حکم قرآن و حدیث سے نہ دکھایا نہ اس کا کوئی متبادل حل پیش کیا۔

اس کے بعد اہل سنت والجماعت مناظر نے کہا کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ وہ صرف قرآن اور حدیث کو مانتے ہیں وہ قرآن اور حدیث کے علاوہ کوئی بات نہیں کریں گے۔ مگر افسوس کہ تقریباً تین گھنٹے کے مناظرہ میں ایک آدھ آیت پڑھی وہ مسئلہ سے بے تعلق ۔ نہ کوئی حدیث بیان کی جس سے سب نے جان لیا کہ مناظرہ کے وقت نورستانی صاحب اور ان کے مناظر اہل حدیث ہرگز نہیں رہتے۔ سارا وقت احادیث نفس بیان کرنے میں ضائع کرتے ہیں۔

لیکن اس مناظرہ میں تو نورستانی اور اس کے مناظر نے اجماع امت اور اجتہاد کو صراحۃً دلیل شرعی مان لیا۔ اس پر ان سے تین سوالات پوچھے گئے:

(۱) کہ اہل سنت والجماعت حنفی۔ مالکی۔ شافعی۔ حنبلی چار دلائل کو مانتے ہیں تو ان کی فقہ کی مستقل کتابیں ہیں جن میں کتاب۔ سنت۔ اجماع۔ قیاس کے تمام مسائل آسان اور عام فہم ترتیب سے درج ہوتے ہیں آپ بھی اپنے فرقہ کی ایسی مستند مکمل اور مدون کتاب بتائیں۔ لیکن وہ پورے مناظرے میں ایسی کتاب کا نام نہ بتا سکے اور نہ ہی پیش کر سکے۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ جان چھڑانے کے لئے اجماع اور اجتہاد کو ماننے کا اقرار کرتے ہیں اس پر قائم نہیں رہتے ورنہ ضرور مذاہب اربعہ کی طرح ان کی مکمل کتابیں جن میں اجماعی اور قیاسی مسائل جمع ہوتے موجود ہوتیں۔ (یہ دلیل قابل غور ہے)

(۲) دوسرا سوال یہ پوچھا گیا کہ حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی ان چاروں دلائل کو مانتے ہیں تو ان کو آپ اہل حدیث نہیں مانتے، بلکہ اہل الرائے کہتے ہیں اب آپ نے بھی یہ چاروں دلیلیں مان لیں تو آپ بھی اہل حدیث نہیں رہے بلکہ اہل الرائے بن گئے ہیں۔

کرتے ہو اپنے کو اہل حدیث کہہ کر کسی کو دھوکا نہ دیتے۔ اس سوال کا جواب بھی پورے مناظرے میں نہیں دیا۔

(۳) تیسرا سوال یہ تھا کہ جب آپ اجتہاد کرتے ہیں (باوجود نااہل ہونے کے) تو اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اجتہاد کتاب وسنت کی روشنی میں ہے۔ اس لئے ما انزل اللہ میں شامل ہیں لیکن آئمہ مجتہدین نے جو اجتہادات کئے ان کا اعلان ہوتا ہے القیاس مظہر لا مثبت کہ ہم قیاس سے کوئی مسئلہ گھڑتے نہیں بلکہ کتاب وسنت کے ہی پوشیدہ مسئلہ کو ظاہر کرتے ہیں جو یقیناً ما انزل اللہ ہے لیکن ان آئمہ کے مسائل کو ما انزل اللہ میں شامل نہیں کرتے بلکہ ولا تتبعوا من دونہ اولیاء کے تحت لاتے ہیں۔ یہ عجب اندھیرا ہے کہ جن آئمہ کا مجتہد ہونا دلیل شرعی (اجماع امت) سے ثابت ہو ان کے اجتہادات کو ما انزل اللہ میں شامل نہ کیا جائے اور جو شخص اجتہاد تو کیا تقلید کی تعریف سے بھی جاہل ہو۔ جو بے چارہ خطاء کا ترجمہ "جان بوجھ کر غلطی کرنا" کرتا ہو جس کی جہالت عالم آشکارا ہو جو فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم "کہ آخری زمانہ میں لوگ جاہلوں کو اپنا دینی پیشوا بنائیں گے وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے۔ دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے (متفق علیہ) کا کامل ترین مصداق ہو اس کی جہالات کو ما انزل اللہ کا درجہ دیا جائے۔ آخر یہ فرق کہ جو اجتہاد کے اہل ہیں ان کے اجتہادات ما انزل اللہ میں شامل نہیں اور جو نااہل ہوں ان کی جہالت ما انزل اللہ میں شامل ہیں کس قرآن وحدیث میں ہے۔ افسوس کہ نورستانی اور دوسرے مناظرے آخر تک اس سوال کا جواب نہیں دیا۔

غیر مقلدین کا دعویٰ کہ تقلید شخصی شرک ہے:

یہ دعویٰ تھا جو غیر مقلدین نے ثابت کرنا تھا مگر نورستانی کے مناظر نے پہلے تو یہ شور مچایا کہ یہ دعویٰ نہیں۔ بلکہ جواب دعویٰ ہے اس جہالت پر نورستانی نے اپنے مناظر کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ جس سے یہ سمجھ گئے کہ بے چارہ نورستانی بھی دعویٰ کی تعریف نہیں جانتا۔ جب اسے ہمارے مناظر نے تو بھی کہہ کہ یہ آپ کا دعویٰ ہے۔ آپ تمام حنفیوں۔ شافعیوں

۔ مانگیوں۔ حنبلیوں کو روزانہ مشرک کہتے ہیں۔ اب یہ ثابت کرو کہ اجتہادی مسائل میں عوام کے لئے مجتہد کی تقلید شخصی شرک ہے۔ اب نورستانی کے مناظر کا فرض تھا کہ وہ ایک آیت یا ایک حدیث پڑھ دیتا کہ اجتہادی مسائل میں عوام پر مجتہد کی تقلید شرک ہے۔ یا نا کامی اور مایوسی کا نقشہ اس شعر میں کر دیتا۔

اے میرے باغ آرزو کیسا ہے باغ ہے تو
کلیاں تو گو ہیں چار سو کوئی کلی کھلی نہیں

اُلٹی گنگا:

نورستانی کے مناظر نے کہا کہ اہل سنت مناظر پہلے تقلید شخصی کا لفظ قرآن میں دکھائے پھر تقلید شخصی کی تعریف قرآن سے دکھائے۔ پھر واجب کی تعریف قرآن سے دکھائے۔ پھر اس تقلید شخصی کا واجب ہونا قرآن سے دکھائے۔

اہل سنت مناظر:

اصطلاحات کی تعریفیں قرآن پاک میں نہیں ہوتیں۔ جیسے اصول حدیث کی کسی اصطلاح کی کوئی جامع مانع تعریف قرآن میں نہیں۔ اگر آپ کا عقیدہ یہی ہے کہ تمام اصطلاحات اور احکامات کی تعریفیں قرآن پاک میں ہوتی ہیں۔ تو آپ اپنے اس خود ساختہ اصول پر تقلید شخصی کا لفظ قرآن پاک سے دکھا دیں۔ تو ہم اپنا غلط ہونا مان لیں گے اپنے دعویٰ سے دست بردار ہو جائیں گے۔ کیونکہ قرآن پاک کا ہمارے نزدیک بھی دلائل میں پہلا نمبر ہے۔ اس پر باقی مناظر وا اور دیگر سامعین نے بھی اہل سنت مناظر کی تائید کی اور کہا کہ سارا جھگڑا اسی سے چلا ہوا ہے کہ حنفی مشرک ہیں اور شرک نا قابل معافی گناہ ہے اس لئے آپ یہ ثابت کر دیں۔ بات ختم ہو جائے گی۔

پہلی دلیل:

نورستانی کے مناظر نے یہ آیت پڑھی اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء اتباع کرو صرف اُس چیز کی جو اللہ نے اُتاری اور وہ قرآن و حدیث

ہے اور نہ تقلید کرو اس کے سوا اولیاء کی یہ آیت تمہارا بعد کی اتباع ہے اور کہا کسی ولی کو نہ مانو۔

جواب: اہل سنت مناظر نے کہا کہ اس آیت میں ہے کہ جو اللہ نے اتارا اس کی تابعداری کرو اس کے علاوہ کسی ولی من دون اللہ کی تابعداری نہ کرو۔ آپ کے بڑے بھائی اہل قرآن کہتے ہیں کہ ما انزل اللہ صرف قرآن ہے۔ صحاح ستہ ما انزل اللہ نہیں بلکہ من دونہ اولیاء میں شامل ہیں۔ آپ کی طرف سے جواب یہ ہوتا ہے کہ رسول دین میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا وما ینطق عن الھوی۔ ان ھو الا وحی یوحی۔ وحی کہتا ہے جو خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس لئے وہ بھی ما انزل اللہ میں شامل ہے۔ ہم اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ مجتہدین کا بھی یہی اعلان ہوتا ہے کہ القیاس مظھر لا مثبت کہ ہم دین کا کوئی مسئلہ از خود نہیں گھڑتے۔ بلکہ کتاب وسنت کی روشنی سے ہی اخذ واستنباط کرتے ہیں۔ اس لئے کتاب وسنت سے نکالا ہوا حکم ما انزل اللہ میں ہی شامل ہے جیسے کہ آپ اپنے اجتہادات کو ما انزل اللہ ہی مانتے ہیں۔ نیز اہل سنت مناظر نے کہا کہ اس آیت میں نہ تقلید شخصی کا لفظ۔ نہ تقلید شخصی کا ذکر نہ تعریف نہ حکم۔ نورستانی صاحب نے بھی نہیں کہا کہ بیٹا مناظر بن بیٹھے ہو۔ دلیل اور دعویٰ کی مطابقت ضروری ہے۔ اس آیت کا دعویٰ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

اہل سنت والجماعت کی پہلی دلیل:

اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن پاک میں اپنی اتباع کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اتباع بلا مطالبہ دلیل ہوتی ہے۔ اسی طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا بھی حکم ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اور ظاہر ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بھی بلا مطالبہ دلیل ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اجماع کی اتباع کا بھی حکم دیا ہے۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا (۴-۱۱۵) اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کہ

کھل چکی اُس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے اُس کو وہی طرف جو اُس نے اختیار کی، اور ڈالیں گے اُس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ پہنچا۔ اکابر علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ اجماع کا مخالف اور منکر جہنمی ہے، یعنی اجماع اُمت کو ماننا ضروری فرض ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر جس نے جدا راہ اختیار کی وہ دوزخ میں جا پڑا (تفسیر عثمانی ص ۱۲۵)

اجماع کے بعد منیب کی اتباع کا بھی حکم دیا۔ واتبع سبیل من اناب الی اور تقلید کر اُس کے مذہب کی جو رجوع ہوا میری طرف (۳۱۔۱۵)

مجتہد کتاب وسنت کی طرف ہی رجوع کر کے احکام شرعیہ کا استنباط کرتا ہے۔ ان چار اتباعوں میں ظاہر ہے کہ خدا کی اتباع احکام الوہیت میں ہوگی، رسول کی اتباع احکام رسالت میں ہوگی۔ اجماع کی اتباع احکام اجماعیہ میں ہوگی اور مجتہد کی تقلید احکام اجتہادیہ میں ہوگی۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ غیر مجتہد کو احکام اجتہادیہ میں مجتہد کی تقلید کا حکم دے رہا ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ پس خدا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع کی اتباع فرض ہوئی کیونکہ یہ تینوں خطا سے معصوم ہیں۔ اور مجتہد خطاء سے معصوم نہیں اگر چہ اُس کی خطا پر بھی اللہ تعالیٰ اجر عطا فرماتے ہیں اس لئے وہ معصوم تو نہیں لیکن ملعون بھی نہیں بلکہ ہر حال میں ماجور ہے اس لئے اُس کی تقلید واجب ہوئی۔ آیت کریمہ میں من ہے جو جنس کے لئے ہے جو ایک مجتہد اور ایک سے زیادہ کو برابر شامل ہے اور جس ملک میں ایک ہی مجتہد کا مذہب متواتر ہو وہاں تکوینا اُسی کی تقلید شخصی متعین ہے، جیسے یمن میں جس تواتر اور یقین کے ساتھ حضرت معاذؓ کے اجتہادی احکام ملتے تھے اُس تواتر کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ وغیرہما کے فتاویٰ نہیں ملتے تھے، اس لئے یمن کے سب لوگ حضرت معاذؓ کی ہی تقلید شخصی کرتے تھے۔ اسی طرح اس ملک میں در سا (ادا) و عملاً صرف اور صرف مذہب حنفی ہی متواتر ہے۔ اس لئے اس ملک میں اس حکم خداوندی کا پورا کرنا صرف امام صاحبؒ کی تقلید سے ہو سکتا ہے اس کے علاوہ اس آیت پر عمل ممکن ہی نہیں۔

غیر مقلد مناظر کا واویلا:

اس قرآنی دلیل سے سب نے متعین مسئلہ کو مان گئے مگر غیر مقلدین نے شور وغوغا شروع کر دیا۔ انہیں سمجھایا گیا کہ قرآن پاک سن کر شور مچانا ابوجہل کی تقلید ہے۔ آپ تو مجتہد کی تقلید کو شرک کہتے ہیں۔ ابوجہل کی تقلید کب سے آپ پر فرض ہوگئی ہے۔

لفظی چکر: نورستانی اور اس کے مناظر نے کہا کہ اتباع کا معنی تقلید کرنا تحریف قرآن ہے۔ اتباع کہتے ہیں قرآن وحدیث کی بات ماننے کو۔ جب کہا گیا کہ یہ قرآن وحدیث سے دکھا دیں تو مناظر صاحب کی بولتی بند ہوگئی۔ یہ فرق قرآن وحدیث سے نہ دکھا سکا۔ وہ تو پہلے ہی بند تھا پھر جب اہل سنت مناظر نے کہا کہ تمہیں تو قرآن پاک کی کبھی ہوا بھی نہیں لگی، قرآن پاک میں ہے کہ مشرکین مکہ کہا کرتے تھے ہم اپنے باپ دادا کی اتباع کرتے ہیں۔ (۲-۱۷۰) کیا یہاں اتباع کا معنی قرآن وحدیث کرتے ہو۔ اسی طرح قرآن نے شیطان کی اتباع سے منع کیا ہے۔ (۲/۱۶۸، ۲/۲۰۸، ۶/۱۴۲، ۲۴/۲۱) کیا ان کی شہوات کا نام قرآن وحدیث تھا۔ پھر قرآن میں بعض کے بارے میں آتا ہے فاتبعوا امر فرعون (۱۱-۹۷) کیا فرعون قرآن وحدیث سناتا تھا کہ اس کی بات ماننے کو اتباع کہا گیا ہے۔ اب فرمایئے تحریف آپ کر رہے ہیں یا ہم۔ اب تو نورستانی اینڈ کمپنی پر موت کی سی خاموشی طاری تھی۔ اور دنیا دیکھ رہی تھی کہ ان کی باتیں قرآن پاک کی صریح آیات کے خلاف ہیں۔ اب لوگوں کا خیال تھا کہ یہ لوگ قرآن کی صریح مخالفت سے توبہ کر لیں گے۔ مگر ضد کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ نورستانی مناظر نے ان آیات کو ماننے کی بجائے یہ مطالبہ کر دیا کہ یہ ثابت کرو کسی اصولی نے تقلید اور اتباع کو ہم معنی قرار دیا ہو۔ تو قرآن سے تسلی نہ ہوئی اب کسی امتی کے قول کی ضرورت پیش آرہی ہے۔ چنانچہ منکرین قرآن کو گھر تک پہنچانے کے لئے ان کا یہ مطالبہ بھی پورا کر دیا گیا۔ کتاب کشاف اصطلاحات فنون سے دکھایا گیا کہ التقلید اتباع الانسان غیرہ (ص ۱۱۷۸) تقلید یہ ہے کہ دوسرے کی اتباع کرے۔ یہی بات علامہ ابن ملک اور علامہ ابن الحنبلی نے شرح منار مصری ص ۲۴۵ پر اور ملا جیون کی شرح

حسامی ص ۹۰ پر بھی ہے ۔ قطب الارشاد حضرت گنگوہی فرماتے ہیں " اتباع اور تقلید کے معنی واحد ہیں " (سبیل الرشاد ص ۲۷) حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں : " اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اتباع و تقلید میں فرق کیا ہے وہ اُن کی خاص اصطلاح ہے جو ہم پر حجت نہیں لا مناقشۃ فی الاصطلاح (خیر التقلید ص ۲۲)

ایک اور بدحواسی :

اب غیر مقلد مناظر صاحب مبہوت ہو چکے تھے ۔ قرآنی دلیل ماننا اپنے مذہب کی شکست تھی ۔ مگر خاموش ہو جانا بھی بہت بڑی ذلت تھی تو مناظر صاحب نے اس مثال کو پورا کر دیا کہ خلاف آں باشد کہ چپ نشود ۔ بدحواس ہو کر بولے جب تقلید بحکم قرآن واجب ہے تو امام ابوحنیفہ کس کے مقلد تھے ۔ انہوں نے کیوں اس حکم کو نہیں مانا ۔

اہل سنت مناظر نے بتایا کہ امام ابوحنیفہ تو مجتہد ہیں اور ہم ان کے مقلد ہیں یہ ایسی ہی جہالت کا سوال ہے ، جیسے کوئی جاہل کہے کہ اگر مقتدی پر امام کی اقتداء واجب ہے تو امام اس واجب کا کیوں تارک ہے ۔ کوئی باغی کہے کہ اگر رعایا پر حاکم کی تابعداری واجب ہے تو حاکم کیوں اس واجب کا تارک ہے ، کوئی مریض کہے اگر مجھے اپریشن کرانا لازمی ہے تو ڈاکٹر کیوں اپریشن نہیں کراتا ۔ ہائے افسوس ایسی جہالتوں کا نام عمل بالحدیث رکھا ہوا ہے ۔

ایک اور دلیل :

اہل سنت والجماعت مناظر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے ایک وہ جن کو قرآن اولوا الالباب ۔ فقہاء ۔ اہل استنباط اور اولوا الابصار کے معزز القاب سے یاد کرتا ہے ان کو حکم دیا ہے فاعتبروا یا اولی الابصار ۔ اے صاحب بصیرت لوگو قیاس کرو ۔ اسی حکم کے مطابق مجتہد پر اجتہاد واجب ہے ، لیکن جو لوگ خود یہ اہلیت نہ رکھتے ہوں وہ کیا کریں ، تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (الانبیاء) اگر تم نہیں جانتے تو یاد رکھنے والوں سے دریافت کر لیا کرو ۔ قرآن پاک میں اولو الابصار اور اہل ذکر کو قیاس اور اجتہاد کا حکم دیا تو لوگ اُن سے ان

قیاس اور اجتہادی مسائل کا ہی سوال کریں گے اور وہی لوگ سوال کریں گے جو خود قیاس اور اجتہاد نہیں کر سکتے۔ اسی کو عرف میں تقلید کہتے ہیں۔ اس میں اہل ذکر جنس ہے۔ جیسے انسان جنس ہے ایک انسان کو بھی انسان ہی کہا جاتا ہے۔ تو ایک اہل ذکر کی تقلید بھی تقلید ہی ہوئی۔ اور اسی کو تقلید شخصی کہتے ہیں۔ ہمارے اس ملک میں جس طرح قرآن پاک کی سات قراتوں میں سے عوام وخواص میں صرف قاری عاصم کوفیؒ کی ہی قراءت تلاوت متواتر ہے۔ اور سب لوگ حتیٰ کہ غیر مقلدین بھی ساری عمر ایک ہی کوفی قاری کی قراءت پر تلاوت کر رہے ہیں۔ غیر مقلدین نے مکی قاری کو بھی چھوڑ دیا اور مدنی قاری کو بھی، سات میں سے ایک کوفی قاری کی قراءت پر تلاوت کرتے ہیں تو آج تک اس کو کسی نے شرک نہیں کہا بالکل اسی طرح اس ملک میں آئمہ اربعہ کے مذاہب میں سے صرف حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ہی مذہب عملاً متواتر ہے۔ اسی لئے یہاں عملاً صرف اور صرف امام صاحب کی تقلید شخصی متعین ہے۔ یہ کہنا کہ ایک کی تقلید شرک ہے اور زیادہ کی شرک نہیں، ایک جاہلانہ بات ہے۔ قرآن وحدیث میں کہیں اس کا نشان تک نہیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ جو چیز شرک ہے وہ ایک کے ساتھ بھی شرک ہے اور دس کے ساتھ بھی شرک ہے، مثلاً ایک بت کو سجدہ کرنا اگر شرک ہے تو دس بتوں کو بھی سجدہ کرنا شرک ہے، آج تک کسی جاہل نے بھی یہ بات نہیں کہی کہ ایک بت کو سجدہ کرنا تو شرک ہے لیکن صبح ایک بت کو سجدہ کرو دوپہر دوسرے بت کو سجدہ کرو۔ سہ پہر تیسرے بت کو سجدہ کرو اور شام کو چوتھے بت کو سجدہ کرو تو تم مشرک نہیں رہو گے بلکہ اہل حدیث بن جاؤ گے۔

تیسری قسم وہ لوگ ہیں جو نہ تو خود اجتہاد کی اہلیت رکھتے ہوں اور نہ ہی مجتہدین کی تقلید کریں ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں آتا ہے۔ اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ وہ چوپایوں سے بھی گمراہ تر ہیں اور قبر میں فرشتہ قیامت تک ان کی پٹائی یہ کہہ کر کرے گا کہ لَا دَرَیْتَ وَلَا تَلَیْتَ (بخاری ج ا ص ۱۷۸) نہ تو خود صاحب درایت تھا اور نہ کسی صاحب درایت کی تقلید کی تھی اور جب قبروں سے اٹھیں گے تو روتے ہوئے دوزخ کو جا رہے ہوں گے اور یہ پکار رہے ہوں گے لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ۔

اگر ہم (عقل والوں کی بات) سن لیتے (تقلید کر لیتے) یا خود صاحب (مجتہد) ہوتے تو آج دوزخ کی آگ میں نہ جلتے۔ کیونکہ دنیا میں ہدایت اور قبر وحشر میں نجات ان ہی دو طریقوں میں منحصر ہے۔ یا انسان خود صاحب بصیرت ہو یا صاحب بصیرت کی تقلید کر لے یہ بات کتاب وسنت کے علاوہ بھی ایک عالمگیر حقیقت ہے۔ ہر فن میں نہ جاننے والے ماہرین فن کی تقلید کرتے ہیں۔ فرشتے کی پٹائی سے بھی ثابت ہوا ہے کہ غیر مقلد پر تعزیر واجب ہے۔

قرآن کی تحریف معنوی:

اس واضح دلیل کے بعد اگر قرآن پاک کی عظمت ذرا بھر بھی دل میں ہوتی تو نورستانی کو مان لینا چاہیے تھا کہ تقلید واجب ہے مگر ان کے مناظر نے شور مچا دیا کہ سنی مناظر نے قرآن میں تحریف کر دی ہے سورۃ النحل میں اس آیت کے بعد بالبینٰت والزبر ہے کہ سوالات با دلیل پوچھا کرو۔ سنی مناظر نے یہ الفاظ نہیں پڑھے اس پر وہاں موجود علماء تو توبہ توبہ کر رہے تھے کہ قرآن پر اتنا بڑا جھوٹ کیونکہ بالبینٰت والزبر کا تعلق ارسلنا کے ساتھ ہے ہم نے رسولوں کو دلائل اور کتابیں دے کر بھیجا لیکن نورستانی کا مناظر یوں ترجمہ کر رہا تھا کہ سوال کرنے والا دلائل اور کتابوں کے ساتھ سوال کرے اس صورت میں تو کلام کا مطلب ہی فوت ہو جائے گا بلکہ بالکل بے معنی ہو جائے گا کیونکہ سائل کو سائل کے دلائل بھی یاد ہیں تو اس کو پوچھنے کی کیا ضرورت؟ افسوس کہ نورستانی اور اس کے ساتھی علماء اس غلط ترجمہ پر خوش ہو رہے تھے نہ خدا کا خوف تھا نہ انسانوں کی شرم اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس قرآنی دلیل سے فرار کے لئے فوراً یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ کوئی حنفی اپنے امام سے بھی تقلید کا واجب ہونا ثابت نہیں کر سکا اگر ہمت ہے تو ثابت کر دکھاؤ۔

آئمہ اور تقلید:

اہل سنت مناظر نے بتایا کہ جس طرح صحابہ کے زمانہ میں تقلید متواتر تھی۔ اسی طرح آئمہ سے بھی تقلید تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ حدیث کی کتاب مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں صحابہ اور تابعین کے ہزارہا فقہی فتاوٰی مذکور ہیں۔ جن میں نہ تو کوئی

دینے والوں نے اپنے فتاویٰ کے ساتھ کوئی آیت یا حدیث بطور دلیل بیان کی، نہ عمل کرنے والوں نے ان سے دلیل کا مطالبہ کیا کہ جب تک آیت یا حدیث سے دلیل نہیں دو گے ہم عمل نہیں کریں گے، اسی کا نام تقلید ہے، اس پورے خیر القرون میں دو ہی قسم کے لوگ تھے مجتہدین جو بلا ذکر دلیل فتاویٰ دیتے اور مقلدین جو بلا مطالبہ دلیل اُن فتاویٰ پر عمل کرتے تقلید کا انکار کرنے والا یا تقلید کو شرک کہنے والا کوئی بدعتی آدمی بھی اُس دور میں نہیں تھا چہ جائیکہ ایسا بدعتی فرقہ اُس زمانہ میں موجود ہوتا۔ اسی طرح آئمہ اربعہ نے جو لاکھوں مسائل عوام کے لئے مدون کروائے اُن مسائل کے ساتھ دلائل کو بالکل مرتب نہ کروایا۔ اور عوام نے بھی بلا مطالبہ دلیل تواتر کے ساتھ ان پر عمل شروع کر دیا۔ تو لاکھوں مسائل کو بلا ذکر دلائل مرتب کروانا کہ عوام اس پر عمل کریں یہ دعوت تقلید ہے جو آئمہ سے متواتر ہے اس کا انکار متواترات کا انکار ہے اور کفایہ (کتاب الصوم ج ۲ ص ۲۹۲) پر ہے کہ " جب مفتی وصف اجتہاد سے متصف ہو تو عامی پر واجب ہے کہ اُس کی تقلید کرے اگرچہ مفتی مجتہد سے اس میں چوک ہی ہوگئی ہو۔ اس کے علاوہ کسی چیز کا اعتبار نہیں یہ بات حسن نے امام ابو حنیفہؒ سے ابن رستم نے امام محمدؒ سے اور بشر بن الولید نے امام ابو یوسف رحمہم اللہ سے روایت کی ہے۔ اب غیر مقلد مناظر کا فرض ہے کہ وہ بھی آئمہ اربعہ سے ثابت کرے کہ کسی امام نے عامی کے لئے مجتہد کی تقلید شخصی کو شرک کہا ہو۔ یہ سارے مل کر بھی قیامت تک ایک بھی ایسا قول پیش نہیں کر سکتے۔ چنانچہ سارے مناظرے میں وہ ایسا قول پیش کرنے سے عاجز رہے اور نہ اوپر کیس اُٹھا سکتے تھے۔

ترجمہ میں پریشانی:

امام صاحب کے جس ارشاد کا ترجمہ اوپر لکھا ہے اس میں یہ الفاظ تھے وان کان المفتی اخطا فی ذلک. اگرچہ مفتی سے اس میں چوک ہو گئی ہو اور احادیث میں صراحت ہے کہ مجتہد کی خطا پر بھی اللہ تعالیٰ اجر عطا فرماتے ہیں، اب نورستانی کا مناظر اخطا کا ترجمہ کر رہا تھا کہ اگرچہ مفتی نے جان بوجھ کر غلطی کی ہو اور اس سے بڑھ کر ایک حدیث کا

بھی ترجمہ کر دیا کہ میری اُمت میں جو جان بوجھ کر غلطی کرے وہ معاف ہے اللہ کا شکر ہے قرآن اُس نے پڑھا نہیں ورنہ قرآن پاک کی آیت **لیس علیکم جناح فیما اخطاتم به ولکن ماتعمدت قلوبکم و کان الله غفوراً رحیما**. جس کا ترجمہ ہے "اور گناہ نہیں تم پر جس چیز میں چوک جاؤ لیکن وہ جو دل سے ارادہ کرو اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان" مگر مناظر صاحب کے مطابق ترجمہ یوں بنتا "اور گناہ نہیں تم پر جس چیز میں جان بوجھ کر غلطی کرو تم لیکن وہ جو دل سے ارادہ کرو اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔ اب دیکھو یہ ترجمہ قرآن پاک کی آیت کو کس طرح بے معنی کر دے گا۔ مناظر صاحب سارے مناظرے میں اس کا صحیح ترجمہ نہ کر سکے، نور ستانی اور باقی غیر مقلد علماء اپنے مناظر کی جہالت پر سخت پریشان تھے۔ جو شخص نہ قرآن کا ترجمہ صحیح کر سکے نہ ہمارے امام کے ایک قول کا بھی صحیح ترجمہ کر سکے حدیث کا ترجمہ بھی غلط کرتا ہو وہ اس فرقہ کا رئیس اور مناظر ہے۔ اب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک واضح ہو گیا کہ آخری زمانہ میں لوگ جاہلوں کو اپنا دینی پیشوا (بلکہ مناظر) بنالیں گے وہ بے علمی سے مسائل بتائیں گے خود گمراہ ہوں گے دوسروں کو گمراہ کریں گے (متفق علیہ) اس حدیث پاک کے مطابق کس کو اس فرقہ کے ضال اور مضل ہونے میں شک ہو سکتا ہے؟

تقلید کی تعریف میں ایک اور چکر:

قرآن و حدیث کا نام لے کر تقلید کو شرک کہنے والوں کا جھوٹ اور فریب آج روز روشن کی طرح عیاں ہو چکا تھا، قرآن و حدیث اس مسئلہ میں ان کو دھتکار چکے تھے۔ اب وقت پورا کرنا تھا۔ پھر تقلید کی تعریف کا نیا چکر ڈال دیا تاکہ عوام کے ذہن کو الجھایا جا سکے۔ نور ستانی کے مناظر کے پاس نہ قرآن کی آیت تھی نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد۔ بزعم خود دس کتابوں کی عبارتیں تقلید کی تعریف پر پڑھ ڈالیں۔ کتاب التعریفات کو بڑے فخر سے پیش کیا مگر اس کی تین چوتھائی عبارت چھوڑ دی۔ تعصب اور ضد کا خدا حیا ناس کرے نور ستانی خود دیکھ رہا تھا مگر اس نے بالکل نہیں کہا کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیانت کو

بیں مسافق کی نشاندہی فرمایا ہے۔ اہل حدیث کی نشاندہی نہیں فرمایا۔ تم اسکی خیانتیں کر کے ساری جماعت کو بدنام کر رہے ہو مگر نورستانی

ان کو اس بد حرکت سے تب تو کتاب میں اگر ذرہ بھر بھی دیانت ہوتی اولیس فلیس بات صرف اتنی تھی کہ بعض کتابوں میں تقلید کے بیان میں لکھا تھا کہ تقلید حقیقی یہ ہے کہ اسکی بات کو ماننا جو بے دلیل ہو۔ اس تعریف کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں کیونکہ ان کی طرف رجوع کرنا دلیل کی طرف رجوع کرنا ہے اور اس تعریف کے مطابق عوام کا مفتی مجتہد کی طرف رجوع کرنا یا قاضی کا عادل گواہوں کی طرف رجوع کرنا بھی تقلید نہیں کیونکہ اس رجوع کو نص نے واجب قرار دے دیا ہے اور مجتہد کا قول دلیل پر مبنی ہوتا ہے بے دلیل نہیں ہوتا۔ اس لئے مجتہد کی تابعداری کو تقلید نہیں کہا جائے گا۔ لیکن عرف (اہل اسلام اور اہل اصول) کی یہ ہے کہ مجتہد کی تابعداری کو باوجود دلیل ہونے کے تقلید کہا جاتا ہے اور یہی اہل اصول میں مشہور اور قابل اعتماد ہے (مطلب عبارت فواتح الرحموت) بلکہ غزالی۔ آمدی اور ابن حاجب نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع کی پیروی کو بھی تقلید کہا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ (معیار الحق) خلاصہ اس کا یہی ہے کہ اگر تقلید کا معنی بے دلیل بات کو مان لیا جائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی۔ اور اجماع کی پیروی کی طرح مجتہد کی پیروی کو بھی تقلید نہیں کہا جائے گا کیونکہ ان کی پیروی دلیل کی پیروی ہے، اور اگر تقلید کا معنی یہ لیا جائے کہ کسی بادلیل بات کو بلا مطالبہ دلیل مان لیا جائے تو اس کے موافق نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع اور مجتہد سب کی پیروی کو تقلید کہا جائے گا مگر عرف میں مجتہد کی پیروی کو تقلید کہا جاتا ہے۔ جیسے حمد اور نعت دونوں لفظوں کا معنی تعریف ہے مگر عرف میں حمد کا لفظ خدا کی تعریف کے لئے اور نعت کا لفظ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کے لئے خاص ہو گیا ہے اب اگر کوئی کہے کہ فلاں شخص نے خدا کی نعت پڑھی یا فلاں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد پڑھی تو دانشور لوگ اس کو پسند نہیں فرمائیں گے، اسی طرح عرف میں مجتہد کی بادلیل بات کو بلا مطالبہ دلیل ماننے کو تقلید کہتے ہیں۔ لیکن لا۔

مذہب مناظر یہی جھوٹ بولتا رہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی با دلیل بات کو ماننا تقلید نہیں اور امام کی بے دلیل بات کو ماننا تقلید ہے۔ حالانکہ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے۔ اہل سنت کی کسی ایک کتاب میں بھی یہ نہیں ہے کہ مجتہد کی بات بے دلیل ہوتی ہے۔

حوالے کا مطالبہ اور شکست کی کھائی:

نورستانی کے مناظر نے جب دیکھا کہ الفاظ کے چکر سے بھی جان نہیں چھوٹی تو کہا کہ بخاری کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ فرشتہ اس لئے پٹائی کرے گا کہ تو نے تقلید نہیں کی تھی۔ اس میں لفظ لا تلیت کا مطلب بیان کیا ہے کہ تو نے تقلید نہ کی اگر یہ مطلب آج سے پہلے کسی شارح حدیث نے بیان کیا ہو تو میں اپنی شکست لکھ دوں گا۔ ایک حوالہ پیش کرو۔ تمہاری فتح میری شکست۔ مناظر اہل سنت نے فوراً قسطلانی شارح بخاری کی عبارت حاشیہ بخاری سے دکھادی لا اتبعت العلماء بالتقلید فیما یقولون۔ یعنی فرشتہ قیامت تک مارتا رہے گا اور کہتا رہے گا تو نے تقلید نہیں کی تھی، بہت سے سامعین نے اٹھ کر عبارت دیکھی۔ تو ہر طرف سے آوازیں آ رہی تھیں کہ مسئلہ ثابت ہو گیا، بانی مناظرہ نے کہا لکھنے لکھوانے کو رہنے دو بات صاف ہو گئی ہے، یہ عجیب لطف رہا کہ اہل سنت مناظر کے دلائل سے سامعین مطمئن تھے اسلئے کسی نے تنگ نہ کیا کہ آپ وجوب ثابت کریں کیونکہ سب دلائل کو سمجھ چکے تھے مگر نورستانی کے مناظر کو بار بار لوگ کہتے تھے کہ مجتہد کی تقلید شخصی کا شرک ہونا قرآن و حدیث سے ثابت کرو۔ اب پھر لوگوں نے کہا کہ وقت ضائع نہ کرو اور قرآن و حدیث سے مجتہد کی تقلید شخصی کا شرک ہونا ثابت کرو۔

آخری دلیل:

آخر مجبور ہو کر اس نے اپنے مذہب کی ساری غلاظت منہ کے ذریعہ اگل دی اور جواب آخرت اور خوف خدا سے بے نیاز ہو کر احبار و رہبان والی آیت آئمہ اربعہ پر چسپاں کر دی۔ جب قرآن نے ان احبار اور رہبان کو کہیں مجتہد نہیں کہا بلکہ حرام خور ہونے کی وجہ سے رشوت لے کر خدا کے احکام کو بدلنے والے جھوٹی کتابیں لکھ لکھ کر خدا کے ذمہ لگانے

والے بتایا ہے۔ آ ٹھ ربعہ کو ان حرام خوروں پر قیاس کرنا دین سمجھانے والوں کو دین مٹانے والوں پر قیاس کرنا۔ مجتہدین کو محرفین پر قیاس کرنا۔ کاشفین وحی کو کتمانِ وحی کے مجرموں پر قیاس کرنا۔ حق واضح کرنے والوں کو باطل میں تلبیس کرنے والوں پر قیاس کرنا۔ خدا اور رسول کا راستہ بتانے والوں کو خدا اور رسول کے راستے سے ہٹانے والوں پر قیاس کرنا۔ انعام یافتگان کو ضالین اور مغضوبین پر قیاس کرنا۔ حلوے کو پاخانے پر قیاس کرنا۔ دودھ کو پیشاب پر قیاس کرنا۔ اور اس خبیث قیاس کو قرآن کے نام سے پیش کرنا۔ اس سے بڑا ظلم دنیا میں کیا ہو سکتا ہے۔ نورستانی اس پر خوش تھا مگر اس نے بھی مناظرہ سے نہیں کہا کہ یہاں دلیل تقلید شخصی کی مانگی گئی ہے، اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ جیسے لوگ حنفی شافعی کہلاتے ہیں نہ وہ ان کے مقلدین کی ایسی نسبتیں تو قرآن سے دکھاؤ جو کہ اس کو تقلید شخصی کہا جا سکے۔ یہاں وہ تو مجتہدین نہیں تھے نہ ان کی تقلید شخصی کی کوئی نسبت۔ ان کی مثال دیکھنی ہے تو اپنی جماعت کو دیکھ لو یہ غیر مجتہد مولویوں کے مسائل اندھا دھند مان رہے ہیں مگر کسی سے ان یہود و نصاریٰ کی طرح تقلید شخصی کی کوئی نسبت بھی قائم نہیں کرتے۔

آہ اگر ان لوگوں میں ایک ذرہ بھی خوف خدا ہوتا۔ ذرہ بھر بھی انسانوں کی شرم ہوتی تو یہ آئمہ کے لئے ان حرام کاروں اور جھوٹوں والی آیت نہ پڑھتے بلکہ آئمہ والی آیت پڑھتے۔ **ولقد اتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ وجعلناہ ھدی لبنی اسرائیل. وجعلنا منھم آئمۃ یھدون بامرنا** (الایۃ) یعنی موسیٰ کے بعد ہم نے بنی اسرائیل میں ایسے امام بنائے جو ہمارے احکام کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔ یہ آیت پڑھنی چاہئے تھی۔ پھر پوچھا کہ جو قرآن میں آتا ہے۔ **ولا یشرک فی حکمہ احدا.** اللہ کے حکم میں کوئی شریک نہیں لوگوں نے کہا پھر منکر حدیث بن جاؤ۔ کہنے لگا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے حکم میں خود اپنا شریک بنا لیا ہے فرمایا ہے جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شریک بننے کی اجازت مل گئی ہے کہا گیا پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے امیر کی

اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی کیا آپ کے تمام امراء بھی خدا کے شریک تھے۔ کہنے لگا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نہیں کہتا خدا ہی کی بات بتاتا ہے۔ اس لئے شریک نہیں کیا جائے گا۔ جب کہا گیا مجتہد بھی اپنی نہیں کہتا خدا رسول ہی کی بات سمجھاتا ہے اس کو کیوں شریک کیا جائے۔ تم جب نا اہل ہو کر اجتہاد کرتے ہو یہ شرک کیوں نہیں اور آئمہ مجتہدین کا اجتہاد کیوں شرک ہے تو زبان گنگ ہوگئی۔

ضمنی باتیں:

اول۔ اصل موضوع سے ہٹ کر کچھ ضمنی باتیں بھی درمیان میں آئیں۔ اہل سنت مناظر نے جب کہا کہ اہل سنت مناظر چاروں دلیلوں میں سے جس سے چاہے استدلال کرے گا مگر غیر مقلد صرف قرآن وحدیث سے استدلال کرے گا تو غیر مقلد مناظر نے کہا مناظرہ میں صرف اتفاقی دلیل سے استدلال ہوگا جس کا اتفاق ہو جائے۔ نورستانی نے اپنے مناظر کی بات کو دہرایا۔ اہل سنت مناظر نے کہا کہ جب آپ کا مناظر دعویٰ قرآن سے ہوگا تو کیا آپ احادیث سے استدلال چھوڑ دیں گے؟ مزید کہا یہ تو یہودیوں والی بات ہوئی جیسے وہ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے نبی ہونے پر یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں تینوں کا اتفاق ہے لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ یہودی نبی مانتے ہیں نہ عیسائی تو کیا آپ اتفاق نہ ہونے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کر دیں گے یا مرزائی رافضی یہی بات کہیں کہ حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور خلفائے ثلاثہ کو ہم خلیفہ نہیں مانتے تو آپ خلفائے ثلاثہ کی خلافت سے انکار کر دیں گے۔ آخر اس کے جواب سے لاجواب ہو کر چاروں دلیلوں کا صحیح ہونا مان لیا۔

دوسری بات:

اہل سنت والجماعت مناظر نے کہا کہ تم جو یہ غلط مطالبہ کرتے ہو کہ تقلید شخصی کی اصطلاحی تعریف قرآن میں دکھاؤ کیا اصول حدیث کی تمام اصطلاحات قرآن میں ہیں تو نورستانی کے مناظر نے کہا قرآن میں آتا ہے اذا جاءکم فاسق بنبا فتبینوا۔

سند کی تحقیق فرض ہے اہلِ سنت مناظر نے کہا کہ صحیح مسلم میں ہے پہلے زمانے میں لوگ سند کی تحقیق نہیں کرتے تھے کیا وہ سب صحابہ اور تابعین اس فرض کے تارک تھے؟ اس پر اُس نے کہا کہ سارے صحابہ عادل تھے اس لئے تحقیق سند کی ضرورت نہ تھی، تو اُسے بتایا گیا کہ آپ کے علاوہ کا تو یہ عقیدہ ہے کہ خود قرآن نے بعض صحابہ کو فاسق کہا ہے نواب وحید الزمان جو آپ کے ہاں قرآن اور صحاح ستہ کے مترجم ہیں وہ بھی آیت لکھ کر لکھتے ہیں۔ ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا یہ ولید بن عقبہ (صحابی) کے حق میں نازل ہوئی یعنی اس آیت میں اُن کو فاسق کہا ہے اور قرآن کی آیت افمن کان مومنا کمن کان فاسقاً میں ولید۔ معاویہ، عمرو، مغیرہ اور سمرہ کو فاسق کہا گیا ہے۔ (انوار اللغۃ ج ۳ ص ۹۴) آئندہ اپنا پورا عقیدہ لوگوں کو بتایا کرو کہ قرآن نے بعض صحابہ کو فاسق اور مقلدین کو مشرک کہا ہے۔

اس کے جواب میں اس نے الزامی طور پر کہا کہ نور الانوار میں حضرت معاویہؓ کو جاہل کہا ہے۔ مناظر اہلِ سنت نے کہا کہ حاشیہ میں اُس کی تردید کر دی گئی ہے وہ تمہیں نظر نہیں آئی تو اُس نے صاف انکار کر دیا کہ یہاں کوئی تردید نہیں نشان لگا کر دو۔ جب نشان لگا کر دیا تو پھر عبارت نظر آئی وہ عبارت اس سے قبل نہ غیر مقلد مناظر صاحب کو جب نشان لگا کر دکھایا تو صم بکم بن گئے۔

مناظر اہل سنت والجماعت نے سمجھایا کہ ہر قسم کی غلطی سے پاک دنیا میں صرف ایک کتاب ہے جس کا نام قرآن پاک ہے، دوسری کتابوں میں غلطیاں ہو جاتی ہیں لیکن ایک ہوتا ہے غلطی لگنا، ایک ہوتا ہے غلطی کا چل جانا۔ جس طرح تراویح میں قرآن پاک سناتے ہوئے قاری کو غلطی لگ جاتی ہے مگر سامع اُس غلطی کو چلنے نہیں دیتا۔ تو جب غلطی کی اصلاح ہو گئی اور وہ غلطی چلی نہیں تو اب اُس غلطی کا کوئی نام بھی نہیں لیتا۔ اسی طرح اگر کسی مصنف سے ذاتی طور پر کوئی غلطی ہوئی تو اُس کو شارحین نے چلنے نہیں دیا۔ اب اس اصلاح شدہ غلطی کو بیان کرنا اور اُس کی تردید کا ذکر نہ کرنا یہ بہت بڑا دھوکا ہے اور آپ کی تقریریں اور تحریریں اسی دھوکے پر مبنی ہوتی ہیں۔

الحاصل! کوہاٹ کے اس مناظرہ میں اہلِ سنت والجماعت کو اللہ تعالیٰ نے نمایاں کامیابی عطا فرمائی جب کہ غیر مقلدین اپنے دعویٰ کہ مجتہد کی تقلید شخصی شرک ہے اس کو ثابت کرنے میں سو فیصد ناکام رہے۔

(۱) جس طرح مناظرہ ہارون آباد میں وہ اپنی نماز ثابت نہ کر سکا تھا۔ یہاں بھی اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکا۔

(۲) وہ اپنا نام اہلِ حدیث بھی قرآن سے ثابت نہ کر سکا جیسا کہ پہلے مناظروں میں ثابت نہ کر سکا تھا۔

(۳) وہ یہ بھی ثابت نہ کر سکا کہ حدیث کی ایک کتاب بھی کسی غیر مقلد نے لکھی ہے جس میں نہ اجتہاد کی اہلیت تھی نہ تقلید کرتا تھا بلکہ اُسے شرک کہتا تھا۔

(۴) جس طرح کوٹلی نجابت کے مناظرہ میں لا یرفعھما کا غلط ترجمہ کرتا رہا کہ وہ رفع یدین کرتے تھے اسی طرح یہاں خطا کا ترجمہ جان بوجھ کر غلطی کرنا، کرتا رہا۔

(۵) جس طرح ہارون آباد کے مناظرہ میں اصول کرخی کی آدھی عبارت پڑھتا تھا۔ اسی طرح اس مناظرہ میں بھی آدھی آدھی عبارتیں پڑھتا رہا۔

(۶) تقلید کی مذمت کرنے والے کو تقلید کی صحیح تعریف بھی یاد نہ تھی۔ اس تعریف میں کئی قلابازیاں کھاتا رہا۔ (۷) کافروں والی آیت آئمہ اربعہ پر فٹ کر کے اندرونی خباثت ظاہر کرتا رہا۔

(۸) شرک کی تعریف بھی نہ کر سکا جس کے مطابق ایک کی تقلید شرک ہو اور زیادہ کی تقلید توحید ہو۔

(۹) وہ محدثین جن کا ذکر طبقات حنفیہ۔ طبقات مالکیہ۔ طبقات حنابلہ۔ طبقاتِ شافعیہ میں ہے بقول اس کے وہ سب تقلید شخصی کی وجہ سے مشرک قرار پا گئے۔

(۱۰) آئمہ حرمین شریفین پہلے بھی سب مقلد تھے اب موجودہ سعودی حکومت بھی حنبلی ہے اس وجہ سے وہ بھی بقول اس کے سب کے سب مشرک قرار پا گئے۔ اُن کی اقتداء میں نماز پڑھنا۔ اُن کے خطبہ سے حج ادا کرنا اب کیسے درست ہوگا۔ فقط

غیر مقلدین کا آپریشن

اور

ضرورتِ تقلید

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم . اما بعد

(۱) کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ اے اہل قرآن! وتر پڑھو اور یہ بھی فرمایا تھا کہ "اہل قرآن" خاص اس مقصد کے لئے ہیں۔ کیا ان احادیث میں اہل قرآن سے موجودہ فرقہ "اہل قرآن" یعنی منکرین حدیث مراد ہے؟

(۲) کیا اس لفظ "اہل قرآن" سے علمی طبقہ یعنی حفاظ کرام مراد ہیں یا کوئی مذہبی فرقہ؟

(۳) کیا انگریز کے دور حکومت سے پہلے کسی جماعت کو اہل قرآن کہا گیا ہے؟

(۴) کیا پاک و ہند میں ۹۰ھ میں جو مسلمان آئے وہ سب "اہل قرآن" تھے کیونکہ اس زمانہ میں صحاح ستہ کا وجود نہ تھا؟

(۵) کیا فرقہ "اہل قرآن" کا وجود کسی پہلی اسلامی حکومت میں تھا، ان کا ترجمہ قرآن، تفسیر قرآن، نماز کی کتاب، ان کا مدرسہ، ان کی مسجد، ان کی قبر بھی کسی اسلامی ملک میں تھی؟

(۶) اس فرقہ نے جب اپنا نام "اہل قرآن" رکھ لیا تو اب قرآن ان کا ہو گیا، اور حدیث کا قرآن سے کوئی تعلق نہ رہا یا نہیں؟

اہلحدیث غیر مسلم:

(۷)......کراچی کے مسعودی فرقہ نے اہلحدیث سے کٹ کر اپنا نام جماعت المسلمین رکھ لیا اب قرآن وحدیث میں جہاں مسلم کا لفظ آتا ہے وہ اپنا فرقہ مراد لیتا ہے اور اہلحدیث کو غیر مسلم کہتا ہے، کیا اس میں وہ حق بجانب نہیں؟

(۸) قرآن پاک میں لفظ "ربوہ" دو جگہ آیا ہے کیا اس سے قادیانیوں کا شہر ربوہ مراد ہے؟ نہیں تو کیوں؟

(۹)..... کیا قرآن پاک میں جہاں حزب اللہ کا لفظ آیا ہے اس سے کیپٹن عثمانی کراچی والے کا فرقہ مراد ہے؟

(۱۰) اہل قرآن کا کہنا ہے کہ جب سے قرآن ہے اس وقت سے اہل قرآن ہیں۔ جب قرآن سچا ہے تو اہل قرآن یقیناً سچے ہیں۔ اہل قرآن کو اس وقت تک جھوٹا نہیں کہا جا سکتا جب تک قرآن کو جھوٹا نہ کہا جائے۔

آج تک چیلنج قبول نہیں ہوا:

(۱۱) ... اہل قرآن کا کہنا ہے کہ اہلحدیث قرآن کے منکر ہیں اسی لئے اہل قرآن کو کافر کہتے ہیں۔ قرآن کو ماننا ان کے نزدیک کفر ہے۔

(۱۲) ان کا کہنا ہے کہ سب صحابہ اہل قرآن تھے ان میں سب سے کسی ایک نے بھی صحاح ستہ نہ پڑھی۔

(۱۳) ان کا سوال ہے کہ صحابہؓ تابعینؒ، تبع تابعینؒ، صحاح ستہ۔ نے بغیر صرف قرآن مان کر مسلمان تھے یا کافر؟

(۱۴) ان کا کہنا ہے کہ اہلحدیث یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ احادیث قرآن کا بیان اور قرآن کی تفسیر اور تشریح ہیں لیکن ہم نے بارہا چیلنج دیا کہ آیئے ہم ترتیب وار ایک ایک حدیث پڑھتے جائیں گے آپ ہر حدیث کے موافق ایک ایک صریح آیت لکھاتے جائیں مگر ایک بھی اہلحدیث آج تک اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔

تفسیر قرآن کا نام کوک شاستر:

(۱۵) ان کا کہنا ہے کہ اہلحدیث کو قرآن کی بالکل سمجھ نہیں ہے چنانچہ نواب صدیق حسن نے تفسیر لکھی تو مولوی ثناءاللہ نے لکھا کہ یہ سب شوکانی کی تفسیر ہے۔ (مظالم روپڑی ص ۲۱) مولانا ثناءاللہ نے تفسیر لکھی تو علماء عرب وعجم نے اسے کافر اور مرتد قرار دیا۔ مولوی عنایت اثری نے تفسیر لکھی تو عبداللہ روپڑی نے اس کو غلط قرار دیا۔ عبداللہ روپڑی نے تفسیر لکھنا شروع کی تو مولوی ثناءاللہ نے اس تفسیر کا نام کوک شاستر رکھا۔

(۱۶) ان کا کہنا ہے کہ اہلحدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے اور عمل کر بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ ان کو قرآن آتا ہی نہیں۔ یہ قرآن پاک کو صرف تبرک اور تلاوت کیلئے مانتے ہیں اور بس۔

اہلحدیث جھوٹے ہیں:

(۱۷) ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے جبکہ یہ خدا تعالیٰ کیخلاف قرآن کو مجمل کہتے ہیں۔

(۱۸) وہ کہتے ہیں قرآن یقینی ہے اور حدیث کو خود محدثین ظنی مانتے ہیں۔ دین یقین کا نام ہے نہ کہ ظن کا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا.

(۱۹) ان کا کہنا ہے کہ جتنی جھوٹی حدیثیں مسلمانوں نے گھڑیں کہ اس پر مستقل کتابیں ہیں اتنا جھوٹ کسی اور امت نے اپنے نبی پر نہیں بولا اور وہ جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے سب اہلحدیث ہی تو تھے۔ تو جو اہلحدیث نبی پر جھوٹ بولتے تھے ان کی حدیثیں دین کیسے بن گئیں۔

اختراع اہلحدیث:

(۲۰) ان کا کہنا ہے کہ رسول اقدس ﷺ نے اہل قرآن کو خاص اہل اللہ فرمایا مگر اہلحدیث نہ اس زمانہ میں تھے نہ حضرت نے کبھی ان کو نجات پانے والے فرمایا۔

(۲۱) بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں کذاب دجال پیدا ہوں گے جو تمہارے پاس حدیثیں لایا کریں گے جو تمہارے باپ دادا نے کبھی نہ سنی ہوں گی،

ان سے بچنا، وہ لوگ گمراہ کرنے والے اور فتنہ لینے والے ہوں گے، او کما قال (مسلم)

(۲۲)۔ خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس میرے نام سے لوگ مختلف حدیثیں لائیں گے ان میں سے جو کتاب اللہ کے موافق ہوں گی یا میری سنت کے موافق ہوں گی وہ میری طرف سے ہوں گی اور جو قرآن پاک اور میری سنت کے خلاف ہوں گی وہ میری طرف سے نہیں ہوں گی۔ (الکفایہ خطیب بغدادی) معلوم ہوا کہ بہت سی حدیثیں سنت کو مٹانے والی ہوں گی۔

(۲۳)...... آنحضرت ﷺ نے علیکم بسنتی تو فرمایا علیکم بحدیثی کہیں نہیں فرمایا۔

(۲۴)۔ بعض غیر مقلد کہا کرتے ہیں کہ سنت اور حدیث ایک ہی چیز ہے لیکن یہ بات گزشتہ حدیث کے خلاف ہے، وہ کوئی صریح حدیث پیش کریں کہ سنت اور حدیث ایک چیز ہے۔

(۲۵)...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا: من رغب عن سنتی فلیس منی۔ (بخاری) مگر اہلحدیث سنتوں کو چھوڑ کر مخالف سنت حدیثوں پر عمل کرنے لگے۔

(۲۶)۔ قرآن و حدیث میں اجماع امت کے منکر کو دوزخی کہا گیا ہے مگر آج اجماع امت کے منکر اپنے آپ کو اہلحدیث کہتے ہیں جو کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

(۲۷)۔ آنحضرت ﷺ نے فقہ کے مخالف کو شیطان اور منافق فرمایا۔ فقہ کے مخالف کا نام اہلحدیث کسی حدیث میں نہیں۔

منکرین فقہ:

(۲۸)۔ اہل قرآن کہتے ہیں کہ ہم نبی پاک ﷺ کے ارشادات کا انکار نہیں کرتے، ہاں صحاح ستہ و دیگر کتب حدیث کو ہم قرآن کے برابر اور دین کا ماخذ نہیں مانتے۔ تو اہلحدیث ان کو منکرین حدیث کہتے ہیں لیکن خود چاروں فقہوں کا انکار کرنے کے بعد بھی اپنے آپ کو منکرین فقہ نہیں کہتے، یہ کیسا تضاد ہے۔

(۲۹)...... اہل قرآن کہتے ہیں کہ احادیث قرآن کی طرح یقینی اور دائمی ضابطہ عمل یعنی دین نہیں، ہاں بوقت ضرورت ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ یہی کچھ اہلحدیث فقہ کے بارے

میں کہتے ہیں کہ یہ دائمی عمل کیلئے نہیں، ہاں استفادہ کیا جا سکتا ہے تو فرق کیا ہے؟

(۳۰) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی جو یہ تقسیم فرمائی ہے کہ کچھ لوگ اہل ذکر ہوتے ہیں، باقی ناواقف، ان ناواقفوں کو اہل ذکر سے سوال کا حکم دیا ہے۔ آپ اس تقسیم کے قائل ہیں یا نہیں؟

استنباط، اجتہاد اور تقلید:

(۳۱) اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو اہل استنباط قرار دیا ہے باقی لوگوں کو ان کی طرف لوٹنے کا حکم دیا ہے۔ اس تقسیم کے آپ قائل ہیں یا نہیں؟

(۳۲) اللہ تعالیٰ نے ہر قوم سے ایک یا چند ایک کو فقیہ بننے کا حکم دیا ہے اور باقی ساری قوم کو ان کی فقہ ماننے کا حکم دیا ہے یا نہیں؟

(۳۳) آپ کے فرقہ میں بھی یہ تقسیم ہے یا آپ کے فرقہ کے سب لوگ فقیہ، اہل ذکر اور اہل استنباط ہیں؟

(۳۴) آپ کے فرقہ کے وہ لوگ جو اہل استنباط اور فقیہ نہیں ان پر بھی کتاب و سنت کے مطابق زندگی گزارنا لازم ہے یا نہیں؟

(۳۵) اگر وہ لوگ احکام کے پابند ہیں تو ان کیلئے ایسے اجتہادی احکام جاننے کا کیا راستہ ہے اور اس راستہ کا اختیار کرنا ان پر فرض ہے یا واجب؟

(۳۶) آپ نے عمر بھر اللہ کی عبادت اور اللہ کے بندوں سے معاملات اجتہاد سے کئے یا تقلید سے؟

(۳۷) اجتہاد کی کیا کیا شرائط ہیں؟ آپ میں سب موجود ہیں یا بعض، جو لوگ اجتہاد کی قوت نہ رکھتے ہوئے اجتہاد کریں وہ فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا کے مصداق ہیں یا نہیں؟

(۳۸) کیا آپ تمام مسائل میں اجتہاد کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں یا بعض میں، اپنے خاص اجتہاد کے کم از کم دس نمونے پیش فرمائیں اور کم از کم دس مسائل وہ لکھیں جن میں

آپ نے تقلید فرمائی ہو؟

(۳۹) اجتہادی مسائل میں مجتہد اجتہاد کرے تو اس میں صواب پر دو اجر اور خطاء پر بھی ایک اجر ملے گا یہ تو فرمان نبوی ﷺ ہے مگر اہلحدیث کا کہنا ہے کہ یہ رائے اور اجتہاد کار شیطان ہے یہ کس حدیث میں ہے؟

(۴۰) ائمہ مجتہدین کی تقلید کو شرک کہنا اور اپنے نفس کی تقلید کو فرض کہنا یعنی فہم مجتہد حجت نہیں کیونکہ خطاء سے معصوم نہیں مگر فہم نااہل حجت ہے کہ معصوم عن الخطا ہے مثل رسول و خدا کے۔ اسی لئے جو لوگ اس کے فہم کا انکار کرتے ہیں تو وہ یہ نہیں کہتے کہ انہوں نے ہمارے فہم کا انکار کیا بلکہ کہتے ہیں کہ اس نے خدا و رسول ﷺ کا انکار کیا۔

(۴۱) روز اول سے آج تک یہی معمول رہا ہے کہ عامی کو جو مسئلہ پوچھنا ہو وہ عالم سے پوچھے۔ عالم نے حکم بتایا، سائل نے مانا اور کاربند ہوا۔ صحابہؓ سے آج تک حکم بتاتے وقت علماء نے کبھی عوام کو دلیل تفصیلی اس طرح بیان نہیں کی کہ اس کو خوب ذہن نشین ہو جائے کہ یہ حکم ثابت صحیح، واضح اور صریح غیر معارض اور غیر منسوخ ہے نہ کبھی عامی نے ایسی دلیل تفصیلی کا مطالبہ کیا، یہی تقلید ہے اور کتب حدیث مثلاً کتاب الآثار، موطا، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ اور دیگر کتب حدیث کے تراجم و ابواب میں یہ آفتاب نصف النہار کی طرح ثابت ہے۔ ہزارہا فتاوی صحابہؓ و تابعینؒ کے کتب حدیث میں اور لاکھوں فتاوی فقہاء کے کتب فقہ و فتاوی میں بھرے پڑے ہیں جن میں نہ مفتی نے دلیل تفصیلی بیان کی نہ مستفتی نے دلیل تفصیلی کا مطالبہ کیا نہ محدثین نے ایسے فتاوی کو مردود قرار دے کر کتابوں سے خارج کیا تو غیر مقلدین کے نزدیک دور صحابہ سے لے کر آج تک کے سب عامی مشرک ہوئے اور تمام مجتہد امت مشرک گر ہوئے۔ کہاں ہے خیر القرون اور کون ہیں خیر الامت؟

زمانہ خیر القرون گروہ در گروہ:

(۴۲) صحابہؓ قرآن پاک میں فرقوا دینہم و کانوا شیعا پڑھتے رہے مگر خود گروہ در گروہ ہو گئے۔ مکہ میں ابن عباسؓ اور ان کے مقلدین کا مذہب چلتا تھا، مدینہ میں

حضرت عمرؓ کا الگ مذہب تھا، کوفہ میں حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کا الگ مذہب، آج بھی کتب حدیث ان کے اختلافی فتووں سے بھرپور ہیں، پھر عطاء کا مذہب الگ، ابراہیم نخعی کا الگ، حسن بصری کا الگ، مجاہد کا الگ، ان کے اختلافات آج تک کتابوں میں باقی۔ وہ لوگ اگرچہ عباسی، مسعودی، عطائی وغیرہ نہ کہلائے مگر کام وہی رہا جو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کرتے ہیں۔ ہمیں کام سے کام ہے نہ کہ نام سے پھر یہ خیر القرون اور خیر الامت کیسے ہوا؟

حجر پرستی شرک مگر ابن حجر پرستی توحید:

(۴۳) ... آپ حضرات ائمہ لغت کی تقلید کرتے ہیں، ائمہ صرف، ائمہ نحو اور ائمہ اصول کی تقلید کرتے ہیں۔ راویوں کو ضعیف اور ثقہ کہتے ہیں تو علماء اسماء الرجال کی تقلید کرتے ہیں۔ راویوں کی پیدائش، رہائش، موت میں مؤرخین کی تقلید کرتے ہیں۔ حدیث کے ضعیف وصحیح ہونے میں محدثین کی تقلید کرتے ہیں، یہ سب تقلیدیں کرتے ہیں کس کے حکم سے؟ کیا خدا و رسول ﷺ نے ان کی تقلید کا حکم دیا تھا؟ اور آپ کے کوئی بڑے بزرگ فرما گئے تھے کہ بیٹا سب کی تقلید کرنا بس ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید نہ کرنا؟

(۴۴) ... آپ حضرات کی تقریر وتحریر سے واضح ہے کہ ائمہ اربعہ کو تو دین کے ٹکڑے کرنے والا کہا جاتا ہے لیکن ان کے مقلدین جیسے ابن حجر، نووی کی جوتیاں تک چاٹی جاتی ہیں۔ جب امام شافعیؒ کی تقلید شرک ہے تو ابن حجر کی تقلید کیا ایمان ہے؟ عجیب بات ہے کہ حجر پرستی شرک ہو مگر ابن حجر پرستی توحید، مشرکین کا بھی تو ایسا ہی طرز تھا کہ رب الارباب ذی العرش کو چھوڑ کر اس کے بندوں کی بندگی کرتے تھے۔

غیر مقلدیت منصب رسالت پر:

(۴۵) ... جیسا اہل بدعت کا طریق ہے کہ اپنی ہر ادا کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور دوسروں کی ہر نیکی کو شان رسالت کی گستاخی کا نام دیتے ہیں اسی طرح آپ بھی اپنی دلیل کو تین بار پورے زور سے صحیح، صحیح، صحیح کہتے ہیں اور مخالف جتنی احادیث پڑھے پوری طاقت سے اس کو ضعیف، ضعیف، ضعیف کہا جاتا ہے اور جو آپ کے اس فیصلے کو نہ مانے اسے خدا کا منکر اور

نبی ﷺ کا دشمن کہا جاتا ہے، آپ نے کب سے منصب رسالت سنبھالا ہے کہ آپ کے فیصلوں کا منکر منکرِ رسول قرار پا گیا۔

مقلد بیٹے والا اور غیر مقلد بے پتا کتا بن بیٹھا:

(۴٦) ... تاریخ اسلام اس پر شاہد عدل ہے کہ عوام تو کیا علماء بھی خیر القرون کے بعد اجتہاد کی وادی میں قدم رکھتے ہوئے ڈرتے تھے اسی لئے علماء خواہ مفسرین ہوں یا محدثین، قاضی ہوں یا مفتی، فقہاء ہوں یا مورخین، سلاطین ہوں یا وزراء ان سب کے حالات میں چار ہی قسم کی کتابیں ملتی ہیں۔ طبقات حنفیہ، طبقات شافعیہ، طبقات مالکیہ، طبقات حنابلہ۔ طبقات غیر مقلدین نامی کوئی کتاب علماء کے حالات میں نہیں لکھی گئی مگر آج مادر پدر آزادی اور ذہنی آوارگی کی وبا ایسی پھیلی کہ ان تمام مقلدین کو پٹے والے کتے کہا جاتا ہے جو ایک ہی مالک کے وفادار اور ایک ہی گھر سے کھاتے ہیں اور ہر جاہل غیر مقلد بے پتا کتا بن بیٹھا ہے جو کبھی اپنے امام مسجد کی ٹانگ چاٹتا ہے، کبھی وحید الزمان کا فضلہ تلاش کرتا ہے، کبھی ہدایہ اور عالمگیری سے چوری دودھ پینے کی کوشش میں پٹتا ہے، کبھی اپنے نفس کو معبود بنا کر پوجنا شروع کر دیتا ہے۔ پٹہ پتا کر ائمہ مجتہدین کے سامنے لگتا ہے، ان کے احکام سمجھنے کی لیاقت نہیں مگر ان کے احکام پر بھونکنے کی ہمت دکھاتا ہے، کاٹتا ہے، دوڑتا ہے بقول مولانا روم:

مہ فشاند نور سگ عو عو کند
ہر کسے بر طینت خود خو کند

(۴٧) ... دعویٰ تو یہ کرتا ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کے سوا کسی کی بات حجت نہیں لیکن چند معتدلوں اور جاہلوں کو درمیان میں کھڑا کر رکھا ہے کہ ان کے قول کو نہ صرف یہ کہ قرآن و حدیث کے برابر بلکہ قرآن و سنت پر حاکم بنا دیا ہے، وہ شریک فی الالوہیت نہ ہوں تو شریک فی الرسالت ضرور ہیں بلکہ مصداق اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا ہیں۔

(۴٨) ... ائمہ اور اقوال میں ہر مکلف عامی کو تخییر ہے یا تعیین اور اس کی کیا شکل ہے؟

(۴۹) یہ تخییر یا تکبیر مطلق ہے یا ائمہ اربعہ میں محصور؟
(۵۰) تلفیق آپ کے ہاں جائز ہے یا فسق؟ مختلف اعمال میں یا ایک عمل میں بھی؟ قبل عمل یا بعد عمل بھی؟

تقلید کیا ہے؟

(۵۱) تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلائے گا اور اس سے اس کی دلیل کی تحقیق نہ کرنا (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱/ص ۲۶۰) یعنی تقلید کا تعلق اعتماد، اعتبار اور حسن ظن پر ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ قائل کے پاس اس قول کی دلیل نہیں ہوتی بلکہ قائل کے پاس اس قول کی تفصیلی دلیل ہوتی ہے۔ صرف سائل نے وہ دلیل تفصیلی اس لئے طلب نہیں کی کہ اس پر اعتبار کر لیا تو ترک تقلید یہ ہے کہ کسی کی بات محض اعتبار سے نہ ماننا بلکہ کسی بات کو بغیر دلیل تفصیلی قرآن وحدیث کے نہ ماننا۔ کیا کسی نفس الامر میں بادلیل بات کو بلا مطالبہ دلیل ماننا کفر، شرک، حرام یا بدعت ہے؟
(۵۲) آج کل سو فیصد مسلمان ایسے ہیں جو اس لئے مسلمان ہیں کہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے، وہ کسی غیر مسلم کے سامنے اسلام کی صداقت کو دلائل سے بیان نہیں کر سکتے خود اسلام کو بلا مطالبہ دلیل تسلیم کیا ہے، یہ لوگ مسلمان ہیں یا کافر؟ اگر ان پر رحم فرما کر ان کو مسلمان کہا جائے تو فرمایئے کہ جب ایمانیات میں تقلید جائز ہے تو فروعات میں کیسے کفر ہوگی؟
(۵۳) اگر کوئی کافر بلا مطالبہ دلیل مسلمان ہو جائے تو اس کو مسلمان مانا جائے گا یا وہ بدستور کافر ہو جائے گا۔ ایک کفر پہلے تھا ایک کفر تقلیدی ہو گیا؟
(۵۴)... معاذ اللہ کوئی مسلمان بلا مطالبہ دلیل مرتد ہو جائے تو اس کو مرتد مانا جائے گا یا مسلمان؟
(۵۵) آج کل سو فیصد غیر مقلد نمازی بھی، نماز کے تمام جزئیات کے دلائل تفصیلیہ سے ناواقف ہیں، ان کی نماز محض اپنے مولویوں کی تقلید میں ادا ہو رہی ہے۔ کیا یہ لوگ نماز پڑھ کر تقلید کی وجہ سے کافر اور مشرک ہیں یا نہیں؟

حسن ظن پر تلاوت:

(۵۶)..... آج کل سو فیصد عوام غیر مقلد جو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں وہ نہ اعراب کے دلائل جانتے ہیں نہ اوقاف کے، صرف اس حسن ظن پر تلاوت کرتے ہیں کہ اگرچہ ہمیں دلائل یاد نہیں مگر اس قرآن کی ایک زبر، ایک زیر بھی بغیر دلیل کے نہیں۔ علماء کے پاس ایک ایک زیر کی دلیل موجود ہے۔ اس حسن ظن پر تلاوت کرنے سے آدمی کافر اور مشرک ہو جاتا ہے یا نہیں؟

غیر مقلدوں کا تقلیدی حج:

(۵۷)..... آپ کسی غیر مقلد حاجی صاحب کو بٹھالیں، اس سے حج کا طریقہ بالتفصیل، بالترتیب پوچھنا شروع کر دیں اور ہر جزئی مسئلہ کی دلیل تفصیلی پوچھتے جائیں وہ بے چارہ لوگوں کی دیکھا دیکھی محض تقلیداً حج کر کے آیا ہے تو وہ تقلیدی حج کے بعد مسلمان رہا یا کافر ہو گیا؟

غیر مقلدین کا تقلیدی جنازہ اور بلا جنازہ میت کو قبر میں پھینک آنا:

(۵۸)..... آپ کسی غیر مقلد کو جنازہ کے موقع پر پکڑ لیں، پہلے اس سے بالترتیب مفصل نماز جنازہ کا طریقہ لکھوا کر دستخط کروالیں پھر اس سے پوچھیں کہ اس میں فرائض کتنے ہیں، سنتیں کتنی ہیں؟ وہ بغیر کسی کی تقلید کے ہرگز نہیں بتا سکے گا۔

(۵۹)..... پھر اس سے پوچھیں کہ آپ پہلی تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء، تعوذ، تسمیہ، فاتحہ، آمین، سورۃ پڑھتے ہیں، یہ ساتوں چیزیں بالترتیب جنازہ کی حدیث میں دکھلا دیں؟ وہ ہرگز نہ دکھا سکے گا۔

(۶۰)..... پھر اس سے کہیں کہ دوسری تکبیر کے بعد درود ابراہیمی اس طرح کہ امام بلند آواز سے پڑھے اور مقتدی آہستہ آواز سے اس کی دلیل قرآن یا حدیث سے دکھائیں، وہ ہرگز نہ دکھا سکے گا۔

(۶۱)..... پھر پوچھیں کہ تیسری تکبیر کے بعد دس گیارہ دعائیں امام بلند آواز سے پڑھے اور مقتدی آمین آمین کہتے رہیں۔ اس کی صریح حدیث دکھاؤ؟

(۶۲) پھر یہ کہ چوتھی تکبیر کے بعد امام بلند آواز سے اور مقتدی آہستہ آواز سے سلام پھیریں، اس کی دلیل لاؤ" وہ ہرگز نہ لا سکے گا۔ جب تقلیدی عمل ان کے نزدیک باطل ہے تو گویا یہ بلا جنازہ اپنی میت کو قبر میں پھینک آئے۔

غیر مقلد عورت کی اپنے غلام سے صحبت:

(۶۳) اگر امتیوں پر اعتماد شرک ہے تو قرآن کی بہت سی آیات پر صحیح عمل ناممکن ہو جائے گا مثلاً ایک غیر مقلد نے یہ آیت پڑھی وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ. اور عبادت کر اپنے رب کی کہ تجھے یقین آ جائے۔ اس نے سب عبادتیں چھوڑ دیں کہ عبادات اصل مقصود نہ تھیں اصل مقصود تو یقین تھا وہ مجھے حاصل ہو چکا ہے۔ آپ مفسرین کے اقوال دکھائیں کہ اس آیت میں یقین سے مراد موت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں امتیوں کی بات ماننے کو شرک سمجھتا ہوں۔

(۶۴)...... ملک یمین غلام اور لونڈی دونوں کو کہتے ہیں۔ اب قرآن پاک کی جس آیت کے مطابق آقا کو اپنی لونڈی کے ساتھ صحبت کرنے کا حق ہے اسی آیت سے ایک غیر مقلد عورت اپنے غلام سے صحبت کروانے لگے تو آپ کیسے روکیں گے۔ مفسرین کی بات کو وہ قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دیتی ہے۔

(۶۵)...... آیت وضو میں نہ چہرے کی حد مذکور ہے نہ غسل اور مسح کا فرق، تو اس پر غیر مقلد کیسے عمل کرے گا؟

(۶۶)...... ایک غیر مقلد قرآن کا ظاہری ترجمہ پڑھ کر وضو میں پاؤں پر مسح کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اصل قرآنی حکم مسح ہی ہے اگرچہ حدیث سے غسل کا بھی جواز ہے۔ وہ تمام وضو عمر بھر یہ ہی کرتا رہا ہے احادیث کو ضعیف کہہ کر ٹالتا ہے۔

روزہ رکھنے کی بجائے فدیہ دے دینا:

(۶۷)۔ ایک غیر مقلد رمضان کے روزے نہیں رکھتا اور فدیہ دے دیتا ہے اور یہ آیت پڑھتا ہے وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ اب کوئی منسوخ کہتا ہے یا سلب

ماخذ کا قول کرتا ہے تو یہ امتیوں کے اقوال ہیں جو حجت نہیں۔

قرآن کا حال:

(۶۸)　ایک غیر مقلد نے دو بہنوں سے ایک ہی دفعہ نکاح کر لیا کسی نے آیت پیش کی کہ لاتجمعوا بین الاختین قرآن میں آیا ہے۔ اس نے کہا: اس کا مطلب ایک مکان میں جمع کرنا ہے، اگر الگ الگ مکان میں رکھیں تو اس آیت کے خلاف نہیں۔ اس کو اس پر مفسرین کے اقوال پیش کئے گئے کہ نکاح میں جمع کرنا مراد ہے۔ اس نے کہا: میں امتیوں کے اقوال مان کر مشرک نہیں بن سکتا، یہ قرآن کا حال ہوگا۔

(۶۹)　اور حدیث کو تو اعتماد و اعتبار کے بغیر مانا ہی نہیں جا سکتا۔ آج اسماء الرجال کی کتابیں دو قسم کی ہیں: ایک وہ جن کو صحیح سمجھا جاتا ہے جیسے تقریب التہذیب، تہذیب التہذیب، تذکرۃ الحفاظ، میزان الاعتدال، خلاصہ تہذیب الکمال، ان میں نہ جارح تک کوئی سند نہ جرح کی کوئی واضح دلیل، ان کتابوں پر اعتماد تقلید در تقلید ہے۔

(۷۰)......دوسری قسم کی کتابیں غیر صحیح ہیں جن میں ہر قسم کی رطب و یابس باتیں اسانید سے مذکور ہیں لیکن اسانید کے بعض راوی ایسے ہیں جنکے حالات نامعلوم ہیں تو ایسی کتابوں پر بھی اعتماد کرنا محض تقلید ہی تقلید ہوگا۔

دنیا کا سب سے پہلا گناہ:

(۷۱)　دنیا میں سب سے پہلا گناہ ترک تقلید ہی ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کا حکم دیا، یہ حکم تھا اس کے ساتھ کوئی دلیل نہ تھی، فرشتے حکم سنتے ہی بلا مطالبہ دلیل سجدے میں گر گئے، یہی تسلیم القول بلا دلیل ہے اور تقلید کا ہار گلے میں پہن لیا۔ مگر شیطان نے اس بلا دلیل حکم کو تسلیم نہ کیا اور تقلید کے ہار پر لعنت کے طوق کو ترجیح دی۔

کیا صحابہ کرامؓ مشرک ہو گئے؟

(۷۲)......حضرت صدیق اکبرؓ نے جب جمع قرآن کا حکم دیا تو حضرت فاروق اعظمؓ نے

عرض کیا آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں جو حضور ﷺ نے نہیں کیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے صرف یہ فرمایا کہ اللہ کی قسم یہ اچھائی ہے کوئی آیت یا حدیث نہ پڑھی۔ سب صحابہ نے اسے بلا طلب دلیل تسلیم فرمالیا۔ (بخاری)

(۷۳) حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت کے وقت حضرت عمرؓ نے یہ قیاس فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ابوبکر صدیق کو نماز میں ہم سب کا امام بنادیا تھا، اسی پر قیاس کر کے ہم احکام سلطنت میں بھی آپ کو آگے کرتے ہیں، سب صحابہؓ نے اس قیاس کی تقلید میں بیعت کی۔ کیا غیر مقلدین کے نزدیک اس قیاس کی وجہ سے معاذ اللہ حضرت عمرؓ شیطان بنے؟ ہرگز نہیں۔ شیطان تو ان کے سایہ سے بھاگتا تھا اور کیا معاذ اللہ سب صحابہؓ مشرک ہو گئے؟ ہرگز نہیں۔ ان کو مشرک کہنا اپنے ایمان کو برباد کرنا ہے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ سے تقلید کا ثبوت۔

(۷۴) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے منشور کا اعلان یوں فرمایا کہ آپ پہلے مسئلہ کتاب اللہ سے لیتے اگر نہ ملتا تو سنت سے لیتے اگر کسی مسئلے کا نشان نہ قرآن میں ملتا نہ سنت میں تو اجتہاد کرتے اور فرماتے ھذا رایی یہ میری رائے ہے۔ اگر صواب ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اگر خطا ہو تو میری طرف سے ہے اور میں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں (جامع بیان العلم ج ۱ ص ۵) افسوس آج ہر جاہل غیر مقلد یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں سب مسائل صاف طور پر قرآن وحدیث میں دکھا سکتا ہوں گویا اس کا علم قرآن وحدیث کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب ابوبکرؓ رائے سے مسئلہ بتاتے تو سب لوگ ان کی رائے کو مانتے، یہی تقلید ہے۔ معلوم ہوا دور صدیقیؓ میں کوئی غیر مقلد نہ تھا جو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو کار ابلیس کہتا اور اس رائے کی پیروی کرنے والوں کو مشرک کہتا۔

(۷۵) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کر دیا، اس حکم نامہ میں نہ آیت سے دلیل بیان کی نہ حدیث سے محض اپنی رائے سے ایسا کیا۔ تمام صحابہ نے آپ کی

مانے کی تقلید میں حضرت عمرؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا، یہی تسلیم القول بلا دلیل تقلید ہے۔

حضرت عمرؓ سے تقلید کا ثبوت:

(۷۶) حضرت عمرؓ نے خلیفہ بنتے ہی اپنا منشور تمام مجتہد قاضیوں کو یہ بھیج دیا کہ اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں مسئلہ نہ ملے تو اجتہاد و رائے سے فیصلہ کرو۔ (جامع بیان العلم ج ۲/ص ۵۶) مجتہدین کے فیصلوں کا ماننا بھی تقلید ہے۔

(۷۷)... حضرت عمرؓ کے زمانہ میں صحابہ ان کے حکم سے سارا مہینہ مسجد میں باجماعت تراویح پڑھنے لگے جو بظاہر حضور ﷺ کے حکم مبارک کہ فرض کے بعد باقی نمازیں گھر پڑھا کرو (بخاری) کے خلاف تھا جبکہ عمرؓ نے کوئی دلیل بیان نہ فرمائی تھی۔

(۷۸)...... جو لوگ دور فاروقی، عثمانی، علوی میں بیس تراویح پڑھتے تھے آپ کے نزدیک وہ عامل بہ سنت تھے یا کسی اجتہاد کے مقلد۔

(۷۹)..... فاروق اعظمؓ نے تین طلاق کو تین قرار دینے کا اعلان فرمایا تو سب نے اس کو تسلیم کر لیا، حضرت عمرؓ نے اس کے ساتھ نہ کوئی آیت بطور دلیل پیش فرمائی نہ حدیث، یہ تسلیم القول بلا دلیل تقلید ہی ہے یا کیا؟

حضرت عثمانؓ سے تقلید کا ثبوت:

(۸۰)...... حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت اس شرط پر ہوئی کہ وہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے طریقہ کی پیروی کریں گے۔ کیا اس اقرار سے جو بیعت ہوئی وہ خلافت غیر مقلدوں کے اصول پر صحیح ہے یا غلط؟

(۸۱)... حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جمعہ کی اذان کا جو اضافہ ہوا اس کا اعلان کرتے وقت حضرت عثمانؓ نے کوئی آیت یا حدیث بطور دلیل بیان فرمائی تھی یا سب صحابہ نے بلا مطالبہ دلیل آپ کے حکم کو تسلیم کر لیا جو تقلید ہے؟

(۸۲)... آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ مانگ کر قرآن پاک کی

ساتوں لغات پر تلاوت کی اجازت لی تھی مگر حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کے مشورہ سے لغت قریش کے علاوہ باقی چھ لغات پر قرآن پاک کی تلاوت سے منع فرما دیا، اس پر کوئی آیت یا حدیث پیش نہ فرمائی، امت کو اختلاف سے بچانے کی مصلحت تھی، سب لوگوں نے آپ کے اس فرمان کو بلا مطالبہ دلیل تسلیم کر لیا، یہی تقلید ہے۔

دور صحابہؓ میں ایک بھی غیر مقلد نہیں تھا

(۸۳)..... آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی جن کی مادری زبان بھی عربی تھی مگر بقول شاہ ولی اللہؒ صدیق اکبرؓ کے بعد حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ و ابن عباسؓ کامیاب مجتہد تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ جزوی طور پر مجتہد تھے (حجۃ اللہ البالغہ) اور قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں فرماتے ہیں: صحابہ دو گروہ بودند مجتہد و مقلد۔ معلوم ہوا کہ دور صحابہ میں ایک بھی غیر مقلد نہ تھا۔

غیر مقلدین خود چھپ کر تقلید کرتے ہیں کیونکہ بغیر تقلید گزارہ نہیں:

(۸۴) زید نے ایک مرد کو زنا کی تہمت لگائی اس پر کتنی حد لگے گی؟ صاف حدیث پیش کریں، عورت پر قیاس نہ کریں؟

(۸۵) سدھائے ہوئے کتے کا شکار حلال ہے، یہ قرآن و حدیث میں ہے، اگر کوئی شخص شیر، چیتے، بھیڑیے، بندر، باز، شکرے وغیرہ کو تعلیم دے لے تو ان کا شکار حلال ہوگا یا حرام؟ قیاس سے یا کسی نص سے؟

(۸۶)..... بھینس کو عربی میں "جاموس" کہتے ہیں۔ یہ لفظ نہ قرآن پاک میں ہے نہ حدیث میں اب بھینس کا گوشت، دودھ، دہی، گھی، لسی، پنیر حلال ہے یا حرام؟ گائے پر قیاس کرکے یا کسی نص سے تو وہ پیش کریں؟

(۸۷)..... چوہا گھی میں گر کر مر جائے اس کا حکم حدیث میں موجود ہے، اگر بلی کا بچہ، خنزیر کا بچہ، کتیا کا بچہ، چھپکلی، سانپ، بچھو، چیونٹی، بھڑ، جھینگر وغیرہ گھی میں گر کر مر جائیں تو ان کا حکم قیاس سے معلوم ہوگا یا کسی نص سے؟

(88) اگر تیل، پانی، دودھ، شربت، سرکے وغیرہ میں چوہا گر کر مر جائے تو اس کا حکم کسی صریح نص میں موجود ہے یا گھی پر قیاس سے معلوم کیا جائے گا؟

(89) کیا بیع الحب بالزبیب جائز ہے؟ کسی نص سے یا بیع الحب بالتمر پر قیاس کر کے؟

(90) زید نے زینب کو تین شرعی طلاقیں دیں، اس نے بکر سے نکاح کیا، پھر بکر نے اسے طلاق دے دی، اب زینب عدت گزار کر زید سے نکاح کر سکتی ہے؟ یہ مسئلہ قرآن و حدیث میں ہے لیکن اگر بکر نے طلاق نہیں دی، زینب نے خلع کرالی یا بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرا لیا تو اب عدت گزار کر زید سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کا ثبوت کسی صریح نص سے ہے یا محض طلاق پر قیاس سے؟

(91) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سونے، چاندی کے برتنوں میں کھانا حرام ہے، اب سونے چاندی کے برتنوں میں پانی لے کر وضو یا غسل کرنا، اس سے تیل لگانا، اس کے قلم سے لکھنا، اس کی سلائی سے سرمہ لگانا، اس کی عطر دانی سے عطر چھڑکنا حلال ہے یا حرام اور دلیل نص صریح ہے یا محض قیاس؟

(92) چاندی سونے کے ورق کھانا جائز ہیں یا نہیں؟ دلیل کوئی نص ہے یا کوئی قیاس؟

(93) آنحضرت ﷺ نے پتھروں سے استنجاء کا حکم فرمایا۔ اب کوئی شخص کپڑے، ٹشو پیپر، روئی، اون، گھاس اور درخت کے پتوں سے استنجاء کرے تو پاک سمجھا جائے گا یا نہیں؟ دلیل کوئی صریح نص ہے یا پتھر پر قیاس؟

(94) لونڈی زنا کا ارتکاب کرے تو اس پر نصف حد ہے، زانی غلام پر بھی نصف حد ہو گی تو کسی نص سے یا قیاس سے؟

(95) غلام مرد ایک وقت میں چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے، آزاد مرد پر قیاس کر کے یا صرف دو عورتوں سے حد پر قیاس کر کے؟ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں دوسرے قول پر اجماع ہو گیا۔ آپ نص کا حکم پیش کریں؟

(96) غلام تین طلاقوں کا اختیار رکھتا ہے یا دو کا یا ڈیڑھ کا، جواب نص سے دیں نہ کہ

قیاس ہے؟

(۹۷) لونڈی کی طلاق کی عدت تین حیض ہے یا دو حیض یا ڈیڑھ حیض، جواب نص صریح سے دیں۔ قیاس نہ فرمائیں؟

(۹۸) جنبی کو غسل کیلئے پانی نہ ملے تو حدیث میں تیمم کا حکم ہے، حائضہ یا نفاس والی کو پاک ہونے کے غسل کیلئے پانی نہ ملے تو اس کو بھی تیمم جائز ہے؟ کس صریح نص سے یا جنبی پر قیاس کر کے؟

(۹۹) قرآن پاک میں ہے کہ اگر سفر میں کاتب نہ ہو تو رہن رکھ لو، گھر میں رہن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ کس نص سے؟

(۱۰۰) اگر سفر میں کاتب بھی موجود ہو تو بھی رہن رکھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ جواب صریح نص سے دیں؟

(۱۰۱) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پاخانہ سے فارغ ہو کر وضو کیلئے پانی نہ ملے تو تیمم کرلو، اگر پیشاب یا اخراج ریح یا خروج مذی یا قے یا خون بہنے سے یا آپ کے مذہب پر مس ذکر یا عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جائے تو تیمم کا جواز نص سے ہے یا قیاس سے؟

(۱۰۲) اگر پانی موجود ہے مگر پیاس کا خوف ہے یا آٹا گوندھنے کو پانی نہ بچے گا یا پانی کے استعمال سے بیمار ہونے یا بیماری بڑھنے کا خطرہ ہو تو تیمم جائز ہے یا نہیں اور دلیل نص صریح ہے یا کوئی قیاس؟

(۱۰۳) اگر پینے کی چیز میں مکھی گر کر مر جائے تو اس کو نکالنے کا حکم حدیث میں ہے۔ اگر مکھی، مچھر، چیونٹی، بھڑ، جگنو وغیرہ دودھ، شوربے، سرکے، عرق میں گر جائیں تو ان کو کس نص سے نکالیں گے یا قیاس سے؟

(۱۰۴) حدیث میں بغلوں کے بال اکھاڑنے کا حکم ہے (بخاری) آج کل غیر مقلد مرد استرے سے صاف کراتے ہیں۔ اس کی حدیث دکھائیں؟

(۱۰۵) جو غیر مقلد عورتیں پاؤڈر اور کریم سے بغلوں کے بال صاف کرتی ہیں، وہ کس

حدیث پر عمل کرتی ہیں؟

(۱۰۶) حدیث میں زیر ناف بال استرے سے لینے کا ذکر ہے، غیر مقلد عورتیں کریم، پوڈر کے استعمال میں کس حدیث پر عمل کرتی ہیں؟

(۱۰۷) اللہ تعالیٰ نے قرض کے متعلق نصاب شہادت کے بارے میں یہ بیان فرمایا کہ دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں، اب سوال یہ ہے کہ میراث، وصیت، امانت، غصب اور دیگر مالی معاملات میں بھی نصاب شہادت یہی ہوگا؟ تو نص سے یا قیاس سے؟

(۱۰۸) کتے کے جھوٹے کا ناپاک ہونا تو حدیث میں ہے، خنزیر، شیر، چیتا، بھیڑیا، بندر، گینڈا، گیدڑ، لومڑی وغیرہ درندوں کے جھوٹے کا حکم اس پر قیاس کر لیا جائے گا یا ہر ایک کیلئے نام بنام صریح نص آپ پیش کر سکتے ہیں؟

(۱۰۹) مندرجہ بالا جانوروں کے جھوٹے کے حکم کے علاوہ ان جانوروں کے پیشاب، پاخانے، قے، خون، پسینے وغیرہ کے پاک یا ناپاک ہونے کی نام بنام صریح نصوص موجود ہیں یا یہ کام قیاس سے ہی لیا جائے گا؟

حضرات گرامی! نبی کریم ﷺ کی حدیثوں پر عمل کرنے کا داعی فرقہ اہلحدیث تو خود قیاس پر عمل کر کے مشرک بنا بیٹھا ہے کیونکہ ان کے ہاں قیاس پر عمل کرنا شرک ہے اور ہم جو حنفی ہیں ہمیں یہ قیاس پر عمل کرنے سے مشرک بتلاتے ہیں۔ بھلا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ غیر مقلد اگر قیاس پر عمل کریں تو اہلحدیث کہلائیں اور ہم قیاس پر عمل کریں تو مشرک و منکرین حدیث کہلائیں۔ فیصلہ اور انصاف جوش میں نہیں، ہوش میں کریں۔

(۱۱۰) قرآن پاک میں پردہ کی آیت میں حصر کے ساتھ ان کا ذکر ہے جن سے پردہ نہیں ان کے علاوہ سب سے پردہ ہے مگر ان میں ماموں، چچا، تایا کا ذکر نہیں تو کیا ان تینوں سے پردہ فرض ہوگا یا اس وجہ سے کہ جن سے پردہ نہیں وہ محرم ہیں یعنی ان سے ہمیشہ کیلئے نکاح حرام ہے اور یہ وجہ چچا، ماموں، تایا میں بھی موجود ہے اس لئے اس حصر کو توڑ دیا جائے گا اور ان تینوں سے بھی پردہ فرض نہ ہوگا؟

(۱۱۱) قرآن پاک میں ماں باپ کے سامنے "اُف" کہنے سے منع کیا گیا اب کوئی ماں باپ کو مارے، پیٹے یا ان کے منہ پر تھوکے تو اس آیت کی دلالت سے وہ بھی حرام ہوگا یا نہیں؟ کیا آپ دلالۃ النص کو مانتے ہیں یا نہیں؟

(۱۱۲) اگر آپ دلالۃ النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص کو مانتے ہیں تو ان کی جامع مانع تعریف بیان فرمائیں؟

(۱۱۳) اگر آپ اپنے مسائل میں قیاس کو مانتے ہیں، تو اپنے آپ کو اہل قیاس کیوں نہیں کہتے، اہلحدیث کیوں کہتے ہو؟

(۱۱۴)... حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی بوقت ضرورت قیاس کو مانتے ہیں ان سب کا اصول فقہ موجود ہے۔ آپ اگر قیاس کو مانتے ہیں تو اپنی جماعت کی مسلمہ کتب اصول فقہ کی فہرست دیں۔ یہ کب لکھی گئیں اور ان میں سے کون کون سی آپ کے ہاں داخل نصاب ہیں؟

(۱۱۵) ...مذاہب اربعہ قیاس کو مانتے ہیں تو ان سب کی فقہ کی کتابیں موجود ہیں جو داخل نصاب اور مدار فتویٰ ہیں، آپ اگر قیاس کو مانتے ہیں تو اپنی مسلمہ کتب فقہ جو داخل نصاب ہوں اور مدار فتویٰ ہوں ان کی فہرست بیان فرمائیں؟

(۱۱۶)۔ آپ کے ہاں مجتہد کی شرائط وہی ہیں جو مذاہب اربعہ میں مسلم ہیں یا کچھ کم زیادہ ہیں تو ارشاد فرمائیں؟

(۱۱۷)... کیا آپ کے ہر شخص میں شرائط اجتہاد کامل طور پر موجود ہیں یا بعض میں؟

(۱۱۸)۔ ائمہ اربعہ کا مجتہد ہونا دلیل شرعی یعنی اجماع امت سے ثابت ہے، آپ کے ہاں کون کون سے مجتہد ہوئے ہیں جن کو اہل السنۃ کی تمام جماعتوں نے اجتہاد کا جامع تسلیم کیا ہو ان کی تاریخ پیدائش وغیرہ بیان فرمائیں؟

(۱۱۹) آپ کے قیاسات قطعی ہوتے ہیں یا ظنی، آپ کے ہاں قطعی اور ظنی کی تعریف اور ان کا حکم کیا ہے، باحوالہ بیان فرمائیں۔

(۱۲۰) آپ کے مجتہدین میں اختلاف بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو دونوں حق پر سمجھے جاتے ہیں یا ایک کو حق دوسرے کو باطل کہا جاتا ہے؟

(۱۲۱) اس اختلاف کی بنیاد ان کے اختلافی اصول ہیں تو وہ کس کتاب میں ہیں یہ اختلاف محض اتباع ہوی سے ہوتا ہے؟

نبی پاک ﷺ پر جھوٹ اور عوام سے فراڈ:

(۱۲۲) نواب صدیق حسن صاحب کی کتاب الروضۃ الندیہ، نواب وحید الزمان کی نزل الابرار من فقہ النبی المختار، کنز الحقائق من فقہ خیر الخلائق، ہدیۃ المہدی من فقہ المحمدی، میر نور الحسن کی کتاب عرف الجادی من جنان ہدی الہادی، حسن علی کی کتاب التاج المکلل من شرائع الرسول، ابوالحسن کی فقہ محمدیہ کامل جو سب دور برطانیہ میں لکھی گئیں، ان میں سے ایک بھی کسی اسلامی حکومت میں نہیں لکھی گئی اور نہ ان کو فقہ نبوی قرار دیا گیا، ان کتابوں کا ہر ہر مسئلہ نبی معصوم علیہ السلام سے ثابت ہے یا نبی علیہ السلام کے نام پہ محض ان پر جھوٹ باندھے گئے ہیں؟ کیا اہلحدیث ہونے کیلئے نبی پاک ﷺ پر جھوٹ بولنا بھی ضروری ہے؟

(۱۲۳) بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم ان کتابوں کو نہیں مانتے، اس کا کیا مطلب ہے کہ ان کتابوں کا وجود ہی نہیں، یا ان کے لکھنے والے اہلحدیث نہیں؟ یا انہوں نے اہلحدیث ہو کر قرآن و حدیث کی طرف جھوٹے مسئلے منسوب کئے؟ تو ان جھوٹ بولنے والوں کے رد میں آپ کی جماعت کی طرف سے کون کون سی کتابیں لکھی گئیں؟ اور ان جھوٹی کتابوں کے مقابلہ میں سچی کتابیں لکھنا ضروری تھا وہ کتابیں کون کون سی ہیں جن میں دین کے مکمل مسائل ہوں اور ان کو آپ کی پوری جماعت مانتی ہو۔

(۱۲۴) کیا یہ بات سچی نہیں کہ اہلحدیث، حدیث کا نام لے کر اس قسم کی جھوٹی کتابیں لکھتے ہیں جس طرح اہل قرآن، قرآن کا نام لے کر دین میں جھوٹ بولتے ہیں۔ آپ لوگوں نے دین میں جب جھوٹ بولنا ہوتا ہے تو حدیث کا نام لے کر بولتے ہیں۔

(۱۲۵) بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم صرف حدیث کو مانتے ہیں، ہم اہلحدیث ہیں تو یہ ایک جھوٹ ہے جیسے اہل قرآن کہتے ہیں کہ ہم صرف قرآن کو مانتے ہیں لیکن ایک بھی شخص

نہیں جو اپنی زندگی کے مکمل مسائل قرآن کے مطابق ثابت کر سکے۔ ایسے ہی ہمیں آج تک ایک اہلحدیث بھی ایسا نہیں ملا جو زندگی کے تمام مسائل تو کیا صرف نماز کے تمام جزئی مسائل حدیث سے دکھا سکتا ہو۔

(۱۲۶) ... اگر آپ اہلحدیث ہیں تو آپ کی حدیث کی کون سی کتاب ہے جس کا پہلا باب مجتہدین کو ابلیس ثابت کرنے کے لئے باندھا گیا ہو اور احادیث سے ثابت بھی کیا ہو۔ دوسرا باب تقلید مجتہد کو شرک ثابت کرنے کا باندھا ہو اور صریح آیات و احادیث سے ثابت کر دکھایا ہو کہ غیر مجتہد کا اجتہادی مسائل میں مجتہد کی تقلید کرنا شرک ہے؟

(۱۲۷) ... بعض جاہل عوام کو دھوکا دیتے ہیں کہ ہم چونکہ اہلحدیث ہیں اس لئے حدیث کی ساری کتابیں ہماری ہیں، یہ محض دعویٰ ہے دلیل نہیں جیسے منکرین حدیث کہتے ہیں ہم چونکہ اہل قرآن ہیں، اس لئے قرآن ہمارا ہے تو کیا اہلحدیث ان کا یہ دعویٰ سن کر قرآن سے دستبردار ہو گئے ہیں؟ مسعودی فرقہ کہتا ہے: ہم جماعت المسلمین ہیں اسلام ہمارا ہے، ہمارے سوا سب غیر مسلم ہیں تو کیا اہلحدیث ان کا یہ دعویٰ سن کر اسلام سے دستبردار ہو چکے ہیں؟ شیعہ کہتے ہیں: ہم محبان اہل بیت ہیں، اہل بیت صرف ہمارے ہیں، ہمارے علاوہ سب اہل بیت کے منکر ہیں، تو کیا ان کا یہ دعویٰ سن کر اہلحدیث اہل بیت سے دست بردار ہو گئے ہیں؟

(۱۲۸) ... جس طرح اہل قرآن کا عمل بالقرآن صرف اتنا سامنے آیا کہ محدثین کو گالیاں دینا اور حدیث کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا اور شیعہ سے حب اہل بیت کا یہی ثبوت ملتا ہے کہ صحابہ کو گالیاں دے لیں۔ اسی طرح موجودہ اہلحدیث کا عمل بالحدیث اس سے زیادہ نہیں کہ فقہاء کو گالیاں دیں، فقہ کے خلاف بدگمانیاں پھیلائیں، بدزبانیاں کریں۔ اس پر سینکڑوں اشتہارات اور رسالے ہم پیش کر سکتے ہیں، بلکہ اس بدزبانی میں یہ لوگ اہل قرآن اور شیعہ سے سبقت لے گئے ہیں۔

(۱۲۹) ... اگر آپ کے نزدیک مجتہد اور اجتہاد و قیاس کی کوئی شرط نہیں، ہر وہ شخص جو مدعی اسلام ہو اجتہاد کر سکتا ہے اور اس کے اجتہادات کو تسلیم کرنا لازمی ہے تو مرزا قادیانی،

مودودی، اسلم جیراجپوری، غلام احمد پرویز، عنایت اللہ مشرقی اور ان کے وہ مسائل جو قرآن وحدیث کے نام سے انہوں نے پیش کیے ہیں وہ سب آپ کو مسلم ہیں یا نہیں؟ اگر مسلم نہیں تو کیوں، اس لئے کہ آپ قرآن وحدیث کو نہیں مانتے یا ان کے فہم کو غلط کہتے ہیں تو فہم کے صحیح وغلط ہونے کا کیا معیار ہے؟

(۱۳۰)...... اور اگر دعویٰ اسلام کی بھی ضرورت نہیں تو پادری فانڈر، گولڈ سیک، صفدر علی، عماد الدین، رام چندر، سوامی دیانند، پنڈت شردھانند نے بھی اپنی کتابوں میں قرآن و حدیث کے نام سے بہت سے مسائل لکھے ہیں تو وہ سب آپ کو تسلیم ہیں یا نہیں، عدم تسلیم کی وجہ بتائیں کہ اصل قرآن، حدیث کا آپ کو انکار ہے یا ان کے فہم کو غلط سمجھتے ہیں؟

(۱۳۱)...... جب آپ کے نزدیک مجتہدین کا فہم قرآن وحدیث بھی غلط، مرزا قادیانی وغیرہم کا فہم قرآن وحدیث بھی غلط، سوامی دیانند وغیرہ کا فہم قرآن وحدیث بھی غلط تو آپ کے ہر جاہل کا فہم قرآن وحدیث جو ان سب کے ہاں غلط ہے اس کی صحت کا کیا معیار ہے؟

(۱۳۲)...... کیا قرآن وحدیث میں فقہاء، اہل استنباط، اہل ذکر اور مجتہدین کے فہم کو ماننے کا حکم ہے؟ اگر ہے تو اس کو تسلیم فرمائیے، رہا یہ کہ فقیہ کس کو مانا جائے ہر مدعی کو یا صرف اس کو جس کا فقیہ ہونا دلیل شرعی اجماع امت سے ثابت ہو؟

(۱۳۳)...... آپ کے نزدیک اوامر شرعیہ میں فرض، واجب، سنت مؤکدہ، مستحب اور مباح کی درجہ بندی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ان کی جامع مانع تعریف، ان کے منکر اور تارک کا حکم کیا ہے اور شریعت میں ہر ایک کے ثبوت کا کیا طریقہ ہے؟

(۱۳۴)...... آپ کے نزدیک منہیات شرعیہ میں حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور گناہوں میں کبیرہ اور صغیرہ کی تقسیم ہے یا نہیں، اگر ہے تو ہر ایک کی جامع مانع تعریف، اس کے منکر اور تارک کا حکم اور اس کے ثبوت کا شرعی طریقہ بیان فرمائیں۔

(۱۳۵)...... کیا کسی حدیث میں ہے کہ قیامت کو پہلے فرائض کا حساب ہوگا پھر نوافل کا، آپ کے وہ افعال جن کو آپ نہ فرض مانتے ہیں نہ سنت نہ نفل وہ حساب کے کس کھاتے

میں پڑیں گے یا بیکار رہا کریں گے؟

(۱۳۶)...... حدیث کی جس قدر کتابیں آج دستیاب ہیں ان کے مؤلفین یا مجتہدین ہیں یا مقلدین جیسا کہ کتب طبقات سے ظاہر ہے، ایک کتاب بھی کسی غیر مقلد کی تالیف نہیں بلکہ دنیا میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس کے راویوں کو تاریخی شہادت سے غیر مقلد ثابت کیا جا سکے۔ غیر مقلد اسے کہتے ہیں جو نہ شرائط اجتہاد کا جامع ہو اور نہ ہی تقلید کرے، نااہل ہو کر دین میں رائے لگائے۔

طبقات غیر مقلدین:

(۱۳۷)...... کسی چیز کا ثبوت جیسے اقرار سے ہوتا ہے شہادت سے بھی ہوتا ہے، بلکہ علمائے اصول نے تو لکھا ہے: البینة حجة متعدیة والاقرار حجة قاصرة (المدخل صفحہ ۱۲۵) بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ہم محدثین کو تب مقلد مانیں گے جب ان کا اپنا اقرار ثابت ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ پھر انکو غیر مقلد کہنے کیلئے بھی انکا اقرار دکھانا ضروری ہوگا، ان کے محدث بلکہ مسلم ہونے کے لئے بھی انکا اقرار دکھانا ضروری ہوگا، اگر صحابہ کے منکر بھی یہی مطالبہ کریں کہ صحابی وہی ہے جس کا اقرار ملے بلکہ کوئی یوں شرط لگاوے کہ ثقہ وہی راوی ہو گا جس کا اقرار ہو کہ میں ثقہ ہوں اور کذاب وہی ہوگا جو خود کہے میں کذاب ہوں۔ الغرض جن طبقات کی کتابوں سے ان کا محدث ہونا ثابت ہے، مسلم ہونا ثابت ہے ان سے ہی ان کا مقلد ہونا بھی ثابت ہے، اسی طرح کوئی طبقات غیر مقلدین نامی کتاب پیش کریں؟

(۱۳۸)...... ائمہ مجتہدین کے اختلافات کی بنیاد احادیث اور صحابہ کا اختلاف ہے۔ اہل قرآن نے اس اختلاف کے بہانہ سے ائمہ، صحابہ اور احادیث سب کو چھوڑ دیا، بس ایک مرحلہ باقی ہے کہ اختلاف قرأت کی وجہ سے قرآن کو بھی چھوڑ دیں۔ غیر مقلدین نے ائمہ اور صحابہ کو تو چھوڑ دیا لیکن احادیث اور قرآن کو نہیں چھوڑا۔ خود اہلحدیث میں یہ اختلاف موجود ہے، اس لئے اہلحدیث مسلک کو بھی چھوڑ دینا چاہئے بلکہ اہل اسلام کے اختلاف سے اسلام کو بھی سلام کر دیں۔ الغرض اگر ایسا اختلاف مذموم ہے تو جہاں جہاں اختلاف

ہے سب کو چھوڑنا چاہیے یا سب کو ماننا چاہیے۔

غیر مقلد وکیل کا بیان:

(۱۳۹)......ایک غیر مقلد وکیل کا کہنا ہے کہ میں نے "ترمذی شریف مترجم مولانا بدیع الزمان اہلحدیث" خریدی کہ نماز، روزہ کے تمام مسائل حدیث صحیح کے مطابق انجام دوں گا، مگر اس کے مطالعہ سے مجھے مکمل مسائل تو نہ ملے البتہ مزید کئی غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ ناجی گروہ کا نام اہلحدیث ہے اور اہل قرآن گمراہ ہیں مگر ترمذی جلد ۱/صفحہ ۱۹۸ پر حدیث مل گئی کہ اے اہل قرآن! وتر پڑھو جبکہ اہلحدیث کا نام مجھے حدیث میں نہیں ملا۔

(۱۴۰)......میں سمجھتا تھا کہ ہر صحیح حدیث سب مسلمانوں کیلئے واجب العمل ہے مگر ترمذی شریف میں بے شمار مقامات پر یہ پڑھا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس پر بعض کا عمل ہے اور بعض کا عمل اس کے خلاف ہے۔

(۱۴۱)...... میں یہ سمجھتا تھا کہ حدیث ضعیف واجب الرد ہے مگر ترمذی شریف میں بہت سی حدیثیں ایسی پڑھیں کہ امام ترمذیؒ ان کو ضعیف کہنے کے باوجود لکھتے ہیں کہ فلاں فلاں لوگوں کا عمل اس کے موافق ہے۔

(۱۴۲)...... مثلاً وضو سے پہلے بسم اللہ کے باب میں فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ نے فرمایا! اس باب میں کوئی حدیث ایسی نہیں پاتا جس کی اسناد عمدہ ہو اور کہا اسحاق نے اگر چھوڑ دیا بسم اللہ کو قصداً تو پھر وضو کرے (ص۲۰) گویا ضعیف سے فرضیت ثابت ہو رہی ہے۔

(۱۴۳)......باب ان الاذنین من الراس میں ایک حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد کچھ ایسی مضبوط نہیں اور اسی پر عمل ہے اکثر اہل علم کا اصحاب اور تابعین سے کہ کان سر میں داخل ہیں اور یہی قول ہے سفیان ثوری اور ابن مبارک، احمد اور اسحاق کا۔ (ص۲۳)

(۱۴۴)...... اور باب "رومال سے بدن پونچھنے کا بیان بعد وضو کے" میں ایک حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے اور اسناد اس کی ضعیف ہے اور اجازت دی ہے بعض علماء صحابہ نے اور جو بعد ان کے تھے رومال رکھنے کی بعد وضو کے۔ (ص۲۷)

(۱۴۵) صفحہ ۴۹۱ پر حدیث نقل کی ہے کہ "حائضہ قرآن سے کچھ نہ پڑھے" اور اس حدیث کو ضعیف بلکہ منکر لکھا ہے، مگر ساتھ ہی لکھا ہے "اور یہی قول ہے اکثر اہل علم کا صحابہ اور تابعین میں سے اور جو بعد ان کے تھے مثل سفیان ثوری اور ابن مبارک اور شافعی اور احمد اور اسحاق کا۔"

(۱۴۶) صفحہ ۱۷۱ پر ایک حدیث کو ضعیف لکھ کر فرماتے ہیں: اسی پر عمل ہے اکثر اہل علم کا کہ جو اذان دے وہی تکبیر کہے۔

(۱۴۷) صفحہ ۱۴۳ پر ایک حدیث کو ضعیف کہہ کر فرماتے ہیں: اور یہی مذہب ہے اکثر اہل علم کا کہ مکروہ کہتے ہیں اقعاء کو۔

(۱۴۸) صفحہ ۱۹۳ پر ایک حدیث کو ضعیف کہہ کر فرماتے ہیں: اور یہی مذہب ہے اکثر اہل علم کا۔ اس کی مثالیں بہت ہیں۔ بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے فرمان پر عمل ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

(۱۴۹) آپ ﷺ لوگوں کو وقت رفع حاجت قبلے کی طرف منہ کرنے سے منع کرتے مگر خود اس کے خلاف قبلہ رو ہو کر رفع حاجت کرتے تھے (ص ۵۳، ۵۴)

(۱۵۰) عورت کے غسل سے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنے کو منع فرماتے مگر خود ایسے پانی سے غسل فرما لیتے تھے۔ (ص ۷۰، ۷۱)

(۱۵۱) آپ ﷺ آگ کی پکی چیز کھانے کے بعد وضو کا حکم دیتے مگر خود آگ کی پکی چیز کھا کر وضو نہیں کرتے تھے۔ (ص ۷۵)

(۱۵۲) آپ ﷺ فرماتے: فجر کی نماز روشنی میں پڑھنے کا بہت ثواب ہے مگر خود اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ (ص ۱۰۳)

(۱۵۳) آپ ﷺ فرماتے: نماز میں گوشہ چشم سے ادھر ادھر دیکھنا ہلاکت ہے مگر خود دیکھا کرتے تھے۔ (ص ۲۳۹)

(۱۵۴) آپ ﷺ لوگوں کو جنازہ کے ساتھ سوار ہو کر جانے سے منع فرماتے مگر خود سوار ہو کر جاتے (ص ۳۷۲، ۳۷۴)

(۱۵۵)... آپ ﷺ فرماتے: گدھے کے نمازی کے آگے آنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے مگر خود نماز پڑھاتے رہے اور آگے گدھی پھرتی رہی۔ (۱۶۲)

نوٹ...... فقہاء اور محدثین نے ان میں تطبیقات بیان فرمائی ہیں۔ ایسی بظاہر اختلافی احادیث کی وضاحت پر امت میں سب سے پہلے امام محمدؒ نے کتاب لکھی جس کا نام "کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ" ہے پھر فقیہ محدث امام طحاویؒ نے "شرح معانی الآثار" اور "مشکل الآثار" تحریر فرمائیں۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ غیر مقلدین کا اس فن میں کوئی حصہ نہیں، اسی لئے اس فرقہ کے لوگ بکثرت منکر حدیث بنے۔ غیر مقلدین کے ہاں امتیوں کی یہ تطبیقات حجت نہیں اس لئے ان کا فرض ہے کہ صریح نصوص سے کوئی تطبیق بیان فرمائیں۔

(۱۵۶)۔ امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں: **الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ماشاء**۔ (صحیح مسلم) یعنی اسناد دین (کا جزو) ہے، اگر اسناد نہ ہوتو جو شخص جو چاہے کہنے لگے۔ یہ سند کا وجوب عقلی ہے یا شرعی؟ تو اس کی دلیل شرعی کیا ہے؟

(۱۵۷)۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد تحقیق کا حق ہر ہر جاہل کو ہے یا صرف اہل استنباط تحقیق کریں گے اور باقی ان کی تقلید کریں گے؟

(۱۵۸) امام ابن سیرینؒ فرماتے ہیں: پہلے لوگ (صحابہ وغیرہ) سند نہیں پوچھتے تھے، جب فتنہ واقع ہوا تو راویوں کے متعلق پوچھنے لگے تاکہ اہل السنۃ راوی کی روایت قبول کریں اور اہل بدعت کی حدیث قبول نہ کریں۔ (مسلم) اگر سند کی تحقیق کا وجوب شرعی ہے تو پہلے لوگ اس واجب کے ترک سے گنہگار تھے یا نہیں اور اگر اس کا وجوب شرعی نہیں تو بعد والوں کا اسے واجب کہنا بدعت ہے یا نہیں؟

(۱۵۹)۔ کیا حدیث کے صحیح ہونے کیلئے راوی کا کل السنۃ ہونا ہی کافی ہے یا اور بھی شرائط ہیں؟ وہ کس نے کس زمانہ میں لگائیں؟

(۱۶۰) کیا یہ صحیح ہے کہ امام بخاریؒ نے ۴۳۵ ایسے راویوں سے حدیث لی ہے جن سے امام مسلم نے حدیث نہیں لی، اور ان میں سے ۸۰ راوی سب کے نزدیک متکلم فیہ ہیں اور امام مسلمؒ نے ۶۲۰ ایسے راویوں سے حدیث لی ہے جن سے بخاری نے حدیث نہیں لی اور ان

میں سے ۱۶۰ راوی سب کے نزدیک متکلم فیہ ہیں۔ (اسعاف الحثر ص ۵۷) یہ بعض راویوں کا رد، قبول کرنا کسی دلیل شرعی سے ہے یا محض اپنی اپنی رائے سے؟

(۱۶۱) جب خیر القرون میں فیصلہ ہو گیا تھا کہ اہل بدعت کی حدیث مردود ہے تو امام بخاری اور مسلم نے اس فیصلے کو مسترد کر کے اہل بدعت کی روایات اپنی کتابوں میں درج کر لیں، یہ کسی دلیل شرعی سے ہوا یا محض اپنی رائے سے؟

(۱۶۲)......وہ کون سی دلیل شرعی ہے کہ امام بخاریؒ عوف الاعرابی کی سند سے حدیث لے جس کے متعلق ابن حجر شافعی فرماتے ہیں کہ کان قدریاً رافضیاً شیطاناً یعنی تقدیر کا منکر اور شیطان رافضی تھا۔ (تہذیب ج ۸/ص ۱۶۷) مگر ابوحنیفہؒ کی سند سے حدیث نہیں لی۔

(۱۶۳) عبدالملک بن اعین اخبث رافضی کی سند سے حدیث لی مگر امام جعفر صادقؒ کی سند سے حدیث نہیں لی۔

(۱۶۴) حریز بن عثمان، بشر بن اسد، عباد بن یعقوب جو حضرت عثمانؓ کو برملا گالیاں بکتے تھے، انکی سند سے حدیث لی اور امام شافعی سے حدیث نہ لی۔

(۱۶۵) جریر بن عبدالحمید امیر معاویہؓ کو اعلانیہ گالیاں بکتا تھا اس کی روایت لی ہے مگر امام شافعی کے استاد مسلم بن خالد سے حدیث نہیں لی۔

(۱۶۶) جب اسناد دین ہے تو امام بخاریؒ نے بے سند تعلیقات اور ترمذی نے فی الباب میں بے سند احادیث کیوں نقل فرمائیں؟

(۱۶۷) کیا امام بخاریؒ نے ایسے راویوں سے بھی صحیح بخاری میں حدیث لی ہے جن کو خود تاریخ میں ضعیف کہا ہے؟

(۱۶۸) صحیح بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کسی دلیل شرعی سے کہا جاتا ہے یا محض ابن صلاح کی تقلید میں؟

(۱۶۹) بخاری اور مسلم آپ کے نزدیک پوری کی پوری واجب العمل ہیں یا ان کا بعض حصہ ناقابل عمل بھی ہے تو اس کی تعیین فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ایک مسجد میں نماز کے بعد حضرات دینی مسائل پر مولانا صاحب سے کچھ سوالات کر رہے تھے کہ ایک نو وارد شخص آیا اور سلام کے بعد بیٹھ گیا اور چند سوالات کی اجازت مانگی۔ اجازت ملنے پر اس نے سوالات کئے جس کے جوابات مولانا نے نہایت مدلل انداز میں بیان فرمائے۔ عوام کے فائدہ کیلئے ہم نے ان کا شائع کرنا مناسب سمجھا۔

سوال(۱)......مولانا! یہ ایک فرقہ نیا نیا ہمارے علاقہ میں نکلا ہے وہ اپنے کو اہلحدیث کہتا ہے، ان کے بارے میں کچھ فرمایئے۔

جواب...... جی ہاں! یہ ایک نیا فرقہ ہے، اس فرقہ کے حنفی مؤرخ مولانا محمد شاہجہانپوری نے ۱۳۱۹ھ بمطابق ۱۹۰۰ء میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "الارشاد الی سبیل الرشاد" ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں " کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آرہے ہیں جس سے لوگ بالکل نا آشنا ہیں، پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے بلکہ ان کا نام بھی ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے، اپنے آپ کو تو وہ اہلحدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے" چونکہ یہ

لوگ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں یعنی رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں جیسا کہ تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں، بنگالہ کے لوگ ان کو رفع یدینی بھی کہتے ہیں (الارشاد ص ۱۲ مع حاشیہ)

عمل بالحدیث کے بارے انکی اپنی شہادت:

سوال (۲):.... اس کا مطلب ہوا کہ یہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نیا فرقہ بھی ہیں اور فرقہ شاذہ بھی ہیں، اب تو فیصلہ آسان ہے کیونکہ رسول اقدس ﷺ نے خود فرمایا ہے: مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ۔ گویا حدیث پاک کے مطابق یہ ایک دوزخی فرقہ ہے۔ مگر یہ فرقہ حدیث کا نام بہت لیتا ہے بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ حدیث کو صرف ہم ہی مانتے ہیں۔

جواب:.... یہ دعویٰ اگرچہ اس فرقہ کے جاہل لوگوں میں مشہور ہے مگر فیصلہ تو اس فرقہ کے علماء کا مانا جائے گا، اس فرقہ کے بڑے علماء میں مولانا عبدالجبار غزنوی جن کو یہ امام صاحب کہتے ہیں، یہ سید ابوبکر غزنوی بانی جامع ابی بکر گلشن اقبال کراچی کے دادا ہیں اور مولانا عبدالتواب ملتانی جو اس فرقہ کے بہت مایہ ناز مناظر ہوئے ہیں ان دونوں کی شہادت یہ ہے "اور ہمارے اس زمانہ میں ایک فرقہ نیا کھڑا ہوا ہے جو اتباع حدیث کا دعویٰ رکھتا ہے مگر یہ لوگ اتباع حدیث سے کنارے (بہت دور) ہیں جو محدثین سلف اور خلف کے ہاں معمول بہا ہیں ان کو ادنیٰ سی قدح اور کمزوری جرح پر مردود کہہ دیتے ہیں اور صحابہ کے اقوال اور افعال کو ایک بے طاقت سے ناتوان اور بے نور سے قول کے سبب پھینک دیتے ہیں اور ان (احادیث نبویہ اور فرمودات صحابہؓ) پر اپنے بیہودہ خیالوں اور بیمار فکروں کو مقدم کرتے ہیں اور اپنا نام محقق رکھتے ہیں معاذ اللہ و کلا اللہ کی قسم یہی لوگ ہیں جو شریعت محمدی کی حد بندی کے نشان گراتے ہیں اور ملت حنیفہ (اسلام) کی بنیادوں کو کہنہ کرتے ہیں اور سنت مصطفویہ کے نشانوں کو مٹاتے ہیں اور احادیث مرفوعہ (نبویہ) کو چھوڑ رکھا ہے اور متصل الاسانید آثار (صحابہ) کو پھینک دیا ہے اور ان (فرمودات رسول ﷺ اور ارشادات صحابہؓ) کو دفع کرنے کیلئے وہ حیلے بناتے ہیں کہ جن کے لئے کسی یقین کرنے والے کا شرح

صدر نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی مومن کا سر الحق ہے (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۷/ص ۹ ے ۔ ۸)
یہ اس فرقہ کی سب سے عظیم کتاب ہے اس پر علامہ احسان الٰہی ظہیر جیسے بڑے بڑے علماء کی تصدیقات ہیں۔

ہمارے سب چھوٹے بڑے سرکار انگریز کے خیر خواہ ہیں:

سوال (۳)۔ …… یہ لوگ اپنے آپ کو سب مذاہب سے آزاد سمجھتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے جبکہ تمام اہل السنۃ والجماعۃ سلاطین، قضاۃ، محدثین، مفسرین، متکلمین، مجاہدین اور عوام ہمیشہ ایک نہ ایک مذہب کے پابند رہے ہیں جیسے کہ کتب طبقات، طبقات حنفیہ، طبقات مالکیہ، طبقات شافعیہ، طبقات حنابلہ وغیرہ سے ظاہر ہے جبکہ اسلامی تاریخ میں طبقات لامذہبیہ یا طبقات غیر مقلدین نامی کسی کتاب کا وجود نہیں ہے۔

جواب۔ برادرم! ان کو مذہبی آزادی (ترک تقلید) کا حکم نہ خدا تعالیٰ نے دیا تھا نہ رسول اکرم ﷺ نے بلکہ یہ حکم ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے جاری ہوا تھا اور انگریزی حکومت میں مذہبی آزادی (غیر مقلدیت) اور انگریز کی وفاداری یہ لازم ملزوم سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں "زمانہ غدر ہندوستان میں ہمارے سب چھوٹے بڑے سرکار انگریزی کے خیر خواہ رہے، اگر کوئی بدخواہ و بداندیش سلطنت برٹش کا ہوگا تو وہی شخص ہوگا جو آزادگی مذہب (غیر مقلدیت) کو ناپسند کرتا ہے اور ایک مذہب خاص پر (جو باپ دادوں کے وقت سے چلا آرہا ہے) جما ہوا ہے" (ترجمان وہابیہ ص ۵) نیز لکھتے ہیں "کتب تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو امن و آسائش و مذہبی آزادگی کامل (ترک تقلید) ہر مذہب والے کو اس حکومت نے عطا کی ہے جس کا اشتہار جزی و عموم و عام سے دربار قیصری میں بمقام دہلی مجمع رؤسا و معززین ہند میں رعایا برایا کو سنایا گیا (ترجمان وہابیہ ص ۸ ملخصاً) اور یہ آزادگی مذہبی ہماری عین مراد قانون انگلشیہ ہے۔ (ملخصاً ص ۲۰) آزادگی مذہب (ترک تقلید) بھی عجیب نعمت ہے اور تقلید ایک بڑی بلا ہے اور سبب عداوت حکومت انگلشیہ (ملخصاً ص ۲۸) یہ لوگ اپنے دین میں وہی آزادگی برتتے ہیں جس کا

اشتہار بار بار گورنمنٹ انگریزی کی سرکار سے جاری ہوا ہے خصوصاً دربار دہلی سے جو سب درباروں کا سردار ہے اور جو رسائل رد تقلید پر شائع ہوئے وہ شاہد عدل ہیں (مختصراً ص ۳۲) نیز لکھتے ہیں" اور یہ (اہل السنۃ والجماعۃ حنفی) چاہتے ہیں کہ وہی تعصب مذہبی و تقلید شخصی اور ضد اور جہالت آبائی جو ان میں چلی آتی ہے ان میں قائم رہے اور جو آسائش رعایا ہند کو بوجہ آزادگی مذہب گورنمنٹ نے عطا کی ہے وہ اٹھ جائے اور امن عام باقی نہ رہے، سارے مسلمان ایک مذہب خاص کے پابند ہو کر خوب اپنا تعصب گورنمنٹ سے ظاہر کریں اور جب موقع پاویں مثل زمانہ غدر کے فساد برپا کریں" (ترجمان وہابیہ ص ۷۵) یعنی تقلید کے سبب مسلمانوں میں جو اتفاق ہے وہ انگریزی حکومت کیلئے سخت خطرہ ہے، ترک تقلید سے مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو کر یہ خطرہ ٹل جاتا ہے۔ چنانچہ نواب صاحب نے لکھا" جہاد اور جنگ مذہبی بمقابلہ برٹش گورنمنٹ از روئے شریعت اسلام ممنوع ہے، ایسے لوگ باغیوں کی طرح سزا کے مستحق ہیں۔ یہ جہاد خلاف سنت و ایمان ہے اور خلاف ایمان و اسلام کے ہے (ملخصاً ص ۲۱) اور لکھا دین میں سب فرضوں سے بڑا فرض حاکموں کی اطاعت ہے اور یہ سب واجبوں سے بڑا واجب ہے۔ (ص ۲۹)

کافروں سے جہاد حرام اور مسلمانوں میں فساد افتراق فرض:

سوال (۴)۔ ... اس میں تو صاف اعتراف ہے کہ ترک تقلید کا فتنہ اس لئے اٹھایا گیا کہ کافروں سے جہاد حرام اور مسلمانوں میں فساد اور افتراق پیدا کرنا فرض اور یہ سب کچھ انگریز کو خوش کرنے کیلئے تھا۔

جواب۔ جی ہاں! مولانا عطا اللہ حنیف بھوجیانوی کے شاگرد خاص پروفیسر محمد مبارک تحریر فرماتے ہیں" جماعت غرباء اہلحدیث کی بنیاد صرف محدثین کی مخالفت کے مقصد کیلئے رکھی تھی بصرف یہی مقصد نہیں بلکہ تحریک مجاہدین یعنی سید احمد شہید کی تحریک کی مخالفت کر کے انگریز کو خوش کرنے کا مقصد پنہاں تھا۔ اس بنیاد پر جماعت غرباء اہلحدیث بانی جماعت ہے۔ جس کا جماعت اہلحدیث سے کوئی تعلق نہیں بلکہ پوری جماعت مع امام

کے واجب القتل ہے۔ افسوس سید احمد کی تحریک کامیاب ہو جاتی تو ضرور جماعت غرباء اہلحدیث کو مع ان کے قتل کیا جاتا، جس طرح سیدنا امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں کو کیفرکردار تک پہنچا دیا تھا۔" (علماء احناف اور تحریک مجاہدین ص ۱۰۵، ۳۰۶ ملخصاً)

ملکہ وکٹوریہ ملکہ معظمہ ہے:

سوال (۵) سبحان اللہ! کیا ہر جواب باحوالہ ہے اور کیسی گھر کی شہادتیں پیش کی جارہی ہیں، یہ کتنی دکھ دینے والی بات ہے کہ مسلمانوں میں فتنہ ڈالا جائے، ہر گھر اور مسجد کو میدان جنگ بنا دیا جائے صرف کافر حکومت کی خوشی کیلئے۔ اور ائمہ مجتہدین کو دین کے ٹکڑے کرنے والے اور مقلدین کو مشرک اور بدعتی کہتے ہیں۔ الفتنة اشد من القتل کی وعید کا ان کو ذرہ بھر خوف نہیں ہے۔

جواب ... اس فرقے کا پہلا قدم اسلاف امت کے خلاف بدگمانی ہے اور دوسرا قدم اکابر اسلام پر بدزبانی، ان کی تقریر اور مناظرہ اذا خاصم فجر کی زندہ تصویر ہے۔ ان کی تحریر لعن آخر هذه الامة اولها کا کامل نمونہ ہوتی ہے۔ سیدنا امام ابو حنیفہؒ کو امام اعظم کہنا ان کے ہاں شرک ہے، مگر ملکہ وکٹوریہ کو ملکہ معظمہ کہنا عین توحید۔

چنانچہ ان کی جماعت کے نمائندہ علماء نے جو سپاس نامہ ملکہ وکٹوریہ کو پیش کیا وہ یہ ہے:

بحضور فیض گنجور کوئین وکٹوریہ دی گریٹ قیصرہ ہندبارک اللہ فی سلطنتہا!

ہم ممبران گروہ اہلحدیث اپنے گروہ کے کل اشخاص کی طرف سے حضور والا کی خدمت عالی میں جشن جوبلی کی دلی مسرت سے مبارکباد عرض کرتے ہیں، آپ کی سلطنت میں جو نعمت مذہبی آزادی (ترک تقلید) کی حاصل ہے اس سے یہ گروہ اپنا خاص نصیبہ اٹھا رہا ہے، وہ خصوصیت یہ ہے کہ یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص اس سلطنت میں حاصل ہے، بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے انکو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے، اس خصوصیت سے یہ یقین ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے قیام و استحکام سے زیادہ

مسرت ہے اور ان کے دل سے مبارک باد کی صدائیں زیادہ تر زور کے ساتھ نعرہ زن ہیں۔
(اشاعت السنہ ج ۹ / ص ۲۰۶)

انگریزی گورنمنٹ ہم پر خدا کی رحمت ہے:

سوال (۶)۔ ہائے افسوس! آنحضرت ﷺ قیصر کی ہلاکت کی پیشگوئی فرمائیں اور یہ اس کی حکومت کیلئے برکت اور استحکام کی دعائیں کریں اور اسلامی حکومتوں کے مقابلہ میں کافر حکومت کی تعریفیں کریں۔

جواب۔ جی! اس میں کیا شک ہے میاں نذیر حسین دہلوی نے حرم پاک میں کھڑے ہو کر حرمین شریفین کی اسلامی حکومت کے مقابلہ میں کہا تھا "انگریزی گورنمنٹ ہندوستان میں ہم مسلمانوں پر خدا کی رحمت ہے۔ (الحیات بعد المماۃ صفحہ ۱۹۲)

سوال (۷) اس سے معلوم ہو گیا کہ تقلید کا انکار کرنے والا یہ مستقل فرقہ ملکہ وکٹوریہ کی باقیات میں سے ہے۔

جواب۔ جس طرح مرزا قادیانی نے دعویٰ نبوت قسط وار کیا تھا پہلے غیر تشریعی نبوت بمعنی محدثیت۔ پھر ظلی نبوت، بروزی نبوت اور پھر حقیقی نبوت۔ ان لوگوں نے بھی تقلید کا انکار قسط وار کیا۔ سب سے پہلی کتاب تقلید کے رد میں میاں نذیر حسین صاحب نے لکھی، اس میں تحریر فرماتے ہیں: باقی رہی تقلید وقت لاعلمی سو یہ چار قسم ہے: قسم اول واجب ہے اور وہ مطلق تقلید ہے مجتہد کی، مجتہد اہل السنۃ کی، لاعلی التعیین جس کو شاہ ولی اللہؒ نے عقد الجید میں کہا ہے کہ یہ تقلید واجب ہے اور صحیح ہے باتفاق امت (معیار الحق صفحہ ۴۴) شاہ صاحب کی عبارت یہ ہے "تقلید واجب ہے جو والا (یعنی ماہر شریعت کی رہنمائی میں) اتباع روایت (قرآن وسنت کی پیروی ہے) تفصیل اس کی یہ ہے کہ کتاب وسنت سے ناواقف جو از خود تتبع اور استنباط احکام نہیں کر سکتا اس کا یہ فرض ہے کہ کسی فقیہ سے پوچھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلہ میں کیا حکم دیا ہے۔ جب بتا دے تو اس کی اتباع کرے خواہ وہ صریح نص سے ماخوذ ہو یا اس سے مستنبط ہو یا کسی نص پر قیاس ہو ان میں سے ہر ایک

ہ اگرچہ دلالتا ہی سہی آنحضرت ﷺ کی طرف ہی رجوع ہے اور اسکی صحت پر امت کا یکے بعد دیگرے اتفاق ہے بلکہ ساری ہی امتیں اپنی شریعتوں میں متفق ہیں۔ (عقد الجید ص ۱۳۰، ۱۳۱) گویا جس طرح توحید، رسالت، قیامت وغیرہ تمام شریعتوں کے متفقہ مسائل ہیں اسی طرح عامی کو مسائل اجتہادیہ میں مجتہد کی تقلید کرنا سب کا متفق علیہ مسئلہ ہے۔

میاں صاحب کی علمی خیانت

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جناب میاں نذیر حسین صاحب نے شاہ ولی اللہؒ کی اصل عربی عبارت میں بھی لا الی المعین کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے اور اردو میں بھی یہ قید اپنی طرف سے بڑھائی ہے جو بہت بڑی علمی خیانت ہے اور علماء کی شان سے بہت بعید ہے۔

غیر مقلدین کی ہٹ دھرمی اور انکار حدیث کے حیلے:

سوال (۸) ... بڑی حیرت کی بات ہے کہ اتنا بڑا ذمہ دار آدمی ایسی خیانت کر رہا ہے کیا یہ اتفاقا ہو گئی یا ان کی عادت ہے؟

جواب...... اجی! اتفاقیہ کیوں ہو گئی یہ اسی پر مذہب کی بنیاد ہے: چنانچہ مولانا موصوف لکھتے ہیں کہ قتادہ نے امام بخاریؒ کو دیکھ کر کہا کہ اس کو امام احمد سمجھ لو (معیار الحق ص ۲۴) حالانکہ قتادہ ۱۱۸ھ میں فوت ہو چکے تھے اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے تو وہ ان کے بارے میں کیسے رائے دے سکتے تھے۔ یہاں تو میاں صاحب نے شاہ صاحب کی عبارت میں ایک جملہ بڑھایا ہے مگر صفحہ ۳۰۵ پر تو ایک پوری کتاب "القول السدید" ان کے ذمہ لگا دی ہے جو ان کی ہرگز نہیں۔ یہ حضرات ایسی حرکتیں حدیث رسول اللہ ﷺ میں بھی کرتے ہیں۔ معیار الحق صفحہ ۲۱۹ پر حدیث کے عربی الفاظ یہ ہیں مثلین او ثلاثة۔ جس کا صحیح ترجمہ دو مثل یا تین تھا مگر میاں صاحب ترجمہ کر رہے ہیں دو تین کوس، کس طرح دو مثل کو دو میل بنا دیا۔ معیار الحق صفحہ ۲۲۵ پر ایک صحیح حدیث کو جھوٹا کرنے کیلئے میاں صاحب نے سلیمان الاعمش جو نہایت ثقہ راوی ہے اور سب صحاح ستہ والوں کا اجماعی شیخ ہے، سلیمان

بن ارقم بنادیا اور اس طرح صحیح حدیث کو ضعیف کہہ کر ماننے سے انکار کردیا اور ایک سند میں راوی خالد بن الحارث تھا جو ثقہ تھا اور حدیث صحیح تھی مگر حدیث رسول کے انکار کے شوق میں خالد بن الحارث کی بجائے خالد بن مخلد کا حال لکھ کر حدیث کو ضعیف بنا دیا اور صحیح حدیث کو ماننے سے اس طرح انکار کردیا۔ اسی طرح صفحہ ۲۲۳ پر ایک حدیث کا انکار کرنے کے شوق میں اسامہ بن زید اللیثی کو اسامہ بن زید العدوی بنایا، یہ محض سینہ زوری ہے۔ کاش! احناف کی ضد میں یہ رسول دشمنی سے احتراز کرتے۔

حکومت برطانیہ کی طرف سے انعام:

سوال (۹)... اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں ضد بھی بری بلا ہے کیا کسی اور نے بھی اس تقلید کو واجب لکھا ہے؟

جواب... جی ہاں! مولانا محمد حسین بٹالوی وکیل اہلحدیث ہند جنہوں نے پوری جماعت کی طرف سے ایک رسالہ شائع کیا "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" جس میں انگریزوں سے جہاد کو حرام قرار دیا۔ البتہ مسلمانوں میں افتراق اور شقاق پیدا کرنے کیلئے چیلنج بازی اور اشتہار بازی کا آغاز کیا، اور بقول مولانا مسعود عالم ندوی غیر مقلد، ان خدمات کی بنا پر ان کو حکومت برطانیہ نے جاگیر سے بھی نوازا۔

سوال (۱۰)... مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی تقلید کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب... مولانا فرماتے ہیں "تقلید واجب جو در حقیقت روایت کی پیروی ہوتی ہے، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص قرآن وحدیث سے بے خبر ہے، اپنے آپ قرآن وحدیث سے مسائل نہیں نکال سکتا اس کا یہی کام ہے کہ وہ کسی مجتہد سے سوال کرے کہ اس مسئلہ میں خدا اور رسول کا کیا حکم ہے۔ جب وہ اس کو حکم بتادے صریح نص سے ثابت ہو خواہ اس سے استنباط کیا گیا ہو تو وہ اس کی پیروی کرے۔ اس تقلید کا رجوع روایت آنحضرت ﷺ کی طرف ہے اور اس کے صحیح ہونے پر ہر زمانہ کا اتفاق چلا آیا ہے۔" (اشاعت السنہ ج ۱۱ ص ۳۱۶) دلیل اس تقلید کے جواز پر یہ ہے کہ صحابہ وغیرہ بلا ذکر دلیل اقوال خود

توی دیا کرتے تھے اور لوگ بلا انکار ان کی پیروی کرتے تھے۔ (ایضاً ج ۱۱/ص ۳۱۲) اس تقلید کے جواز پر سب شریعتوں کا اتفاق ہے اور اسلام میں بھی عہد نبوی اور عہد صحابہ سے بلانکیر متوارث ہے چنانچہ مولانا موصوف لکھتے ہیں" ایسی تقلید آنحضرت ﷺ کے عہد سے متوارث چلی آئی ہے ایسی تقلید ہمیشہ کیلئے ایک کی ہو یا کبھی کسی کی اور کبھی کسی کی اس میں کوئی فرق نہیں۔" (اشاعۃ السنۃ ج ۱۱/ص ۳۱۵)

پیرزال فحبہ کو طلاق:

سوال (۱۱)... یہ تو تقلید کے بارے میں نہایت صاف اور واضح ثبوت ہے اور ہر بات باحوالہ ہے۔

جواب...... ہاں! مولانا موصوف مزید فرماتے ہیں" ہمارے بھائیوں میں اب ترک تقلید اور عمل بالحدیث میں غلو ہو گیا ہے اور افراط شدید نے ان پر غلبہ اور تسلط پایا، وہ تقلید کا نام سن کر ایسے چونک پڑتے ہیں جیسے آگ کا ڈرا ہوا کرک شب تاب کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے اور ترک تقلید کے نشہ میں ایسے سرشار ہیں کہ محل ضرورت تقلید میں بھی کسی کی تقلید جائز نہیں سمجھتے اور اپنے فکر نارسا اور اجتہاد نا روا سے کام لیتے ہیں۔ تقلید کو بلا استثناء صلواتیں سناتے ہیں اور مقلدین کو برملا برائی سے یاد کرتے ہیں۔" (اشاعۃ السنۃ ج ۱۱/ص ۳۰۳) نیز لکھتے ہیں" ایک صاحب فرماتے ہیں اب لوگ اللہ کے فضل سے اس پیرزال قحبہ کو طلاق دے چکے ہیں اس سے نکاح کا دوبارہ کوئی طالب نہیں۔" (ایضاً صفحہ ۳۰۴) نیز فرماتے ہیں" کہ ہمارے خواص کا ترک تقلید میں غلو ثابت ہے تو اس سے عوام کا غلو کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے لہذا اس غلو کا تدارک بھی ایک بڑا بھاری فرض ہے۔" (ایضاً ج ۱۱/ص ۳۰۲) کیا ہے کوئی نبض شناس غیر مقلد؟

سوال (۱۲)...... کس قدر صاف بات ہے اگر غیر مقلد علماء نبض شناسی کا ثبوت دیں تو امت سے فتنہ مٹ سکتا ہے۔

جواب...... مولانا موصوف تو یہاں تک فرماتے ہیں" ہمارے بعض لوگ

لفظ تقلید سے ایسے چونک پڑتے ہیں جیسے ہندو کلمہ سے اور سکھ بانگ کی آواز سے۔" (اشاعۃ السنۃ)

سوال (۱۳).. ماشاء اللہ تقلید کو کلمہ اور اذان سے تشبیہ دی اور تقلید سے چونکنے والوں کو ہندو اور سکھ۔

جواب... وہ تو فرماتے ہیں "غیر مجتہدین مطلق کیلئے تقلید مجتہدین سے فرار وانکار کی گنجائش نہیں، اس کو کہیں نہ کہیں مجتہدین ومحدثین کی تقلید کرنی پڑتی ہے بعض مسائل فرعیہ میں ہو یا اصول وقواعد استنباط میں خواہ احادیث کی تصحیح وتضعیف میں۔" (اشاعت السنۃ ج ۱۱/ص ۳۱۴)

اتباع است، نہ تقلید است:

سوال (۱۴)... بعض دوست کہتے ہیں کہ کسی عالم سے کتاب وسنت کا حکم پوچھنا اتباع ہے تقلید نہیں ہے۔

جواب... مولانا محمد حسین بٹالوی اس کے جواب میں فرماتے ہیں "جو اس وقت کے بعض علماء نے کہا ہے کہ کتاب وسنت کا حکم پوچھ کر اس پر عمل کرنا تقلید نہیں بلکہ اتباع ہے یہ ایک لفظی نزاع ہے جس کو وہ اتباع کہتے ہیں اس کا دوسرے علماء تقلید نام رکھتے ہیں کیونکہ تقلید بے دلیل بات مان لینے کا نام ہے اور عامیوں کے عمل واتباع میں یہی امر وقوع میں آتا ہے۔ عامی کو جو حکم کتاب وسنت کا علماء وقت سے معلوم ہوتا ہے اس کو وہ یوں ہی بے دلیل مان لیتے ہیں جو عرفاً تقلید کہلاتی ہے، کسی عامی کو اگر کوئی عالم یہ بھی کہہ دے کہ یہ مسئلہ قرآن حدیث میں یوں آیا ہے تب بھی وہ اس کے قول کو بے دلیل تسلیم کر لیتا ہے کیونکہ اس مسئلہ کی دلیل آیت یا حدیث کا علم اس کو حاصل نہیں ہوتا اور اگر کوئی عالم اس کو آیت قرآن یا حدیث پڑھ کر بھی سنا دے یا طوطے کی طرح یاد کرا دے تب بھی وہ آیت و حدیث کے معنی اور حدیث کی صحت تسلیم کرنے میں اس عالم کا مقلد کہلاتا ہے کیونکہ وہ کسی دلیل سے نہیں جانتا کہ آیت یا حدیث کے وہ معنی جو اس عالم نے اس کو بتائے ہیں کیونکر صحیح

ہیں اور اس حدیث کی صحت کیونکر ثابت ہے۔ لہٰذا اس کی یہ تسلیم بلا دلیل تسلیم ہے جو تقلید کہلاتی ہے گو اس کو کوئی تقلید نہ کہے اتباع نام رکھے۔ (اشاعۃ السنہ ج ۱۱ ص ۳۳۲)

سوال (۱۵)...... اس کا مطلب یہ ہوا کہ عرف میں تو یہ تقلید ہی ہے اگرچہ لغتاً اس کو اتباع بھی کہا جائے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے حمد اور نعت دونوں لفظوں کے معنی لغت میں تعریف ہیں مگر عرف میں خدا تعالیٰ کی تعریف کو حمد اور رسول اقدس ﷺ کی تعریف کو نعت کہا جاتا ہے۔ اب اگر کسی جلسے میں ایسا اعلان ہو کہ فلاں صاحب رسول پاک کی حمد پڑھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نعت پڑھیں گے تو تمام لوگ سمجھیں گے کہ یہ شخص عرف سے جاہل ہے۔ فرمایئے! کیا مولانا بٹالوی کے بعد بھی کسی اہلحدیث عالم نے تقلید کو واجب کہا ہے؟

جواب...... جی ہاں! مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی فرماتے ہیں "کیا ہمارے حنفی بھائی ہم اہلحدیثوں کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ ہم تقلید سے مطلقاً انکار کرتے ہیں اور عوام کو تعلیم کرتے ہیں کہ باوجود رسول اقدس ﷺ کی حدیث یا اقوال صحابہ نہ ملنے کے اور خود بھی کتب متداولہ مشہورہ میں علمی قابلیت نہ رکھنے کے اقوال ائمہ کو معاذ اللہ ٹھکرا دیا کریں اور مادر پدر آزاد ہو کر جو چاہیں سو کیا کریں؟ اگر ان کا یہی خیال ہے تو ہم صاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارا مسلک سمجھنے میں تحقیق سے کام نہیں لیا۔" اس کے بعد معیار الحق سے وجوب تقلید کو نقل کرتے ہیں۔ (تاریخ اہلحدیث صفحہ ۱۲۴)

سوال (۱۶)...... اف! سیالکوٹی صاحب نے غیر مقلد کو مادر پدر آزاد تک فرما دیا۔ ان کے بعد بھی کسی عالم نے تقلید کو واجب کہا ہے؟

جواب...... جناب سن! مولانا داؤد غزنوی فرماتے ہیں "اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ ہم تقلید سے مطلقاً انکار کرتے ہیں اور عوام کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ وہ تفسیر، حدیث اور فقہ سے بے بہرہ ہونے کے باوجود ائمہ کرام کے اقوال کو ٹھکرا دیا کریں اور بے لگام اور بے مہار ہو جایا کریں تو وہ صریحاً غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔" (داؤد غزنوی صفحہ ۳۷۳) اس کے بعد وہی معیار الحق کی عبارت کا خلاصہ لکھا ہے اور مطلق تقلید کو واجب قرار دیا ہے۔

غیر مقلد بے لگام ہو جاتا ہے:

سوال (۱۷) عجیب بات ہے کہ مولانا داؤد غزنوی بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ غیر مقلد بے لگام ہو جاتا ہے۔

جواب ہاں! مولانا داؤد غزنوی فرماتے ہیں "یہ ایک عجیب بات ہے کہ اہلحدیث عموماً نہایت متشدد ہوتے ہیں اور تھوڑی سی بات پر سخت سے سخت نکتہ چینی کے خوگر" (داؤد غزنوی ص ۱۰۹) اور فرماتے ہیں "ائمہ دین نے جو دین کی خدمت کی ہے امت قیامت تک ان کے احسان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ ہمارے نزدیک ائمہ دین کیلئے جو شخص دل میں سوء ظن رکھتا ہے یا زبان سے ان کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کے الفاظ استعمال کرتا ہے یہ اس کی شقاوت قلبی کی علامت ہے اور میرے نزدیک اس کے سوء خاتمہ کا خوف ہے۔ ہمارے نزدیک ائمہ دین کی ہدایت و درایت پر امت کا اجماع ہے۔"
(داؤد غزنوی صفحہ ۳۷۳)

سوال (۱۸) اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ادب کی توفیق عطا فرمائیں۔ کیا ان کے علاوہ بھی کسی عالم نے تقلید کو واجب کہا ہے؟

جواب جی ہاں! مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنے "اخبار اہلحدیث" میں، مولوی ابوالحسن نے "ظفر المبین" صفحہ ۹۲ پر اور مولوی مستری نور حسین گرجاکھی نے اپنی کتاب "ارکان اسلام" میں میاں نذیر حسین کی عبارت تحریر فرمائی ہے، ان سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مطلق تقلید واجب ہے۔

سوال (۱۹) اگر زمانہ حال کے غیر مقلدین ان علماء کی تصریحات کا خیال کرتے تو یہ بے ادبی گستاخی ان میں راہ نہ پاتی۔

جواب بالکل ٹھیک ہے، میاں صاحب تو اپنے اساتذہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب، مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب، جناب مولانا شاہ محمد اسحاق قدس اسرارہم اور ان کے خاندان کا بہت ادب کرتے تھے، اکثر قرآن و حدیث کے ترجمے کے موقع پر

فرماتے تھے کہ اس کا مستند ترجمہ مثنوی جو ہمارے بزرگوں سے سینہ بسینہ چلا آتا ہے
اور بیان مسائل میں بھی ان ہی بزرگوں کے اقوال سے سند لاتے اور فرماتے ہمارے
حضرات یوں فرماتے ہیں: اس پر کوئی آزاد طبع طالب علم اگر یہ کہہ دیتا کہ حضرات کا کہنا
سند نہیں ہو سکتا جب تک قرآن و حدیث سے سند نہ دی جائے تو بہت خفا ہو کر فرماتے
مردود! کیا یہ حضرات گھاس کھاتے تھے یا یوں ہی گپیں اڑاتے تھے (الحیات بعد
الممات ص ۲۰۳)

سوال (۲۰) اللہ اکبر! قرآن و حدیث کی سند مانگنے والے پر خفا ہونا
اسے بے ادب، آزاد طبع اور مردود کہنا اساتذہ کی علمی عظمت و غیرت کی بنا پر تھا تو آج تک ادب
بھی آخر گھاس کھاتے تھے۔ کاش! ان حضرات کا ادب بھی دل میں آ جائے تو بہت سے
اختلافات مٹ جائیں۔ آپ سب باتیں با حوالہ بتلا رہے ہیں، ماشاء اللہ یہ فرمائیے کہ
تقلید شخصی کے بارے میں ان حضرات نے کیا کہا؟

جواب: برادرم! میاں نذیر حسین صاحب نے بحث تقلید کو شاہ ولی اللہ
کے نام سے شروع کیا ہے اس لئے میرا بھی خیال ہے کہ پہلے شاہ صاحب کی بات ہی گوش
گزار کروں۔ فرماتے ہیں کہ "اس میں شک نہیں کہ ان چار مذاہب کی تقلید کے جائز
ہونے پر آج تک امت کا اجماع ہے اس لئے کہ یہ مدون ہو کر تحریری شکل میں موجود ہیں
اور اس (تقلید) میں جو (دینی) مصلحتیں ہیں وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں خصوصاً اس زمانہ
میں کہ جب ہمتیں پست ہو گئی ہیں اور خواہشات لوگوں کے نفوس میں سرایت کر چکی ہیں
اور صاحب رائے اپنی ہی رائے پر نازاں ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۱۵۳)

الی یومنا ھذا آج تک کے لفظ سے ثابت ہو گیا کہ امت میں سے آج تک
کسی نے تقلید کا انکار نہیں کیا۔

پھر فرماتے ہیں "سو اگر کوئی بے علم انسان ہندوستان (پاکستان) یا ماوراء النہر
شہر کے علاقہ میں ہو اور اس مقام پر کوئی شافعی، مالکی، حنبلی عالم نہ ہو اور ان مذاہب والوں

کی کوئی کتاب بھی وہاں نہ مل سکے تو ایسے شخص پر صرف حضرت امام ابو حنیفہؒ ہی کی تقلید واجب ہوگی اور امام صاحبؒ کے مذہب سے اس کا نکلنا حرام ہوگا۔ اس لئے کہ اس صورت میں وہ شخص شریعت کی پابندی کا پٹہ گلے سے اتار کر بالکل آزاد اور مہمل ہو جائے گا۔ (الانصاف ص ۷۱)

سوال (۲۱)...... واہ! شاہ صاحب نے تو اس ملک میں اسلام، شریعت محمدی اور حنفیت کو مترادف فرمایا، خاص کر امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کو واجب قرار دیا اور اس سے نکلنے کو حرام، مگر میاں صاحب نے کیا فرمایا؟

جواب...... میاں صاحب فرماتے ہیں: اور قسم ثانی مباح ہے اور وہ تقلید مذہب معین کی ہے بشرطیکہ مقلد اسکو امر شرعی نہ سمجھے (معیار الحق صفحہ ۴۲) نیز فرماتے ہیں: "عامی اور مقلد کو بھی موافق تحقیق متاخرین اور متقدمین کے تقلید ایک شخص کی لازم اور واجب نہیں اگرچہ اولیٰ اور بہتر اور موجب سہل ہونے عمل کے ہے۔" (معیار الحق ص ۸۰)

دیکھئے! میاں صاحب نے یہاں حکم بھی بدل ڈالا اور اپنی طرف سے شرط بھی بڑھا دی جو ان کی شان کے لائق نہیں۔

تقلید شخصی مباح ہے:

مولانا محمد حسین بٹالوی فرماتے ہیں: "اگر کوئی شخص ایک کی تقلید (تقلید شخصی) کسی وجہ سے کرے، مثلاً اس مذہب کے مسائل کو قوی اور محتاط پاوے یا ایک مذہب کو اختیار کرنے میں سہولت ہو تو ایسے شخص کیلئے تقلید مذہب معین جائز و مباح ہے اور اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ (اشاعۃ السنۃ ج ۱۱/ص ۳۰۳ ملخصاً) اسی طرح مولانا ثناء اللہ صاحب فتاویٰ ثنائیہ میں، مولانا ابراہیم سیالکوٹی تاریخ اہلحدیث میں، مولانا داؤد غزنوی اور مستری نور حسین گرجاکھی بھی اس تقلید کو مباح قرار فرماتے ہیں۔

سوال (۲۲)...... ان حضرات نے تقلید کے ثبوت میں کوئی دلیل بھی بیان فرمائی ہے یا نہیں؟

جواب ..... ان حضرات نے ایک تو دلیل اجماع بیان کی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے کہ سب امتوں کا تقلید پر اتفاق ہے اور میاں صاحب قرآن پاک سے بھی تقلید کا واجب ہونا ثابت فرماتے ہیں" جس آیت کے حکم سے تقلید ثابت ہوتی ہے تو وہ اس صورت میں جبکہ لاعلمی ہو۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ یعنی پس سوال کرو اہل ذکر سے اگر نہ جانتے ہو تم اور یہی آیت دلیل ہے وجوب تقلید پر۔" (معیار الحق ص ۳۷) نیز میاں صاحب فرماتے ہیں۔" واضح ہو کہ جاہل ناواقف پر بمقتضائے آیت لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (اگر ہم سنتے (تقلید کر لیتے) یا عقل سے کام لیتے (خود مجتہد ہوتے) تو ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے یعنی نجات کا ایک ہی راستہ ہے کہ مجتہد ہو تو اجتہاد کرے ورنہ مجتہد کی تقلید کرے ہَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (الآیۃ) فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (وغیرھا من الآیات)۔ مسائل کا پوچھنا اور سیکھنا شرعاً فرض اور واجب ہے یعنی ہر جاہل لاعلمی کے وقت کسی عالم اہل ذکر سے، خواہ وہ عالم افضل ہو، خواہ فاضل ہو، خواہ مفضول ہو کیونکہ اہل الذکر عند المحققین عام ہے، مسئلہ دریافت کر لیا کرے خواہ ایک عالم اہل ذکر سے پوچھ لے یا دو سے فی الجملہ، جس سے تسلی اور دل جمعی ہو، پھر جب ایک سے یا دو سے مثلاً دریافت کر لیا عہدہ تکلیف سے باہر ہو گیا، اس پر شرعاً مواخذہ نہ رہا اور اسی پر قطعاً اجماع ہو چکا۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۱/ص ۱۷۹، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱۱/ص ۲۲۳)

سوال (۲۳) ..... الحمد للہ قرآن پاک کی آیات اور اجماع امت سے تقلید کا وجوب خود ثابت فرما دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ ایک ہی مجتہد کی تقلید کرے یعنی تقلید شخصی تو ان آیات و اجماع کے حکم کو پورا کر دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہاں ہر شخص اپنے کو مجتہد کہتا ہے تو اس ملک میں کس مجتہد کی تقلید سے آیات مذکورہ اور اجماع کا وجوب پورا ہوگا؟

جواب ..... میاں صاحب نے یہ بات بھی صاف فرما دی کہ تقلید مسائل اجتہادیہ میں ہوتی ہے نہ کہ منصوصہ میں (معیار الحق ص ۴۸) ثابت ہو گیا کہ اہل ذکر سے

مراد مجتہد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دعویٰ اجتہاد کرنے والے تو آج بہت ہیں تو برادرم! صرف دعویٰ کافی نہیں اس کا مجتہد ہونا بھی دلیل شرعی سے ثابت ہونا چاہئے، میاں صاحب فضائل امام اعظمؒ کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ "ان کا مجتہد ہونا اور متبع سنت اور متقی اور پرہیزگار ہونا کافی ہے ان کے فضائل میں آیت کریمہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ زینت بخش مراتب ان کیلئے ہیں" (معیار الحق صفحہ ۵) اور جناب قاضی عبدالواحد صاحب غزنوی فرماتے ہیں "امام ابوحنیفہؒ کی امامت فی الفقہ اجماع امت سے ثابت ہے"۔ (کتاب التوحید صفحہ ۲۲۲) الغرض امام صاحب کا مجتہد ہونا اجماع امت سے ثابت ہے اور اجماع امت دلیل شرعی ہے اس لئے ان کی تقلید اس ملک والوں پر واجب ہوگی۔

امام اعظمؒ کی ہی تقلید واجب ہے:

سوال (۴۴) کیا خلفائے راشدین اور باقی تین اماموں کا مجتہد ہونا دلیل شرعی سے ثابت نہیں؟

جواب ان حضرات کا مجتہد ہونا مسلم اور دلیل شرعی سے ثابت ہے مگر خلفائے راشدین کے مذاہب مکمل طور پر اصولاً و فروعاً مرتب ہی نہیں ہوئے اور باقی تین اماموں کے مذاہب اگرچہ اصولاً و فروعاً مرتب ہوئے مگر وہ اس ملک میں علماً و عملاً متواتر نہیں ہیں۔ عوام کیلئے عمل کرنے کیلئے ایسے متواتر مذہب کی ضرورت ہے جو اخبار آحاد کی طرح اسانید پر مبنی نہ ہو۔ جیسا قرآن پاک متواتر ہے کہ گھر گھر پڑھا جا رہا ہے مدارس مساجد میں پڑھا جا رہا ہے۔ جس طرح نماز متواتر ہے کہ مدارس مساجد اور ہر گھر میں پڑھی جا رہی ہے ایسے ہی وہ مذہب علماً بھی متواتر ہو کہ اس مذہب کے مفتی صاحبان ہر جگہ موجود ہوں اور عملاً بھی متواتر ہو کہ ہر گھر میں اس پر عمل ہو رہا ہو اس غرض پر اس ملک میں حنفی مذہب کے سوا کوئی مذہب نہیں ہے۔ اس لئے اس ملک میں امام صاحبؒ کی تقلید ہی واجب ہے اور اس سے نکلنا حرام ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے فرمایا۔

دورِ صحابہؓ میں تقلید:

سوال (۲۵) .... جب قرآن پاک اور اجماع سے تقلید ثابت ہوئی تو صحابہ و تابعین کے زمانہ میں بھی تقلید تھی؟

جواب: .... جی ہاں، میاں صاحب بعض کتابوں سے نقل فرماتے ہیں ''زمانہ صحابہ سے لے کر اصحاب مذاہب (رحمہم اللہ) تک یہی چال تھی کہ بدون تخصیص ایک مذہب کی تقلید کیا کرتے۔'' (معیار الحق صفحہ ۵۵) نیز نقل فرماتے ہیں ''تحقیق اس بات میں یہ ہے کہ تمام طبقات زمانہ صحابہ سے لے کر آج تک بھی کسی کی تقلید کرتی تھی کبھی کسی کی اور یہ امر شائع اور متکرر ہوگیا اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا تو گویا سبیل مؤمنین کا یہی ہوگیا (ص ۹۰) اور نقل فرماتے ہیں ''صحابہ اور تابعین یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اس امت میں افضل اول ابوبکرؓ پھر عمرؓ ہیں اور ان کا یہ حال تھا کہ بہت سے مسئلوں میں ان کے قول کے برخلاف اوروں کی تقلید کرتے تھے اور اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا تو اس پر اجماع ہوگیا'' (معیار الحق صفحہ ۱۷۰) اور قریب ہی نقل کیا ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ سے جس نے فتویٰ پوچھ کر ان کی تقلید کی اس کو جائز ہے کہ پھر اگلے مسئلے میں فتویٰ پوچھ لے ابوہریرہؓ اور معاذ بن جبلؓ سے۔ (معیار الحق ص ۹۰)

سوال (۲۶) .... اس سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ دور صحابہ، تابعین و تبع تابعین میں تقلید پر اجماع تھا اور کوئی غیر مقلد پورے خیر القرون میں نہیں تھا کیونکہ مصنف عبد الرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الآثار امام محمد، کتاب الآثار امام ابی یوسف، تہذیب الآثار طبری وغیرہ میں ہزارہا فتاویٰ صحابہ و تابعین کے ہیں جن میں نہ فتویٰ دینے والوں نے فتویٰ کے ساتھ اپنی دلیل تفصیلی بیان کی اور نہ فتویٰ لینے والوں نے مفتی صاحبان سے دلیل تفصیلی کا مطالبہ کیا اور مفتی صاحبان اور مستفتی صاحبان کے اس عمل پر خیر القرون میں کسی نے انکار نہ کیا تو یہ تقلید کا تواتر مثل قرآن و نماز کے تواتر کے ثابت ہوگیا۔ لیکن یہ بات کھٹکتی ہے کہ بعض صحابہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے مخالف فتویٰ پر عمل کر لیتے تھے۔

جواب: .... جن صحابہ کو ابوبکرؓ و عمرؓ کا فتویٰ تواتر کے ساتھ نہ پہنچا ہو وہ ان پر عمل نہ

کرنے میں معذور ہیں، دوسروں کا فتویٰ انہیں تواتر سے پہنچا اس پر انہوں نے عمل کر لیا۔ دیکھئے قاری عاصم کی قرأت ہمیں تواتر سے پہنچی ہے، ہم اسی کی روزانہ تلاوت کرتے ہیں مگر حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت ابن عباسؓ کی طرف بعض ایسی قرأتیں منسوب ہیں جو ہمیں تواتر سے نہیں پہنچی بلکہ شاذ ہیں، ہم باوجود قرأت عاصم پر تلاوت کرنے کے ان صحابہ کی عظمت کے زیادہ قائل ہیں۔

سوال (۴۷)..... کیا خیر القرون میں تقلید شخصی نہیں ہوتی تھی؟

جواب برادرم! تقلید تو اصل ہوتی ہی شخصی ہے کیونکہ اس کی بنیاد تواتر پر رکھی گئی ہے اور عوام کو کبھی اسانید کی تحقیقات پر نہیں لگایا گیا۔ یمن میں جس تواتر اور یقین سے حضرت معاذؓ کے اجتہادات عوام کو ملتے تھے اس تواتر سے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے فتاویٰ نہیں ملتے تھے۔ اس لئے سب لوگ معاذؓ کی تقلید شخصی کرتے تھے۔ اہل مکہ کو ابن عباسؓ، اہل مدینہ کو زید بن ثابتؓ، اہل کوفہ کو عبداللہ بن مسعودؓ کے فتاویٰ جس تواتر اور یقین سے ملتے تھے دوسرے شہر والوں کو یہ فتاویٰ اس تواتر اور یقین سے نہیں ملتے تھے اسلئے ہر شہر میں ایک ہی کی تقلید شخصی ہوتی تھی، اسلئے شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ شہروں میں منتشر ہو گئے اور ہر صحابی ایک ایک شہر کا مقتدیٰ بن گیا (انصاف) اسی کا نام تقلید شخصی ہے۔

تابعین و تبع تابعین کے دور میں تقلید شخصی کا وجود:

سوال (۴۸)..... کیا صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی کہیں تقلید شخصی کا ذکر ملتا ہے؟

جواب اس زمانہ میں بھی تقلید شخصی ہوتی تھی، چنانچہ جب امام عطاء کی ملاقات امیر المومنین ہشام بن عبدالملک سے ہوئی تو ہشام نے ہر شہر کے فقیہ کے بارے میں الگ الگ پوچھا، امام عطاء نے بتایا۔ اہل مکہ کے فقیہ نافع، اہل مدینہ کے فقیہ عطاء، اہل یمن کے فقیہ طاؤس، اہل یمامہ کے فقیہ یحییٰ بن ابی کثیر، اہل شام کے فقیہ مکحول، اہل جزیرہ کے فقیہ میمون بن مہران، اہل خراسان کے فقیہ ضحاک، اہل بصرہ کے فقیہ حسن و ابن

سیرین، اہل کوفہ کے فقیہ ابراہیم نخعی ہیں (مناقب موفق ج ۱/ص ۸) دیکھئے! خیر القرون میں اتنی وسیع اسلامی سلطنت میں ہر علاقہ میں ایک ایک فقیہ کے فقہ پر عمل ہو رہا تھا۔ ان حضرات کے بہت سے فتاویٰ آپ کو کتب حدیث میں ملیں گے جن میں نہ مفتی نے دلیل تفصیلی بیان کی نہ فتویٰ لینے والے نے دلیل تفصیلی کا مطالبہ کیا، ان شہروں میں ان کی تقلید شخصی کی وجہ صرف یہی تھی کہ ہر اہل شہر کو جس تواتر اور یقین سے اپنے شہر کے مفتی کا فتویٰ ملتا تھا اس تواتر اور یقین سے دوسرے شہر کا فتویٰ نہیں ملتا تھا۔

سوال (۲۹)...... اس سے دوپہر کے سورج کی طرح یہ بات روشن ہوگئی کہ غیر مقلدیت کا کبھی خواب میں تصور آتا تھا۔ کیا کسی نے وجوب تقلید پر کوئی عقلی دلیل بھی پیش فرمائی ہے؟

جواب...... میاں صاحب کے شاگرد رشید مولانا شرف الدین صاحب فرماتے ہیں: "تمام جزئیات کتاب وسنت میں مصرحہ نہیں ہیں سوائے اجتہاد کے کوئی چارہ نہیں اور یہ امر بدیہی ہے کوئی جاہل مطلق ہی اس سے انکار کر سکتا ہے فافہم۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱/ص ۱۷۸، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱۱/ص ۱۴۴) اب ظاہر ہے کہ ان جزئیات پر عمل کرنا ہر جاہل اور عالم پر واجب ہے، اب مجتہد اجتہاد سے ان جزئیات کا حکم نصوص سے تلاش کر کے عمل کرے گا اور جاہل اس کی تقلید میں عمل کرے گا۔ اس سے بھی کوئی جاہل انکار نہیں کر سکتا۔

سوال (۳۰)...... میاں صاحب نے تقلید قرآن پاک اور اجماع سے ثابت فرمادی۔ اب یہ فرمایا کہ مطلق واجب ہے اور شخصی مباح ہے جبکہ اس کو حکم شرعی نہ سمجھے، یہ بات سمجھ میں نہیں آئی؟

جواب...... یہ بات ہی بے سمجھی کی ہے، سمجھ میں کہاں سے آئے، جب تقلید مطلق کا وجوب دلیل شرعی قرآن اور اجماع سے خود ثابت ہوگیا اب دلیل شرعی سے ثابت شدہ مسئلہ کو شرعی نہ کہنا علمی افلاس ہے اور کچھ نہیں۔ پھر جب تقلید مطلق کے دو ہی فرد ہیں شخصی اور غیر شخصی اور تقلید مطلق کا واجب ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہوا تو جو تقلید شخصی کرے گا

وہ بھی اسی واجب کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہوگا جیسے روزہ کے کفارہ میں ساٹھ روزے رکھنے یا
غلام آزاد کرنے یا کپڑے بنا کر دینا ان تینوں میں سے جو بھی کرے گا فرض ہی ادا ہوگا۔ اس کو
مباح کہنا احکام شرعیہ سے ناواقفیت ہے۔ میاں صاحب اگر مباح کی تعریف جانتے تو ایسی
بات نہ لکھتے۔ مباح میں فعل و ترک کے دونوں پہلو برابر ہوتے ہیں۔ اگر عدم تعیین امر شرعی
ہے تو تعیین بھی امر شرعی ہوگی۔ میاں صاحب کا فرض تھا کہ وہ اپنی اس خانہ ساز بات کا
ثبوت قرآن یا حدیث سے دیتے لیکن۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ملکہ وکٹوریہ اہل کتاب تھی:

سوال (۳۱) کیا آج کل کے غیر مقلدین میاں صاحب کے تحریر کردہ مسئلہ تقلید کو مانتے ہیں جبکہ میاں صاحب نے مسئلہ کو قرآن پاک اور اجماع سے ثابت بھی کر دیا؟

جواب ... نہیں۔ اگرچہ میاں صاحب نے یہ مسئلہ قرآن پاک اور اجماع سے ثابت کر دیا مگر ملکہ وکٹوریہ کے اشتہار کے خلاف تھا۔ اس لئے دوبارہ میاں صاحب کی طرف رجوع کیا گیا کہ آپ نے اہل ذکر سے مجتہد مراد لیا ہے۔ اب تارک تقلید اس آیت پر کیسے عمل کرے گا؟ تو میاں صاحب نے اپنے شاگرد علی محمد [illegible] سے ایک فتویٰ لکھا یا اور اس پر خود بھی دستخط فرما دیے "اہل الذکر سے ائمہ مراد نہیں بلکہ اہل کتاب مراد ہیں۔" (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱۱ ص ۲۰۷ بحوالہ فتاویٰ نذیریہ) ملکہ وکٹوریہ بھی ان کے نزدیک اہل کتاب تھی، چنانچہ علی محمد صاحب نے لکھا کہ بعض علماء (میاں صاحب) کا اہل الذکر سے ائمہ مراد لینا اور اس آیت سے تقلید کو فرض بتانا نہایت غلط اور واہی بات ہے (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱۱ ص ۲۰۸) اولی الامر سے بھی مجتہد مراد نہیں بلکہ حاکم مراد ہیں اور انگریز حکومت کی اطاعت کے فرض ہونے پر تو پورا رسالہ ترجمان وہابیہ لکھ دیا خصوصاً صفحہ ۳۷، ۴۹، ۹۱ دیکھئے اور ملکہ وکٹوریہ کی حکومت تو حرمین شریفین کی اسلامی حکومت سے بھی ان کے لئے

بڑی رحمت تھی۔ جب اہل ذکر بھی ملکہ وکٹوریہ بن گئی اور اسلامی اولی الامر سے بھی بڑھ گئی تو اس کے اشتہار کا انکار کیسے ہوسکتا تھا؟ اس اشتہار میں مذہبی آزادی کا حکم، انہوں نے فوراً مذہب کو چھوڑ دیا اور بے مذہب بن گئے یہاں تک لکھ دیا کہ مذہبی جاننا ہمارا ستانا ہوا ہے۔ (ترجمان وہابیہ صفحہ ۳۰)

تقلید بدعت است:

سوال (۳۲)...... بعض لوگ تقلید کو بدعت کہتے ہیں؟

جواب...... تقلید کو بدعت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ اور ان کے سب مقلدین جن میں ہزاروں سلاطین اسلام، مجاہدین، قضاۃ، فقہاء، محدثین، اولیائے کرام وغیرہم سب بدعتی ہوئے اور اس بدعت کو واجب کہنے والے میاں نذیر حسین وغیرہ کا کیا حشر ہوگا؟ دراصل اس تقلید کو بدعت کہنا اس بدعتی فرقہ کی ایجاد اور خود بدعت ہے۔

تقلید بدعت سے بچاتی ہے:

سوال (۳۳)...... بعض کہتے ہیں کہ تقلید سے بہت بدعات پھیلیں؟

جواب...... یہ بات بالکل غلط ہے۔ بدعت کہتے ہیں: جو کام دین کی کسی دلیل سے ثابت نہ ہو اسے دین سمجھ کر کیا جائے اور تقلید صرف ان مسائل سے تعلق رکھتی ہے جو ادلہ شرعیہ میں سے کسی دلیل سے ثابت ہو، تو نہ یہ خود بدعت ہوئی نہ اس میں بدعت کی گنجائش، ہاں اگر کوئی مقلد بدعت میں مبتلا ہو تو اس میں تقلید کا کیا قصور؟ اگر کوئی مسلمان شراب پیئے تو اسلام کا کیا قصور؟ اسلام تو اس سے روکتا ہے۔ اسی طرح تقلید تو بدعت سے روکتی ہے اور اس کا اعتراف خود امیر جماعت اہلحدیث مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی نے کیا ہے، فرماتے ہیں: اس تقلید سے اس قدر فائدہ تو ہوا کہ لوگ عام بدعت معتزلہ، جہمیہ، معطلہ، شیعہ، مجسمہ، خوارج اور روافض سے بچ گئے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱۱ ص ۳۱۲) کیسی صاف بات ہے کہ تقلید بدعت سے بچاتی ہے اور تمام بدعتی فرقے ترک تقلید کی پیداوار ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بدعت پیدا ہی جب ہوتی ہے کہ ائمہ مجتہدین ماہرین کتاب وسنت

سے بغاوت کر کے اپنی خود رائی سے نئے نئے عقیدے گھڑ کر قرآن و حدیث کے ذمہ لگا دیئے جائیں۔

سوال (۳۴) ...... اس سے تو معلوم ہوا کہ ترک تقلید ہی بدعت اور افتراق کی بنیاد ہے؟

جواب ...... اس میں شک کیا ہے؟ ترک تقلید کے نتیجے میں نیچری فرقہ پیدا ہوا، اس کا بانی سر سید احمد خان غیر مقلد تھا۔ مولانا اسماعیل سلفی فرماتے ہیں: سر سید احمد خان کے بارے میں مسائل میں ان کی آزادگی آوارگی کی حد تک تھی اس لئے وہ غیر مقلد تھے۔ مرزا قادیانی کے بارے میں لکھتے ہیں: وہ نہ فقہ حنفی کے پابند ہیں نہ وہ صحابہ و تابعین و ائمہ سلف کی روش پر چلنا پسند کرتے ہیں، وہ ترک تقلید کر گئے۔ عبد اللہ چکڑالوی، حشمت علی، مولوی رمضان، غلام احمد پرویز اپنی آوارہ مزاجی کے لحاظ سے غیر مقلد تھے۔ حکیم عبد الرحیم اشرف کے بارے میں فرماتے ہیں: وہ کسی نئے اسلام کی تلاش میں ہیں ان کی تلقین سے (نئے اسلام) کو ماننے والے غیر مقلد ہوں گے۔ مولوی عنایت اللہ اثری وزیر آبادی کے بارے میں فرماتے ہیں: اب انہوں نے بعض متواتر اور منصوص مسائل میں جمہور ائمہ اہلحدیث اور اکابر اہل سنت کے خلاف مردانہ اجتہاد و تحقیق فرمائی اور محنت کر کے حضرت مسیح علیہ السلام کا باپ تلاش کر لیا۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱۱ ص ۲۱۳، ۲۰۹، ۲۱۳ ملخصاً)

امیر جماعت کی تحقیق کا خلاصہ یہی ہے کہ ترک تقلید آوارگی اور آوارہ مزاجی ہے۔ وہ ائمہ سے باغی ہونے کے بعد صحابہ، تابعین سے پھر حدیث سے پھر متواتر اور منصوص مسائل سے بھی باغی ہو جاتا ہے اور کسی نئے اسلام کی تلاش میں رہتا ہے۔

غیر مقلدیت اور مولانا عبد الحی لکھنویؒ:

سوال (۳۵) بعض حضرات کا کہنا ہے کہ مولانا عبد الحی لکھنوی اس فرقے کی بہت تعریف کرتے تھے؟

جواب سبحان اللہ! مذہبی آوارگی کی کون تعریف کر سکتا ہے۔ مولانا نے تو ان کے خلاف کتابیں تحریر فرمائیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں: "مجھے زندگی کے خالق کی قسم ان

(نیچری) ملحدوں کا فساد برپا کرنا اور ان کے چھوٹے بھائیوں کا فساد برپا کرنا جو غیر مقلدین سے مشہور ہیں اور جو اپنے آپ کو اہلحدیث کہلاتے ہیں اور انہیں محدثین کرام سے کیا تعلق اور نسبت، یہ لوگ ہندوستان کے سب شہروں میں اور ہندوستان کے علاوہ بعض شہروں میں پھیل چکے ہیں اور ان کی وجہ سے شہروں میں خرابی، جھگڑا اور عناد واقع ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف شکوہ اور عاجزی اور التجاء ہے۔ ایسے مفسد اور ملحد پہلے زمانوں میں اور اسلامی سلطنتوں میں کئی مرتبہ ظاہر ہوئے لیکن اکابر ملت دامت کے بادشاہوں نے ان کا مقابلہ قاطع تلواروں سے کیا اور ان پر کاٹنے اور قتل کرنے والی تلواریں چلائیں اور ایسے ملحدوں کی ہلاکت سے یہ فتنہ ختم ہوا مگر ہمارے زمانہ میں جبکہ ہندوستان میں دبدبے اور قوت والی اسلامی سلطنت باقی نہ رہی تو یہ فتنے عام ہو گئے اور ان فتنوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو مشقتوں میں ڈال دیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (الآثار المرفوعہ ص ۲۴۸)

تقلید فتنوں کا سرچشمہ ہے:

سوال (۳۶) ...... ان حضرات کا کہنا ہے کہ تقلید ہی سارے فتنوں کا سرچشمہ ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب ...... یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ سورج ہی تمام اندھیروں کا سرچشمہ ہے۔ پوری دنیا میں اسلام مقلدین کی کوشش سے پھیلا، دنیا کے ہر ملک میں قرآن، سنت، فقہ اسلامی مقلدین کے ذریعے پہنچی اور کروڑوں کافر مقلدین کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، آج دنیا میں دین کی رونق ان مقلدین کی محنت کا ثمرہ ہے۔ غیر مقلدین تفسیر قرآن، شروح حدیث، علم اصول اور قانون اسلامی میں سراپا مقلدین کے در کے بھکاری ہیں۔ امام شافعیؒ کو گالیاں دیتے ہیں اور ابن حجر کی جوتیاں چوستے ہیں، نووی کی تے چوستے ہیں، ان کی کتب فتاویٰ فقہ حنفی کے حوالوں سے بھرپور ہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ ترک تقلید سے اسلام اور مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا، اس پر چار شہادتیں پیش خدمت ہیں

(۱) مولانا محمد حسین بٹالوی کی شہادت: پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم

ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ بالآخر اسلام کو ہی سلام کر بیٹھتے ہیں۔ ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں بعض لامذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت میں فسق و خروج تو آزادی کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔(اشاعۃ السنہ)

(۲)　مولوی محبوب علی خاں فرماتے ہیں: جہاں تک مجھے علم ہے وہ یہ ہے کہ امرتسر کے گردونواح میں جس قدر مرتد عیسائی ہیں یہ پہلے غیر مقلد ہی تھے۔(الکتاب المجید ص ۸)

(۳)　موجودہ جمعیت اہلحدیث پاکستان کے صدر جناب مولانا معین الدین صاحب لکھوی ہیں، ان کا خاندان پہلے حنفی تھا، حضرت مولانا بارک اللہ لکھوی نے پنجابی نظم میں فقہی فتاوی مرتب فرمایا جو انواع بارک اللہ کے نام سے طبع ہوا۔ مولانا بارک اللہ کے صاحبزادے مولانا محمد لکھوی میاں نذیر حسین کے پاس پڑھنے چلے گئے، وہ غیر مقلد ہو گئے۔ مولانا بارک اللہ نے بہت سمجھایا مگر آوارہ مزاجی آنے کے بعد اصلاح و ہدایت کے دروازے تقریباً بند ہی ہو جاتے ہیں۔ آخر مولانا بارک اللہ نے بیٹے سے لاتعلقی کا اشتہار شائع فرمایا جو ''انتصار الاسلام'' کے آخر میں چھپا ہے۔ حافظ محمد لکھوی نے غیر مقلد ہونے کے بعد پنجابی شعروں میں کتابیں لکھیں، تفسیر بھی، مسائل کی کتابیں بھی، ان کتابوں میں آپ کی ایک کتاب زینت الاسلام کا ایک شعر ہے جس میں آپ فرماتے ہیں

ابلیس ہزاراں سالاں کوشش کر کے خلق بھلائی
لنہاں تھ ست سالاں دیوچ کیتی اس تعمیں دو وہ کمائی
ابلیس نادان بے عملاں نوں وچ گمراہی پایا
لنہاں اہل علم دا کر خناس دین ایمان گنوایا
اکثر غیر مقلد خالی مکر لنہاں دے لگے
جنہاں اندر دین غلو یا سستی عادت پکڑی اگے
گھر بیٹھے جمع نمازاں کر دے سفر تے قصر دا ئیں
چھ ست کوہاں تے پڑھن دوگانہ سستی جنہاں ادائیں

تقلید مذاہب اہل السنۃ چھڈ لگے ٹکر ٹانہاں دے
اس مذہب تھیں بہتر تیں مقلد سے دو جیاندے
ایہہ ہانکلیا گلاں دے تخیلی کر دا مذہب بازی
نہ یک مذہب اتے ٹھہرے نت تلبیس کماوے تازی

یعنی شیطان نے ہزاروں سالوں میں اتنی مخلوق کو گمراہ نہیں کیا جتنی گمراہی نیچریوں نے چند سالوں میں پھیلا دی ہے۔ شیطان تو بے علموں کو گمراہ کرتا تھا، انہوں نے اہل علم کو خناس اور تلبیس باز بنا دیا کہ ایک مکمل شیطان ہے۔ ان نیچریوں کے پیچھے سب سے زیادہ غیر مقلد ہی لگے ہیں۔ یہ غیر مقلد پہلے سے بعض مسائل دین میں بہت غالی ہیں اور بعض میں نہایت سست ہیں کیونکہ حدود شرعیہ کی صحیح تعیین فقہ کے بغیر ناممکن ہے اسلئے غیر مقلد علماء حدود شرعیہ، نماز کی شرائط، ارکان، واجبات، سنن، مستحبات، مباحات، مکروہات، مفسدات کی مکمل تفصیل بتانے سے عاجز ہیں بلکہ فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح، مکروہ، حرام، رکن اور شرط کی جامع مانع تعریف تک بتانے سے عاجز ہیں۔

ایک مناظرہ کی جھلک:

ایک دفعہ پسرور ضلع سیالکوٹ میں آٹھ رکعت تراویح پر مناظرہ تھا، ہم حضرت صاحب السیف مولانا بشیر احمد صاحب پسروری قدس سرہ کی معیت میں مولانا محمد رفیق کے گھر پہنچے، آپ کی مسجد کا مینار بھی ایک تھا اور خود مولانا کا بازو بھی ایک تھا۔ مولانا محمد رفیق صاحب نے اپنا دعویٰ یوں لکھا: آٹھ رکعت تراویح باجماعت صرف رمضان میں سنت مؤکدہ ہیں۔ ہم نے پوچھا کہ ذرا سنت مؤکدہ کی جامع مانع تعریف بیان فرمائیں اگر یاد رہے وہ تعریف آپ کے دعویٰ کے مطابق صرف قرآن یا حدیث سے ہو، کسی امتی کے اصول فقہ سے چوری نہ کرنا ورنہ آپ کا ایک بازو پہلے ہی نہیں دوسرا بھی چوری کی سزا میں کٹ جائے گا۔

مولانا محمد رفیق پسروری نے بغیر کسی آیت یا حدیث کے حوالے کے تعریف یوں بیان فرمائی کہ سنت مؤکدہ اسے کہتے ہیں کہ جو کام آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ کیا ہو۔

ہم نے کہا کہ یہ تعریف نہ جامع ہے نہ مانع کیونکہ فرائض بھی آنحضرت ﷺ نے خود ہمیشہ ادا فرمائے ہیں۔ آپ کی تعریف کے مطابق سنت اور فرض میں کوئی فرق نہیں رہا اور پانچوں فرض نمازوں سے قبل آپ ﷺ نے اذان و اقامت کبھی بھی نہیں کہیں چہ جائیکہ ہمیشہ کہی ہوں تو آپ کی تعریف کے موافق نہ اذان سنت رہی نہ اقامت۔ اب غیر مقلدوں پر سکوت مرگ کی کیفیت طاری تھی، نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن، اب جان چھڑانے کا یہ حیلہ بنایا کہ مناظرہ آج ملتوی کر دیا جائے تاکہ ایک مہینہ میں ہم سنت مؤکدہ کی تعریف یاد کر لیں۔ ہم نے کہا کہ مہینے کے بعد پھر ہم صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ کی تعریف پوچھیں گے کہ حدیث کی ان قسموں کی تعریف صرف اپنی مسلمہ دلیل شرعی یعنی کتاب وسنت سے کریں، کسی امتی کے بنائے ہوئے اصول سے نہ کریں۔ پھر آپ چار ماہ کی مہلت مانگیں گے، اس لئے آج ہی جتنی مہلت مانگنی ہے مانگ لیں، ہم چونکہ چار دلائل شرعیہ مانتے ہیں اس لئے اہل اصول نے صحیح کی جو تعریف اجماعاً کی ہوگی کہ ائمہ اربعہ کا اصول اس پر متفق ہو اس کو ہم دلیل اجماع سے مانیں گے اور جہاں اختلاف ہو گیا ہم اس میں حنفی اصول کی پابندی کریں گے۔ ہمارے بعض دوست کہتے تھے کہ وہ ایک ماہ میں یہ تعریفات یاد کر لیں گے؟ ہم نے کہا ہرگز نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ غیر مقلدین نے پولیس کے ذریعہ آئندہ ہونے والا مناظرہ بند کرا دیا۔ ہم نے انہیں پیغام بھیجا کہ آپ یہ پانچوں تعریفیں بمطابق شرائط لکھ کر بھیج دیں یا کم از کم چھپوا کر عوام میں تقسیم کر دیں مگر آج تقریباً بیس سال کا عرصہ ہو رہا ہے مولانا محمد رفیق صاحب ایسا نہ کر سکے اور یہ قرض سر پر لے کر فوت ہو گئے۔ کاش! ان کا کوئی جانشین ہی یہ پانچوں جامع مانع تعریفات قرآن و حدیث سے شائع کر کے ان کا بوجھ ہلکا کرے مگر

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

لطیفہ ۔۔۔۔ میاں نذیر حسین صاحب کے ایک شاگرد پشاور میں آئے، اس علاقہ کے پہلے یہ غیر مقلد تھے، انہوں نے انگریزوں سے جہاد حرام، حنفیوں سے فساد فرض

کے قاعدے پر تقریروں کا سلسلہ شروع کیا۔ نہ منکر حدیث کی مخالفت کرتا نہ مرزائیوں کی نہ تبریوں کی نہ عیسائیوں کی۔ رات دن فقہ کا خاکہ اڑانا جھوٹ سے، فریب سے، استہزاء سے جیسے بھی ممکن ہوتا، احناف کے خلاف بدگمانی پھیلاتا، بدزبانی کرتا۔ ایک حنفی عالم نے سوچا کہ جب یہ فقہ کا منکر ہے تو یقیناً نہ اسکو احکام یاد ہوں گے نہ ان کی تعریفات۔ انہوں نے اس کی تقریر میں دو طالب علم بھیج دیئے کہ مولوی صاحب جب خوب جوش میں بول رہے ہوں تو کھڑے ہوکر پوچھنا کہ حضرت! فرض اور سنت کی جامع مانع تعریف کیا ہے اور ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ یہ صرف قرآن و حدیث سے بیان کریں۔ مولوی صاحب جو بڑے جوش سے فقہا کو صلواتیں سنا رہے تھے ایک دم سناٹا چھا گیا، لوگوں نے شور مچایا کہ فرض، سنت کی تعریف اور فرق بیان کرو تو فرمانے لگے کہ فرض وہ ہے جس پر ہمیشہ عمل کرنا ضروری ہو اور سنت وہ ہے جس کا کبھی عمل ضروری ہو کبھی چھوڑنا ضروری ہو۔ جو لوگ سنت پر ہمیشہ عمل کرتے ہیں وہ بے دین ہیں، ان کی نجات نہیں ہوگی کیونکہ انہوں نے سنت کو فرض کے برابر کر دیا۔ طالب علم نے کھڑے ہوکر پوچھا حضرت یہ آپ کی داڑھی فرض ہے یا سنت؟ آپ نے جب سے داڑھی رکھی ہے کبھی نہیں منڈائی اس سنت کو فرض بنا کر آپ بے دین تو نہیں ہو گئے۔ وہ غیر مقلد سخت پریشان ہوا۔ دوسرا طالب علم فوراً بولا: حضرت! حدیث میں آتا ہے کہ نکاح میری سنت ہے، آپ نے جب سے نکاح کیا، بیوی کو فرض بنا کر ساتھ رکھا ہے حالانکہ فرض اور سنت میں فرق کرنا نجات کیلئے شرط ہے، آپ میاں بیوی دونوں نجات سے محروم ہیں۔ ہر ہفتہ کے بعد کوئی ادلہ بدلہ ہو جانے تا کہ فرضیت کا خدشہ نہ رہے۔ افسوس! فقہ کے انکار کے نقصانات کا ان کو ایسے موقعوں پر اندازہ ہوتا ہے۔ مولوی صاحب ایسے لاجواب ہوئے کہ زمین جنبد نہ جنبد گل محمد۔ لوگ حیران تھے کہ شاید صُمٌّ بُكْمٌ والی آیت حضرت کیلئے ہی نازل ہوئی ہے اور باقی لوگوں کو تو قبر میں لگام لگے گی لیکن مولانا کی زبان کو اسی وقت لگام لگ گئی۔

قاضی عبدالاحد صاحب خانپوری فرماتے ہیں۔ "اس زمانہ کے جھوٹے اہلحدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت میں ما جاء به الرسول سے جاہل ہیں وارث اور خلیفہ ہونے میں شیعہ اور روافض کے۔ جس طرح پہلے زمانوں میں شیعہ باب اور دہلیز کفر و نفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ اور زنادقہ کا تھے اسلام کی طرف اسی طرح یہ جاہل بدعتی اہلحدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ کا۔ دیکھو ملاحدہ نیچریہ جو کافر ہیں اور منافقین ہیں وہ بھی انہیں کے باب اور دہلیز اور مدخل سے داخل ہوئے اور انہیں کو آمر ذکر کے اپنا حصہ مفروض کامل دروائی مثل شیطان کے لے گئے۔

پھر ملاحدہ مرزائی قادیانی نکلے تو انہوں نے بھی انہی کے باب اور دہلیز اور مدخل سے داخل ہونا اختیار کیا اور جماعت کثیرہ کو ان سے مرتد اور منافق بنا دیا اور جب ملاحدہ زنادقہ چکڑالوی نکلے تو وہ بھی انہیں کے دروازہ سے داخل ہوئے اور ایک خلق کو انہوں نے مرتد بنایا اور جب یہ مولوی ثناء اللہ خاتمۃ الملحدین نکلا تو اس نے بھی انہیں جہال اہلحدیث کے باب میں داخل ہو کر زندیق ہو گیا۔

مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کر کے حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کی غلو کے ساتھ تعریف کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیں اور پھر جس قدر الحاد و زندقہ پھیلا دیں کوئی پرواہ نہیں۔ اسی طرح ان جہال بدعتی کاذب اہلحدیثوں میں کوئی ایک دفعہ رفع یدین کرے اور تقلید کا رد کرے اور سلف کی ہتک کرے مثل امام ابوحنیفہؒ کے جن کی امامت فی الفقہ اجماع کے ساتھ ثابت ہے اور پھر جس قدر کفر بد عقیدگی اور الحاد و زندقہ یعنی ان میں پھیلاوے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ بھر بھی چیں بجبیں نہیں ہوتے۔ اگرچہ علماء اور فقہاء اہل اسلام ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ہرگز نہیں سنتے۔ سبحان الله ما اشبه الليلة بالبارحة اور سر اس کا یہ ہے کہ یہ لوگ مذہب حق کہ اہل السنۃ والجماعۃ سے نکل کر اتباع سلف سے مستنکف و متکبر ہو گئے ہیں فافہم وتدبر۔ (کتاب التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ ص ۲۰۲)

سوال (۳۷)۔ غزنوی غیر مقلدین کے مورث اعلیٰ نے تو صاف

اعتراف فرمالیا کہ یہ غیر مقلدین اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج اور روافض کے خلیفہ اور وارث ہیں اور یہ بھی کہ نیچری، مرزائی، منکرین حدیث اور ملحدین سب ترک تقلید کے بطن فتنہ پرور سے ہی پیدا ہوئے ہیں اور اسی فرقے سے مسلمانوں میں فتنہ پڑا۔ کفر و ارتداد کے دروازے کھل گئے، ہزاروں مسلمانوں کے اسلام میں انہوں نے شبہات ڈالے، ہزاروں مسلمان مرتد ہوئے۔ آج بھی اسلاف سے بدگمان کرنے کی مہم بہت تیز ہے، خیر اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائیں۔

میاں صاحب نے تقلید کی تیسری اور چوتھی قسم بھی بیان کی ہے "قسم ثالث حرام اور بدعت ہے اور وہ تقلید ہے بطور تعیین کے بزعم وجوب کے اور قسم رابع شرک ہے اور وہ ایسی تقلید ہے کہ وقت ناقص کے مقلد نے ایک مجتہد کا اتباع کیا پھر اس کو حدیث صحیح غیر منسوخ غیر معارض مخالف مذہب اس مجتہد کے مل گئی تو اب وہ مقلد بدستاویز ان عذرات کے جن سے سابقاً کوئی جواب دیا گیا تو حدیث کو قبول ہی نہیں کرتا اور یا اس میں بدون سبب کے تاویل وتحریف کر کے حدیث کو طرف امام کے لے جاتا ہے گویا کہ وہ مقلد مذہب اپنے امام کا نہیں چھوڑتا۔ سوان قسموں سے قسم اول اور قسم ثانی تو محتاج اثبات کی نہیں کیونکہ ان دونوں کو فریقین تسلیم کرتے ہیں نہیں قسم ثالث اور رابع معرکۃ الآراء اور محل نظر ہے۔"
(معیار الحق صفحہ ۴۴)

جواب میاں صاحب نے چونکہ تقلید کے رد میں کتاب لکھنے کی قسم کھائی تھی، اب جو تقلید مقلدین کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ تقلید مطلق واجب بالذات ہے اور شخصی واجب بالغیر ہے۔ اس کو تو میاں صاحب مان گئے۔ اب تقلید کی ایک یا دو فرضی قسم بنا کر لکھ دیں جن کا مقلدین کی کتابوں میں نام ونشان بھی نہیں، وہ بہتان مقلدین پر باندھ دیا کہ وہ اس قسم کی تقلید کرتے ہیں اور یہ شرک ہے اس لئے مقلدین مشرک ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جس تقلید کو مقلدین مانتے ہیں اس کو تو میاں صاحب نے نہ صرف تسلیم کر لیا بلکہ قرآن اور اجماع سے ثابت بھی کیا اور جس کی تردید کی اس کو مقلدین جانتے بھی نہیں ماننا تو بعد کی بات ہے۔

میاں صاحب نے تاویل کو تحریف کے ساتھ ملا کر ذکر کیا، حالانکہ تاویل یا جماع

امت جائز اور تحریف یا جماع امت حرام ہے۔ جس کو حرام اور حلال میں امتیاز نہیں وہ فقہا کا منہ چڑاتا ہے کل کو بھینس کے دودھ اور خنزیرنی کے دودھ کو برابر کر دے گا۔

پھر یہ کتنا بڑا جھوٹ بولا کہ یہ معرکۃ الآراء ہے۔ گویا حنفی اس پر باقاعدہ مناظرے کرتے اور کتابیں لکھتے ہیں کہ نبی پاک کی حدیث صحیح، صریح، غیر منسوخ، غیر مؤول اور غیر معارض کے مقابلہ میں ہم امام کی بات مانتے ہیں۔ کیا میاں نذیر حسین نے ساری عمر میں ہماری اصول فقہ سے ایک بھی حوالہ پیش کیا؟ ہرگز نہیں۔ جہاں حدیث صحیح، صریح، غیر معارض موجود ہو وہاں نہ مجتہد کو اجتہاد کی گنجائش ہے نہ تقلید کا کوئی جواز ہے۔

سوال (۴۸) ..... یہ تقسیم متقدمین کی اصول کی کتابوں میں بھی ہے یا میاں صاحب کی طبع زاد ہے؟

جواب..... متقدمین کی کتب اصول میں اس تقسیم کا کہیں نام و نشان نہیں، یہ میاں صاحب کی طبع زاد ہے لیکن انکے اندھے مقلدوں نے پوری دنیا میں اس سے فتنہ ڈالا ہے۔ میاں صاحب کی تقسیم میں علم کی بو بھی نہیں، امت میں قرآن پاک کی سات قرأتیں متواتر ہیں۔ کل کو کوئی میاں صاحب لکھ دے کہ قرأت قرآن کی چار قسمیں ہیں: ایک مطلق قرأت کسی بھی قاری کی قرأت پر یہ واجب ہے لا علی التعیین۔ دوسری ایک قرأت پر ہمیشہ تلاوت کرنا جس طرح ساری دنیا میں جاری ہے مگر اسکو تعیین شرعی نہ سمجھے اور اس کی علامت یہ ہے کہ کبھی دوسری قرأتوں پر بھی تلاوت کیا کرے۔ آجکل سب غیر مقلد ایک قرأت پر قرآن پڑھتے ہیں، دوسری قرأتوں پر نہیں پڑھتے تو نذیر حسین کے نزدیک یہ تلاوت بدعت اور حرام ہے اور چوتھی تلاوت شرک ہے کہ کسی تفسیر میں خبر واحد سے کوئی اور قرأت مل جائے وہ صحیح بھی ہو مگر یہ پھر بھی قاری عاصم کی متواتر قرأت ہی پڑھے، حضور کی قرأت نہ پڑھے یہ شرک ہے۔ میاں صاحب! آپکی تقسیم کے مطابق تو آپ بھی تلاوت قرآن میں مشرک رہے اور سارے غیر مقلد بھی۔ کیا قیامت ہے کہ تقلید تو چھوڑ دی مگر شرک نہ چھوڑا۔

میاں صاحب! کاش آپ اپنی جماعت کو ہدایت کرتے کہ مطلق حدیث کو ماننا فرض ہے اور ناسخ بخاری کی حدیث کو ماننا مباح ہے بشرطیکہ اس کو حکم شرعی نہ سمجھے اور

بخاری کی حدیث پر عمل کو واجب ماننا بدعت اور حرام ہے اور بخاری کی حدیث کے خلاف کسی دوسری کتاب سے اس سے اعلیٰ سند سے حدیث مل جائے پھر بھی بخاری کی ضد میں اس حدیث کو چھوڑنا شرک ہے۔ میاں صاحب! یہ شرک تو آپ کی جماعت کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ کاش! آپ لامذہب لوگوں کو نصیحت کر جاتے۔

میاں صاحب! جب مدعیان تقلید کا دعویٰ وجوب تقلید آپ نے مان لیا تو اب آپ کو اپنا قلم توڑ کر اپنی شکست تسلیم کر لینی چاہئے تھی اور جھوٹا دعویٰ گھڑ کر مقلدین کے ذمہ بہتان تھوپنے سے شرم کرنا چاہئے تھا والحیاء شعبۃ من الایمان۔

فرقہ اہلحدیث کی علمی و عملی پوزیشن:

سوال (۳۹)...... اس فرقہ کی علمی اور عملی پوزیشن کیا ہے؟

جواب...... حضرت حکیم الامتؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! یہ غیر مقلدیت کیا ہے؟ فرمایا: ان کا پہلا قدم سلف پر بدزبانی ہے اور دوسرا قدم بدگمانی ہے۔ کسی نے پوچھا: حضرت! ان کا علمی سرمایہ کیا ہے؟ فرمایا: سرقہ ابن حجر سے زبان ابن حزم کی۔ یہ تو اجمال تھا، تفصیل نواب صدیق حسن خاں صاحب غیر مقلد نے خود لکھی ہے جو واقعی کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق ہے۔ فرماتے ہیں: اس زمانہ میں ایک شہرت پسند ریاکار فرقہ پیدا ہوا ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ قرآن و حدیث کا عالم اور عامل ہے حالانکہ قرآن و حدیث کی ان کو بو بھی نہیں بلکہ قرآن و حدیث کے خادم علوم صرف، نحو، لغت، معانی، بیان سے بھی کورے ہیں۔ ان میں جو بڑا کندۂ ناتراش ہو اس کو فقیہ کہتے ہیں، نہ ان میں حدیث کی سمجھ ہے نہ حدیث پر عمل بلکہ صرف زبانی دعووں پر زور دیتے ہیں اور تاویلات شیطانیہ کا نام اتباع سنت رکھتے ہیں اور یہ اس فرقے کے ہر چھوٹے، بڑے، امیر، غریب، تندرست، بیمار سب کی یکی عادت ہے۔ حلال حرام کی ذرہ بھر پرواہ نہیں کرتے ان کے دماغ میں اسلام کی مٹھاس کا بھی گزر نہیں۔ ان کے قول و فعل میں تضاد ہے۔ احادیث زبان سے اس رسول کی پڑھتے ہیں جو ساری مخلوق سے افضل ہیں مگر خود یہ لوگ ساری مخلوق سے بدترین ہیں۔ ان

کی مثال اس شخص کی ہے کہ جو لوگوں کو بتاتا ہے کہ چاندی کے پیالہ میں پانی پینا حرام ہے مگر خود چاندی کا پیالہ چرا کے لے جاتا ہے، کتنی حیرانی کی بات ہے کہ وہ اپنے آپ کو خالص توحید والا کہتے ہیں۔ دوسروں کو مشرک اور بدعتی کہتے ہیں حالانکہ وہ دین میں سب سے زیادہ متعصب ہیں، ان کو دیکھتے ہی آنکھیں دکھنے لگتی ہیں، حتیٰ زخمی ہو جاتے ہیں، دلوں میں نفسیس اٹھتی ہیں، درد حسن بخار میں مبتلا ہو جاتی ہیں، سینے غم سے بھر جاتے ہیں اور دل بیمار ہو جاتے ہیں۔ یہ فرقہ دین میں بہت عظیم فتنہ ہے اور بہت بڑا فساد ہے۔ (الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ ص ۱۳۱ تا ۱۳۹ ملخصاً) یہ گواہی شہد شاهد من اهلها کی زندہ تصویر ہے۔ یہ تو نواب صاحب کے زمانہ کا حال ہے اب تو یہ لوگ اس سے ہزار درجہ آگے ہیں۔

سوال (۴۰)..... نواب صاحب نے گھر کی بات بتا دی کہ ان کے عمل بالحدیث میں کوئی بھی حقیقت نہیں؟

جواب..... نواب صاحب کے بعد مولانا محمد حسین بٹالوی کی بھی سن لیجئے! وہ نصیحت کا عنوان دیتے ہیں۔

نصیحت:

علماء کو یہ لائق نہیں کہ ہر ایک حدیث خصوصاً احادیث طبقہ رابعہ سے بلا تحقیق صحت تمسک کریں اور نہ عوام کو یہ زیبا ہے کہ جو حدیث کسی کی زبان سے سن لیں یا تراجم کتب حدیث میں دیکھ لیں اس سے بلا تحقیق صحت و مراجعت علماء وقت سے لپٹ جایا کریں اور اتنی ہی بساط پر اہلحدیث کہلائیں اور مطلق تقلید کو بالفاظ لاقبہ ڈال نقالی وغیرہ وغیرہ مطعون ٹھہرائیں اور مقلدین مذاہب مجتہدین کو برائی سے یاد کریں ان ایسے اندھا دھند حدیثوں پر عمل کرنے والے محققوں اور مقلدین مذاہب مشہورہ میں سر مو فرق نہیں ہے۔ ہاں یہ فرق ہے کہ وہ ائمہ مجتہدین مسلم الاجتہاد کے مقلد ہیں اور یہ غیر مجتہدین کے مقلد (وہ علمائے وقت ہوں جن میں اکثر نام کے علماء ہیں خواہ مؤلفین و مترجمین کتب حدیث ہوں جن میں اکثر مجتہد نہ تھے) و مع ہذا لیا اپنے آپ کو محقق اور تقلید کے تارک اور عامل بالحدیث کہیں اور یہ وہاں

مذاہب مجتہدین پر غیر محقق اور عمل بالحدیث کے تارک اور مقلد ہونے کا طعن کریں تو یہ بڑی بے تمیزی اور بے انصافی ہے (اشاعۃ السنۃ ج ۱۱/ص ۲۹۸)

نیز فرماتے ہیں: ”اسی بے تمیزی اور نا انصافی نے عام مسلمانوں خصوصاً حنفی فرقوں کے دلوں میں ان لوگوں کی عداوت کا بیج بویا ہے اور باوجود یکہ اہل السنۃ والجماعۃ ہونے کے سنیوں کے دفتروں سے ان کا نام خارج کرا دیا ہے۔ کوئی ان کو ”وہابی“ کہتا ہے کوئی ”غیر مقلد“ و ”لا مذہب“ نام رکھتا ہے کوئی مشتبہ و مجسم قرار دیتا ہے، کوئی ان کو اسلام سے خارج کرتا ہے۔ اگر یہ دعویٰ ترک تقلید میں بے تمیزی و نا انصافی نہ کرتے اور ترک تقلید وہاں تک ہی کرتے جہاں تک یہ ترک تقلید کے مجاز اور تقلید کے غیر محتاج تھے اور محل احتیاج تقلید میں مجتہدین اور محدثین کے مقلد کہلاتے اور اس قسم کے مقلدوں کے حق میں بے انصافی عمل میں نہ لاتے اور ان کو بدعتی اور ناری نہ بناتے تو یہ ان سنیوں اور عام مسلمانوں سے وہابی، غیر مقلد، لا مذہب، مجسم وغیرہ نہ کہلاتے (اشاعۃ السنۃ ج ۱۱/ص ۲۹۹)

سوال (۱۴۱)..... اس سے تو نواب صاحب کی بات کی پرزور تائید ہوتی ہے کہ اس فرقہ کے لوگ نہایت متشدد اور متعصب ہیں۔ بس نعرہ حدیث سے دراصل لوگ ان کے چکر میں آ جاتے ہیں؟

جواب..... بس جی! یہی چکر ہے ورنہ حدیث کے انکار پر یہ لوگ بہت جری ہیں۔ پہلے ایک حدیث کا ایسا مفہوم گھڑیں گے جو بہت سی احادیث کے خلاف ہو پھر اپنے اس غلط مطلب پر ڈٹ جاتے ہیں اور بیسیوں احادیث کو جھوٹی، موضوع کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ احادیث نہ ضعیف ہوتی ہیں نہ کسی حدیث کے خلاف ہوتی ہیں، صرف ان کے اپنے تراشیدہ مطلب کے خلاف ہوتی ہیں۔ جو احادیث بظاہر آپس میں معارض بھی ہوں تو ان میں سے ہم ایسی احادیث کو لیتے ہیں جن پر جمہور صحابہ کا عمل ہو اور یہ لوگ ان احادیث کو لیتے ہیں جن پر جمہور صحابہ کا عمل نہ ہو اور کہتے ہیں: ہم نبی پاک ﷺ کے مقابلہ میں صحابہ کو کیا سمجھتے ہیں؟ ان کی تقریر و تحریر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خلفائے راشدین بھی نبی ﷺ کے مخالف، باقی صحابہ بھی نبی کے مخالف، اہل بیت بھی نبی کے

مخالف، خود اپنے علماء کی کتابوں کو بھی نہیں مانتے کہ وہ نبی کے مخالف۔ گویا ساری امت نبی پاک ﷺ کی مخالفت کرنے پر اجماع کر چکی ہے، صرف یہ ایک شخص نبی کا تابعدار ہے۔

اگر چہ یہ بدعادت اور آوارہ مزاجی ان کے علماء نے ہی ان میں پیدا کی مگر جب تک یہ لوگ صحابہ اور مجتہدین کو نبی کا مخالف بتاتے ہیں تو ان کے علماء ان کو شاباش دیتے ہیں کہ آپ کی بڑی تحقیق ہے اور جب وہی لوگ اپنے علماء کو بھی نبی کا مخالف کہتے ہیں تو پھر روتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ تم احادیث اور صحابہ کا انکار کرتے ہو جیسا کہ فتاوی علمائے حدیث کے حوالہ سے گزرا اور نواب صاحب کی تحریر میں گزرا۔ کبھی کبھی بٹالوی صاحب بھی اس سے نالاں ہوتے ہیں، فرماتے ہیں: یہ غیر مقلد نام کے محقق جیسے احادیث غیر صحیحہ کے تسلیم میں بے ضبطی کر رہے ہیں ویسے ہی احادیث صحیحہ، حسنہ لائق عمل کو رد کرنے میں بھی بے ضبط ہو رہے ہیں۔ بہت سی احادیث کو جو ائمہ مجتہدین اور محدثین کے نزدیک مانی ہوئی اور لائق عمل قرار دی گئی ہیں یہ صرف ان کے بعض راویوں کو مجروح و مطعون دیکھ کر ضعیف قرار دیتے ہیں اور یہ بھی کہہ بیٹھتے ہیں کہ جو مسئلہ اس حدیث سے فلاں امام یا مجتہد نے نکالا ہے اس کی کوئی اصل نہیں اور یہ نہیں جانتے کہ کسی حدیث کو ضعیف کہنا بھی ائمہ ہی کا منصب ہے جیسا کہ صحیح و حسن کہنا اور کسی حدیث کے ایک راوی کے مجروح ہونے یا اس کے ایک طریق کے بھی راویوں کے مطعون ہونے سے ان کے جملہ طرق اور متن حدیث کا ابطال نہیں ہوتا اور نہ ہی اس حدیث کے جمیع طرق باطل ہونے سے وہ مسئلہ باطل ہو سکتا ہے جو اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے۔ جائز اور محتمل بلکہ کثیر الوقوع ہے کہ اس حدیث کے کئی طرق اور راوی ہوں جن میں کوئی مجروح یا مطعون ہو اور اس حدیث سے تمسک کرنے والے مجتہد کا اعتماد اس طریق یا راوی ضعیف پر نہ ہو بلکہ دوسرے طرق اور رواۃ محفوظ پر ہو یا اس حدیث کا مضمون عموم آیات یا احادیث صحیحہ سے ثابت ہو اور اس حدیث سے تمسک کرنے والے مجتہد کا اصل اعتماد اس عموم یا ان احادیث صحیحہ پر ہو نہ کہ ان احادیث پر جن کے بعض راوی یا بعض طرق مجروح معلوم ہوتے ہیں (اشاعۃ السنہ ج ۱۱/ص ۳۰۰) مولانا بٹالوی کو یہ بات اس وقت سمجھ آئی جب ان کے فرقے نے بر ملا احادیث کا انکار اور مجتہدین

کی شان میں گستاخیاں کیں ورنہ اس راہ پر پہلے خود بٹالوی صاحب نے ہی لگایا تھا کہ احادیث کے رد کیلئے غلط شرائط لگا کر ۱۲۹۰ھ میں دس سوالات کا اشتہار دیا تھا جس سے غیر مقلدین میں انکار حدیث کا یہ خطرناک مرض پیدا ہو گیا کہ وہ حدیث رسول کو نہیں مانتے اپنی شرط پر ایمان رکھتے ہیں۔ آپ ہزار احادیث سنا دیں جن میں ان غیر مقلدین کی شرط نہ ہو تو ہزار احادیث کو رد کر دینا ان کیلئے آسان ہے مگر اپنی شرط کو ختم نہیں کرتے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم. اما بعد.

اس دور کے خود ساختہ اہل قرآن جس طرح دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہم صرف اور صرف قرآن پاک کو مانتے ہیں۔ لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید سے صاف اور صریح آیت دکھائیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت غلط ہے۔ امت کا اجماع باطل ہے۔ قیاس شرعی حجت نہیں، اور تقلید ماننا غلط ہے۔ تو وہ قرآن کو چھوڑ کر ادھر ادھر کی باتوں میں لگ کر گویا یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ خود ساختہ اہل قرآن اپنے دعویٰ میں سچے نہیں۔ اسی طرح خود ساختہ اہل حدیث بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم صرف قرآن اور حدیث کو مانتے ہیں۔ مگر یہ دعویٰ محض ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور کا مصداق ہے جب ان کو حدیث بتائی جاتی ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علیکم بسنتی لیکن تم نے اپنے نام ہی سے سنت کا لفظ نکال ڈالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا علیکم بالجماعۃ تم نے اپنے نام سے بھی الجماعۃ نکال باہر کیا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فقہ کو خیر اور فقہاء کو خیر فرمایا ہے۔ لیکن آج کے خود ساختہ اہل حدیث فقہ کے نام سے ایسے چڑتے ہیں جیسے سکھ کلمہ شریف سے چڑتے ہیں۔ اپنے مدارس میں فقہ پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ مگر تقریر و تحریر میں فقہ کی مخالفت کرتے ہیں۔

امتیوں کی آراء:

امت محمدیہ میں صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کو سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر الناس فرمایا ہے۔ لیکن یہ لوگ برملا کہتے ہیں کہ نہ صحابہ کے اقوال حجت ہیں، نہ تابعین کے، نہ تبع تابعین کے۔ لیکن خیر القرون سے اتنی چڑ کے بعد خیر القرون کے بعد کے امتیوں کے اقوال اور آراء کو یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر بھی حاکم بناتے ہیں۔ ان کے ہاں دلیل شرعی صرف اور صرف خدا اور رسول کا فرمان ہے لیکن وہ خدا اور رسول کے فرمان سے کسی ایک حدیث کو بھی نہ صحیح ثابت کر سکتے ہیں اور نہ ضعیف اور نہ ہی صحیح یا ضعیف حدیث کی جامع مانع تعریف خداوند قدوس یا رحمۃ للعالمین سے دکھا سکتے ہیں۔ سارا گزارا خیر القرون کے بعد کے امتیوں کے اقوال و آراء پر ہوتا ہے۔ اگر چہ وہ آراء خیر القرون والوں کے تواتر یا استفاضہ کے خلاف ہوں۔ اسی طرح احکام میں بھی کہ یہ فرض ہے، وہ سنت ہے، یہ مستحب ہے، وہ مباح ہے، یہ مکروہ ہے، وہ حرام ہے، سب مسائل کے یہ احکام نہ ہی رب العالمین سے دکھا سکتے ہیں اور نہ خاتم النبیین ﷺ سے بلکہ ان احکام کی جامع مانع تعریف بھی وہ خدا اور رسول سے نہیں دکھا سکتے۔ اسی طرح احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بھی بعض کو مانتے ہیں اور اکثر احادیث کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس انتخاب میں کہ اس ایک حدیث پر عمل کرنا ہے اور ان دس احادیث کا انکار کرنا ہے۔ اپنی رائے پر مدار رکھتے ہیں اگر چہ وہ امت کے مستفیض عمل کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

تنقید سدید:

ان کے پیر بدیع الدین سندھی نے حضرت اقدس مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرہ کے عام فہم رسالہ اجتہاد و تقلید کا جواب لکھا ہے۔ اس کا نام تنقید سدید رکھا ہے۔ رسالہ پڑھنے سے یہ حقیقت دوپہر کے سورج سے زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ موصوف آسان ترین اردو زبان بھی نہیں سمجھ سکے۔ جب وہ اصل بات کو سمجھ ہی نہیں سکے تو جواب کیا دیتے۔

اور جو اردو زبان کو نہیں سمجھ سکتا وہ کتاب وسنت کو خاک سمجھے گا۔ تاہم یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مدیر صاحب نے جو کچھ بھی غلط سلط لکھا اُس کا اکثر مواد محمد یوسف جے پوری (انڈیا) کی کتاب **حقیقۃ الفقہ** سے چرایا ہے اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا کیونکہ ہر چیز اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اور اس فرقہ کی جنم بھومی انڈیا ہی ہے۔

تقلید:

اس مسئلہ پر صرف اتنا کافی تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کا ایک ارشاد عالی باترجمہ لکھ دیتے کہ اجتہادی مسائل میں مجتہد کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنا حرام بلکہ شرک اور شریعت سازی ہے اور اجتہادی مسائل میں غیر مجتہد، ماہر کتاب وسنت مجتہد کی رہنمائی میں کتاب وسنت پر عمل کرے تو یہ حرام ہی نہیں بلکہ شرک بھی ہے اور کفار کی روش ہے۔ یا یہی مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صرف ایک حدیث پاک میں صاف صاف دکھا دیتا۔ لیکن یہ خود ساختہ اہل حدیث قرآن حدیث کا نام تو صرف عوام کو دھوکا دینے کے لئے لیتے ہیں۔ سارا تر زور اوقات تو خیر القرون کے بعد والے امتیوں کے اقوال و آراء پر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ تقلید میں وہ قرآن کی ایک آیت اور نبی پاک کی ایک حدیث بھی پیش نہ کر سکے جس میں مندرجہ بالا صراحت ہو، ہاں امتیوں کے سینکڑوں اقوال لکھ ڈالے اور اپنے اہل حدیث ہونے کی بجائے اپنے رائے پرست ہونے کو سب پر روز روشن کی طرح ثابت کر دیا۔

امام شعرانیؒ:

ان میں ۳۳ کے قریب صرف امام شعرانیؒ کے اقوال ہیں۔ امام موصوف آخری خلیفہ راشد سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی اولاد میں سے ہیں ۸۹۸ھ میں شاہی خاندان کے چشم و چراغ بن کر پیدا ہوئے۔ اس کے باوجود آپ نے علوم دینیہ میں بہت بلند مقام حاصل کیا۔ آپ نے بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں۔ جن سے آج تک تشنگان علم سیراب ہو رہے ہیں۔ ان میں ایک اہم ترین کتاب "المیزان الکبریٰ" بھی ہے۔ یہ کتاب

مذاہب اربعہ کی حقانیت پر اس وقت آپ نے تحریر فرمائی جب کہ غیر مقلدین کے فرقہ کا نام ونشان تک نہ تھا۔ نہ ہی کوئی خود ساختہ اہل قرآن تھا نہ ہی کوئی خودساختہ اہل حدیث تھا۔ امام موصوف کا وصال ۹۷۳ھ میں ہوا جبکہ فرقہ غیر مقلدین اس سے اڑھائی سو سال بعد دور وکٹوریہ میں پیدا ہوا۔

مقام شعرانی:

امام موصوف اپنی کتاب المیزان الکبریٰ کے بارہ میں خود فرماتے ہیں "میں نے اس میزان کو سب سے پہلے خضر علیہ السلام سے علمی اور ایمانی اور تعلیمی حیثیت سے حاصل کیا۔ پھر میں نے اپنے سید حضرت علی خواص سے سلوک طے کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ میں اصل سرچشمہ شریعت پر بطریق ذوق وکشف مطلع ہو گیا۔ اور اس کا ایسا یقین کیا کہ اس میں کچھ بھی شک نہ رہا۔ اور کئی سال تک میں نے اپنے نفس سے مجاہدہ کیا۔ چنانچہ میں نے اپنے حجرہ کی چھت میں ایک رسی باندھ لی تھی جب میں وہاں بیٹھتا تھا تو اس کو اپنے گلے میں ڈال لیتا تھا۔ تاکہ میرا پہلو زمین سے نہ لگ جائے اور تقویٰ میں اس قدر ترقی تھی کہ جب مجھ کو اس قسم کا کھانا جو میرے مرتبہ ومقام کے لائق تھا نہیں ملتا تھا تو مٹی چاٹ لیتا تھا۔ لیکن خدا کی شان کہ مجھے اس مٹی میں ایسی چکنائی معلوم ہوتی تھی جیسی گوشت کی اور دودھ میں ہوتی ہے۔ اور مجھ سے پہلے اس قسم کا تقویٰ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کر چکے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے جب اپنی ورع کے مناسب کھانا نہ پایا تو بیس روز تک صرف مٹی ہی چاٹتے رہے۔" اسی طرح میں کسی حاکم کی عمارت کے سایہ میں ہو کر نہیں گزرتا تھا۔ اور جب سلطان غوری نے مدرسہ اور تیسے گنبد کے درمیان چھتا بنوا دیا۔ تو میں سوق وردانین (ایک بازار کا نام ہے) سے ہو کر جاتا تھا اور سوق شرب (یہ بھی ایک بازار کا نام ہے) کے راستہ سے نکلتا تھا۔ اور اس چھتے کے نیچے میں داخل نہیں ہوتا تھا۔ ایسے ہی تمام ظالموں اور امراء اور ان کے مددگاروں میں سے کسی کی عمارت کے نیچے ہو کر نہیں گزرتا تھا۔ اور جب تک کسی چیز کے بارے میں پوری تفتیش نہ کر لیتا تھا اس وقت تک

کھاتا تھا۔ اگرچہ اس بارہ میں شریعت نے رخصت دی ہے۔ لیکن میں اس پر اکتفا نہ کرتا تھا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ اب تک میں اسی حالت پر ہوں۔ لیکن بہ نسبت پہلے کے مرتبہ میں فرق ہے۔ کیونکہ پہلے میں اس چیز کے مالک کا قبضہ دیکھتا تھا کہ یہ شخص کس صورت سے اس کا مالک بنا ہے۔ اور اب صرف اس شخص کی بو یا اس کی رنگت یا ذائقہ سے تمیز کر لیتا ہوں۔ اور اگر وہ شے حرام ہوتی ہے۔ تو اس کی بو نجاست ناپاک ہوتی ہے۔ اور اگر وہ شے حلال ہوتی ہے تو اسکی بو نجاست پاکیزہ ہوتی ہے۔ اور اگر وہ چیز مشتبہ ہوتی ہے تو اس کی بو حرام سے ناپاکی میں کم ہوتی ہے۔ تو میں ان علامات کو دیکھ کر ان کے موافق عمل کرتا ہوں۔ مالک کے احوال اور ان کے کسب میں غور کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن مجھ کو اس پر اعتماد نہیں۔ مگر اسی کے فضل سے اور وہی قابل تعریف ہے۔ جب میں چلتے چلتے ان مراتب کو پہنچ گیا۔ اس وقت میں نے دل کی آنکھ سے شریعت طاہرہ کے اس سرچشمہ کو دیکھا۔ جہاں سے ہر مجتہد کا قول نکلا ہے۔ اور مجتہد کے لئے وہاں ایک نالی بنی ہوئی ہے۔ تب مجھ کو کامل یقین ہوا کہ تمام اقوال علماء برحق کے شریعت ہی شریعت ہیں۔ اور ہر مجتہد حق کو پہنچنے والا ہے اور کوئی مذہب شریعت سے بہ نسبت دوسرے مذہب کے زیادہ قریب نہیں ہے۔ اگرچہ ایک ہزار شخص میرے مقابلہ کے لئے جدال کی غرض سے آئیں اور کہیں کہ فلاں مذہب کو فلاں مذہب پر ترجیح ہے۔ تو میں دل سے اُن کے قول کو ہرگز قبول نہ کروں گا۔ (مواہب رحمانی ترجمہ اردو میزان شعرانی ص ۹۱ ج ۱)

کیا دیکھا:

اور میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جب باری تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان فرمایا کہ مجھ کو شریعت کے سرچشمہ پر آگاہ کر دیا تو میں نے تمام مذاہب کو دیکھا کہ وہ سب اسی چشمہ سے متصل ہیں اور ان تمام میں سے ائمہ اربعہ کے مذاہب کی نہریں خوب جاری ہیں۔ اور جو مذاہب ختم ہو چکے وہ خشک ہو کر پتھر بن گئے ہیں۔ اور ائمہ اربعہ میں سب سے زیادہ لمبی نہر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دیکھی۔ پھر اسکے قریب قریب احمد بن حنبل

رحمۃ اللہ علیہ کی اور سب سے چھوٹی عمر امام داؤد علیہ الرحمۃ کے مذہب کی ہوئی۔ جو پانچویں قرن میں ختم ہو چکا ہے۔ تو اس کی وجہ میں نے یہ سوچی کہ ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے مذہب پر عمل کرنے کا زمانہ طویل ہے۔ اور امام داؤد کے مذہب پر تھوڑے دن عمل رہا پس جس طرح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی بنیاد تمام مذاہب مدونہ سے پہلے قائم ہوئی ہے اس طرح وہ سب سے آخر میں ختم ہوگا۔ اور اہل کشف کا بھی یہی مقولہ ہے (ص ۱۰۷ ج ۱)

آپ نے کشف میں ان مذاہب کا سرچشمہ شریعت سے اتصال یوں دیکھا۔

(۱) بارگاہ وحی با معنون الکیفیت - بارگاہ عرش اعظم - بارگاہ کرسی شریف - بارگاہ قلم اعلیٰ - بارگاہ لوح محفوظ - بارگاہ تختہائے محو و اثبات - بارگاہ جبرئیل علیہ السلام - بارگاہ محمد ﷺ - بارگاہ ائمہ مجتہدین - بارگاہ مقلدین الی یوم القیامۃ (ص ۱۳۴ ج ۱)...... کیا ہی خوب اتصال ہے (۲) پھر آپ کے کشف میں مذاہب مجتہدین اور سرچشمہ شریعت محمدیہ کا اتصال درخت کی شکل میں دیکھا کہ ائمہ مجتہدین کے مذاہب کے درخت کی جڑیں سرچشمہ شریعت محمدیہ میں ہیں۔ پھر ہر مجتہد کے مذہب کی بڑی شاخیں ہیں۔ پھر آگے شاخیں، پتے پھول اور پھل ہیں۔ اس درخت کی ایک ایک شاخ بلکہ پھول پتے کا اتصال شریعت محمدیہ سے ہے۔ ایک پتہ بھی ایسا نہیں جس کی خوراک شریعت سے نہ ہو (ص ۱۳۴ ج ۱)

(۳) پھر تیسرے کشف میں آپ نے سرچشمہ شریعت طاہرہ محمدیہ کو ایک گول حوض کی شکل میں دیکھا جس سے مذہب عائشہ (۵۷ھ)، مذہب عبداللہ بن عمر (۷۳ھ)، مذہب عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ)، مذہب عطاء (۱۱۴ھ)، مذہب مجاہد (۱۰۴ھ)، مذہب ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ)، مذہب مالک، مذہب شافعی، مذہب امام احمد، مذہب امام داؤد، مذہب امام لیث بن سعد (۱۷۵ھ)، مذہب سفیان ثوری (۱۶۱ھ)، مذہب سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ)، مذہب محمد بن جریر طبری، مذہب عمر بن عبدالعزیز (۱۰۱ھ)، مذہب اعمش (۱۴۸ھ)، مذہب شعبی (۱۰۴ھ)، مذہب اسحاق (۲۳۸ھ) کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ مذاہب مستعملہ کے (چشمے) جاری ہیں اور مذاہب متروکہ کے خشک ہو چکے ہیں۔ (ص ۱۳۵ ج ۱)

یہ سب مذاہب چوتھی صدی سے پہلے کے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تقلید شروع دور صحابہؓ سے جاری ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ موجودہ چاروں مذاہب ایک سے چار نہیں بنے بلکہ سینکڑوں سے چار رہ گئے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اصحاب صحاح ستہ میں سے ایک کا مذہب بھی جاری نہ ہوا۔ اور غیر مقلدین تو بارہ سو سال بعد پیدا ہوئے۔

(۴) پھر چوتھی مرتبہ آئمہ مجتہدین کے مذاہب کا شریعت سے اتصال کشف میں یوں دیکھا جیسے ایک جال اور پھندا ہے۔ پھر تمام چھوٹے پھندے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اسی طرح تمام مذاہب شریعت محمدیہ سے ایک ایک کڑی کر کے ملے ہوئے ہیں۔ (ص ۱۳۶ ج ۱)

(۵) پانچویں مرتبہ آپ کو صرف مذاہب اربعہ دکھائے گئے، جو جاری رہے اور جو ختم ہو چکے وہ نہ دکھائے گئے ان کا اتصال یوں تھا: (۱) حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ۔ حضرت عطاءؒ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ حضرت رسول اقدس ﷺ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ۔ (اس میں حنفی مذہب کوفی مذہب دکھایا گیا ہے۔ (۲) امام مالکؒ۔ امام نافعؒ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ حضرت رسول اقدس ﷺ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام۔ ذات باری تعالیٰ۔ (۳) امام شافعیؒ۔ امام مالکؒ۔ آگے مثل سابق۔ (۴) امام احمدؒ۔ امام شافعیؒ۔ آگے مثل سابق۔ یہ مدنی مذاہب ہیں۔ (ص ۱۴۷) غیر مقلدیت کا کہیں شریعت محمدیہ کے قریب نام ونشان بھی نہیں دکھایا گیا۔

(۶) چھٹی مرتبہ آپ نے کشف میں میدان قیامت۔ حساب کتاب اور میزان عدل کو دیکھا۔ میزان عدل کے بالکل سامنے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کھڑے اپنے مقلدین کی شفاعت فرما رہے ہیں۔ دائیں طرف امام شافعیؒ کھڑے اپنے مقلدین کی شفاعت فرما رہے ہیں۔ بائیں طرف امام مالکؒ کھڑے اپنے مقلدین کی شفاعت فرما رہے ہیں۔ اور ایک طرف امام احمد بن حنبل کھڑے اپنے مقلدین کی شفاعت فرما رہے ہیں (ص ۱۴۷) یہ اس قادر مطلق کا فضل وکرم ہے کہ غیر مقلدین کا یہاں نام ونشان تک نہیں ہے۔

(۷) ساتویں کشف میں امام شعرانی نے دیکھا کہ چاروں امام پل صراط پر کھڑے ہیں اور اپنے مقلدین کو پل صراط سے بحفاظت گزار رہے ہیں۔ علامہ شعرانی فرماتے ہیں: تمام ائمہ خواہ فقہاء ہوں یا صوفیاء وہ اپنے اپنے مقلدین کی شفاعت فرمائیں گے۔ اور روح نکلنے کے وقت اور منکر نکیر کے سوال کے وقت اور حشر نشر اور حساب، میزان اور پل صراط کے نزدیک ان کا لحاظ رکھیں گے اور مجملہ تمام مقامات کے کسی مقام پر ان سے غافل نہ ہوں گے۔ جب ہمارے شیخ شیخ الاسلام ناصر الدین لقانی انتقال کر گئے تو ان کو بعض بزرگوں نے خواب میں دیکھا تو انھوں نے آپ سے دریافت کیا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا تو انھوں نے جواب دیا کہ جب مجھ کو قبر میں فرشتوں نے بٹھایا تا کہ مجھ سے اپنا مقررہ اور لازمی سوال پوچھیں تو ان کے پاس امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ کیا ایسے شخص سے بھی اسکے ایمان کے بارہ میں سوال کرنے کی حاجت ہے، ہٹ جاؤ اس کے پاس سے، پس وہ میرے پاس سے ہٹ گئے اور جب مشائخ صوفیاء اپنے متبعین اور مریدین کا تمام دنیاوی اور اُخروی سختیوں میں لحاظ رکھتے ہیں۔ تو پھر کیسے نہ لحاظ رکھیں گے ائمہ مذاہب رحمہم اللہ تعالیٰ جو درحقیقت زمین کی میخیں (اوتاد) اور دین کے ارکان ہیں اور شارع علیہ السلام کی طرف سے اُن کی امت کے امین ہیں (ص ۱۴۹ ج ۱)

(۸) آٹھویں کشف میں دیکھا کہ جنت میں داخلہ اس شان سے ہو رہا ہے کہ آگے آگے سید المرسلین ﷺ ہیں اُن کے پیچھے آئمہ مذاہب ہیں اور انکے پیچھے انکے مقلدین ہیں، ائمہ کرام اُنہیں جنت کے دروازوں سے گزار رہے ہیں۔ (ص ۱۴۹ ج ۱)

(۹) نویں کشف میں پھر جنت میں داخلہ کے بعد کو کس حالت میں دیکھا کہ جنت میں نہر حیات جاری ہے۔ اور اس نہر کے کنارے سرور کونین ﷺ کا قبہ مبارک بنا ہوا ہے۔ اوران کے بالکل ساتھ قبہ ابوحنیفہؒ اس کے ساتھ قبہ امام مالکؒ۔ اس کے ساتھ قبہ امام شافعی اور انکے ساتھ قبہ امام احمد بن حنبل کا ہے۔ آگے مولانا لکھتے ہیں ہم نے اس مثال میں مجتہدین میں سے صرف ائمہ اربعہ پر اقتصار اس لئے کیا ہے کہ یہی وہ حضرات ہیں جن کے مذاہب کی تدوین ہمارے زمانہ تک ہمیشہ رہی ہے۔ اور امت کو آپ ﷺ کی شریعت کی

طرف ہدایت کرنے میں رسول اللہ ﷺ کے یہ حضرات قائم مقام اور نائب ہیں۔ تو گویا رسول اللہ ﷺ قیامت تک حیات ہی رہیں گے۔ اس لئے ہم نے ان کے قبوں کو رسول خدا ﷺ کے پہلو میں رقم کیا ہے۔ تو یہ لوگ آنحضرت ﷺ سے نہ دنیا میں جدا ہوئے اور نہ آخرت میں جدا ہوں گے۔ اور یہ قبے میں نے اپنی عقل سے نہیں رقم کیے ہیں۔ بلکہ میں نے بعض دفعہ جنت میں اسی صورت میں دیکھا ہے اسی لئے اس طرح لکھ دیا۔ فالحمد للہ رب العالمین (ص ۱۵۰ ج ۱)

مقلد امام شافعیؒ

علامہ شعرانیؒ اپنی دوسری کتاب لطائف المنن میں فرماتے ہیں۔ اور من جملہ ان انعامات کے جو خدا تعالیٰ نے مجھ پر کئے ایک یہ ہے کہ جب میں ائمہ مجتہدین کے تمام مذاہب میں متبحر ہو گیا تو ان کے تمام مذاہب کی توجیہات اور تقاریر اس طرح کرتا تھا کہ وقت تقریر گویا میں ان مجتہدین میں سے ایک سمجھا جاتا تھا۔ اور اگر کوئی اس وقت میرے پاس آ جاتا تو اگر میں مذہب حنفی کی تقریر کرتا ہوتا تو وہ مجھے حنفی سمجھتا۔ اور اگر مذہب حنبلی کی تقریر کرتا ہوتا تو حنبلی اور اگر مذہب مالکی کی تقریر کرتا تو مالکی سمجھتا۔ حالانکہ میں مقلد امام شافعیؒ کا ہوں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں تمام اماموں کے اقوال کے مناشی اور اصول سے پورے طور پر واقف ہو گیا ہوں۔ اور ان کے تمام ادلہ کا میں نے احاطہ کر لیا ہے۔ یہی وجہ ہے جو بعض حسد رکھنے والوں نے میری نسبت یہ بہتان باندھا کہ یہ کسی خاص مذہب کا پابند نہیں ہے۔ حالانکہ میں اپنی وسعت معلومات کی بنا پر ایسا کرتا تھا۔ (ص ۷۳ ج ۱)

قابل غور بات:

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ علامہ نے تو یہ کتاب ہی اس لئے لکھی کہ ہر امام کا مقلد پورے یقین کے ساتھ اپنے امام کی تقلید یہ سمجھ کر کرے کہ وہ مجھے شریعت محمدیہ پر چلا رہا ہے اور اس کا ایک مسئلہ بھی سنت سے باہر نہیں۔ اور وہ خود بھی ساری عمر امام شافعیؒ کے مذہب

سکین کے پابند رہے۔ لیکن غیر مقلدین کو پہلے دن سے عقل وفہم سے بیر ہے۔ مولوی محمد یوسف جے پوری نے اپنی کتاب حقیقۃ الفقہ میں تقریباً ۳۲ حوالہ جات میزان شعرانی کے دیے ہیں جن میں گویا وہ ثابت کر رہا ہے کہ امام شعرانی تقلید کو اندھا پن اور ناجائز قرار دیتے ہیں۔ پہلی بات تو یہی قابل غور ہے کہ وہ کسی خیر القرون کے اُمتی کی بات کو حجت نہیں مانتے تو دسویں صدی کے ایک بزرگ کی آراء اُن کے ہاں حجت کیسے بن گئیں۔ اور بزرگ بھی وہ جو شیخ محی الدین ابن عربی کی زبان وحدۃ الوجود کے پرچارک اور تقلید کے مبلغ جب کہ ان اصاغر غیر مقلدین کے ہاں وحدۃ الوجود بھی کفر اور تقلید شخصی بھی شرک تو آخر ان ۳۲ حوالہ نقل کرنے کا مقصد کیا ہے؟

ہائے پریشانی:

جب انسان کسی آدمی کی کتاب کا حوالہ اس انداز میں دیتا ہے کہ صاحب کتاب کے مقصد کے بھی موافق ہو اور حوالہ دینے والا بھی اُس مقصد کے لئے حوالہ دے تو اس کو اقتباس کہتے ہیں۔ ایسے حوالہ میں حوالہ دینے والے کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ جیسے "محمد رسول اللہ" کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ آیت کریمہ اسی طرح قرآن پاک میں موجود ہے۔ اگر کوئی شخص قرآن پاک میں ایک جگہ سے لفظ غلام اُچک لے دوسری جگہ سے لفظ احمد اُچک لے تیسری جگہ سے لفظ رسول اُچک لے اور کہے کہ "غلام احمد رسول" قرآن پاک کا اقتباس ہے۔ اور ساتھ ان پڑھوں پر رعب ڈالنے کے لئے یہ چیلنج بھی کر دے کہ میں اس عبارت کے ایک ایک لفظ کا ذمہ دار ہوں۔ آپ اس عبارت کے کسی ایک لفظ پر انگلی رکھیں اگر میں وہ لفظ قرآن پاک میں نہ دکھا سکوں تو ایک لاکھ روپیہ فی لفظ جرمانہ ادا کرونگا۔ اور اگر میں نے تینوں لفظ قرآن پاک میں دکھا دیے پھر بھی اگر کوئی شخص اس عبارت "غلام احمد رسول" کو قرآن پاک کی عبارت نہ مانے تو اس سے تین لاکھ روپیہ وصول کرونگا۔ تو اس طریق کو اقتباس نہیں کہتے بلکہ اختلاس کہتے ہیں۔ اور اس فریب پر چیلنج بازی کرنا وہی مثال پوری کرتا ہے کہ:

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

میزان شعرانی سے اقتباسات کرنے میں خود ساختہ اہل حدیث کو سخت پریشانی لاحق رہی۔ اس نے پانچ الگ الگ سطریں ص ۴۷ سے لیں پھر ص ۳۶ سے ایک سطر پھر دو الگ الگ سطریں ص ۳۹ سے پھر ص ۴۸ پھر ص ۶۳ پھر ص ۵۰ پھر ص ۲۵ پھر ص ۱۰ پھر ص ۴۳ پھر ص ۱۸ پھر ص ۲۰ پھر ص ۳۲ ص ۴۲ ص ۹ ص ۱۵۲ ص ۳۴۔

رائے:

مجتہد کی رائے کتاب و سنت اور اجماع کی دلیل پر مبنی ہوتی ہے۔ اس رائے کا نام فقہ ہے اور ایسی رائے جو کسی دلیل شرعی پر مبنی نہ ہو اس رائے کو بدعت کہتے ہیں۔ اس رائے سے ائمہ مجتہدین بالکل پاک ہیں۔ چنانچہ علامہ شعرانی لکھتے ہیں "تمام مجتہدین خدا تعالیٰ کے دین میں قول بالرائے سے بالکل بری ہیں۔" (ص ۱۵۱ ج ۱) پھر لکھتے ہیں دین میں رائے جس کی مذمت ثابت ہے وہ رائے ہوتی ہے۔ جو شریعت کی کسی اصل کے مشابہ نہ ہو اور جس قدر احادیث ذم رائے میں وارد ہیں ان سب میں اسی مذموم رائے سے یہی مراد ہے (۱۵۱ ج ۱) پھر لکھتے ہیں "علماء سلف میں سے کوئی شخص دین الٰہی میں اپنی رائے سے کلام کرنے کی ہرگز جرأت نہ کرتا تھا۔ اور اس سے غرض یہ ہے کہ تم کو تمام مجتہدین کی کلام پر ایمان لانا چاہیے اگرچہ تم کو اس کلام کا ماخذ اور جائے استنباط کا قرآن و حدیث شریف میں کہیں پتہ نہ چلے۔" (ص ۱۵۵ ج ۱) مزید لکھتے ہیں "اور ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے جو اقوال رائے کی مذمت میں منقول ہیں۔ تو ان چاروں میں سب سے پہلے ہر اس رائے سے بیزار جو مخالف شریعت ہو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ برخلاف ان متعصبوں کے جو آپ کو اس رائے کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور کس قدر وہ لوگ شرمندہ ہوں گے جب قیامت کے دن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے آمنا سامنا ہوگا۔ کیونکہ جس کا دل منور ہوگا۔ وہ ہرگز اس پر جرأت نہیں کر سکتا۔ کہ کسی امام کو برائی سے یاد کرے۔ اور اس کو ائمہ رحمہم اللہ سے کیا نسبت کیونکہ وہ لوگ آسمان کے ستارے ہیں۔ اور دوسرے

لوگ زمین کے باشندے جوان ستاروں کا پانی میں عکس دیکھتے ہیں۔ اور شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں بسند کامل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو دین خداوندی میں قول بالرائے سے دور رکھو۔ اور اتباع سنت کو لازم پکڑو۔ کیونکہ جو شخص سنت سے خارج ہو گیا وہ گمراہ ہے۔" (ص ۱۵۸ ج ۱)

یاد رہے خود ساختہ اہل حدیث قرآن و حدیث کے ترجمہ سے سنت کی جامع مانع تعریف نہیں دکھا سکتے۔ اور نہ یہ دکھا سکتے ہیں کہ دو رکعت نماز میں کل کتنی سنتیں ہیں تو ان کے سنت سے خارج اور گمراہ ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں ہے۔ اس کے بعد باقی تین ائمہ سے بھی اس مذموم رائے کی مذمت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں" اس قدر تقریر کے بعد تم پر روشن ہو گیا ہو گا کہ تمام ائمہ مجتہدین ادلۂ شرعیہ کی رعایت رکھتے ہیں اور دین حدائی رائے زنی سے بالکل بری اور منزا ہیں اور ان کے تمام مذاہب حدیث و قرآن سے اس طرح مزین ہیں جس طرح سونے اور جواہرات پر نقش و نگار کئے جاتے ہیں۔ اور ان کے تمام اقوال مذہبیہ مانند کپڑے بنے ہوئے کے ہیں جس کا تمام تانا اور بانا قرآن اور حدیث شریف ہے۔" (ص ۲۹ ج ۱)

پھر فرماتے ہیں" امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دین الٰہی میں اس رائے کو دخل دینے سے بالکل بری ہیں جو ظاہراً قرآن کریم اور حدیث شریف کے خلاف ہو۔ اور جس نے آپ کو اس رائے کی طرف منسوب کیا تو اس کے اور آپ کے درمیان اس قدر بُعد اور فصل ہے کہ اس میں کچھ پوشیدہ ہو جائے۔" (ص ۶۹ ج ۱)

پھر فرماتے ہیں" اور جو شخص تعصب سے بیزار ہو کر جس مجتہد کے قول کو بہ نظر انصاف دیکھے گا۔ وہ ان تمام مجتہدین کو آسمان کے ستارے پائے گا۔ اور ان پر اعتراض کرنے والے کو ایسا پائے گا جس طرح وہ شخص جو ستاروں کا عکس پانی میں دیکھتا ہے۔ اور انکی حقیقت اور مکان کو نہیں پہچان سکتا۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے تمام بھائیوں مقلدین کو تمام آئمہ مذاہب کے ساتھ ادب کی توفیق مرحمت فرمائے۔" (ص ۷۳ ج ۱)

اس وقت نہ کوئی خود ساختہ اہل قرآن غیر مقلد تھا نہ ہی خود ساختہ اہلحدیث غیر مقلد تھا۔

عبرت اوّل:

علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں" اور مجھے بڑا ملال اسکا ہے کہ ایک صاحب جو عالم مشہور تھے میرے پاس آئے اور میں اُس وقت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے محامد اور مناقب لکھ رہا تھا۔ انہوں نے ان کو بڑے غور سے دیکھ کر چند رسالے نکالے اور مجھے کہا کہ ان کو دیکھو۔ میں نے دیکھا تو ان میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا رد تھا۔ پھر تو میں نے اُس سے کہا کہ کیا تجھ جیسا آدمی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو سمجھ سکتا ہے جو رد کرنے کی جرأت کی۔ اُس نے کہا یہ رد میں نے علامہ فخر الدین رازی کی تالیف سے لیا ہے۔ میں نے کہا کہ فخر الدین رازی امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں ایک طالب علم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ بلکہ ان دونوں کی مثال بادشاہ اور رعایا میں سے ادنیٰ درجے کے آدمی کی یا ستارے اور آفتاب کی سی ہے۔ تو جس طرح علماء نے رعیت کے لئے اپنے بڑے امام اور خلیفہ پر اعتراض کرنا حرام قرار دیا ہے تاوقتیکہ اُس اعتراض کی کوئی واضح دلیل مثل آفتاب نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح مقلدوں کو ائمہ دین پر اُس وقت تک اعتراض کرنا ٹھیک نہیں جب تک وہ اپنے قول کی دلیل، نہ کوئی ایسا منصوص امر پیش نہ کریں جس میں تاویل کا بھی احتمال نہ ہو۔ (ص ۳۷ ج۱) اُس وقت تک غیر مقلدین کا وجود نہ تھا۔

عبرت دوم:

علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں: " اور ایک شافعی مذہب کا طالب علم جو مجھ سے پڑھنے آیا کرتا تھا۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی برائی بیان کیا کرتا تھا۔ اور کہا کرتا تھا کہ میں ان کے شاگردوں کا کوئی کلام بھی سننا گوارا نہیں کرتا۔ میں نے ایک دن اُس کو اس بات پر بہت ڈانٹا لیکن وہ پھر بھی باز نہ آیا۔ اور مجھ سے جدا ہو گیا۔ خدا کی شان کہ ایک دن بلند مکان کے زینے سے اس زور سے گر پڑا کہ اُس کے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی اور ہمیشہ ٹوٹی ہی رہی۔ یہاں تک کہ بہت بُرے حال پر مرا۔ اور مجھ کو عیادت کے واسطے بلایا، میں نے انکار کر دیا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے ادب کی وجہ سے کیونکہ وہ طالب

علم ان کو برا جانتا تھا۔ پس جان لو اس کو اور تمام ائمہ اور ان کے متبعین کے بارے میں زبان کو روکو۔ کیونکہ وہ سب سید ھے راستے پر ہیں و الحمد للہ رب العالمین۔ (ص ۳۷ ج ۱)

بدعت:

امام شعرانیؒ نے رائے محمود یعنی فقہ کے ایک ایک مسئلہ کو کتاب وسنت سے ماخوذ مانا ہے اور رائے مذموم یعنی بدعت کی مذمت احادیث رسول، اقوال صحابہ اور ارشادات ائمہ اربعہ سے نقل کی ہے۔ اس خود ساختہ اہل حدیث کا دجل وفریب ملاحظہ ہو کہ جو اقوال رائے مذموم بدعت کے رد میں تھے ان کو فقہی مسائل پر چسپاں کر دیا ہے۔ نہ خدا اور رسول سے شرم کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فقہ کو خیر فرمایا اور بدعات کو شر فرمایا۔ نہ ائمہ سے شرم نہ خلق خدا سے۔ چنانچہ علامہ شعرانیؒ نے (ص ۱۵۲ ج ۱ پر) ایک مستقل فصل بدعت کی تردید کے لئے باندھی ہے اس میں حضور ﷺ سے بدعات کا شر الامور اور گمراہی ہونا نقل فرمایا ہے۔ اسی ضمن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کوئی شخص دین میں کسی کی اس طرح تقلید نہ کرے کہ وہ مومن ہو جائے گا تو میں مومن ہو جاؤں گا۔ اور اگر وہ کافر ہو جائے گا تو میں بھی کافر ہو جاؤں گا۔ (ص ۱۵۴ ج ۱)

اور ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم ص ۱۱۴ ج ۲ پر ابن مسعودؓ سے اس قول میں یہ بھی اضافہ نقل فرمایا فانہ لا اسوۃ فی الشر کہ شر میں کسی کی تقلید نہیں۔ بات کتنی صاف ہے کہ شر یعنی کفر و بدعت میں تقلید کو منع کیا ہے۔ نہ کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید سے جو کتاب وسنت کی اتباع ہی کا دوسرا نام ہے۔ کیا واقعی خود ساختہ اہل حدیث ائمہ اربعہ کو کافر، شریر اور بدعتی مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے خناسوں کے وساوس سے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

مجتہدین اور تقلید:

یہ بات بچے بھی جانتے ہیں کہ نماز باجماعت میں ایک امام ہوتا ہے اور باقی مقتدی اور مقتدیوں کو جتایا جاتا ہے کہ تم پر امام کی اقتداء اور تابعداری واجب ہے۔ اگر امام

سے پہلے رکوع سجدہ وغیرہ کرلیا تو تم گویا امام کی تابعداری سے نکل گئے اور خطرہ ہے کہ تمہارا سر گدھے کے سر جیسا نہ بن جائے۔ یہاں باجماعت نماز میں امام بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہے اور مقتدی بھی مگر امام کی تابعداری میں وہ خدا کا بندہ بھی ہے اور امام کا تابعدار بھی۔ اسی طرح مسئلہ اجتہاد اور تقلید ہے کہ مجتہد اپنی اجتہادی بصیرت کے ساتھ کتاب وسنت پر عمل کرتا ہے۔ اور مقلد مجتہد کی رہنمائی اور تقلید میں کتاب وسنت پر عمل کرتا ہے وہ خدا اور رسول کا متبع بھی ہے اور امام کا مقلد بھی۔ لیکن اتنی صاف اور سادہ بات غیر مقلدین کے کسی نام نہاد عالم کو سمجھ آئی اور نہ جاہل کو۔ اجتہادی مسائل میں مجتہد کو اجتہاد کرنے کا حکم ہے فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اور جو خود اجتہاد نہیں کرسکتے ان کو تقلید کا حکم ہے فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ آئمہ مجتہدین اسی قرآنی حکم کے مطابق اپنے مجتہد شاگردوں کو تقلید سے منع کرتے اور فرماتے تم اہل اجتہادی بصیرت ہو وہیں سے احکام لو جہاں سے ہم نے اخذ کیے ہیں اور غیر مجتہدین پر تقلید کو لازم قرار دیتے تھے۔ چنانچہ علامہ شعرانیؒ لکھتے ہیں" اور ہم نے حضرت امام شافعیؒ سے روایت کی ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ احکام شرعیہ (فرض، سنت، مکروہ، حرام وغیرہ) کو ماننا نصف ایمان ہے۔ اس پر امام ربیعؒ نے فرمایا بلکہ وہ پورا ایمان ہے۔ اے ابو عبداللہ، تو امام شافعیؒ نے فرمایا بیشک یہی ہے۔ اور امام شافعیؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بندہ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اصول شریعت میں بحث اور چون و چرا کرے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ وہ اصول کیا ہیں تو جواب میں فرمایا کہ قرآن وسنت اور اجماع امت۔ مطلب یہ ہے کہ ہم کو اس کا اعتراف کرنا چاہیے کہ جو کچھ ہمارے پروردگار یا ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے اس پر ہم ایمان لاتے ہیں۔ اس کی حکمت خدا کے علم میں جو کچھ بھی ہو اور ہمیں یہ احکام تسلیم کر لینے چاہئیں جو کہ شریعت سے ثابت ہے اور یہ بھی چاہیے کہ ہم اپنے اماموں کے کلام پر بغیر جھگڑے اور چون چرا کے ایمان لائیں" (میزان ج ۱ ص ۲۳) اس سے آگے فرماتے ہیں "شریعت میں جو دلیل کرنا علامت نفاق ہے ......" اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی نبی سے تنازع جائز نہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی انسان کا خطا شریعت سے

سوال اور رجوع کرنا اور ان کے دلائل حقہ کا اعتبار کرنا ایسا ہے جیسا خود آنحضرت ﷺ سے
سوال کرنا۔ اگرچہ آنحضرت ﷺ اور علماء میں علمی تفاوت ضرور ہے لیکن پھر بھی وہ رسول خدا
ﷺ کے نائب اور قائم مقام ہیں۔ اور جس طرح رسولوں کے اوامر و احکام کی تصدیق اور
ان پر ایمان لانا واجب ہے اگرچہ ہم انکی حکمتوں سے ناواقف ہوں۔ اسی طرح آئمہ علیہم
الرحمۃ کے کلام کی تصدیق اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے اگرچہ انکی علت ہماری سمجھ میں نہ
آتی ہو۔ مگر اس وقت کہ جب اس کلام کے خلاف کوئی امر شارع سے منقول ہو (ج ۱ ص ۱۴۳)

عالم کامل:

تقلید کا حکم عوام کے لئے ہے علماء یعنی مجتہدین کے لئے نہیں۔ آج کل اردو کا
ایک رسالہ پڑھ کے لوگ اپنے آپ کو عالم سمجھنے لگتے ہیں۔ علامہ شعرانی فرماتے ہیں "
ہمارے نزدیک عالم کو علم میں کمال اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ جب وہ تمام مجتہدین اور ہر دور
کے مقلدین کے اقوال کو کتاب و سنت کی طرف رد کرنے لگے۔ اور کسی قول کا ماخذ اس سے
مخفی نہ رہے۔ جس وقت یہ درجہ اس کو حاصل ہو جائیگا تو اس وقت وہ عوام کے درجہ سے خارج
ہو کر خواص میں داخل ہوگا۔ اور اس قابل ہو جائیگا کہ وہ افضل عالم کے مرتبہ منتخب کیا جائے۔
اور یہ اس کے لئے پہلا مرتبہ ہوگا ان مراتب کا جو علماء کے لئے خدا تعالیٰ کے احسان سے
ہوتے ہیں۔ اس کے بعد پھر اس کی درجہ بدرجہ ترقی ہوتی رہے گی۔ یہاں تک کہ وہ قرآن
شریف کے تمام احکام کو ایک سورت (سورۃ فاتحہ) سے نکالنے لگے گا۔ پھر جب وہ شخص
اپنی نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھے گا تو اس کو صرف اس کے پڑھنے کا اتنا ثواب ملے گا جتنا تمام
قرآن کریم کا کیونکہ وہ قرآن کے تمام معانی کو محیط ہے۔ اس کے بعد پھر اس کی اور ترقی
ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ قرآن اور شریعت کے تمام احکام اور مجتہدین اور مقلدین کے تمام
اقوال حروف ابجد کے جس لفظ سے چاہے نکالنے لگے گا۔ اس کے بعد پھر اور ترقی ہوگی
یہاں تک کہ اس کا مرتبہ اس سے بھی زیادہ بلند ہو جائے گا۔ شیخ فرماتے ہیں اس مرتبہ کا شخص
ہمارے نزدیک عالم کامل ہے۔ (ص ۱۴۳ ج ۱)

مقام مجتہدین:

"اہل کشف کا اجماع ہے کہ مجتہدین وہ لوگ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے علوم وحی میں حقیقی وارث ہیں۔ پس جس طرح نبی معصوم ہوتا ہے ایسے ہی اس کا وارث بھی واقع میں خطاء سے دور ہے۔ اگر کوئی شخص اس کو خطاء وار بتلائے تو یہ خطاء اضافی ہے۔ کیونکہ اس کے قول کی دلیل کی ناواقفیت پر مبنی ہے وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء اور رسول بڑے رفیع مرتبہ والے حضرات ہیں۔ ان مراتب کی وراثت سوائے علماء مجتہدین کے اور کسی کو میسر نہ ہوئی تو ان کا اجتہاد وجوب عمل میں مثل نصوص شارع کے ہے۔ کیونکہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے احکام میں اجتہاد کرنے کی اجازت فرمائی ہے۔ باری تعالیٰ کے اس ارشاد کے تحت میں کہ "ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم" اور یہ بات ظاہر ہے کہ استنباط مجتہدین ہی کا کام ہے تو ان کا اجتہاد شارع کے حکم کو ظاہر کر دیتا ہے، پس ہر مجتہد بر حق ہے اس لئے کہ وہ اس اجتہاد سے کام لیتے ہیں جس کا شارع نے اقرار کیا ہے۔ اور میں نے بعض اہل کشف سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجتہدین کے اجتہاد کے ساتھ اس وجہ سے عبادت کراتا ہے۔ تا کہ ان کو شریعت کی وضع سے کچھ حصہ مل سکے اور انکا قدم اس میں راسخ ہو جائے۔ اور آخرت میں سوائے رسول اللہ ﷺ کے کوئی ان کے آگے نہ ہو۔ تو اس امت کے علماء حشر میں شریعت مطہرہ کی دلیلوں کے حافظ اور اس کے نکات سے واقف ہوں گے۔ اور انبیاء اور رسولوں کی صف میں کھڑے ہوں گے نہ کہ امتوں کی صف میں (ص ۱۱۳ ج ۱)

جامعیت:

علامہ فرماتے ہیں کہ مجتہدین نے اپنے مذاہب کے قواعد کو ایسی حقیقت پر مبنی کیا ہے جو شریعت کے دونوں مرتبوں (اجتہاد اور کشف) میں اعلیٰ ہے۔ جس طرح ان اقوال کی ظاہری شریعت پہ بنا بالکل صحیح اور درست ہے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ مجتہدین حقیقت کے جاننے والے بھی ہیں..... تو پھر کوئی قول ان کا شریعت سے کیسے خارج ہو سکتا

ہے۔ جو شخص اس بارہ میں ہم سے نزاع کرے تو وہ آئمہ کے مقام سے جاہل ہے۔ اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ حضرات شریعت اور حقیقت دونوں کے عالم تھے (ص ۱۳۴ ج ۱) ان مجتہدین نے جو نبی پاک ﷺ کے کامل وارث تھے اور نبی پاک ﷺ کی شریعت مطہرہ کو اس جامعیت کے ساتھ مدون کروایا کہ ایک فرض۔ ایک واجب۔ ایک سنت۔ ایک مستحب۔ ایک مباح۔ ایک مکروہ۔ ایک حرام بھی بغیر وضاحت کے نہ چھوڑا۔ یہ حضرات اپنے ان شاگردوں کو جو اجتہاد کی اہلیت سے سرفراز تھے تقلید سے منع کرتے اور اجتہاد کی ترغیب دیتے۔ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقلید میں کثرت کرنا (اجتہادی) بصیرت میں نقصان پیدا کرتا ہے۔ اس کلام سے امام موصوف کا منشاء (مجتہدین) کو اس امر پر برانگیختہ کرنا ہے کہ وہ احکام دینیہ کو خود چشمہ شریعت سے حاصل کرنے لگیں اور کسی مجتہد کے پردہ کی آڑ میں رہ کر صرف تقلید پر ہی اکتفاء نہ کریں۔ (ص ۱۰۹ ج ۱) علامہ شعرانیؒ نے صاف صاف تصریح فرما دی کہ ائمہ کے اقوال کے مطالب علماء ہیں۔ اور عالم کی تعریف پہلے گزر چکی۔ مزید علامہ فرماتے ہیں " اور اس پر بھی اجماع ہے کہ کوئی شخص عالم اس وقت تک نہیں کہا جا سکتا جب تک اقوال علماء کے ماخذوں سے بحث نہ کرنے لگے۔ اور یہ نہ جان لے کہ انہوں نے کتاب و سنت کے کون سے مقام سے اپنے اپنے اقوال کو اخذ کیا ہے۔ اس شخص کو عالم نہیں کہہ سکتے جو از راہ جہالت ان اقوال کو رد کر دے (ص ۷۵ ج ۱) الغرض مجتہدین نے مجتہدین کو اجتہاد کا حق دیا اور عوام کو تقلید کا۔ لیکن یہ خود ساختہ اہل حدیث جب سے پیدا ہوئے ہیں ان کا ہر بڑا چھوٹا یہ جھوٹ بولتا ہے کہ آئمہ اربعہ نے عوام اور جہلاء کو تقلید سے منع کر کے نااہل لوگوں کو اجتہاد کا حق دیا ہے اور کس قدر جہالت اس فرقہ کی یہ ہے کہ تقلید کا رد خود تقلید سے کرنا چاہتے ہیں کہ تمہارے امام نے تقلید سے منع کیا ہے لہذا تم اپنے امام کے اس قول کی تقلید کرو۔ اب جو حکم انہوں نے مجتہدین کو دیا تھا اس کو عوام پر چسپاں کرنا وہی حرکت ہے جس کو قرآن پاک نے یہود کی عادت قرار دیا ہے کہ "**یحرفون الکلم عن مواضعه**" کہ وہ بات کو اپنے اصل موقع سے ہٹا کر دوسرے موقع پر چسپاں کر دیا کرتے تھے۔ اعاذنا اللہ منہ

ولی اور تقلید:

علامہ شعرانیؒ نے ولایت محمدیہ اور تقلید کا ذکر بھی فرمایا ہے لیکن اس سے پہلے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ان کے ہاں ولی کون ہے؟ حضرت فرماتے ہیں کہ "میں نے اپنے شیخ علی مرصفی رحمۃ اللہ علیہ کو بار بار یہ فرماتے سنا کہ تمام آئمہ مذاہب رحمہم اللہ تعالیٰ حال اور قال دونوں علموں میں رسول خدا ﷺ کے وارث ہیں۔ برخلاف بعض صوفیہ کے کہ انہوں نے یہ وہم کیا ہے کہ مجتہدین صرف علم قال ہی میں رسول اللہ ﷺ کے وارث ہیں علم حال میں نہیں۔ یہاں تک کہ بعض صوفیہ یہ کہہ بیٹھے ہیں کہ مجتہدین کا تمام علم اس نیک بندہ کے علم کا چوتھائی حصہ ہے جو طریقت میں کامل ہے کیونکہ انسان ہمارے ہاں اسوقت کامل ہوتا ہے جب وہ ولایت کے اس مقام پر پہنچ جائے جس میں اس کو چاروں مدارج کا علم ہو جانے جو اس فرمان خداوندی ھو الاول و الآخر و الظاھر و الباطن میں مستور ہے۔ وہی اول ہے اور وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے اور وہی پوشیدہ۔ اور مجتہدین صرف خداتعالیٰ کے اسم ظاہر کے مرتبہ کے نہ وہ ازل کے مرتبہ سے واقف ہیں نہ ابد کے اور نہ علم حقیقت ان پر روشن ہے۔ میں کہتا ہوں یہ اس شخص کا کلام ہے جو آئمہ رحمہم اللہ کے حالات سے ناواقف ہے۔ اور کیسے ہو آئمہ جو زمین کی میخیں اور دین کے ستون ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والے ہیں{ص ۱۴۷ ج۱)

یہ ہے ان کے ہاں مقام ولایت اور مقام اجتہاد۔ اب اسی مقام کے بارہ میں لکھتے ہیں "اگر تم کہو کہ جو شخص چشمہ شریعت اولی کے کنارہ پر پہنچ گیا تو کیا وہ اس بارہ میں مجتہدین کے برابر ہو گا کہ وہ اس چشمہ سے آب گیری کرے جس طرح مجتہدین کرتے ہیں۔ اور حلقہ تقلید اپنی گردن سے نکال دے گا۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں ایسا ہی کرے۔ کیونکہ جس کا قدم ولایت محمدیہ میں پہنچ جاتا ہے تو وہ احکام شرعیہ اس جگہ سے اخذ کرنے لگتا ہے جہاں سے مجتہدین لیتے ہیں۔ اور تمام مذاہب کی تقلید سے اپنی گردن کو آزاد کر لیتا ہے۔ صرف آنحضرت ﷺ کی تقلید باقی رہتی ہے پھر اگر کسی ولی کے متعلق کہا جاتا ہو کہ وہ حنفی یا شافعی تھے

یا حنفی تھے تو یہ اس وقت کے اعتبار سے سمجھو کہ جب تک وہ کمال تک نہ پہنچے تھے (ص ۹۳ ج ۱)
پھر لکھتے ہیں اگر تم سوال کرو کہ پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ ولی کامل مقلد نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنا علم اسی سرچشمہ سے حاصل کرتا ہے جہاں سے آئمہ مجتہدین حاصل کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم بعض اولیاء کو دیکھتے ہیں کہ وہ بعض اماموں کی تقلید کرتے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یا تو وہ ولی مقام کمال تک نہیں پہنچا ہوتا یا پہنچ چکا ہوتا ہے لیکن کسی مسئلہ میں کسی خاص امام کے مذہب کی پیروی کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے اس نے ادب کی غرض سے کیونکہ وہ امام اس ولی سے اس مسئلہ کے قائل ہونے میں سابق ہے۔ اور پروردگار عالم نے اسکو امام اور مقتداء بنایا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ولی اس مسئلہ پر جو کسی امام کا مذہب ہے اس وجہ سے عمل کرتا ہے کہ وہ ولی اسکی دلیل سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ امام کی تقلید کر رہا ہے۔ حالانکہ اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اسکو بذریعہ کشف اس مسئلہ کی حقانیت ثابت ہو جاتی ہے۔ تو حقیقت میں وہ ولی شارع کی تقلید کرتا ہے نہ کہ کسی امام کی اور کوئی ولی سوائے شارع کے کسی اور سے علم حاصل نہیں کرتا۔ اور ہر ولی اپنے اوپر اس کو حرام جانتا ہے کہ کسی ایسے امر میں قدم رکھے جس میں اس سے پہلے اور آگے رسول اللہ ﷺ قدم نہ رکھ چکے ہوں۔ ایک دفعہ میں نے اپنے شیخ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ کس طرح صحیح ہے اور اس کی کیا وجہ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حضرت امام احمد بن حنبل کی تقلید کرتے تھے اور شیخ محمد حنفی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے تھے۔ حالانکہ یہ دونوں قطب اکبر کے لقب سے مشہور ہیں۔ اور اس مرتبہ کے شخص کی شان یہ ہے کہ وہ کسی کی تقلید نہ کرے سوائے شارع کے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ یہ دونوں حضرات کمال تک پہنچنے سے پہلے واقعی مقلد تھے لیکن بعد کمال پر پہنچ جانے کے استصحاب حال کے طور پر لوگ یہی سمجھتے رہے کہ اب بھی مقلد ہیں حالانکہ وہ تقلید سے خارج ہو چکے تھے۔ (ص ۹۶ ج ۱) اس عبارت سے روز روشن کی طرح یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ حضرات قطب اکبر کے مقام پر تقلید ہی کی برکت سے بلکہ تقلید شخصی ہی کی برکت سے پہنچے۔ اگر تقلید شخصی حرام یا شرک یا کسی بھی درجہ کا بھی گناہ ہوتی تو ناممکن ہے کہ گناہ پر اصرار کرنے کی وجہ سے کو

ئی قطب اکبر اور ولایت محمدیہ کے مقام پر پہنچے اور اس مقام پر پہنچ کر بھی نہ کبھی زبان سے تقلید شخصی کو ناجائز کہا نہ کسی کو اس سے روکا اور نہ عملی طور پر کسی ایک مسئلہ میں بھی اپنے امام کی مخالفت کی۔ یہی وجہ ہے کہ سب دیکھنے والے جس طرح ولایت محمدیہ کے مقام پر پہنچنے سے پہلے ان کو حنبلی اور حنفی کہتے تھے بعد میں بھی حنبلی اور حنفی ہی کہتے رہے اور انہوں نے بھی اس سے نہیں روکا کہ اب ہمیں حنبلی یا حنفی نہ کہو۔ رہی یہ بات کہ جو خود دریا پر پہنچ جائے اس کو دریا کے پانی کے لئے نہر کی ضرورت نہیں رہتی اور دریائے محمدی تک پہنچنے کے دو ہی راستے ہیں یا اجتہاد کامل یا کشف تام۔ جو ان دونوں سے محروم ہے وہ اگر نہر سے پانی نہ لے گا تو دریائے محمدی کے پانی سے بالکل محروم رہے گا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ جو ولی قطب اکبر کے مقام پر پہنچ جائے اور براہ راست چشمہ شریعت سے سیراب ہونے لگے وہ صرف خود ہی سیراب ہو رہا ہے لیکن مجتہد کروڑہا انسانوں کو اس چشمہ کا پانی پہنچا رہا ہے۔ یہ فیض عام اس فیض خاص سے بہت بڑا ہے۔

مجتہدین اور مقلدین:

علامہ شعرانیؒ اپنی کتاب کا دیباچہ ہی اس طرح شروع کر رہے ہیں "سب تعریف اس خدا کے واسطے ہے جس نے شریعت مطہرہ کو ایک ایسا سرچشمہ بنایا جس سے تمام علوم مفیدہ کے دریا اور نہریں پھوٹتی ہیں۔ اور اس کی گوئیں دلوں کی زمین پر اس طرح بہائیں کہ جس طرح نزدیک رہنے والا قلب ان سے سیراب ہو سکتا ہے اسی طرح دورباش دل بھی علماء شریعت کی تقلید کر کے ان سے سیرابی حاصل کر سکتا ہے۔ اور جس نے اپنے مخصوص بندوں میں سے جس پر چاہا چشمہ شریعت اور تمام ان احادیث و آثار سے آگاہ کرنے کا احسان فرمایا جو بلاد و امصار میں شائع ہیں۔ اور بطور کشف اسے شریعت کے اس چشمے دہانے سے آگاہی بخشی جس سے ہر دور اور ہر زمانے کے اقوال متفرع ہیں، پس جب اس نے کشف اور معائنہ دونوں طریقوں سے تمام اقوال کا چشمہ شریعت سے متصل ہونا دیکھ لیا تو وہ مجتہدین اور مقلدین کے تمام اقوال کے برحق ہونے کا معترف ہو گیا۔ اور اس نے تمام

مجتہدوں کو شریعت کے بڑے چشمہ سے آب گیری کرنے میں ہم شریک بنایا۔ اگرچہ خود ان مجتہدوں سے نظر بصیرت میں قاصر اور زمانہ کے لحاظ سے موخر ہو۔ کیونکہ شریعت ایک بڑے پھیلے ہوئے درخت کی مثل ہے اور علماء کے اقوال شاخیں اور ٹہنیاں ہیں (جب کہ کتاب وسنت اس کی جڑیں ہیں) اور شاخ بغیر جڑ اور پھل بغیر ٹہنی کے موجود نہیں ہوسکتا۔ جس طرح مکانوں اور عمارتوں کا وجود دیواروں (اور بنیادوں) کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اور اہل کشف کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص نے علماء شریعت (مجتہدین) کے اقوال میں سے کسی ایک قول کو بھی شریعت سے خارج کیا تو یہ اس کے مرتبہ معرفت سے قاصر رہنے کی دلیل ہے۔ کیونکہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی امت کے علماء کو شریعت کا امین قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں علماء رسولوں کے امانت دار ہیں جب تک بادشاہوں سے خلط ملط نہ کریں اور یہ امر محال ہے کہ معصوم اپنی شریعت کا امین خائن کو بنائے۔۔۔۔۔ اور بیشک جو شخص علماء شریعت کے کسی قول کو رد اور خارج از شریعت کرتا ہے تو گویا وہ اپنے جاہل ہونے کا پکار کر اعلان کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے خبردار گواہ رہو کہ میں جاہل ہوں (ص ۵٦ ج ۱)

لازم:

علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں ہر مسلمان کے لئے ان طریقوں (مذاہب) میں سے ایک طریقہ لازم ہے تاکہ اس کا قلبی اعتقاد زبانی اقرار کے مطابق ہو جائے کہ تمام آئمہ مسلمین اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ اور جس شخص کی رسائی اس عقیدہ تک بطور کشف اور معائنہ کے نہ ہو سکے اس پر واجب ہے کہ بطور تسلیم اور ایمان ہی کے اس عقیدہ کو پیدا کرے اور جس طرح ہمیں ان امور میں طعن وتشنیع جائز نہیں جنہیں انبیاء علیہم السلام لائے حالانکہ ان کی شریعتیں مختلف ہیں اسی طرح ان مسائل میں بھی طعن روا نہیں جن کو آئمہ مجتہدین نے بطور اجتہاد کے استنباط کیا ہے (ص ۵۷ ج ۱)

بڑی لغزش:

فرماتے ہیں کہ "مومن کامل ضرور اس بات پر ہر طرح یقین رکھتا ہے کہ اگر باری تعالیٰ کو ازل میں اس کا علم نہ ہوتا کہ مومنوں کے لئے ان کو مذاہب مختلفہ پر ہی منقسم کرنے میں مصلحت ہے، تو وہ ان مذاہب کو پیدا ہی نہ فرماتا۔ اور نہ ان کو ان مذہبوں پر باقی رکھتا۔ بلکہ ان سب کو ایسے ایک طریقے پر آمادہ کرتا جس سے وہ عدول ہی نہ کر سکتے۔ جس طرح اصل دین سے عدول کرنے کو ناجائز کر دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ اس کو خوب سمجھ لو کیونکہ یہ نفیس مضمون ہے معلوم ہوا کہ اصول دین پر اس کے فروع کو قیاس نہیں کر سکتے تاکہ یوں کہیں کہ اصول میں اختلاف ناجائز تو فروع میں بھی ناجائز ہے کیونکہ ایسا قیاس بہت بڑی لغزش ہے (ص ۴۶ ج ۱) مؤلف حقیقۃ الفقہ بھی اسی بڑی لغزش کا مریض ہے، دیکھو ص ۲۰" یہ بے علم لوگ اصل اور فرع کا فرق بھی نہیں جانتے اور اس بے علمی پر صرف یہی دعویٰ نہیں کہ ہم کتاب وسنت سے براہ راست احکام کا استنباط کر سکتے ہیں بلکہ یہ دعویٰ ہے کہ جن ائمہ کے مجتہد ہونے پر امت کا اجماع ہے ان کی غلطیاں بھی پکڑ سکتے ہیں۔

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہم سفر غالب وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

آپ تو ایسے ہی ہے جیسے زمانہ بھر کا بخیل حاتم کی سخاوت پر اعتراض کرے۔ یا کوئی نامرد ہیجڑا رستم کی پہلوانی کا مذاق اڑائے۔

مثال اول:

ایک شخص بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ رہا ہے دوسرا بیت اللہ کی طرف یہ گویا اصولی اختلاف ہے دونوں کا قبلہ الگ الگ ہے، ایک شخص بیت کے مشرق کی طرف کھڑا ہو کر بیت اللہ شریف کی طرف نماز پڑھ رہا ہے دوسرا مغرب کی طرف تو یہ اختلاف قبلہ نہیں اختلاف

جیت ہے لکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات ۔

مثال دوم:

ایک آدمی قرآن کی تلاوت کر رہا ہے دوسرا تورات کی یہ دونوں کتابیں ہی الگ الگ ہیں، ایک آدمی قاری عاصم کی قرأت پر قرآن کی تلاوت کر رہا ہے دوسرا قاری حمزہ کی قرأت پر تو یہ دونوں قرآن ہی کی تلاوت کر رہے ہیں۔

نصیحت:

فرماتے ہیں "اب ہر امام کے اس کلام کو جس کی کوئی صریح دلیل قرآن و حدیث میں نہ پاؤ۔ اسی پر قیاس کر کے یقین کرلو کہ کوئی دلیل ضرور ہے۔ جو ہمارے فہم ناقص میں نہیں آتی۔ یہ جائز نہیں کہ اس کے کلام کو مردود یا ضعیف سمجھو کیونکہ تمہارے فہم کو امام کے فہم سے کیا نسبت تمہاری عقل ان کی عقل کے بالمقابل مانند غبار خاک کے ہے اور وہ ہی زیادہ جاننے والا ہے (ص ۲۰۷ ج ۱)

قیاس ابلیس:

غیر مقلدین سراپا اماموں کی رائے اور قیاس میں غرق ہیں، احادیث کے صحیح یا ضعیف کہنے میں وہ مابعد خیر القرون کے اماموں کی قیاسی آراء کے پابند ہیں، احادیث مذکورہ مسائل کے احکام فرض سنت نفل مباح حرام وغیرہ میں ائمہ مجتہدین کے اجتہادات کے پابند ہیں، اختلافی احادیث کے رد و قبول میں شافعی مقلدین کی آراء کے پابند ہیں، ہر طرف سے قیاسات میں غرق ہونے کے باوجود زبان پر یہی شور ہوتا ہے کہ قیاس کرنا شیطان کا کام ہے۔ اسی بارہ میں امام شعرانیؒ ایک واقعہ درج کرتے ہیں کہ "ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق اور امام مقاتل بن حیانؒ اور چند بزرگ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ اللہ کے دین میں قیاس بہت کرتے ہیں حالانکہ اس قیاس کا بانی ابلیس لعین ہے تو مناسب ہے کہ آپ ہرگز قیاس نہ کریں تو آپؒ نے فرمایا کہ میں جو کہتا ہوں وہ قیاس نہیں ہوتا بلکہ وہ سب قرآن شریف سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ما فرطنا فی

الکتاب من شیئ ۔ہم نے قرآن شریف میں کسی شے کے بیان کو نہیں چھوڑا۔ تو جو کچھ میں کہتا ہوں وہ واقع میں قیاس نہیں ہوتا۔ بلکہ اس انسان کے نزدیک قیاس ہوتا ہے جس کو خداتعالیٰ نے قرآن شریف سمجھنے کا ملکہ عنایت نہیں فرمایا (ص ۸۵ ج ۱)

مذہب امام:

امام شعرانی امام ابو مطیع بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ یہ تو فرمائیں کہ اگر کسی امر میں ایک آپ کی رائے ہو اور اسی امر میں حضرت ابوبکرؓ کی کچھ اور رائے ہو تو کیا آپ اپنی رائے کو چھوڑ کر ان کی رائے کو اختیار کرلیں گے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا "ضرور" پھر میں نے کہا کہ اگر آپ کی رائے کے مقابلہ میں حضرت عمر فاروقؓ کی کچھ اور رائے ہو تو اپنی رائے چھوڑ دوگے؟ آپ نے فرمایا ضرور چھوڑ دونگا۔ علی ھذا القیاس حضرت عثمانؓ حتیٰ حضرت علیؓ اور سوائے انس بن مالکؓ، ابوہریرہؓ اور سمرہ بن جندبؓ کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے بالمقابل اپنی رائے ترک کردونگا۔ انتہیٰ۔ بعض علماء نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ تینوں حضرات معرفت میں کامل اور مدارک اجتہاد پر مطلع نہیں ہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں عدالت نہ ہو اور وہی امام ابو مطیع روایت بیان کرتے ہیں کہ میں کوفہ کی جامع مسجد میں امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کے پاس سفیان ثوری، مقاتل بن حیان، حماد بن سلمہ، جعفر صادق اور بعض فقہا آئے۔ اور امام صاحب سے کہنا شروع کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ دین میں قیاس بہت کرتے ہیں اور ہم کو خوف ہے کہ کہیں یہ کثرت قیاس آپ کے لئے نقصان دہ نہ ہو کیونکہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا ہے۔ چنانچہ امام صاحب نے اس بارہ میں جمعہ کے دن صبح سے لے کر دوپہر تک مناظرہ کیا۔ اور اپنا مذہب ان کو بتلایا۔ کہ میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں۔ اس کے بعد سنت پر، اس کے بعد صحابہؓ کے فیصلوں پر اور جس حکم میں ان سب کا اتفاق ہو اس کو عملاً مقدم جانتا ہوں اس پر جس میں صحابہ کا اختلاف ہو، البتہ اس اختلاف کی صورت میں (ان میں سے راجح کو اختیار کرنے کے

لئے) مجبوراً قیاس کرتا ہوں، یہ سن کر وہ سب حضرات کھڑے ہو گئے۔ اور امام اعظمؒ کے ہاتھ اور گھٹنے کو بوسہ دیا اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگے کہ آپ علماء کے سردار ہیں۔ ہمارے سابق قصور کو معاف فرما دیجئے کہ ہم نے آپ پر اعتراض کئے۔ ہمیں آپ کے مذہب کا اچھی طرح علم نہ تھا۔ آپ نے فرمایا غفر اللّٰہ لنا ولکم اجمعین اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں سب کو معاف فرمائے۔ (ص ۶۷ ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بعض فقہاء اہل سنت نے اہل بدعت کے غلط پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر امام صاحب پر کچھ اعتراضات کئے لیکن جب امام صاحب سے خود ان کے مذہب کی تحقیق کی تو ان اعتراضات سے رجوع کرنے کے ساتھ امام صاحب سے معافی بھی مانگی۔ لیکن بعض متعصبین نے جن میں خطیب بغدادی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان پہلے زمانوں کے اقوال کو تلاش کر کے اکٹھا کیا۔ یہ ضد اور تعصب کی انتہا ہے کہ جن اقوال سے وہ فقہاء و محدثین رجوع کر چکے تھے پھر ان کو اکٹھا کر کے امام صاحب کے سر تھوپا جا رہا ہے نہ انسانوں کی شرم ہے نہ خوف آخرت۔ مندرجہ بالا ارشادات امام سے یہ واضح ہو گیا کہ آپ حدیث تو حدیث صحابہ کے اجتہادات کے مقابلہ میں بھی اپنا اجتہاد ترک فرما دیتے تھے لیکن ضد اور ہٹ دھرمی کا خدا ستیاناس کرے کہ یہ انسان کو دنیا و آخرت دونوں میں ذلیل کرتی ہے۔ سید بدیع الدین سندھی نے ایک نئی بدعت کا آغاز کیا کہ امام صاحب کا فلاں فتویٰ فلاں صحابی کے فتویٰ کے خلاف ہے اس طرح کی فہرستیں بنائیں لیکن یہ کام وہی ہی جو منکرین قرآن کی تصدیق میں کیا۔ جب اہل سنت کہتے ہیں کہ دس قاریوں کی سماعت کی ہی متواتر قرأتیں ہیں تو وہ ادھر قاری عاصم کی متواتر قرأت سے ایک آیت لکھتے ہیں اور مقابلہ میں کسی صحابی کی طرف منسوب کسی شاذ یا منکر قرأت کا ذکر کرتے ہیں اور اس متواتر اور شاذ کے اختلاف کو صحابہ کرام اور قاری عاصم کی قرأت کا مقابلہ بنا کر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں یہی دھوکا غیر مقلدیت مسلمانوں کو دیتی ہے۔

مزید وضاحت:

اور خلیفہ ابو منصور نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ تم قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہو، آپ نے جواب میں لکھا کہ اے امیر المومنین تم نے غلط سنا ہے بلکہ میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں اس کے بعد سنت رسول اللہ ﷺ پر اور پھر حضرت ابوبکر صدیق کے فیصلے پر اس کے بعد حضرت عمر فاروق کے فیصلے پر اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے فیصلے پر اس کے بعد حضرت علی بن ابی طالبؓ کے فیصلے پر پھر باقی صحابہؓ کے فیصلوں پر اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم کسی مسئلہ میں مختلف ہوتے ہیں تو مجبوراً قیاس کرتا ہوں کیونکہ خدا تعالیٰ کی نعوذ باللہ اپنی مخلوقات سے رشتہ داری تو ہے ہی نہیں۔ شاید امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آخری جملہ سے یہ مطلب ہوگا کہ دین خداوندی میں یہ ہرگز جائز نہیں کہ کسی شخص کے قول کی رعایت کی جائے اور دوسرے کی نہ کی جائے بلکہ تمام مخلوق پر امر حق کی بجا آوری واجب اور فرض ہے اور اللہ تعالیٰ اُن کے مطلب کو خوب سمجھتا ہے۔ امام ابو جعفر شیزاماری نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دین میں رائے زنی کرنے سے بریت اس قدر بسیط مضمون میں بیان کی ہے جتنے کی ضرورت نہ تھی اور اسی ضمن میں اس شخص کی خوب تردید کی ہے جس نے امام صاحب کے متعلق یہ طعنہ زنی کی ہے کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں چنانچہ امام ابو جعفر کا قول ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے صحیح روایت یہ منقول ہے کہ وہ حدیث کو آثار صحابہ پر مقدم رکھتے ہیں اور جب کسی حکم کو آثار میں بھی نہیں پاتے تو قیاس کرتے ہیں پس یہ بات مسلم ہے کہ آپ اس وقت قیاس کرتے ہیں جب کسی حکم کو نہ تو کتاب اللہ میں پاتے ہیں نہ حدیث رسول اللہ ؐ میں اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فیصلوں میں، امام صاحبؒ کے طریقہ استنباط کے متعلق یہ نقل بالکل صحیح ہے (بلکہ ہمارے اصول میں متواتر ہے) اسی پر اعتماد کرو اور اپنی آنکھوں اور کانوں (اور زبان وقلم) کی حفاظت کرو۔ پھر امام ابو جعفرؒ کا بیان ہے کہ قیاس کرنے میں گویا امام صاحبؒ ہی نرالے نہیں ہیں بلکہ ضرورت اور مشورہ کی

کے وقت تو تمام علماء ہی قیاس کرتے ہیں اور ضرورت یہ ہوتی ہے کہ جب کسی مسئلے کے حکم کو قرآن شریف یا سنت یا اجماع یا صحابہؓ کے فیصلوں میں منصوص نہیں پاتے تو پھر مجبوراً قیاس کو اختیار کرتے ہیں الغرض تمام آئمہ کے مقلدین ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ تک قیاس کرتے چلے آئے ہیں لیکن اسی ضرورت کے وقت اور پھر کسی کو ان میں سے اس قیاس پر انکار کرتے نہیں دیکھا بلکہ اور قیاس کو ادلہ اربعہ میں سے ایک دلیل قرار دیا ہے بایں ترتیب کہ اول قرآن شریف پھر حدیث رسول پھر اجماع امت پھر قیاس اور حضرت امام شافعیؒ خود فرماتے ہیں کہ جب ہم کو کسی مسئلہ میں کوئی دلیل نہ ملے گی تو ہم دوسرے کسی مسئلہ پر اس کو قیاس کریں گے (انتہیٰ) اگر کوئی شخص امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اعتراض کرے کہ وہ قیاس پر عمل کرتے ہیں تو یہ اعتراض دوسرے اماموں پر بھی لازم آتا ہے کیونکہ وہ سب امام صاحبؒ کے ساتھ قیاس کرنے میں شریک ہیں لیکن اسی ضرورت مذکورہ کے وقت (ص ۷۷ ج ۱)

شوریٰ:

امام شعرانیؒ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں لکھتے ہیں " ان کی یہ شان تھی کہ جب وہ کسی مسئلہ کو قرآن سے یا حدیث سے مستنبط کرتے تھے تو اس کی تدوین کا حکم نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ ایک مجلس علماء (مجتہدین) کی قائم کرتے اور پھر ان سے دریافت کرتے تھے کہ کیا تم اس مسئلہ کو پسند کرتے ہو، اگر وہ کہہ دیتے کہ ہاں تو ابو یوسف اور محمد بن حسن رحمہما اللہ کو اس مسئلہ کے لکھنے کا حکم فرماتے تھے اور اگر وہ مجلس اس کو ناپسند کرتی تو امام صاحب بھی اس کو چھوڑ دیتے تھے اور ہمارا تمام مجتہدین کے بارہ میں یہ عقیدہ ہے کہ وہ شریعت میں اپنی جانب سے کوئی قول جب استنباط کرتے ہیں جب اس میں شارع کی طرف سے کوئی تصریح نہیں پاتے"۔ (ص ۱۳۱ ج ۱)

مقام امام عالی مقام:

یاد رہے علامہ شعرانی حنفی نہیں ہیں بلکہ امام شافعیؒ کے مقلد ہیں اور یہ ان سب لوگوں

سے متأخر ہیں جنہوں نے امام صاحب پر بے بنیاد الزامات لگائے جیسے خطیب بغدادی وغیرہ جن کے حوالے اس دور غیر مقلدین آج نقل کر کے امام صاحبؒ پر بدزبانی کرتے اور لعن آخر ھذہ الامۃ اولھا کا مصداق بنتے ہیں۔ امام ابوجعفر شیزاماری امام الاولیاء حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ اورع الناس (سب سے زیادہ متقی) تھے اور سب سے بڑے عالم اور سب سے زیادہ عبادت گزار اور سب سے زیادہ اکرام کرنے والے اور سب سے زیادہ دین میں احتیاط اور دین خداوندی میں قول بالرائی سے سب سے زیادہ دور رہنے والے تھے اور آپ کا دستور تھا کہ کسی مسئلہ علمی کو اس وقت تک نہ لکھواتے تھے جب تک اپنے سب اصحاب کو ایک مجلس میں جمع کر کے ان کی رائے نہ لے لیتے، جب وہ سب اس کے موافق شریعت ہونے کی شہادت دیتے تو پھر اس کو قلمبند کرواتے اور ابو یوسف کو لکھنے کا فرماتے۔ اب تم اے صاحبو! اس بابرکت امام کے رہنما اس امر کو ملاحظہ کرو کہ وہ خدا تعالیٰ سے کس قدر ڈرتے تھے اور شریعت میں کسی ایسے امر کی زیادتی سے کس قدر احتیاط کرتے تھے جو شریعت کے خلاف ہو۔ امام ابراہیم مخزومیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی ساری عمر میں کوئی شخص امام ابوحنیفہؒ سے بڑا زاہد عابد متورع اور عالم نہیں دیکھا۔ رئیس المحدثین امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں جب کوفہ گیا اور وہاں جا کر وہاں کے باشندوں سے دریافت کیا کہ تمہارے شہر میں سب سے بڑا عالم کون ہے تو سب نے بالاتفاق جواب دیا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پھر میں نے کہا کہ سب سے زیادہ متقی کون ہے انہوں نے امام اعظم کا ہی نام لیا، میں نے دریافت کیا سب سے زیادہ زاہد اور سب سے بڑا پرہیزگار کون ہے انہوں نے پھر انہی کا نام لیا، پھر میں نے دریافت کیا کہ اچھا تمہارے شہر میں سب سے زیادہ عبادت گزار اور علمی مشاغل سے دلچسپی رکھنے والا کون ہے انہوں نے جواب میں امام صاحب ہی کو بتلایا، غرض میں جس عمدہ خصلت اور خلق والے آدمی سے سوال کرتا تھا تو وہ جواب میں یہی کہتے تھے کہ ہم امام صاحب کے سوا کسی اور میں نہیں پاتے اور حضرت شقیق بلخی رحمہ اللہ علیہ امام صاحب رحمہ اللہ کی بے حد تعریف کیا کرتے تھے اور بھرے مجمع میں لوگوں کے سامنے

کہا کرتے تھے کہ کون شخص ہے جو تقویٰ میں امام صاحب کی برابری کر سکتا ہے جس کے تقویٰ اور احتیاط کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی آپ سے کپڑا خرید کر لے جاتا اور اس کی قیمت اپنے غلہ میں ملا دی ہوتی تو اتفاق سے بھی کپڑا واپس کرنے آ جاتا تو اس کو واپس کر لیتے اور اس شخص کو تمام غلہ اٹھا کر دے دیتے اور فرما دیتے کہ چونکہ تیرے دراہم غلہ میں مل جانے کی وجہ سے متعین نہیں رہے اس لئے یہ سب لے جا اور میں تجھ سے ان کا نہ دنیا میں دعویدار ہوں گا نہ آخرت میں طلب گار ہوں گا۔ ہم نے آج تک ایسا تقویٰ کسی کا نہیں دیکھا سوائے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے۔ ایک مرتبہ امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ نے ریشمی کپڑوں کے فروخت کرنے کا ایک شخص کو وکیل بنایا۔ ان کپڑوں میں ایک کپڑا عیب دار تھا اس لئے اس وکیل کو ہدایت کر دی کہ تو جب اس کو فروخت کرنے لگے تو اس کا یہ عیب ضرور ظاہر کر دینا۔ اتفاقی امر کہ اس نے وہ کپڑا فروخت کر دیا اور عیب بتانا اسے یاد نہ رہا اور اس کی قیمت بھی دوسرے کپڑوں کی قیمت میں ملا دی۔ جب امام صاحب کو اس کا پتہ چلا تو تمام کپڑوں کی قیمت فقراء اور مساکین اور حاجت مندوں میں خیرات کر دی۔ حضرت شقیق بلخی فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہ اپنے قرضدار کے دیوار کے سایہ میں بھی نہ بیٹھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میرا اس شخص پر قرض ہے اور آنجناب رسول اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ جو قرض مقروض سے نفع دلائے وہ سود ہے اور اس کی دیوار کے سایہ میں میرا بیٹھنا نفع سے خالی نہیں اس لئے میں نہیں بیٹھتا۔ امام موصوف کے نزدیک تقویٰ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابو جعفر منصور خلیفۃ المسلمین نے جب امام صاحب کو فتویٰ دینے سے روک دیا تو ایک دفعہ رات کے وقت آپ کی صاحبزادی نے دریافت کیا کہ وہ خون جو مسوڑھوں سے نکلے وضو کو توڑتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ صبح کو حماد سے پوچھ لینا کیونکہ میرے امام نے مجھے فتویٰ دینے اور مسائل بتانے سے منع کیا ہے اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہونا چاہتا جو ظاہر باطن امام کی خیانت کرتے ہوں۔ خلیفہ ابو جعفر نے جب آپ کو فتویٰ دینے سے منع کیا تھا تو اسوقت وہ آپ کے کمالات علمیہ سے واقف نہیں تھا اور نہ آپ کی اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ ابو نعیم نے امام موصوف سے روایت کی ہے کہ آپ نے چوبیس سال تک صبح کی

(۱) اور میں نے اپنے شیخ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا اگر کوئی سوال کرے کہ کیا اس شخص کے واسطے جو شریعت کے چشمہ سے واقف نہیں ہے کسی معین مذہب کا مقلد ہونا جائز ہے تو جواب یہ ہے کہ ہاں بلکہ واجب ہے تاکہ خود بھی گمراہ نہ ہو اور دوسرے کو بھی گمراہ نہ کرے۔ (ص ۹۲ ج ۱)

(۲) اگر کوئی کہے کہ جب ولی تقلید چھوڑ دے اور تمام مذاہب کو یقینی اور کشفی طور پر ایک دریا سے نکلتے دیکھ کر اس بات کا یقین کر لے کہ تمام مذاہب صحیح ہونے میں برابر ہیں۔ تو مرید کو کسی معین مذہب کی تقلید کا حکم کیونکر دے سکتا ہے تو جواب یہ ہے کہ مرید کو اس کا حکم کیا جانا اس کے لئے رحمت ہے اور مقصود کے قریب ہو جانے کا باعث ہے تاکہ اس کی دلجمعی ہو اور ایک ہی مذہب میں رہ کر سلوک کا راستہ طے کر لے اور شریعت کے اس سرچشمہ تک بہت جلد پہنچ جائے جہاں سے اس کے امام نے اپنے مذہب کو حاصل کیا ہے۔ (ص ۹۳ ج ۱)

(۳) علاوہ بریں بات یہ ہے کہ ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرنے میں اس امام کی ہتک ہے جس کے مذہب کو چھوڑا ہے۔ (ص ۹۴ ج ۱)

(۴) تقلید شخصی کا فائدہ:

میں نے اپنے شیخ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا کہ علماء شریعت نے طالب علم کو ایک معین مذہب کی پیروی کا حکم اور علماء حقیقت نے مرید کو ایک معین شیخ کی پیروی کا امر محض اس وجہ سے دیا ہے تاکہ مقصود کا راستہ نزدیک ہو جائے کیونکہ شریعت کے سرچشمہ یا معرفت الٰہی کے دربار معرفت کی مثال ہتھیلی کی سی ہے اور مجتہدین کے مذاہب اور شیوخ کے طریقوں کی مثال انگلیوں کی سی ہے اور کسی مذہب کے ساتھ مشغول رہنے یا کسی شیخ کے طریق حاصل کرنے کے زمانوں کی مثال ایسی ہے جیسے انگلیوں کے پوروں کی گرہیں اس شخص کے واسطے جو انگشت کے سرے سے چھونے کی ابتداء کرتا ہوا ہتھیلی تک پہنچنا چاہے کیونکہ ہر گرہ انگشت کی بمنزل چشمہ شریعت یا معرفت خداوندی کے ثلث راستہ کی ہے کیونکہ ہر انگشت میں تین گرہیں ہیں ان کے بعد مقصد ہے جس کی مثال ہتھیلی کی سی ہے تو جب مرید

کے سلوک اور طالب علم کی عبادت اور اصل مقصود یعنی چشمہ شریعت یا معرفت خداوندی تک پہنچنے کی مدت مثلاً تین سال ہوں تو اگر یہ مرید یا طالب علم ایک معین شیخ کی اتباع میں یہ تینوں سال گزار دے گا تو ایک دن ضرور مقصد تک پہنچے گا بر خلاف اس شخص کے جو ایک سال ایک مذہب یا ایک شیخ کی پیروی کرتا رہے پھر دوسرے سال دوسرے کی پیروی اختیار کرے اور تیسرے سال تیسرے کی تو اس نے ایک مذہب یا ایک شیخ سے رجوع کر جانے اور دوسرے کی طرف متوجہ ہونے کے سبب سے مقصد کو فوت کر دیا اس لئے کہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ ایک شیخ یا مجتہد دوسرے کے مذہب پر بنا نہیں کرتا یعنی یہ مطلب کہ جس قدر راستہ وہ طے کر چکا ہے اس کو باقی رکھ کر وہیں سے آگے چلائے ایسا نہیں ہوتا بلکہ اس کو لوٹا کر اپنی راہ لے جاتا ہے تو گویا وہ شخص تینوں سال پہلی ہی گزرگاہ پر مقیم رہا ان تین گروہوں میں سے ہر ایک کی ہر گروہ بمنزلہ ثلث راستہ کی ہے اور اگر وہ شخص ایک ہی شخص پر مداومت کرتا تو ضرور اتنی مدت میں مقصد تک پہنچ جاتا۔ اور شریعت کے بڑے چشمہ پر جا کر ٹھہرتا اور تمام مذاہب کی حقانیت کا معترف ہو جاتا پس سمجھ لو والحمد للہ رب العالمین (ص ۱۵ ج ۱) معلوم ہوا کہ منزل مقصود چشمہ شریعت محمدیہ ہے اور یہ چار مذاہب اس منزل کے چار راستے ہیں جو ایک راستے پر منزل کی طرف چلے ہر قدم اسے منزل کے قریب کرے گا اور وہ آخر منزل تک پہنچ جائے گا۔ جو ایک راستے سے دوسرے راستے کی طرف چلے وہ بھی وقت ضائع کرنے والا ہے لیکن جو سرے سے راستہ پر ہی نہیں آیا وہ منزل مقصود پر کیسے پہنچے گا۔

مجتہد واسطہ فی التفہیم

امام شعرانی فرماتے ہیں ہر مجتہد کلام شارع کے مقتضا کے تابع ہے جس کا استنباط اس کلام سے لازمی ہو اور مجتہد کے کلام کا اصل مقصود شارع کے کلام کو ایسی زبان میں وضاحت سے بیان کرنا ہے جس کو ملاں بھی سمجھ سکیں (ص ۱۰۰ ج ۱) یعنی مجتہد اپنی نہیں سناتا بلکہ صرف اللہ رسول کی بات سمجھاتا ہے وہ شارع نہیں ہوتا البتہ شارع کے کلام کا شارح ہوتا ہے۔

تقلید شخصی:

اور میرے شیخ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عادت تھی کہ جب ان سے کوئی انسان یہ سوال کرتا کہ کسی معین مذہب کی پابندی آجکل واجب ہے یا نہیں تو ان کو یہ جواب دیتے تھے کہ تجھ پر مذہب معین کی پابندی واجب ہے جب تک کہ تو شریعت کے چشمہ اولی کا مشاہدہ نہ کرلے کیونکہ قبل ازیں مذہب معین کی پابندی نہ کرنے کی صورت میں تیرے گمراہ ہو جانے کا خوف ہے اور آج کل زمانہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے (ص۱۸ ج۱) پھر فرماتے ہیں تم کو ہرگز جائز نہیں کہ ایک معین مذہب کی پابندی سے منع کرو۔ (ص۱۹ ج۱)

نوٹ:

دنیا کے اکثر ممالک میں جس طرح دس مختلف قراءتوں میں سے عموماً ایک ہی قراءت رائج ہے اس لئے پورے ملک والے ہی ایک ہی قراءت پر تلاوت کرتے ہیں اور پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم نے پورے قرآن کی تلاوت کرلی ہے کوئی یہ نہیں کہتا کہ جس نے دس قراءتوں میں سے ایک قراءت پر پورے قرآن کی تلاوت کی اس نے صرف دسواں حصہ قرآن پڑھا اور معاذ اللہ نو حصے قرآن ضائع کر دیا اسی طرح ہر ملک میں سنت نبوی کے چار متواتر مذاہب میں سے ایک ایک مذہب ہی رائج ہے اور اس ایک مذہب پر عمل کرنے سے پوری اور مکمل سنت پر عمل ہو جاتا ہے۔ یہ کہنا کہ ایک مذہب پر عمل کرنے سے چوتھائی سنت پر عمل ہوتا ہے ایسی ہی حماقت ہے جیسے کوئی کہے کہ ایک قراءت پر قرآن کی تلاوت کرنے سے صرف دسواں حصہ قرآن کی تلاوت کا ثواب ملتا ہے اس لئے یہاں ایک ہی قراءت اور ایک ہی مذہب ہے۔ ہاں اگر کوئی ایسا علاقہ فرض کیا جاوے جہاں دسوں قراءتیں پڑھی جا رہی ہوں تو وہاں کسی شرعی مجبوری سے دوسری قراءت پر بھی تلاوت جائز ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی علاقہ ایسا فرض کیا جاوے جہاں چاروں مذاہب کے مدارس اور مفتی صاحبان ہوں اور چاروں پر عمل جاری ہو تو وہاں بھی مقصد تک پہنچنے کے لئے ایک ہی معین مذہب کی تقلید واجب ہوگی مگر کسی شرعی مجبوری کی بناء پر دوسرے مذہب پر بھی عمل جائز ہوگا البتہ مذاہب کو

کھلونا سمجھ کر ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں جانا جائز ہے(ملخصاً ۱۳۹ ج ۱)

امام شعرانی نے دس صدیوں میں سے صرف تیرہ آدمیوں کے نام لکھے ہیں جو ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں گئے لیکن پہلی دس اسلامی صدیوں میں ایک بھی نام نہیں لکھا جس نے سب مذاہب کو چھوڑ کر لامذہب غیر مقلد ہونے کا اعلان کیا ہو۔(ص ۱۴۷،۱۴۸ ج ۱)

اصحاب سنن:

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب سنن قرآن شریف کے زیادہ جاننے والے ہیں، خطابی کا قول ہے کہ اصحاب سنن سے حدیث کے حفاظ اور اس کے سمجھنے والے مراد ہیں جس طرح آئمہ مجتہدین اور ان کے کامل متبعین (مقلدین) کیونکہ یہی لوگ ان احکام کو خوب سمجھتے ہیں جن کو احادیث متضمن ہیں(ص ۱۵۴ ج ۱) ابوبکر بن عیاش کا قول ہے کہ حدیث کے علاوہ ہر زمانہ میں ایسے ہیں جیسے اہل ادیان کے مقابلہ میں اہل اسلام اور یہاں علماء حدیث سے وہ لوگ مراد ہیں جن میں اہل سنت فقہاء بھی داخل ہیں اگرچہ وہ حدیث کے حافظ نہ ہوں۔(ص ۱۵۷ ج ۱)

فرمان امام احمد:

خودساختہ اہل حدیث نے امام احمد کا قول نقل کیا ہے کہ نہ میری تقلید کرو نہ مالک کی اور نہ اوزاعی کی۔ بلکہ تم بھی وہیں سے استنباط کرو جہاں سے انہوں نے کیا ہے(میں امام شعرانی کہتا ہوں) آپ کا یہ کلام اسی شخص پر محمول ہے جس کو قرآن کریم و حدیث شریف سے احکام کے استنباط کی قدرت ہو ورنہ علماء نے تصریح کی ہے کہ عامی پر تقلید واجب ہے تاکہ دین میں گمراہ نہ ہو جائے(ص ۱۶۹ ج ۱) آخری عبارت خودساختہ اہل حدیث نے نقل نہیں کی۔

مسند امام اعظمؒ:

امام شعرانی شافعی فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا بڑا احسان ہوا کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تینوں مسندوں کے صحیح نسخوں کا جن پر حفاظ حدیث کے دستخط ہیں اور

سب سے آخر حافظ دمیاطی کا نام ہے خوب مطالعہ کیا، ان میں غور کرنے سے معلوم ہو کہ امام صاحب حدیث کی روایت نہیں کرتے تھے مگر تابعین سے جو عدالت اور ثقاہت میں ممتاز ہیں اور بہ شہادت رسول اکرم ﷺ خیر القرون میں داخل ہیں مثلاً اسود، علقمہ، عطاء، عکرمہ، مجاہد، مکحول، حسن بصری اور ان کے درجہ کے راوی رضی اللہ عنہم اجمعین تو جس قدر راوی امام صاحبؒ اور رسول خدا ﷺ کے درمیان ہیں وہ سب ثقہ اور عادل اور عالم اور خیار ناس میں سے ہیں، نہ ان میں کوئی کاذب (جھوٹا) ہے اور نہ ہی دروغ گوئی سے متہم۔ اور کیا چیز مانع ہے تم کو ان حضرات کی عدالت کے اعتراف سے جن سے احکام دینیہ حاصل کرنے میں ابوحنیفہ جیسا شخص راضی ہے جس کے تقویٰ اور پرہیزگاری اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اوپر شفقت کی انتہا نہیں (ص ۸۱ ج ۱) پھر فرماتے ہیں اگر کوئی سوال کرے کہ جب تم کہتے ہو کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں کوئی دلیل ضعیف نہیں ہے کیونکہ آپ کے اور رسول خدا ﷺ کے درمیان کے راوی صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم ہیں اور وہ سب کے سب جرح قدح سے صحیح سالم ہیں تو پھر کیا وجہ ہے جو بعض حفاظ حدیث نے امام صاحب کی بعض دلیلوں کو ضعیف کہا ہے تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے تو جواب یہ ہے کہ ہم پر واجب ہے کہ جن راویوں کی وجہ سے حفاظ نے حدیث کو ضعیف بتایا ہے ان سے وہی راوی مراد لیں جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اس حدیث کی روایت کرنے والے پیدا ہوئے ہیں اور انہوں نے امام صاحب کے طریق کے علاوہ دوسرے طریق کو اختیار کیا ہے کیونکہ امام صاحب کی تینوں مسندوں میں جس قدر احادیث موجود ہیں وہ سب صحیح ہیں اس لئے کہ اگر وہ صحیح نہ ہوتیں تو وہ ہرگز ان سے استدلال نہ کرتے اور امام صاحب سے نیچے کی سند میں کسی راوی کا کاذب ہونا یا دروغ گوئی سے متہم ہونا کوئی نقص پیدا نہیں کرتا ہمارے واسطے اس حدیث کی صحت کی دلیل یہی کافی ہے کہ مجتہدین نے اس سے استدلال کیا ہے (ص ۸۵ ج ۱)

نوٹ:

امام صاحبؒ اور رسول اقدس ﷺ کے درمیان جتنے راوی ہیں وہ سب کے سب خیر القرون کے راوی ہیں جن کی تعدیل عام خود رسول اقدس ﷺ نے فرمادی اور تعدیل خاص خود امام صاحب نے فرمادی کیونکہ آپ فرماتے ہیں کہ میں وہ حدیث لیتا ہوں جس کو ثقات نے ثقات سے روایت کیا ہو (مناقب ذہبی) ان کی تعدیل کے مقابلہ میں کسی کی جرح کا اعتبار ہی نہیں۔ رہے امام صاحب کے بعد کے راوی تو ان کو بھی محدثین نے بلاوجہ ضعیف کیا ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں پر جب آزمائش آئی تو ان کو سزائیں دینے والے قاضی اکثر عقیدۃً معتزلی اور فروعاً حنفی تھے ان کی وجہ سے تمام احناف پر محدثین نے بلاوجہ جرحیں شروع کر دیں جو تعصب پر مبنی تھیں اور وہ قابل التفات نہیں کیونکہ ان متعصب محدثین کے مقابلہ میں فقہاء احناف ہمیشہ ان احادیث سے استدلال کرتے رہے جو ان کی طرف سے تعدیل ہے۔

امام سبکیؒ کی نصیحت:

امام شعرانیؒ امام سبکیؒ سے نقل فرماتے ہیں "اے سیدھے راستے کے طالب! تیرے لئے مناسب ہے کہ تو تمام ائمہ مجتہدین کے ساتھ ادب کا راستہ اختیار کرے اور ان کے اندر جس نے کچھ کلام کیا ہو اس کلام کی جب تک کوئی واضح دلیل نہ ہو اس وقت تک اس کی طرف ہرگز متوجہ نہ ہو پھر تو اگر اس کلام کی کوئی تاویل اور کوئی صورت اس کے ساتھ حسن ظن کی پیدا کر سکتا ہے تو کر ورنہ تو ان کے باہمی نزاعات سے گریز اور پہلوتہی کر۔ کیونکہ تو ایسے مشاغل کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ تو مقاصد دینیہ کی بجا آوری میں مشغول رہنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے (آگے کہتے ہیں) کہ میرے نزدیک طالب رشد و ہدایت اس وقت تک دانا اور عقلمند ہے جب تک ان واقعات میں غور و فکر نہ کرے جو اماموں کے آپس میں واقع پذیر ہوئے ہیں ورنہ قلب میں کدورت اور چہرے پر سیاہی آجانے کا اندیشہ ہے۔ تو اپنے آپ کو بچاؤ اور پھر بچاؤ ان امور سے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان

ثوری کے درمیان اختلاف پیش آئے ہیں یا امام مالک اور ابن ابی ذئب یا احمد بن صالح اور شعبی یا احمد بن حنبل اور محاسبی کے مابین ظاہر ہوئے۔ اسی طرح شیخ عز الدین بن عبد السلام اور شیخ تقی الدین صلاح کے زمانہ تک جو باہمی تنازعات صادر ہوئے ہیں، ان سے گریز کرو ورنہ اگر ان میں غور کرید کرو گے تو تمہاری ہلاکت کا اندیشہ ہے، کیونکہ یہ گروہ کا گروہ عالم ہے اور ان کے ہر قول کا ایک محمل ضرور ہے جس کو ان کے سوا کوئی اور نہیں سمجھ سکتا تو ہم کو سوائے اس کے کہ ہم ان سے راضی رہیں اور ان کے مکالمات میں سکوت کریں جیسا کہ صحابہ کرام کے باہمی مکالمات میں سکوت کرتے ہیں اور کچھ نہ کرنا چاہیے۔ (۱۸۳ ان ا) مشاجرات صحابہ کرام اور اختلافات ائمہ دین میں یہی طریق اسلم ہے۔ اللہ ہم سب کو اس پر چلنے کی توفیق دیں۔

سند اور تعامل۔

جس طرح صحابہ کرامؓ پورے قرآن کی تلاوت کرتے تھے مگر ایک صحابی سے بھی پورا قرآن سند کے ساتھ مروی نہیں اسی طرح تمام صحابہ کرام مکمل نماز ادا فرماتے مگر ایک صحابی سے بھی مکمل نماز سند کے ساتھ مروی نہیں، کیونکہ اس وقت مدار تعامل پر تھا نہ کہ سند پر۔ تابعین کے آخری دور میں تعامل کے ساتھ سند کا رواج بھی ہوا۔ لیکن اگر کہیں تعامل اور سند میں ٹکراؤ ہو جاتا تو مدار تعامل پر رکھا جاتا، اور تعامل سے مراد تعامل فقہاء تھا تعامل دیکھیے امام مالکؒ نے مدینہ منورہ میں بیٹھ کر اپنی کتاب موطا مرتب فرمائی پھر اس کو مدینہ منورہ کے ستر فقہاء پر پیش فرمایا، امام شافعی نے فرمایا کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب موطا امام مالک ہے۔ اس کے باوجود امام لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ موطا کی ۷۰ احادیث پر امام مالکؒ نے خود عمل نہیں کیا، وجہ یہی تھی کہ ان کی سند کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو لیکن تعامل مستفیض کے خلاف تھیں تو تعامل کو ترجیح دی گئی اور ان احادیث پر عمل ترک کر دیا گیا، امام مالکؒ اور امام اعظمؒ کا یہی اصول ہے کہ جو سند تعامل مستفیض کے خلاف ہو وہ شاذ ہے جس طرح جو قرأت کے خلاف ہو اگرچہ باسند ہو وہ شاذ ہے۔ یہ دونوں امام اس اصول کے سختی سے پابند ہیں کہ جو اعمال روزمرہ پیش آتے ہیں ان کا ثبوت خیر القرون میں بوجہ شہرت

میں ہونا ضروری ہے خواہ سند سے یا تعامل سے ۔ تواتر عملی کے خلاف کوئی حدیث ہو تو اس کو ماننے سے صحابہ کرامؓ اور تابعین پر عملی کوتاہی کا الزام لگتا ہے ۔ البتہ خیر القرون کے ختم ہونے کے بعد والوں کا تعامل چونکہ حجت نہ رہا تو محدثین مابعد خیر القرون نے مدار سند پر رکھ دیا اس لئے اگر کوئی صحیح سند ان کو ایسی مل جاتی جو ان کے زمانہ کے تعامل کے خلاف ہوتی تو وہ سند کو ترجیح دیتے لیکن فقہاء خصوصاً احناف و مالکیہ خیر القرون کے تعامل کو ساتھ دیکھتے اور کہتے کہ یہ دونوں تعاملوں کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ ہے، شوافع اور حنابلہ متأخرین کا عمومی رجحان محدثین کی طرف رہا ۔ جبکہ احناف اور مالکیہ تعامل خیر القرون کے ساتھ متمسک رہے اور ایسی احادیث کو شاذ قرار دیتے رہے ۔ امام شعرانی بھی چونکہ شافعی ہیں، ان کا رجحان بھی محدثین مابعد خیر القرون کی طرف ہے ۔ اس لئے لکھ دیا کہ جو احادیث ائمہ کے وصال کے بعد ملیں اگر امام صاحب اس دور تک زندہ رہتے تو اپنے قیاس کو چھوڑ کر ان احادیث کو قبول فرما لیتے یہ شافعی سوچ ہے ۔ وہ احادیث امام صاحب کے قیاس کے خلاف نہیں بلکہ خیر القرون کے مستفیض تعامل کے خلاف ہیں اور شاذ ہیں، اس لئے یہ کہنا کہ وہ اخبار احاد قیاس کے خلاف ہیں، بات صحیح نہیں ۔ بلکہ تعامل خیر القرون کے خلاف ہیں، اس لئے شاذ ہیں ۔ اور یہ مفروضہ کہ امام صاحب کو ملی نہیں اس لئے انہوں نے عمل نہیں کیا یہ بھی ایک خیال ہے، دیکھو امام مالک کو وہ احادیث ملیں لیکن تعامل اہل مدینہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے انہوں نے عمل نہیں کیا پھر یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امام شعرانی کے ہاں تو مجتہد تمام احکام شریعت صرف سورت فاتحہ سے نکال سکتا ہے بلکہ اس سے بھی ترقی کر کے قرآن پاک کے ایک حرف سے تمام احکام شریعت نکال لیتا ہے (ص ۲۲ ج ۱) اور امام صاحبؒ کامل ترین مجتہد بھی تھے ۔ اور قرآن پاک تو اتنا یاد تھا کہ روزانہ ختم فرماتے تھے تو ان کو ایسی شاذ روایات کی ضرورت ہی کیا تھی چنانچہ قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں فایاک و شاذ الحدیث و علیک بما علیہ الجماعۃ من الحدیث وما یعرفہ الفقہاء وما یوافق الکتاب و السنۃ (والرد علی سیر الاوزاعی ص ۳۱) کہ شاذ احادیث

سے بچ جاؤ اور ایسی احادیث پر عمل کرو جس پر جماعت نے عمل کیا ہو اور جس کو فقہاء پہچانتے ہوں اور وہ جو کتاب وسنت کے موافق ہو۔ بلکہ جس طرح قرآن پاک کی شاذ قرأت اگرچہ بخاری مسلم کی سند سے متفق علیہ ہو تو بھی متواتر قرآن کے مقابلہ میں چھوڑ دی جائے گی مثلاً بخاری مسلم کی متفق علیہ سند سے واللیل اذا یغشی ... والذکر والانثی کے ساتھ ورھطک من المخلصین بھی ہے اور تبت یدا ابی لھب وتب کے بعد قد تب بھی ہے۔ لیکن کوئی ان کو قرآن میں شائع نہیں کرتا۔ یہی حال عملی تواتر کے خلاف شاذ احادیث کا ہے۔

امام طبریؒ

آپ کا نام محمد بن جریر بن کثیر طبریؒ ہے۔ آپ ۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ذہبی لکھتے ہیں کہ آپ چوٹی کے علماء میں سے ایک عالم، امام اور علم کا منفرد پہاڑ ہیں۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ آپ اماموں میں بلند مرتبہ امام تھے۔ آپ نے قرآن پاک کی بہت جامع تفسیر لکھی۔ ایک جامع تاریخ لکھی اور فن حدیث میں تہذیب الآثار لکھی۔ فرغانی فرماتے ہیں کہ آپ نے بغداد میں دو سال امام شافعیؒ کے مسلک کی خوب اشاعت کی اور خود بھی اسی مسلک کی تقلید کرتے رہے۔ پھر جب ان کے علم میں وسعت پیدا ہوئی اور اجتہاد کے دائرہ میں قدم رکھا تو کسی خاص مسلک کی تقلید سے کنارہ کش ہو گئے اور اپنے اجتہادات پر عمل کرنے لگے۔ (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۹۵ ج ۲) علامہ شعرانیؒ شیخ جلال الدین سیوطی سے نقل کرتے ہیں "حضرات آئمہ مجتہدین کے بعد امام ابن جریر طبری کے سوا کسی اور نے اجتہاد مطلق کا دعویٰ نہیں کیا۔ لیکن لوگوں نے ان کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا (میزان شعرانی ص ۸۰ ج ۱) امام طبری کی وفات ۳۱۰ھ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تیسری صدی میں ہی تقلید شخصی مسلمانوں میں اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ امام ابن جریر طبری جیسے علم کے پہاڑ کو بھی آئمہ کی تقلید سے نکل کر دعویٰ اجتہاد کرنا مسلمانوں کے لئے بالکل ناقابل برداشت تھا۔ مگر آج کے شر القرون کا حال بقول شاعر مشرق علامہ اقبال کے یہ ہے کہ۔ ع

ہر لیکے راز دار دیں شدہ ست

ایک علمی مسئلہ:

فوجی سپہ سالار ابن محو کہتے ہیں کہ مجھے ابن مزروق کے غلام نے بتایا کہ ایک دفعہ میرے آقا نے ایک لونڈی خریدی اور اس سے میری شادی کر دی۔ مگر جتنی مجھے اس سے محبت تھی۔ اتنی ہی اسے مجھ سے نفرت تھی۔ اس کے مسلسل دل آزار رویے سے میں تنگ آ گیا اور میں نے کہا میں کب تک تیری بدسلوکی برداشت کروں گا۔ اگر باز نہ آئی تو میں تجھے تین طلاق دے دوں گا اور جو بات تو مجھے کہے گی وہی بات میں تجھے کہہ دوں گا۔ یہ سنتے ہی اس نے جھٹ کہہ دیا۔ انت طالق ثلاثاً یعنی میری طرف سے تجھے تین طلاق ہیں اب تو میں بڑی الجھن میں پھنس گیا (اگر وعدے کے مطابق اس کو انت طالق ثلاثاً کہتا ہوں تو بیوی ہاتھ سے جاتی ہے اور اگر نہیں کہتا تو بات کا کچا اور وعدے کا جھوٹا ٹھہرتا ہوں) اس الجھن کے حل کے لئے کسی نے مجھے علامہ ابن جریرؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا چنانچہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی الجھن ان کے سامنے بیان کی۔ آپ نے فرمایا تم کہو انت طالق ثلاثاً ان طلقتک یعنی اگر میں تجھے طلاق دوں تو تین طلاق دوں گا۔ اس طرح تم جھوٹے بھی نہیں ہو گے اور طلاق بھی واقع نہ ہو گی اور بیوی کو اپنے گھر آباد رکھو۔ ابن عقیلؒ نے کہا کہ اس الجھن کا یہ حل بھی تھا کہ بعینہ وہی الفاظ کہے جاتے انت طالق ثلاثاً۔ انت میں ت پر زبر مذکر کا صیغہ ہے جو اس عورت نے خاوند کیلئے استعمال کیا اب اگر یہ خاوند اسے انت (ت کی زیر) طالق ثلاثاً مؤنث کے صیغہ سے کہتا تو اسے تین طلاقیں ہو جاتیں۔ لیکن اگر مذکر کے صیغہ سے وہی کلمہ دہرا دیا جاتا انت طالق ثلاثا تو چونکہ وہ عورت مؤنث ہے۔ اس لئے مذکر کے صیغہ سے اس پر طلاق نہ پڑتی (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۹۴ ج ۲) اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ خیر القرون کی لونڈیاں بھی یہ جانتی تھیں کہ جب خاوند بیوی کو ایک کلمے سے تین طلاق دے تو وہ تین ہی ہوتی ہیں اور علماء تو علماء عوام مسلمان بھی اس

بات کا پختہ یقین رکھتے تھے کہ اس طرح کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں اس زمانے میں کسی ایک آدمی نے بھی اس سے یہ نہیں کہا کہ اس میں کونسی الجھن ہے تو صاف صاف اسے کہہ دے کہ تجھے تین طلاق تو وہ ایک رجعی طلاق ہو گی پھر رجوع کر لو گے تو وہ بدستور تیری بیوی رہے گی۔ معلوم ہوا کہ اس طرح کہنے سے کہ تجھے تین طلاق ہے۔ باجماع امت اس پر تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔ اس سے رجوع تو کیا نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ فلا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ۔

علامہ سیوطیؒ:

امام سیوطیؒ نویں صدی کے وسیع النظر عالم تھے اور ہر فن میں آپ کی تصانیف نادرۂ روزگار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ امام شافعیؒ کے مقلد تھے اور شافعی مذہب میں مجتہد فی المذہب کے مقام پر فائز تھے لیکن عوام کیلئے تقلید شخصی کے وجوب کے قائل تھے پابند تھے۔ علامہ شعرانی فرماتے ہیں علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے اندر اجتہاد کی پہلی قسم (مطلق منتسب) کے ہونے کا دعویٰ کیا اور حضرت امام شافعیؒ کے مذہب میں قول ارجح کے ساتھ لوگوں کو فتوے دینے شروع کئے۔ تو لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ان اقوال کے ساتھ فتویٰ کیوں نہیں دیتے جو آپ کے نزدیک قوی اور راجح ہیں تو علامہ نے ان کو جواب دیا کہ مجھ سے جو لوگ سوال کرتے ہیں تو یہ نہیں کہتے کہ آپ کے نزدیک جو قوی ہے وہ بتاؤ۔ کیونکہ ان کے سوال کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں جو حکم ہو وہ بتاؤ (ص ۱۸ ج ۱)

شیخ عزالدین بن جماعہؒ:

علامہ شعرانیؒ نے تحریر فرمایا کہ شیخ عزالدین ابن جماعہ سے ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ جب وہ کسی عامی شخص کو کسی امام مذہب کے موافق کسی فعل کا حکم دیتے تھے تو اس امام کے تمام شرائط پر کاربند ہونے کی تنبیہ فرماتے تھے اور یہ کہ اگر تو نے ان تمام شرائط میں سے کسی شرط کو ترک کر دیا تو یہ تیری عبادت نہ تو اس امام کے مذہب کے مطابق درست ہوگی اور نہ کسی

اور کے۔ اس لئے کہ جو عبادت چند مذاہب کے ساتھ مخلوط ہوتی ہے وہ اسی وقت صحیح ہوتی ہے جب تمام مذاہب کے شرائط کو جامع ہو (انتہی) اور یہ فرمان ان کا دینی احتیاط اور خوف کی وجہ سے تھا کہ میں کہیں کسی مسلمان کی عبادت کے نقصان کا سبب نہ بن جاؤں (میزان شعرانی ص ۸۱ ج ۱) دیکھیں اسلاف میں دین میں احتیاط اور خوف کا کتنا غلبہ تھا۔ آج غیر مقلدین نے ان دونوں باتوں کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اللہ اپنے دین اور دین داروں کا محافظ ہو۔ آمین

ابن حزم کا تجزیہ:

ابن حزم ۳۸۴ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے سترہ سال کی عمر میں ۴۰۱ھ میں حدیث کا سماع کیا۔ پہلے پہل شافعی مذہب کے مقلد تھے۔ پھر داؤد ظاہری کی تقلید میں قیاس کا انکار کیا۔ قاضی ابوبکر بن العربی مالکی نے اپنی کتاب القواصم والعواصم میں اہل ظاہر پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ یہ احمق جماعت ہے جو اپنے آپ کو ایسے بلند مرتبہ پر فائز سمجھتی ہے جس کے وہ قطعاً اہل نہیں۔ ایسی بات کہتی ہے جو اس کی سمجھ سے بالا ہے۔ اپنے خارجی بھائیوں سے ایک بات سن کر لے اڑی ہے اور لا حکم الا للہ کا نعرہ لگانے لگی ہے۔ جب میں طلب علم کیلئے گھر سے نکلا تو باطن (صوفیاء کرام) کی باتیں سنیں اور جب واپس آیا تو دیکھا کہ ایک احمق ہے جو ابن حزم کے نام سے مشہور ہے۔ ظاہری باتوں سے مغرب کو بھر دیا ہے۔ یہ شخص ابتداء میں شافعی المذہب تھا۔ پھر داؤد ظاہری کی تقلید کرنے لگا۔ بالآخر سب کو چھوڑ کر خود مستقل مجتہد اور امام امت بن بیٹھا۔ کوئی حکم جاری کرتا ہے اور بزعم خود کسی کو منسوخ کرتا ہے۔ اللہ کے دین میں وہ باتیں کہتا ہے جن کا دین سے دور کا بھی تعلق نہیں اور لوگوں کو صاحب حق سے متنفر کرنے کے لئے ان کی طرف وہ اقوال منسوب کرتا ہے جو انھوں نے مطلقاً نہیں کہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں مشبہہ کے راستہ پر گامزن ہے اور وہ ایسے دعوے کرتا ہے جنہیں طوفان بدتمیزی کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا (تذکرۃ الحفاظ ص ۷۲۸ ج ۳) ذہبی لکھتے ہیں کہ "ابن حزم کو کٹھن امتحان سے گزرنا پڑا ہے۔ ان کو تشدد کا

نشانہ بنایا گیا۔ وطن عزیز سے نکالا گیا اور دیگر متعدد صدمات سہنے پڑے کیونکہ بڑے بڑے علماء اور آئمہ اجتہاد کے اختلاف اور ان کی شان میں زبان درازی کی وجہ سے تمام فقہاء ان کے خلاف ہو گئے تھے۔ یہ علماء کا نہایت قبیح اور انتہائی نامناسب الفاظ میں ذکر کرنے کے عادی تھے۔ جس سے متاثر ہو کر فقہاء ان کی مخالفت پر تل گئے اور ان کی مشکلات میں اضافہ کا سبب بنے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اور امام ابو الولید باجی المالکی کے درمیان مناظرہ بازی کا بازار گرم ہو گیا جس کا نتیجہ باہمی منافرت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ سچ کہا ہے ابو العباس ابن العریف نے کہ ابن حزم کی زبان اور حجاج بن یوسف کی تلوار دو سگی بہنیں ہیں (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۷۷ ج ۳) فقہاء کی مخالفت کی وجہ سے ابن حزم فقہی بصیرت سے محروم رہے خود فرماتے ہیں کہ ”ایک دفعہ جب میری عمر ۲۶ سال کی تھی، میں ایک جنازہ میں شریک ہونے کے لئے ایک مسجد میں گیا تو نماز پڑھے بغیر بیٹھ گیا۔ کسی نے کہا میاں اٹھ کر پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھو۔ پھر بیٹھو چنانچہ میں اٹھا اور نماز تحیۃ المسجد ادا کی۔ پھر جب نماز جنازہ سے فارغ ہو کر واپس آنے تو میں مسجد میں داخل ہوا تو میں نے تحیۃ المسجد کی دو رکعت پڑھنی شروع کر دیں تو وہی آدمی بولا میاں اب بیٹھ جاؤ یہ نماز کا وقت نہیں۔ عصر کے بعد نماز پڑھنا جائز نہیں، مجھے اپنی لاعلمی پر بڑا صدمہ ہوا۔ واپس آ کر اپنے استاد سے کسی فقیہ کا گھر پوچھا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی لاعلمی پر ندامت کا اظہار کیا (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۹۷ ج ۳) دیکھئے کتنی قابل عبرت بات ہے کہ دس سال حدیث پڑھنے کے بعد ابھی نماز کے اوقات اور نوافل کی ادائیگی کے مسائل بھی نہ آئے۔ جب ایسی ٹھوکریں لگتی ہیں تو فقہ کے بڑے بڑے مخالفین کو بھی فقہ کی اہمیت کا احساس ہو جاتا ہے باوجودیکہ ابن حزم فقہاء کے بہت خلاف تھا۔ لیکن حق بات زبان پر آ ہی جاتی ہے علامہ شعرانیؒ لکھتے ہیں ”اور علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمام وہ احکام جو مجتہدین نے قرآن سے نکالے ہیں۔ شریعت ہی میں شمار کیے جائیں گے۔ اگرچہ ان کے دلائل عوام پر مخفی ہوں اور جس نے اس کا انکار کیا تو اس نے حقیقت میں ائمہ کو خطا وار ثابت کیا ہے کہ وہ ان امور کو جن کی خدا تعالیٰ نے

اجازت نہیں دی شریعت میں داخل کرتے ہیں اور اماموں کو خطاوار کہنے والا گمراہ ہے۔ حق یہ ہے کہ اس بات کا اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ اگر امام ان احکام کی کوئی دلیل شریعت میں نہ پاتے تو ہرگز ان کو شریعت میں داخل نہ فرماتے"۔ (میزان شعرانی ص ۸۶ ج ۱)

کشف:

علامہ شعرانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "ایک دفعہ میں نے شیخ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بھی فرماتے سنا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودہ مضامین نہایت دقیق ہیں جن کو اہل کشف میں سے اکابر اولیاء اللہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جب وضو کے پانی کو ملاحظہ فرماتے تو اس کے اندر تمام معاصی خواہ وہ کبائر ہوں یا صغائر یا مکروہات سب کو دیکھ لیتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ جو امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اس پانی کی جس سے مکلف نے طہارت حاصل کی ہو، تین حالتیں قرار دی ہیں۔ ایک حالت میں اس کو نجاست غلیظہ فرمایا ہے لیکن احتیاطاً کیونکہ احتمال ہے کہ شاید مکلف نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔ دوسری حالت میں نجاست متوسط ہونے کا قول فرمایا کیونکہ احتمال ہے کہ شاید مکلف نے گناہ صغیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔ تیسری حالت میں اس کو فی نفسہ طاہر قرار دیا ہے کہ دوسری شے کو مطہر نہیں ہو سکتا کیونکہ احتمال ہے کہ شاید مکلف نے کسی امر مکروہ کا ارتکاب کیا ہو یا خلاف اولیٰ کا۔ کیونکہ یہ درحقیقت گناہ نہیں ہوتا اور وجہ یہ ہے کہ بعض مواقع میں مکروہ اور خلاف اولیٰ کا ارتکاب جائز ہو جاتا ہے۔ (میزان شعرانی ۱۰۷ ج ۱)

تقلید کے فوائد و برکات:

ناظرین کرام! تقلید ایک ایسی لگام ہے، جو انسان کو بے راہ روی سے روکتی ہے۔ مطلق العنانی، خود پسندی، خود بینی اور خود سری سے منع کرتی ہے، شوخ چشمی، ذہنی آوارگی اور مذہبی آزاد خیالی سے باز رکھتی ہے، نفس کی بے لگام خواہشات کی اتباع اور علماء حق کی مخالفت سے بچنے کا واحد ذریعہ صرف اور صرف تقلید ہے۔

ذیل میں تقلید کے چند فوائد و برکات اور اس کے کچھ خوش آئند ثمرات و نتائج تحریر کئے جاتے ہیں:

تقلید کی برکت نمبر 1:

دنیا کے تمام علوم وفنون اور پیشوں کی تعلیم کا سلسلہ تقلید کی برکت سے جاری و ساری ہے

ناظرین باتمکین! دنیا کے تمام علوم و فنون، پیشے اور دستکاریاں بھی سیکھی جاتی اور سکھائی جا سکتی ہیں، جب سیکھنے والا سکھانے والے کی تقلید کرے۔ ایک بچہ مکتب میں پڑھنے کے لئے جاتا ہے، استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتا ہے، حضرت استاد شاگرد کو پڑھانا شروع کرتے ہیں، فرماتے ہیں بیٹا کہو الف، شاگرد اگر الف کہنے کی بجائے استاد سے کہے کہ حضرت جی پہلے آپ مجھے اس بات کی دلیل دیں کہ یہ الف ہے، ورنہ میں اسے الف

ماننے کیلئے ہرگز ہرگز تیار نہیں، ناظرین کرام! خدا لگتی کہیے کہ کیا یہ بچہ زیور تعلیم سے آراستہ ہو سکتا ہے؟ نہیں نہیں، ہرگز نہیں، قطعاً اور یقیناً نہیں۔

ایک شخص کسی ماہر فن دستکار کے پاس فن کی تحصیل کے لئے جاتا ہے تو یہ شخص اگر اس ماہر فن کی ہدایات کی اتباع اور تقلید کرے گا، تو یہ اس فن، پیشے اور صنعت میں کمال اور مہارت حاصل کرلے گا، لیکن اگر یہ غیر مقلدانہ رویہ اور طرز عمل اختیار کرے گا، استاد کی تقلید اور اتباع سے اعراض وانکار کرے گا، تو یہ شخص خواہ اپنی ساری عمر اس فن کی تحصیل میں کھپا دے فن میں مہارت حاصل کرنا تو کجا، اس کو ادنیٰ مناسبت بھی نہ پیدا ہو سکے گی۔

برکت نمبر 2

دنیا میں صحت کا نظام بھی تقلید کی برکت سے قائم ہے

غیر طبیب کیلئے طبیب کی اتباع اور تقلید نہایت ضروری اور لابدی ہے۔ اگر غیر طبیب، طبیب حاذق کے تجویز کردہ نسخہ جات میں کیڑے نکالنے، ان پر نکتہ چینی کرنے، ان کے استعمال میں چوں چرا کرنے، تشخیص میں ٹانگ اڑانے، طبیب ماہر اور حکیم حاذق کی تجویز کا مذاق اڑانے اس کی تشخیص کو ہدف تنقید بنائے، تو کیا ایسا شخص صحت یاب اور تندرست ہو سکتا ہے؟ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔

اسی طرح غیر طبیب کے لئے جائز نہیں کہ وہ محض اردو ترجمہ دیکھ کر اپنا علاج کرنے لگے، یا اپنا مطب کھول کر بیٹھ جائے۔ اس شخص کی اس غیر عاقلانہ اور احمقانہ حرکت کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا برآمد ہوگا کہ یہ غیر طبیب اور اناڑی معصوم لوگوں کی زندگیوں سے کھیلے گا، لوگ اس کے اناڑی پن کی بھینٹ چڑھ کر برباد ہو جائیں گے، اور قبرستان اس کی نیم حکیمی کی بدولت آباد ہو جائیں گے۔ ایسا شخص احمق اور نادان ہے، اور جو شخص ایسے نادان اور اناڑی سے اپنا علاج کروائے وہ اس سے بھی بڑھ کر نادان اور پاگل ہے۔

برکت نمبر ۳

دنیا کے تمام چھوٹے اور بڑے ادارے تقلید کی بدولت چل رہے ہیں

دنیا بھر کے تمام ادارے چھوٹے ہوں یا بڑے، اسلامی ہوں یا غیر اسلامی، دینی ہوں یا غیر دینی، صرف تقلید کی برکت سے چل رہے ہیں۔ ہر ادارہ کا ایک سربراہ، ناظم اعلیٰ ہوتا ہے۔ عملے کے تمام ارکان اس کے ماتحت کام کرتے ہیں اگر ادارہ کا سربراہ اپنے کسی ماتحت کو کسی کام کا حکم دے اور وہ ماتحت شخص اس کے حکم کی تعمیل کرنے کے بجائے ناظم اعلیٰ سے اس حکم کی دلیل دریافت کرنے لگے اور کہے کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل تب کروں گا جب آپ اپنے اس حکم کو دلیل سے مدلل و مبرہن کر دیں ورنہ میں آپ کے حکم کی تعمیل سے قاصر ہوں۔ پھر اس کی دیکھا دیکھی عملے کے دوسرے ارکان بھی یہی شروع کر دیں۔

ناظرین کرام! خدارا بتائیے کہ کیا ایسے ماتحت فرد کو کھڑے کھڑے فارغ نہ کر دیا جائے گا کیا ایسے شخص کو فی الفور یک بینی و دو گوش اس ادارہ سے نکال نہ دیا جائے گا۔ کیا ایسے خود سر اور بدنہاد افراد ادارہ کی کامیابی کا سبب بن سکتے ہیں؟ نہیں نہیں ہرگز نہیں جس ادارہ میں ایسے آوارہ اور بے لگام اشخاص ہوں، وہ ادارہ کبھی بھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی ادارہ میں ایسے تخریبی چند عناصر ہوں تو ان کا اس ادارہ سے نکالا جانا ضروری ہے۔ بصورت دیگر وہ ادارہ تخریب کا شکار ہو کر تباہ و برباد ہو جائے گا۔ غیر مقلدین کو بھی تقلید سے مفر نہیں۔ ان کے تمام دینی اور غیر دینی ادارے اسی تقلید کی برکت سے چل رہے ہیں جس کو رات دن کوسا جاتا ہے۔

برکت نمبر ۴

ہر گھر کا سکون و اطمینان بھی تقلید کی برکت سے قائم ہے

عائلی نظام اور گھریلو انتظام بھی اسی وقت تک درست رہ سکتا ہے جبکہ میاں بیوی ایک

دوسرے پر اعتماد کریں، بیوی خاوند کے احکام و ہدایات کی بلا چوں و چرا اتباع اور تقلید کرے۔

اگر یہ دونوں ایک دوسرے پر اعتماد نہ کریں اور بیوی خاوند کے احکام و ہدایات کی دلیلیں پوچھنا شروع کر دے تو گھر کا نظام تباہ، گھر کا سکون غارت اور امن و امان تہہ و بالا ہو جائے گا، اور گھر جہنم کا منظر پیش کرے گا۔ اگر بیوی آزاد، آوارہ، خود سر، خود مختار اور مطلق العنان ہو جائے تو اس پر جو روح فرسا اور بھیانک نتائج مرتب ہوں گے وہ اہل دانش و بینش پر بخوبی عیاں ہیں، عیاں را چہ بیاں۔

برکت نمبر ۵

دنیا میں خاندانوں کی نسبی صحت اور حفاظت کا دارومدار بھی تقلید سدید پر ہے

اس عالم آب و گل اور کائنات ہست و بود میں گھرانوں، خاندانوں اور قبیلوں کا امتیاز اور وجود ان کے نسبوں کی صحت اور حفاظت و صیانت بھی تقلید کی مرہون منت ہے۔ جس کسی خاندان میں کوئی بچہ متولد ہوتا ہے تو وہ بچہ جس ماں کے شکم سے ہوتا ہے اس کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے اس بچہ کو اس خاندان کا فرد قرار دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی غیر مقلدانہ ذہنیت رکھنے والا بچہ اپنی ماں سے پوچھے کہ اس بات کی کیا دلیل ہے کہ میں اپنے باپ کے نطفہ سے ہوں۔ اپنے اس دعویٰ پر آپ دلیل پیش کریں ورنہ میں یہ بات ماننے کیلئے ہرگز تیار نہیں کہ میں فلاں بن فلاں کے نطفہ سے ہوں۔ ناظرین کرام! از راہ انصاف بتائیں کہ کیا اس بچہ کا یہ مطالبہ صحیح ہے؟ کیا اس کی ماں اس کے مطالبہ کو دلیل سے مدلل اور مبرہن کر سکتی ہے؟ یہ بچہ اپنے والد کی اولاد تبھی ثابت ہو سکتا ہے جبکہ یہ اپنی ماں کی تقلید شخصی کرے، ورنہ اس کے حلال زادہ ہونے کا ثبوت ساری دنیا اکٹھی ہو کر بھی پیش نہیں کر سکتی۔ اگر ہر پیدا ہونے والا بچہ بالغ ہونے کے بعد یا بلوغت سے قبل اس قسم کے غیر مقلدانہ مطالبے کرنے لگے تو

کیا خاندانوں اور گھروں کا نظام بھی درست رہ سکتا ہے؟ کیا فرماتے ہیں علماء غیر مقلدین بیچ اس مسئلہ کے؟ بینوا تو جروا

خلفائے راشدین کی خلافت کا انعقاد بھی تقلید ھی کی بدولت ممکن ھوا

خلفائے راشدین کا دور تاریخ اسلام کا نہایت ہی درخشندہ و تابندہ اور نہایت مبارک و مقدس دور ہے۔ ان کے پیغمبرانہ طرز زندگی اور ان کے دورِ خلافت کے عظیم الشان، فقید المثال، اور بے نظیر کارناموں پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں اور الم نشرح ہو جاتی ہے کہ مذہب و سیاست کے تمام علمی و عملی کمالات میں یہ حضرات حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے صحیح جانشین تھے۔ ان کے ذریعہ جس وسیع پیمانہ پر اصول دین کی تبلیغ، علوم شریعت کی اشاعت اور حدود شریعت کا نفاذ ہوا، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ خلافت علی منہاج النبوۃ تھی، اور اس کا انعقاد تقلید کی بدولت ممکن ہوا۔ اس کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

<u>برکت نمبر ۶</u>

خلافت صدیقی

حضور ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو جس سب سے بڑے مسئلے سے دوچار ہونا پڑا وہ مسئلہ خلافت تھا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکٹھے ہوئے حضرت عمرؓ نے ایک مختصر تقریر فرمائی جس میں انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا استحقاق خلافت نہ تو کسی آیت قرآنی سے ثابت کیا اور نہ ہی اس بارے میں کوئی حدیث پڑھ کر سنائی بلکہ آپ نے اپنے اجتہاد و قیاس سے ایک دلیل پیش فرمائی کہ اے صحابہ کرام! تم سب کو معلوم ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی عمر شریف کے آخری ایام میں حضرت ابوبکرؓ

صدیقؓ کو امامت کے لئے مقرر فرمایا تو جس شخص کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے دین کی امامت کے لئے مقرر فرمایا اس کو ہم حکومت وخلافت کیلئے بھی پسند کرتے ہیں۔ پھر سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی۔ باقی سب صحابہ کرامؓ نے آپ کی تقلید شخصی کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دست مبارک پر بیعت فرمائی۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے اس کو کفر وشرک قرار نہ دیا۔ کسی نے اس پر کسی آیت قرآنی یا کسی حدیث نبوی کا مطالبہ پیش نہ کیا گویا کہ صحابہ کرامؓ کا تقلید شخصی کی صحت پر اجماع ہو گیا۔ اب جو شخص تقلید شخصی کا منکر ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اجماع کا منکر ہے اور جو شخص تقلید شخصی کو کفر وشرک قرار دیتا ہے۔ (نعوذ باللہ) سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر ومشرک قرار دیتا ہے۔ اس جسارت وحماقت اور اس جہالت وسفاہت سے لاکھوں بلکہ کروڑوں بار خدا کی پناہ۔

<u>برکت نمبر ۷</u>

خلافت فاروقی

خلافت فاروقی کا انعقاد بھی تقلید کی برکت سے ممکن ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب دیکھ کر ان کا پیمانہ حیات لبریز ہوا چاہتا ہے اور ملاء اعلیٰ سے وصال کے لمحات قریب سے قریب تر ہو رہے ہیں تو انہوں نے ایک وصیت نامہ تحریر کروایا کہ میری وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ امور خلافت انجام دیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کے استحقاق خلافت کو نہ قرآن کریم کی کسی آیت کریمہ سے مبرہن فرمایا اور نہ ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی حدیث سے مدلل فرمایا۔ اپنے وصیت نامہ میں نہ قرآن کریم کی کوئی آیت مبارکہ پیش فرمائی اور نہ ہی رسالتمآب ﷺ کی کوئی حدیث اس بارے میں تحریر کروائی۔ تمام صحابہ کرامؓ نے دلیل کا مطالبہ کئے بغیر بلا چوں وچرا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے گرامی کو قبول فرمایا اسی کا نام تقلید شخصی ہے۔

برکت نمبر ۹

تقلید شخصی کے بغیر احادیث نبویہ پر عمل کرنا خارج از امکان ھے، تقلید شخصی کی بدولت ھی احادیث شریفہ پر عمل کیاجاسکتا ھے

ناظرین کرام! احادیث مبارکہ پر اس وقت تک عمل ممکن نہیں، جب تک کہ آئمہ حدیث کی تقلید نہ کی جائے۔ یعنی آئمہ حدیث نے جن احادیث کو صحیح کہا ہے، ان پر عمل کرنا اور جن احادیث کو ضعیف کہا ہے، ان کو ترک کرنا، اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ آئمہ حدیث کی تصحیح اور تحسین وتضعیف کی تقلید نہ کی جائے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ احادیث کی صحت اور ضعف کا دارومدار آئمہ حدیث کے اقوال وآراء پر مبنی ہے۔ مثلاً امام بخاریؒ، بخاری شریف میں تقریباً چار ہزار صحیح احادیث لائے ہیں ان احادیث پر امام بخاریؒ نے صحت کا جو حکم لگایا ہے وہ اپنے اجتہاد اور ظن کی بناء پر لگایا ہے۔ امام بخاری بھی آئمہ مجتہدین کی طرح نبی اور پیغمبر نہیں ہیں، اس لئے معصوم بھی نہیں، ان سے بھی غلطی کا امکان ہے لیکن یہ امر از حد تعجب اور از بس حیرت کا باعث ہے کہ ان کے غیر معصوم ہونے کے باوجود غیر مقلدین ان کی تقلید شخصی میں بخاری شریف کی سب احادیث وروایات کو صحیح قرار دیتے ہیں حالانکہ بخاری شریف کی احادیث کی تصحیح کا مدار امام بخاریؒ کے ظن اور اجتہاد پر ہے جبکہ غیر مقلدین کسی امام کے اجتہاد کو حجت نہیں سمجھتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا ہر امام کی تقلید کو وہ امام فقہ ہو یا امام حدیث کفر وشرک قرار دیتے ہیں تو ہم غیر مقلدین سے بجا طور پر اس سوال کا حق رکھتے ہیں کہ احادیث کی تصحیح میں امام بخاریؒ کی تقلید شخصی کرتے ہوئے وہ کفر وشرک کیسے تسلیم ورضا کا رنگ اختیار کر لیتا ہے؟ ہم غیر مقلدین سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ حضرات امام بخاریؒ کے مقلد ہیں یا نہیں؟ اگر آپ امام بخاریؒ کے مقلد ہیں تو آپ حضرات اپنی ہی فتاویٰ کی رو سے کافر ومشرک قرار پائے، اور اگر آپ امام بخاریؒ

کے مقلد نہیں ہیں تو بخاری شریف کی احادیث وروایات کو صحیح سمجھنے میں امام بخاری کی تقلید چہ معنی دارد؟

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات امام بخاریؒ وغیرہ کی اس بارے میں تقلید شخصی کرتے بھی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دوسروں کے حق میں اسے کفر وشرک بھی کہتے جاتے ہیں۔

اگر غیر مقلد حضرات اس سلسلہ میں امام بخاریؒ کی تقلید شخصی نہیں کرتے تو غیر مقلدین خداوند جل وعلا کو حاضر ناظر جان کر اور آخرت کی مسئولیت کے احساس کے پیش نظر بتائیں کہ کیا ان میں سے ہر فرد نے بخاری شریف کی تمام احادیث وروایات کو نقد ونظر کی کسوٹی پر پرکھ کر ان کے رواۃ اور ان کی صفات کی چھان بین کر لی ہے؟ اگر کوئی غیر مقلد دعویٰ کرے کہ میں نے بخاری شریف کی ہر ہر حدیث کی پوری طرح چھان بین کر لی ہے اور میں نے اپنی تحقیق کی بناء پر ان کی صحت کا یقین کیا ہے تو ایسا شخص سو فیصد کاذب اور سو درجے دروغ گو ہے کیونکہ غیر مقلدین میں کوئی ایک بھی مائی کا لال ایسا نہیں کہ وہ علوم حدیث میں اتنا متبحر ہو کہ وہ اپنے اجتہاد سے ان پر صحت کا حکم لگا سکے۔ اگر ہم مان بھی لیں کہ واقعی اس شخص نے اپنی ذاتی تحقیق سے اتنا عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ علوم حدیث میں امام بخاریؒ کا سا تبحر اور مقام حاصل کر کے اپنے اجتہاد سے بخاری شریف کی احادیث پر صحت کا حکم لگایا ہے۔ تو خدارا بتلایئے کہ باقی ہزاروں غیر مقلد اتنی بڑی تحقیق وریسرچ سے کیسے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں؟

ہر شخص پر لگا دیا نہ الزام آگہی! ہر سائے کو نصیب کہاں روشنی کے زخم

دراصل غیر مقلدین میں جہلاء کی اکثریت ہے اور جو چند پڑھے لکھے ہیں وہ بھی بیچارے نہ اتنی لیاقت وقابلیت رکھتے ہیں اور نہ ہی وہ اتنے عظیم جذبہ سے سرشار ہیں کہ اتنی بڑی تحقیقی کاوش کر سکیں۔

برکت نمبر ۱۱

امت مسلمہ کا ایک حرف پر اجماع بھی تقلید شخصی کی بدولت ممکن ہوا

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ قرون اولیٰ میں لوگ کسی ایک معین مجتہد کی تقلید پر مجتمع نہ تھے بعد میں تقلید شخصی پر اتفاق ہو گیا اور پھر وہی واجب ہو گئی، اس کی ایک واضح نظیر حضرت عثمانؓ کے عہد مبارک میں جمع قرآن کا واقعہ ہے۔ حافظ ابن جریر وغیرہ کے مشہور نظریہ کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے سات حروف میں سے چھ حروف کو ختم فرما کر صرف حرف قریش کو باقی رکھا تھا اور جتنے مصاحف حرف قریش کے خلاف تھے ان کو نذر آتش کرا دیا۔

مقصد یہ ہے کہ رسالتمآب ﷺ اور شیخین کے عہد خلافت تک ہر شخص کے لئے اجازت تھی کہ وہ قرآن کریم کے سات حروف میں سے کسی بھی حرف پر قرآن کریم کی تلاوت کرے لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ اگر اس اجازت کو برقرار رکھا گیا تو زمانے کے تغیر وتبدل سے لوگوں کے فتنہ میں پڑ جانے کا شدید خدشہ ہے تو انہوں نے چھ حروف کو ختم فرما کر صرف حرف قریش پر قرآن کریم کی تلاوت کو لازم قرار دیا، اور سب صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمانؓ کی تقلید شخصی میں اس پر عمل کیا اور یہ عمل آج تک چلا آرہا ہے۔ یہ گفتگو تو حضرت جریرؒ کے نظریہ کے مطابق ہے۔ حضرت عثمان کے جمع قرآن کے بارے میں ایک اور نظریہ بھی ہے جو امام مالکؒ اور بعض دیگر آئمہ کے نزدیک مختار اور راجح ہے، وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ نے چھ حروف ختم نہیں فرمائے تھے بلکہ ساتوں حروف آج بھی متواتر قراءتوں کی شکل میں محفوظ ہیں۔ البتہ انہوں نے قرآن کریم کا ایک رسم الخط متعین کر دیا تھا، اگر اس نظریہ کو اختیار کیا جائے تب بھی یہ واقعہ تقلید شخصی کے معاملہ کی نظیر ہے اس لئے کہ حضرت عثمانؓ سے پہلے قرآن کریم کو کسی بھی رسم الخط کے مطابق لکھا جا سکتا تھا

بلکہ مختلف مصاحف میں سورتوں کی ترتیب بھی مختلف تھی اور ان مختلف ترتیبوں کے مطابق قرآن کریم کو لکھنا جائز تھا لیکن حضرت عثمان نے امت کی اجتماعی مصلحت کے پیش نظر اس اجازت کو ختم فرما کر قرآن کریم کے ایک رسم الخط اور ایک ترتیب کو متعین کر دیا اور اسی اتباع کو لازم قرار دے کر باقی مصاحف کو نذر آتش کر دیا۔

برکت نمبر ۲

تقلید فرقوں کی بہتات کو ختم کرکے اتحاد و اتفاق کے لئے فضا سازگار کرتی ہے

دوسری صدی ہجری کے اختتام سے قبل چونکہ تقلید شخصی وجوباً رائج نہ تھی اس لئے تقلید شخصی کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں میں اس کثرت سے فرقے پیدا ہوئے کہ خدا کی پناہ۔ چنانچہ پیران پیر محبوب سبحانی قطب صمدانی حضرت الشیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے اپنی مشہور تصنیف منیف "غنیۃ الطالبین" میں ان فرقوں کی تعداد ۷۳ تک بتائی ہے۔ ان فرقوں میں سے چند اہم اور نمایاں فرقوں کے نام درج ذیل ہیں۔

خارجیہ، جبریہ، قدریہ، کرامیہ، جہمیہ، معتزلہ، صالحیہ، شمریہ، یونسیہ، یونانیہ، نجاریہ، غیلانیہ، شبیبیہ، معاذیہ، مریسیہ، کلابیہ، کیسانیہ، بکریہ، محمدیہ، جبائیہ، کعبیہ، بہشمیہ، ضراریہ، سالمیہ، فرامضیہ، شمطیہ، عماریہ، ممطوریہ، موسویہ، امامیہ وغیرہ وغیرہ فرقوں کی یہ کثرت و بہتات ترک تقلید کا نتیجہ تھی۔

لیکن جب دوسری صدی کے اواخر میں تقلید شخصی وجوباً شائع ذائع اور رائج ہوگئی تو تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی برکات کے خوش آئند اثرات وثمرات اور روح پرور نتائج اس طرح نمایاں اور عیاں ہوئے کہ تقریباً تمام گمراہ فرقے نیست و نابود اور معدوم و ناپید ہوگئے، اگر کبھی کوئی غیر اہم فرقہ پیدا بھی ہوا تو وہ تقلید کی برکات کے زیر اثر بہت جلد زمین کی گہرائیوں میں دفن ہوگیا۔

برکت نمبر ۱۳

عہد صدیقی میں جمع قرآن کا واقعہ بھی تقلید ہی کی بدولت وقوع میں آیا

حضرت فاروق اعظمؓ کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جمع قرآن کے لئے کہنا اور صدیق اکبرؓ کا جواب میں یہ فرمانا کہ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں کیا وہ آپ کیسے کریں گے؟ جواب میں حضرت فاروق اعظمؓ کا نہ آیات قرآنیہ کو پیش کرنا اور نہ ہی احادیث نبویہ سے استدلال کرنا، بلکہ صرف هذا والله خير کہنا (خدا کی قسم یہ بہتر ہے) اور حضرت صدیق اکبرؓ کا فاروق اعظمؓ کے قول کو دلیل کا مطالبہ کئے بغیر قبول کر لینا کیا یہ تقلید فی الدین (دلیل کے بغیر بات مان لینا جو تقلید کا مفہوم ہے) ہے یا نہیں۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ کا حضرت زید بن ثابتؓ کو جمع قرآن کیلئے حکم فرمانا اور حضرت زید بن ثابتؓ کا بھی وہی جواب دینا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو دیا تھا، پھر حضرت عمرؓ کے صرف قول سے دونوں حضرات کو شرح صدر ہو جانا اور اس پر تمام صحابہ کرامؓ میں سے کسی کا انکار نہ کرنا تقلید شخصی ہے یا نہیں؟ اگر یہ تقلید شخصی ہے تو پھر غیر مقلدوں کا حضرت صدیق اکبرؓ اور تمام صحابہ کرامؓ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ [illegible] دین میں کسی کی بات بغیر دلیل کے مان لینا ان کے نزدیک شرک ہے۔ [illegible]

برکت نمبر ۱۴

قرآن و سنت کو تحریف معنوی سے محفوظ رکھنے کا واحد ذریعہ تقلید ہے

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی تشریح و توضیح میں سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کی تعبیرات کی تقلید کرنا قرآن و سنت کو تحریف معنوی سے محفوظ رکھنے کا واحد ذریعہ ہے۔

چونکہ انسانی اذہان وعقول مختلف ہیں، انسانی طبائع مختلف ہیں، انسانی مزاج مختلف ہیں، انسانوں کے سوچنے کے انداز مختلف ہیں پھر ہر شخص کے ماحول کے اثرات مختلف ہیں، ماحول کے آس پاس وپیش سے انسان کا متاثر ہونا ایک طبعی امر ہے، پھر انسان ذہن وذکاوت اور فہم وفراست میں مختلف ہیں اس لئے ہر شخص کی سوچ کا پیمانہ مختلف ہے۔ لہذا اگر ہر شخص کو کھلی چھٹی دے دی جائے قرآن وسنت کی تشریح وتوضیح میں ہر شخص کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ جس کی سمجھ میں قرآن وحدیث کا جو مفہوم آئے وہ اس پر عمل پیرا ہو جائے، اس سے جہاں قرآن وحدیث کے معانی ومفاہیم میں تحریف کا دروازہ کھلے گا وہاں اس سے قرآن وسنت کی تعبیرات میں اس قدر اختلافات وتضادات پیدا ہو جائیں گے کہ قرآن وسنت پر عمل کرنا ہی ناممکن ہو جائے گا بنا بریں دین اسلام ایک ایسی بھونڈی شکل میں دنیا کے سامنے آئے گا کہ لوگوں کو اس پر ہنسنے کا موقع ملے گا اور قرآن وحدیث میں معنوی تحریف کا ایک ایسا باب کھلے گا جس کا بند کرنا محال ہو جائے گا۔ بخلاف سلف صالحین کی تعبیرات وتشریحات کی تقلید کے کہ اس سے تحریف کا دروازہ بند ہوتا ہے اور اختلافات وتضادات کے لئے نفس کی سازگاری ختم ہوتی ہے۔

برکت نمبر ۵!

تقلید صحابہ کرام اور سلف صالحین کے بارے میں جذبات ادب واحترام پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے

سلف صالحین بالخصوص صحابہ کرامؓ پر اعتماد واعتبار اور ان کا احترام ہی درحقیقت دین اسلام کا مدار ومناط ہے۔ صحابہ کرامؓ اس امت کے محسنین اولین اور مبلغین اولین ہیں، دین کا کوئی حصہ کسی صحابی سے پہنچا ہے اور کوئی کسی سے، قرآن کریم کا کوئی ٹکڑا کسی سے ملا ہے اور کوئی کسی سے تو ایک صحابی کی بیزاری سے انحراف یا کسی ایک صحابی پر جرح وتنقید درحقیقت دین کے اس ٹکڑے سے انحراف ہوگا جو اس صحابی سے بواسطہ روایت ہم تک پہنچا ہے۔ اگر راوی ہی مجروح یا ناقابل اعتبار ہے تو اس کا روایت کردہ حصہ بھی ناقابل اعتبار ہوگا۔ چونکہ صحابہ کرامؓ امت مسلمہ تک قرآن وحدیث پہنچانے کا واحد ذریعہ ہیں لہذا صحابہ کرامؓ پر تنقید کی

اور تنقید قصر اسلام کی خشت اول اکھاڑنے کے مترادف ہے۔ ترک تقلید سے صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین پر تنقید کرنے کا حوصلہ بڑھتا اور ان کے ادب واحترام کے جذبات میں بتدریج کمی آتی جاتی ہے۔ جوں جوں ترک تقلید کا نشہ بڑھتا ہے توں توں صحابہ کرامؓ پر تنقید اور ان کی تنقیص وتوہین کے جذبات میں شدت پیدا ہوتی جاتی ہے اس لئے جو جتنا بڑا غیر مقلد ہوگا، وہ اتنا ہی بڑا گستاخ اور بے ادب بھی ہوگا، روافض چونکہ تقلید کے انکار میں سب سے بڑے ہوئے ہیں اس لئے صحابہ کرامؓ کی توہین وتنقیص بلکہ ان کی تفسیق وتکفیر سے بھی نہیں جھجکتے اسی طرح غیر مقلدین ترک تقلید کی سرآتشہ شراب پی کر ایسے مخمور ہو جاتے ہیں کہ ان کے گستاخ ہاتھ صحابہ کرامؓ کی پگڑیوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ سلف صالحین اور آئمہ مجتہدین سے تو یہ عبدالقادر روپڑی جیسے معمولی مولویوں کو افضل و برتر سمجھتے ہیں۔ نعوذ باللہ من سوء الادب۔

بخلاف مقلدین کے کہ ان کے قلوب صحابہ کرامؓ تابعین، تبع تابعین، سلف صالحین اور آئمہ مجتہدین کی عقیدت سے سرشار ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں میں سلف صالحین کے ادب واحترام کا دریا موجزن ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ، سلف صالحینؒ اور آئمہ مجتہدین کے بارے میں ادنیٰ ترین گستاخی کا تصور بھی ان کے لئے سوہان روح ہوتا ہے اس لئے وہ لادینیت سے محفوظ رہتے ہیں۔ نئے نئے فتنوں، تجدد اور اباحیت پسندی کے امراض سے بچے رہتے ہیں تقلید کی چند برکات ذکر کی گئی ہیں جن میں سے ہر ہر برکت اپنے اندر خیر کے ہزاروں پہلو لئے ہوئے ہے بشرطیکہ چشم بینا، دل حساس اور ذہن بیدار کی ضرورت ہے۔

ترک تقلید کے نقصانات و مفاسد

ترک تقلید کے نقصانات و مفاسد بہت زیادہ ہیں، ان میں سے چند ایک ذکر کئے جاتے ہیں

فساد نمبر۱

ترک تقلید سے اتحاد پارہ پارہ ہوتا ہے، اختلافات کے سوتے پھوٹتے اور افتراق کے چشمے ابلتے ہیں، ترک تقلید انتشار و خلفشار، اختلاف وافتراق اور باہمی تو تکار پیدا کرنے کا

سب سے بڑا سبب اور باعث ہے۔

ترکِ تقلید کے اصول ہی اس بات کے متقاضی ہیں کہ غیر مقلدوں میں اتفاق و اتحاد باقی نہ رہے۔ جب آدمی غیر مقلد ہو جاتا ہے تو پھر وہ شتر بے مہار بن کر ہر وقت ہر کھیتی میں منہ مارنے کے لئے تیار رہتا ہے تقلید کی لگام اور مہار جو اس کو آزاد خیالی، مطلق العنانی، نفس پرستی اور خودسری سے روکے ہوئے تھی اس کی گرفت کمزور اور ڈھیلی پڑتے ہی وہ بے راہ روی میں بھٹکنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ ہوا پرستی کے گھوڑے پر سوار ہو کر ضلالت کے صحراؤں اور گمراہی کے لق و دق بیابانوں میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے، غیر مقلد قرآن و سنت کا متبع نہیں ہوتا بلکہ در پردہ اپنی خواہشات کا غلام، اپنے نفس کا بندہ اور اپنی ہوس کا پجاری ہوتا ہے، غیر مقلد اپنے نفس کی تقلید شخصی میں گرفتار ہوتا ہے اور اپنے لئے نت نئی سہولتیں تلاش کرنے میں لگا رہتا ہے۔ ایسا کرنا بلاشبہ دینِ اسلام کی تعلیمات کا مذاق اڑانے اور قرآن و حدیث سے کھیلنے کے مترادف ہے۔ اعاذنا اللہ من ھذہ الفرزبند۔

فکر کجا و سخن کجا ساز سخن بہانہ ایست سوئے قطاری کشم ناقہ بے مہار را

ترکِ تقلید کے خمیر میں افتراق و انتشار اور فتنہ و فساد ہے:

مذاہبِ اربعہ میں سے کسی مذہب کی پابندی نہ کرنے اور خود مختار و غیر مقلد ہو جانے میں سراسر فتنہ و فساد و شرارت و خباثت، اختلاف و افتراق اور انتشار و خلفشار ہے۔

قرآن کریم میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا یعنی اصلاح کے بعد زمین میں فتنہ و فساد برپا نہ کرو شرارت و خباثت نہ پھیلاؤ، افتراق و انتشار کے ذریعہ اہلِ زمین کا سکون غارت نہ کرو۔ اس آیتِ کریمہ میں زمین میں فتنہ و فساد پھیلانے سے روکا گیا ہے لہٰذا ہر وہ چیز جو فتنہ و فساد اور شرارت کا سبب ہو گی وہ اس آیتِ کریمہ کی رو سے حرام اور ممنوع ہو گی، غیر مقلدیت چونکہ موجبِ فتنہ و فساد، باعثِ شرارت و خلفشار اور سببِ اختلاف و افتراق ہے اس لئے یہ ممنوع اور حرام ہو گی۔

اور تقلید شخصی چونکہ فتنہ فساد کو ختم کرنے، اختلاف و افتراق کو مٹانے، مذہبی آوارگی اور ذہنی خلفشار کو رفع دفع کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے اس لئے یہ از روئے قرآن واجب اور ضروری قرار پائے گی۔

ناظرین کرام! اس دور میں نفسانیت، خواہش پرستی اور اباحیت کا جو دور دورہ اور سرگرمی ہے، وہ اظہر من الشمس ہے، دین کے ساتھ لوگوں کا جو تعلق ہے وہ بھی بالکل واضح اور واشگاف ہے اور لوگوں کو علوم دینیہ کی تحصیل میں جتنی دلچسپی اور شغف ہے وہ بھی بالکل الم نشرح ہے۔

اگر اس دورِ پرفتن اور عصر پر آشوب میں لوگوں کو بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے کہ قرآن و حدیث کا جو مطلب و مفہوم جس کی سمجھ میں آئے وہ اس پر کاربند اور عمل پیرا ہو جائے تو اس سے جو فساد عظیم پھیلے گا اور جو اختلاف و افتراق رونما ہوگا اس کا تصور ہی بڑا بھیانک اور روح فرسا ہے۔

اس فساد عظیم کی ایک ادنیٰ جھلک درج ذیل مثال میں ملاحظہ فرما لیجئے۔ فرض کیجئے کہ لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا گیا۔ اور ان سے کہہ دیا گیا کہ چونکہ عقل و فکر پر پہرے نہیں بٹھائے جا سکتے، آپ انسان ہیں، عاقل بالغ ہیں اس لئے آپ آزاد ہیں، آپ کی سمجھ میں قرآن و حدیث کا جو مفہوم آئے آپ اس پر بے خوف و خطر بلا تامل و تردد عمل پیرا ہوں، آپ کو اجتہاد کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ اس آزادی فکر کے نتیجہ میں ایک شخص نے اجتہاد کیا اور اس کی سمجھ میں یہ آیا کہ قلتین (دو مٹکے) سے کم پانی میں نجاست پڑ جانے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ دوسرے صاحب کی عقل میں یہ آیا کہ یہ پانی خواہ کتنا ہی قلیل ہو جب تک اس کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی وصف متغیر نہ ہو پانی ناپاک نہ ہوگا۔ تیسرے صاحب اپنے اجتہاد کے نتیجہ میں یوں گوہر فشاں ہوئے کہ الماء طهور لا ينجسه شيء کے تحت تغیر اوصاف کے باوجود پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ چوتھے صاحب اپنی مجتہدانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے

کے بعد علامہ داؤد ظاہریؒ کی ہمنوائی پر مجبور ہوئے اور فرمانے لگے کہ پانی میں اگر پیشاب کیا جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا لیکن اگر اس میں پاخانہ کر دیا جائے تو پانی بالکل پاک صاف رہے گا۔ یہ پانی خود بھی پاک ہے اور اپنے پاک ہونے کی وجہ سے دوسری نجس اشیاء کو پاک کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ پانچویں صاحب اپنے مجتہد ہونے کے زعم فاسد میں مبتلا ہو کر یہ فتویٰ دینے لگے کہ پانی میں اگر دھار مار کر پیشاب کیا جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور اگر کسی نے لوٹے، گلاس وغیرہ میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دیا تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوگا بلکہ پانی جوں کا توں پاک رہے گا۔ چھٹے مجتہد یوں گویا ہوئے کہ اگر پانی میں پیشاب کیا جائے یا باہر سے آ کر مل جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے مگر صرف اس شخص کے لئے جس نے اس میں پیشاب کیا ہے۔ دوسروں کے لئے وہ پانی طاہر بھی ہے اور مطہر بھی ہے، پاک بھی ہے اور پاک کرنے والا بھی۔

ان چھ غیر مقلد عالموں نے نشہ اجتہاد میں مست ہو کر اجتہاد کیا۔ ان کے یہ غلط اور بچگانہ اجتہادات باہم مختلف و متصادم ہیں۔ لیکن باین ہمہ ان میں سے ہر مدعی اجتہاد کو اپنے اجتہاد کی صحت پر شدید اصرار ہے۔ فرض کیجئے کہ یہ چھ حضرات ایک ہی مقام پر رہائش پذیر ہیں ان میں سے ہر ایک کا اجتہاد دوسرے سے مختلف ہے، ہر ایک کی رائے دوسرے سے علیحدہ ہے پھر ہر شخص کا ماخذ حدیث ہی ہے ان میں ہر شخص اجتہاد کے زعم فاسد میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دوسرے کی بات ماننے کیلئے ہرگز ہرگز تیار نہیں پھر یہ چھ مجتہدین ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو گئے ہیں، مجلس مناظرہ گرم ہوتی ہے، پوری قوت بیانی اور طلاقت لسانی سے ہر مجتہد اپنے دلائل پیش کرتا ہے اور دوسرے کے دلائل رد کرتا ہے، ہر ایک جوش غضب میں مجنون بنا ہوا ہے، ہر ایک کے گلے کی رگیں پھولی ہوئی ہیں منہ سے کف جاری ہے۔ مناظرہ کے دوران شعلہ فشانی اور آتش بیانی اپنے پورے جوبن پر ہے۔ سب و شتم اور گالی گلوچ سے تجہیل و تکفیر تک نوبت پہنچتی ہے، پھر ہاتھا پائی تک سلسلہ پہنچتا ہے۔

کی غیر مقلدانہ ذہنیت نے جو فتنہ فساد پیدا کیا اس کی ایک ادنیٰ مختلف مثال مذکور میں بیان ہو چکی۔ خدانخواستہ اگر سارا ملک غیر مقلدیت کی لپیٹ میں آ جائے تو اس وقت جو فتنہ و فساد اور انتشار و خلفشار ظاہر ہوگا اس کا صرف تصور ہی بہت المناک اور کربناک ہے۔

غیر مقلدین کا اندرونی اختلاف و خلفشار

ہندوستان میں انگریز سرکار کی آمد کے بعد انگریز کی زیر سرپرستی غیر مقلدیت کا فتنہ ظہور پذیر ہو کر برگ و بار لایا اور پھلا پھولا۔ چونکہ غیر مقلدیت کی سرشت اور جبلت میں ہی اختلاف و افتراق کے جراثیم موجود ہیں اور غیر مقلدیت کے اصول و ضوابط ہی انتشار و خلفشار کے متقاضی ہیں اس لئے غیر مقلدین میں شدید اختلاف اور سخت ترین افتراق کا رونما ہونا ایک فطری امر کا ظہور میں آنا ہے۔

بنا بریں ہندوستان میں اس فرقہ کے ظہور پر ابھی بمشکل ایک صدی گزری ہے کہ یہ فرقہ مختلف گروہوں اور متعدد پارٹیوں میں بٹ چکا ہے اور پھر ہر پارٹی کئی کئی شاخوں میں تقسیم در تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔

مولوی عبدالعزیز صاحب سیکرٹری جمعیۃ مرکزی اہلحدیث ہند غیر مقلدین کے اندرونی خلفشار و افتراق کا تذکرہ نہایت دکھ، رنج اور ملال سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''سب سے زیادہ نقصان جماعت کو یہ پہنچا کہ عام طور پر مذہبی پابندی، مذہبی گرفت اور مذہبی اقتدار جو مسلمانوں کے دلوں سے کم ہو رہا تھا اس اختلاف، دھڑا بندی اور پارٹی بازی کی وجہ سے اہلحدیث اس میں مبتلا ہو گئے، دینی غیرت و حمیت، عقائد کی پختگی اور مضبوطی جو جماعت کا طرۂ امتیاز تھی آہستہ آہستہ اس کے مقابلہ کی وجہ سے رخصت ہونے لگی۔ بعض حضرات سے بڑی بڑی توقعات وابستہ تھیں وہ بھی دنیا کی ہیرا پھیری اور دنیاوی مصلحتوں کے شکار ہو گئے۔ (فیصلہ مکہ ص ۱)

غیر مقلد حضرات اپنے باہمی اختلافات و تنازعات کی وجہ سے مختلف پارٹیوں اور

متعدد گروہوں میں بٹ چکے ہیں۔ اب ان کی یہ حالت ہے کہ ان میں کوئی غزنوی ہے تو کوئی روپڑی، کوئی لکھوی ہے تو کوئی ثنائی، کوئی ستاری ہے تو کوئی غفاری اور پھر ہر ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی تفسیق تحمیق اور تجہیل وتکفیر کو اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے۔

چنانچہ جماعت غرباء اہلحدیث کو دوسرے غیر مقلدوں نے نہ صرف گمراہ اور ضال کہا بلکہ باغی اور واجب القتل قرار دیا، امام جماعت غرباء اہلحدیث کو مسیلمہ کذاب اور ان کے ماننے والوں کو مسیلمہ کذاب کا حامی قرار دیا گیا، جیسا کہ جماعت غیر مقلدین کے ایک اہم فرد جناب محمد مبارک صاحب استاد اسلامیات مدنی باغ ضیاء الدین میموریل گورنمنٹ کالج (شاگرد خاص مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانوی) اپنے رسالہ "علمائے احناف اور تحریک مجاہدین" میں جماعت غرباء اہلحدیث اور ان کے امام کو کوستے ہوئے اور ان پر برستے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اس بنیاد پر غرباء اہلحدیث باغی جماعت ہے جس کا جماعت اہلحدیث سے کوئی تعلق نہیں بلکہ پوری جماعت مع امام کے واجب القتل ہے، افسوس سید احمد شہید کی تحریک کامیاب ہو جاتی (اس تحریک کی کامیابی پر اظہار افسوس کیوں؟) تو ضرور جماعت غرباء اہلحدیث کو مع امام کے قتل کیا جاتا جس طرح سیدنا امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ جس طرح مسیلمہ کذاب کی حمایت کرنے والے مجرم تھے اسی طرح علماء جو جماعت غرباء اہلحدیث کے جلسوں کو رونق بخشتے ہیں وہ بھی مجرم ہیں۔ (ص ۵۱ تا ۵۴)

یہ تو تھا امام جماعت غرباء اہلحدیث اور ان کے حامیوں اور ماننے والوں کے بارے میں غیر مقلدوں کا نظریہ اور رائے۔

اب آپ ستاری حضرات کا نظریہ اور فتویٰ غیر ستاری حضرات کے بارے میں ملاحظہ فرما کر محو حیرت ہوں۔

جماعت غرباء اہلحدیث کے ایک ممتاز عالم مولوی عبدالجلیل صاحب سامرودی لکھتے ہیں:

''میں اپنے ہم عصر علماء کو چیلنج دیتا ہوں کہ وہ میری اس بات کو غلط ثابت کر کے انصافاً بتاویں کہ کیا آپ لوگ اشعری قدیم اور ماتریدی کے پابند نہیں؟ پھر تمہیں اپنے آپ کو اہلحدیث خالص کہتے ہوئے شرم نہیں آتی، سورج پر خاک ڈالنا چاہتے ہو، چاند کو ڈھال سے بے نور کرنا چاہتے ہو۔ میرے معزز اہلحدیث صاحبان! آپ اپنی آنکھیں کھولیں اور خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں۔ اگر اب بھی بیدار نہ ہوئے تو تم سے بڑھ کر منحوس ہستی کوئی نہیں۔ تازہ ترین واقعہ میرے دیکھنے میں آیا ہے کہ کراچی میں جماعت اہلحدیث کے دیرینہ اختلاف میں مصالحت ہوگئی اور اچھا ہوا کہ ایک ہو گئے، معاہدے ہو گئے مگر پاکستان لیصل آباد، ملتان وغیرہ کی طرف کے بڑے بڑے علماء اہلحدیث اس صلح سے بھی خوش نہیں بلکہ جداگانہ راپ الاپتے نظر آئے، کراچی کی صلح کی بناء پر ملتان وغیرہ کے جلسہ میں مولانا مرحوم کے صاحبزادے کو جلسہ میں شرکت کرنے کی درخواست اہلحدیث نے دی مگر علماء نے اپنا آہستہ سے راگ الاپا کہ یہ مدعی امامت ہیں۔ اس کی بناء پر ان کی جماعت کو اہلحدیث سے خارج کیا ہوا ہے۔ لہذا ان لوگوں کی شرکت ہو تو ہم شرکت نہیں کریں گے۔ (فتاویٰ ستاریہ ص ۲۶ ج ۳)

یہ تو ہیں موجودہ دور کے غیر مقلدین کی دو بڑی جماعتوں کے ایک دوسرے کے بارے میں خیالات ونظریات اور افکار وآراء۔

ناظرین باتمکین! غیر مقلدین کے اکابر واسلاف بھی اپنے اخلاف کی طرح ایک دوسرے پر تجہیل وتحمیق کے چھینٹے اڑانے اور تفسیق وتکفیر کے فتوے لگانے میں بڑے دلیر اور جری تھے۔ اس کی ایک ادنیٰ جھلک مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے بارے میں ان کے ہمعصر چوٹی کے غیر مقلد علماء کے درج ذیل فتویٰ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

''مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اہلحدیث سے خارج ہیں''

(فتویٰ مولانا شمس الحق عظیم آبادی و مولانا میر ابراہیم سیالکوٹی)

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، غیر مقلدین کے بہت بڑے عالم، مناظر متکلم اور خطیب تھے، مولوی ابو یحییٰ خان نوشہروی نے اپنی کتاب "ہندوستان میں اہلحدیث کی علمی خدمات" میں ان کی خدمات کو بہت سراہا ہے لیکن مولانا شمس الحق عظیم آبادی اور مولانا میر ابراہیم سیالکوٹی کی نظر میں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو جماعت اہلحدیث کا ایک ادنیٰ فرد بھی قرار دیا جا سکے۔

چنانچہ مذکورہ حضرات لکھتے ہیں۔ "مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اپنی تفسیر میں چالیس غلطیاں کی ہیں بعض جگہ احادیث اور بعض جگہ صحابہ کرامؓ اور تمام محدثین کے خلاف تفسیر کی ہے اور متکلمین، جہمیہ وغیرہ فرق باطلہ کا اتباع کیا ہے مذکورہ مقامات با شبہ ایسے ہیں کہ فرق ضالہ کے خیالات کو تائید پہنچا سکتے ہیں اور اہل سنت اہل حدیث کے مخالف اس سے خوش ہوں اور عند التقابل اس تفسیر سے تمسک کریں اس لئے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری صاحب اہلحدیث سے خارج ہیں۔ (فیصلہ مکہ ص۲،۶)

ترک تقلید کا فساد نمبر ۳ کفر وارتداد فساد نمبر ۳ لادینیت والحاد فساد نمبر ۴ فسق وفجور فساد نمبر ۵ نفاق

ترک تقلید مسلمانوں میں کفر وارتداد، لادینیت والحاد فسق وفجور اور نفاق پیدا کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے

غیر مقلدین کے بہت بڑے عالم اور وکیل اعظم مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ نمبر ۴ جلد ۱۱ مطبوعہ ۱۸۸۸ء میں کفر وارتداد والحاد وزندقہ اور فسق وفجور کے اسباب ومحرکات اور علل وعوامل پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ

معلوم ہو جاتی تاکہ اس کے روح فرسا نتائج سے امت مسلمہ محفوظ رہتی) کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق (ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔

ان میں بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لا مذہب (نیچری چکڑالوی مرزائی وغیرہ) جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے۔ اور احکام شریعت سے فسق و خروج تو اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے، ان فاسقوں میں بعض تو کھلم کھلا جماعت، نماز، روزہ چھوڑ دیتے ہیں سود وشراب سے پرہیز نہیں کرتے، اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی سے فسق ظاہری سے بچتے ہیں وہ فسق مخفی میں سرگرم رہتے ہیں، ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں، ناجائز حیلوں سے لوگوں کے اور خدا کے مال و حقوق کو دبا رکھتے ہیں، کفر وارتداد کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔

اس کی تائید مشہور غیر مقلد عالم مولانا قاضی عبدالواحد صاحب خانپوری کے قلم برق سے

قاضی صاحب موصوف غیر مقلدین کے مشہور و مسلم عالم دین ہیں۔ وہ بٹالوی صاحب کے مذکورہ خیالات ونظریات کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

""پس اس زمانہ کے جھوٹے اہلحدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ما جاء به الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے شیعہ و روافض کے، جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب و دہلیز کفر و نفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ و زنادقہ کا تھے اس طرح یہ جاہل، بدعتی اہلحدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے بعینہ مثل اہل تشیع کے""۔

(کتاب التوحید والسنہ فی رد اہل الالحاد والبدعہ ص ۲۶۲)

بمصداق "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا قاضی عبدالاحد صاحب خانپوری نے اپنی جماعت کے گھناؤنے کردار اور اس کے بدنما چہرے سے نقاب اٹھا کر اس کی حقیقت پوری طرح لم نشرح اور واضح کردی ہے۔ غیر مقلدین کے ان اکابر کی تحریروں سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ کفروارتداد، لادینیت والحاد، فسق وفجور اور نفاق کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب غیر مقلدیت ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے اپنے وسیع تجربات کی روشنی میں یہ تلخ حقیقت معلوم کرکے نوک قلم سے سطح قرطاس پر ثبت کی۔

بٹالوی صاحب نے یہ تحریر آج سے ۹۰ سال پیشتر سپرد قلم کی تھی، قاضی صاحب موصوف نے اس کے بعد وہی حقیقت واضح اور واشگاف کی تھی۔ اس وقت غیر مقلدیت ابھی ابتدائی مراحل میں تھی اور بچپن کی بناء پر گھٹنوں کے بل چلنے کے قابل بھی نہ ہوئی تھی لیکن اس تھوڑے سے عرصہ میں غیر مقلدیت کے روح فرسا اثرات وثمرات اور بھیانک نتائج وعواقب واضح طور پر سامنے آنے لگے۔ بے علم اور کم علم لوگ اجتہاد مطلق کی مسند پر بیٹھ کر عجیب قسم کے جاہلانہ، طفلانہ اور مضحکہ خیز اجتہادات کرنے لگے اور غیر مقلدیت کے فتنہ پروربطن سے کفروارتداد، لادینیت والحاد، فسق وفجور اور نفاق وبدعات نے تیزی سے جنم لینا شروع کیا تو بٹالوی صاحب اور قاضی صاحب کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا۔ یہ دونوں بزرگ اپنی خود کاشتہ فصل کے تلخ برگ وبار دیکھ کر بہت پچھتائے اور بڑے دردوسوز اور جوش وخروش سے غیر مقلدین کو ان کی بے راہ روی، بے لگامی اور مطلق العنانی سے روکنے لگے مگر ان کا یہ واویلا اور یہ چیخ وپکار بعد از وقت تھی۔ اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ ان حضرات نے جو بویا تھا اس کے تلخ ثمرات کا ظہور میں آنا ایک فطری بات تھی۔

گندم از گندم بروید جو ز جو　　　　از مکافات عمل غافل مشو

بٹالوی اور قاضی صاحب کو بعد از وقت اس فتنہ کی المناک نوعیت کا شدید احساس ہوا

اور اس احساس کی شدت نے ان کو انگاروں پر لوٹایا اور اپنے کئے دھرے پر بہت بہت نادم ہوئے۔ بہت چیخ و پکار کی مگر

(ع) اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

تھانوی صاحب اور قاضی صاحب کے زمانہ میں ہی ان کے اپنے اعتراف و اقرار کے مطابق غیر مقلدین میں ارتداد و الحاد بڑی تیزی سے پھیلنے لگا تھا۔

تھانوی صاحب کے زمانہ میں اور ان کے بعد اس فرقہ کے بطن سے شدید نوعیت کے مختلف فتنے جنم لے چکے ہیں، فتنہ انکار حدیث فتنہ نیچریت، فتنہ مرزائیت اور فتنہ اباحیت و تجدد پسندی شجر غیر مقلدیت کے زہریلے اور تلخ پھل اور کڑوے برگ و بار ہیں۔

یہ فتنے آج تک امت مسلمہ کے لئے دردِ سر بنے ہوئے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کو بگاڑنے، ان کا حلیہ مسخ کرنے اور ان کو اپنی خواہشات نفس کے مطابق ڈھالنے میں یہ فرقے پیش پیش ہیں۔ یہ فرقے اسلام کے نئے نئے ایڈیشن تیار کرنے میں رات دن مشغول و مصروف ہیں۔ ان کے لیل و نہار کی کاوشیں اسلام کی مخالفت کے لئے وقف ہیں۔

مسلمانوں کو جتنا شدید نقصان ان فرقوں اور فتنوں سے پہنچا ہے اتنا ضرر کسی اور فتنہ سے نہیں پہنچا۔

جن فتنوں نے غیر مقلدیت کے بطن فتنہ پرور سے جنم لیا وہ فتنہ نیچریت، فتنہ انکار حدیث، فتنہ مرزائیت اور فتنہ اباحیت کے نام سے مشہور و معروف ہیں، ان فتنوں کے بانی وہ حضرات تھے جو ابتداءً غیر مقلد تھے، جب غیر مقلدیت کی تند و تیز اور تلخ شراب کا نشہ تیز سے تیز تر ہوا تو یہ باشتاء اللہ آخر کار اسلام کو صاف کر بیٹھے اور اسلام کے نئے نئے ایڈیشن تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ان فرقوں کے بانیوں اور ان کے معاونین کا غیر مقلد ہونا تاریخی حوالوں سے ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

ترکِ تقلید کا فساد نمبر ٦

فتنۂ نیچریت

فرقہ نیچریت کے بانی سر سید بانی علیگڑھ کالج ابتداءً غیر مقلد تھے

مشہور محقق مولانا شیخ محمد اکرام اپنی مشہور تحقیقی و تاریخی کتاب "موجِ کوثر" میں لکھتے ہیں

سر سید احمد ۱۸۹۵ء میں ایک خط میں اپنی وفات سے تین سال قبل لکھتے ہیں۔ "میں نے وہابیوں کی تین قسمیں قرار دی ہیں، ایک وہابی، دوسرے وہابی گریلا، تیسرے وہابی کریلا اور نیم چڑھا۔ میں اپنے تئیں تیسری قسم (یعنی غیر مقلد) قرار دیتا ہوں"۔

کچھ سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

"جناب مولوی سید نذیر حسین دہلوی کو میں نے ہی نیم چڑھا وہابی بنایا ہے۔ وہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر اس کو سنت ضرور جانتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ سنت جانتے ہیں لوگوں کے خیال سے نہیں کرتے۔ جناب ممدوح میرے پاس تشریف لائے تھے، جب یہ گفتگو ہوئی تھی۔ یہ سن کر میرے پاس سے اٹھ کر جامع مسجد میں عصر کی نماز پڑھنے گئے اور اسی وقت سے رفع یدین کرنے لگے۔" (موجِ کوثر ص ۵۱)

ترکِ تقلید کا فساد نمبر ۷

فتنہ انکارِ حدیث

ترکِ تقلید کے بت کے پجاری اور خانہ ساز غیر مقلدیت کے برہمن ترکِ تقلید کے نشے میں مست و مخمور ہو کر پہلے فقہ پر نکتہ چینی کرتے، اس کی برائیاں بیان کرتے اور اس سے اعراض و انکار کرتے ہیں۔ جب وہ فقہ کی بندش سے آزاد ہو جاتے ہیں تو پھر وہ مزید آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ ان کی طبیعتیں اتنی آزادی اور آوارگی پر تو قانع نہیں ہوتیں، فقہ کی بندش سے

آزادی آہستہ آہستہ ان کو انکار حدیث کے مرحلہ تک پہنچا دیتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فتنہ انکار حدیث کا بانی اور مؤسس بھی ابتداً غیر مقلد تھا اور اس کے اعوان و انصار بھی غیر مقلد تھے۔ پھر آج تک اس فتنہ کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے اور اس کے پھیلانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگانے والے اور اس بارے میں تحریر و تقریر کے ذریعہ سرگرمی دکھانے والے وہ حضرات ہیں جو شروع میں غیر مقلد تھے۔ غیر مقلدیت کا نشہ جب ان کے رگ و پے میں سرایت کر گیا جب اس کے نشہ کی تیزی نے ان کے دل و دماغ پر پوری طرح تسلط جمالیا تو وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھے اور اپنی زندگی کی ساری توانائیاں فتنہ انکار حدیث کی آبیاری میں صرف کر دیں پھر تا حین حیات خود بھی انکار حدیث کے خارزاروں میں بھٹکتے رہے اور لوگوں کو بھی صراط مستقیم سے بھٹکانے میں اہم کردار ادا کرتے رہے حتیٰ کہ دور حاضر میں انکار حدیث کا سب سے بڑا علمبردار غلام احمد پرویز بھی ابتداء میں غیر مقلد تھا۔

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری فتنہ انکار حدیث کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"امام اہل قرآن (عبداللہ چکڑالوی) نے نفسیات کے اس مسئلہ پر اچھی طرح غور کر لیا ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ جماعت کے عقائد رفتہ رفتہ بدلتے ہیں اس لئے جب انہوں نے دیکھا کہ اب لوگ فقہ کی بندش سے تقریباً آزاد ہو گئے تو انہوں نے احادیث پر نکتہ چینی شروع کر دی ہے اور جب کچھ دنوں میں یہ مرحلہ بھی طے ہو جائے گا تو وہ جمع و تدوین قرآن میں رخنے نکالنے شروع کر دیں گے اور جب لوگوں کو اس عیاری کا پتہ چلے گا وہ عوام اور نئے تعلیم یافتہ طبقہ کے دل و دماغ کو اتنا مسموم کر چکے ہوں گے کہ اس کا تدارک کسی سے نہ ہو سکے گا۔

چند سطروں بعد لکھتے ہیں: "اہل قرآن کسی خاص جماعت کا نام ہوا ایسا نہیں ہے"۔

بلکہ ان کا ہر شخص خود امام اور مجتہد ہے، اس کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں کیونکہ تقلید نام ہے پابندی کا اور اس پابندی سے بھاگنے کے لئے تو یہ سارا کھیل کھیلا گیا ہے۔ اس لئے یہ لوگ ایک دوسرے کی بالکل نہیں مانتے۔ ہر شخص قرآن مجید کو جس طرح سمجھتا ہے، اسی طرح اس پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے"۔ (فتاویٰ ثنائیہ ص ۲۸۰ ج ۱)

ناظرین کرام! خط کشیدہ الفاظ کا بغور مطالعہ فرمائیں اور ازراہ انصاف بتائیں کیا منکرین حدیث کے یہ افکار و نظریات اور خیالات و حالات ہو بہو غیر مقلدین میں نہیں پائے جاتے؟ کیا غیر مقلدین کسی کی تقلید کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟ کیا ان میں سے ہر شخص اجتہاد کا دعویدار نہیں؟ کیا غیر مقلدین تقلید کی پابندی سے بھاگتے نہیں؟ خدا بھلا کرے مولانا ثناء اللہ امرتسری کا کہ انہوں نے نہایت دیانت داری اور خوبصورتی سے اپنے فرقہ کی نہایت واضح تصویر کھینچ کر رکھدی ہے، اس تصویر میں غیر مقلدیت کے چہرے کے تمام خدوخال، نقوش اور امتیازات واختصاصات پوری طرح نمایاں ہیں۔

گویا یہ ایک آئینہ ہے جس میں غیر مقلدین اپنے فرقہ کے رخ زیبا کی تمام جھلکیاں اور خصوصیات واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں۔ غیر مقلدین اس آئینہ میں اپنا چہرہ بغور دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

ناظرین کرام! ذیل میں فتنہ انکار احادیث کے بانی اور اس کے اعوان و انصار اور معاونین و متبعین کا ابتداءً غیر مقلد ہونا تاریخی حوالوں سے ملاحظہ فرمائیں۔

فتنہ انکار حدیث کا بانی
عبداللہ چکڑالوی ابتداءً غیر مقلد تھا

مشہور محقق و مؤرخ شیخ محمد اکرام صاحب رقمطراز ہیں:

"اہلحدیث جماعت کے جوش وخروش کا دوسرا نتیجہ طبقہ اہل القرآن (منکرین حدیث) کا آغاز ہے، اہلحدیث اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہیں۔ وہ فقہی آئمہ مثلاً امام

ابوحنیفہؒ کی تقلید سے آزاد ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ کئی طبیعتوں کو جو زیادہ آزاد خیال تھیں فقط فقہاء کی تقلید سے آزادی کافی معلوم نہ ہوئی اور انہوں نے مختلف اسباب کی بناء پر احادیث سے بھی آزادی حاصل کرنی چاہی، اس گروہ کا ایک مرکز پنجاب میں ہے۔ جہاں لوگ انہیں چکڑالوی کہتے ہیں۔ اور یہ اپنے آپ کو اہل القرآن کا لقب دیتے ہیں۔ اس گروہ کا بانی مولوی عبداللہ چکڑالوی پہلے اہلحدیث (غیر مقلد) تھا۔ (موج کوثر ص ۵۱)

مشہور منکر حدیث حافظ اسلم جیراجپوری بھی پہلے غیر مقلد تھا

مشہور محقق اور معروف مؤرخ جناب شیخ محمد اکرام موج کوثر میں لکھتے ہیں۔

''جس طریقے سے ایک اہلحدیث (غیر مقلد) ایک اہل قرآن (منکر حدیث) کی منزل کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ اس کا اندازہ مشہور عالم اور مصنف مولانا محمد اسلم صاحب جیراجپوری کے واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ ان کے والد مولانا سلامت اللہ صاحب جیراجپوری سید نذیر حسین دہلویؒ محدث کے شاگرد اور اپنے علاقہ کے سب سے باثر عالم اور واعظ تھے۔ ایک زمانہ میں انہیں نواب صدیق حسن بھوپالی نے بلالیا اور رفتہ رفتہ وہ ریاست کے تمام مدارس کے افسر ہو گئے''۔

کچھ سطروں کے بعد لکھتے ہیں: ''مولانا محمد اسلم بھی اوائل عمر سے اہلحدیث سے منسلک تھے''۔ (موج کوثر ص ۵۲)

اسلم جیراجپوری خود اپنی تصنیف ''نوادرات'' میں اپنے والد مولوی سلامت اللہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

''والد صاحب اگرچہ اہلحدیث (غیر مقلد) تھے، مگر ان میں تعصب مطلق نہ تھا ...... نیز لکھتے ہیں۔

ہمارا گھر مقامی اور بیرونی اہلحدیث علماء کا مرجع تھا۔ (نوادرات ص ۲۴۴)

مشہور منکرحدیث نیاز فتحپوری بھی پہلے غیر مقلد تھا

نیاز صاحب اپنی تصنیف "من و یزداں" میں مقلدین کو کوستے ہوئے تقلید پر برس کر اپنے قلب ماؤف کی بھڑاس نکالتے ہوئے دور تقلید سے اپنی بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اگر مولویوں کی جماعت واقعی مسلمان ہے تو میں یقینا کافر ہوں اور اگر میں مسلمان ہوں تو یہ سب نامسلمان ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اسلام نام ہے صرف کورانہ تقلید کا اور تقلید بھی رسول اور احکام رسول کی نہیں بلکہ بخاری و مسلم وغیرہ کی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ حقیقت کیفیت یقین کی اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہو سکتی جب تک ہر شخص اپنی جگہ غور کر کے کسی نتیجہ پر نہ پہنچے۔ (من و یزداں ص ۵۴۷ ج ۱)

غیر مقلدین بھی یہی کہتے ہیں کہ ہر شخص کو خواہ وہ ایک مسئلہ بھی جانتا ہو اجتہاد کا حق ہے اور ہر شخص اپنی جگہ براہ راست قرآن و حدیث میں غور و خوض کر کے انہیں سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس انانیت و اختیار کی بناء پر پہلے غیر مقلدیت کی مرض پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد انکار حدیث کی تپدق لاحق ہو کر انسان اپنا ایمان کھو بیٹھتا اور دین سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

ترک تقلید کا فساد نمبر ۸

فتنہ مرزائیت

بانی فتنہ قادیانیت مرزا غلام احمد قادیانی بھی ابتداءً غیر مقلد تھا مرزا صاحب کا سوانح نگار "مجدد اعظم" کا مؤلف ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی لکھتا ہے۔

"مرزا صاحب امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے اور سینے پر ہاتھ باندھا کرتے تھے لیکن امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والوں کو مردود بھی نہیں قرار دیا۔

(مجدد اعظم ص ۱۳۳۳ ج ۲)

نیز لکھتا ہے: "مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نئے نئے پڑھ کر اور مولوی بن کر جو

بٹالہ آئے تو چونکہ یہ اہلحدیث تھے اس لئے حنفیوں کو ان کے خیالات بہت گراں گزرے۔ بعض اختلافی مسائل میں بحث کرنے کے لئے حنفیوں نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی طرف رجوع کیا اور ایک نمائندہ حضرت اقدس کو قادیان سے بٹالہ لے آیا۔ شام کو مولوی محمد حسین بٹالوی اور ان کے والد مسجد میں تھے، جو حضرت اقدس وہاں پہنچ گئے، بحث شروع ہوئی، مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے تقریر کی۔

حضرت اقدس نے تقریر سن کر فرمایا کہ اس میں تو کوئی بات ایسی نہیں جو قابل اعتراض ہو تو میں تردید کس بات کی کروں۔ ان لوگوں کو جو آپ کو لائے تھے بہت مایوسی ہوئی اور وہ آپ سے بہت ناراض ہوئے لیکن آپ نے محض اللہ کے لئے اس بحث کو ترک کر دیا۔ کیونکہ محض دعوے بندی کے لئے آپ حق بات کی تردید نہیں کر سکتے تھے۔

(مجدد اعظم ص ۳۳۴، ج ۲)

قارئین کرام! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ مرزا صاحب نے بٹالوی صاحب کے نظریات و خیالات کی کس طرح تائید و تصویب کی ہے۔ اگر مرزا صاحب ابتداءً مقلد ہوتے تو لازماً بٹالوی صاحب کے نظریات کی تردید کرتے۔ معلوم ہوا کہ مرزا صاحب پہلے غیر مقلدانہ خیالات کے حامی تھے، پھر غیر مقلدیت سے ترقی کر کے نبوت کا دعویٰ کر کے ایک دنیا کو گمراہ کیا۔

مرزا صاحب کے دست راست، ان کے مرید خاص اور خلیفہ اول حکیم نور الدین بھیروی بھی پہلے غیر مقلد تھے

تاریخ احمدیت میں مذکور ہے۔ ”حرمین سے واپسی پر نور الدین نے وہابیت اختیار کی اور ترک تقلید پر وعظ کئے اور عدم جواز تقلید پر کتابیں تصنیف کیں، پھر وطن میں ہیجان عظیم برپا ہو گیا۔ حضرت مولانا غلام نبی صاحب للوی، مولانا غلام رسول صاحب چاوی، مولانا غلام مصطفیٰ بریلوی اور مولانا عبدالعزیز صاحب بگوی کے دستخطوں سے ایک فتویٰ

غیر مقلدین کے خلاف شائع ہوا اور محلہ پراچگان بھیرہ میں فیصلہ کن مناظرہ کے بعد غیر مقلدین کا بھیرہ میں ناطقہ بند ہو گیا۔ (تاریخ احمدیت ص ۶۹ تا ۷۰ ج ۳)

نیز لکھتے ہیں ''حکیم نور الدین صاحب امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھا کرتے اور رفع یدین کیا کرتے تھے۔ (تاریخ احمدیت ص ۹۰ ج ۳)

''حکیم نور الدین بھیروی کا ایک شاگرد لکھتا ہے:

''ایک دفعہ میرا بھیرہ جانا ہوا تو وہاں حضرت مولوی نور الدین صاحب کے بڑے بھائی سلطان احمد صاحب نے ذکر کیا کہ ان کے بھائی (حضرت قبلہ اول) حدیث کا علم حاصل کرنے کے لئے مکہ گئے ہوئے ہیں اور کچھ عرصہ تک واپس آ جائیں گے۔ میں ان کا منتظر رہا ایک روز صبح کے وقت گجرات میں میرے والد صاحب اور مولوی برہان الدین صاحب حمام میں نہانے گئے تب مولوی برہان الدین نے فرمایا کہ بھیرہ میں ایک اہلحدیث (غیر مقلد) حدیث کا علم پڑھ کر آیا ہے۔ میں نے مولوی صاحب سے اس کا نام پوچھا انہوں نے فرمایا نور الدین۔ میں نے پوچھا وہ آ گیا ہے؟ کہنے لگے ہاں۔ میں نے کہا'' میں تو اس کا منتظر تھا۔ چنانچہ میں نماز پڑھ کر ایک کمبل کاندھے پر رکھ کر چل پڑا تیسرے روز بھیرہ پہنچا اور حضرت مولوی بھیروی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت مولوی صاحب نے حکیم فضل الدین صاحب اور دیگر اہلحدیثوں سے فرمایا کہ یہ ایک اور اہلحدیث (غیر مقلد) آیا ہے۔ حضرت مولوی صاحب نے مجھے اہلحدیثوں کی مسجد حکیماں والی مسجد کا امام مقرر فرما دیا اور میرا کھانا اپنے گھر مقرر فرمایا۔ (تاریخ احمدیت ص ۸۰ ج ۳)

پاکستان کے سابق وزیر خارجہ سرظفر اللہ خان نے بھی ایک غیر مقلد گھرانہ میں جنم لیا

مرزائیوں کی مایہ ناز شخصیت چوہدری سر ظفر اللہ خان نے بھی ایک غیر مقلد گھرانہ میں جنم لیا۔ بعد ازاں غیر مقلدیت سے ترقی کر کے مرزائی بنے اور امت مرزائیہ کی بے مثال

خدمات انجام دیں، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

"میرے دادا چوہدری سکندر خان صاحب مرحوم اپنے علاقے کے بڑے بارسوخ زمیندار تھے، جہاں تک مجھے معلوم ہو سکا ہے وہ اہلحدیث فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔"

(تحدیث نعمت ص ۳)

غیر مقلدین کی مرزائیت نوازی

چونکہ فتنہ مرزائیت نے غیر مقلدیت کے بطن فتنہ پرور سے جنم لیا تھا۔ اس لئے غیر مقلدین کے اکابر و اسلاف اور اخلاف اپنے اس چہیتے لاڈلے اور پیارے فرزند ارجمند اور لخت جگر کی ناز برداریوں میں مشغول و معروف رہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور تا حال یہ سلسلہ جاری ہے، مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب "براہین احمدیہ" میں اپنے آپ کو حضرت مسیح علیہ السلام کا مثیل قرار دیا ہے اور اس کتاب میں اور بھی بہت سی ایسی باتیں تحریر کی ہیں جو اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہیں لیکن غیر مقلدین کے وکیل اعظم اور ممتاز ترین عالم مولانا محمد حسین بٹالوی۔ نے مرزا صاحب کو اس کتاب کی تصنیف پر زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے اور اس کی تعریف و توصیف میں بے حد مبالغہ آرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اب ہم اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ کتاب (براہین احمدیہ) اس زمانہ اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی۔ (یعنی مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے) اور آئندہ کی خبر نہیں **لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا**۔ اور اس کا مؤلف (مرزا غلام احمد قادیانی) بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے، ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہ...

مخالفین اسلام خصوصاً "فرقہ آریہ و برہمو سماج" سے اس زور و شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو اور وہ چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشاندہی کرے جنہوں نے اسلام کی نصرۃ مالی و جانی و قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بیڑا اٹھایا ہو اور مخالفین اسلام و منکرین الہام کے مقابلہ میں تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام میں شک ہو وہ ہمارے پاس آ کر اس کا تجربہ و مشاہدہ کرے اور اس تجربہ و مشاہدہ کا اقوام غیر کو بھی مزہ چکھا دیا ہو۔ (اشاعۃ السنۃ ص ۱۳۹)

غیر مقلدوں کا مرزائن سے نکاح جائز ھے

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں۔

"اگر عورت مرزائن ہے، تو علماء کی رائے میں گو اس کے مخالف ہو تو میرے ناقص علم میں نکاح جائز ہے"۔ (اہلحدیث امرتسر ص ۴، ۱۲ نومبر ۱۹۳۳ء)

غیر مقلدین کے مذھب میں مرزائیوں کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ھے

مولانا ثناءاللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں:

"عرصہ ہوا اخبار اہلحدیث میں اس مسئلہ پر غور کیا جو اتفاقا استاد پنجاب جناب حافظ عبدالمنان صاحب، مولانا حافظ عبداللہ صاحب (روپڑی) جناب شاہ عتیق الرحمان صاحب، مولانا عبدالعزیز صاحب وغیرہ علماء نے (مرزائیوں کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے جواز پر) اتفاق ظاہر کیا تھا۔ (اہلحدیث امرتسر ص ۸، ۲۸ جون ۱۹۱۲ء)

مولانا ثناءاللہ صاحب امرتسری کا اپنا فتویٰ بھی یہ ہے کہ مرزائیوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ (فیصلہ مکہ ص ۷)

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کا مرزائیوں کی اقتداء میں نماز پڑھنا

مولوی عبدالعزیز صاحب سیکرٹری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند مولوی ثناء اللہ

انکار غیر مقلدوں کے نزدیک کفر ہے یا اسلام؟

فرقہ غیر مقلدین کے علماء جواب دیں کہ انہوں نے اپنی جماعت کا امیر ایک ایسے شخص کو کیوں منتخب کیا جو قرآنی عقائد اور اسلامی نظریات کا منکر ہے؟ پاکستان کے سارے غیر مقلدین کا اپنی سب سے بڑی مذہبی اور سیاسی جماعت کی قیادت وامارت کے لئے ایک ایسے شخص کا انتخاب جو حیات عیسیٰ علیہ السلام، خروج دجال اور ظہور مہدی کا منکر ہے اس حقیقت پر واضح دلالت کرتا ہے کہ سب غیر مقلدین ان نظریات وعقائد میں مولوی محی الدین لکھوی کے ہمنوا ہیں، گویا کہ پاکستان کے سب غیر مقلدین جماعتی حیثیت سے حیات عیسیٰ علیہ السلام، خروج دجال اور ظہور مہدی کے منکر ہیں ورنہ ایک ایسے شخص کو جو مذکورہ عقائد میں مرزا غلام احمد قادیانی کا حامی اور مؤید ہے اپنی سب سے بڑی مذہبی وسیاسی جماعت کا امیر منتخب نہ کرتے۔ کیا غیر مقلدوں کو سارے پاکستان میں کوئی اور موزوں اور مناسب شخص جماعت مذکورہ کی امارت وقیادت کے لئے نہ ملا؟ آخر ایسا کیوں کیا گیا؟

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اور سنیئے

غیر مقلدوں کے نزدیک مرزائی اسلامی فرقہ ہیں، چنانچہ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں:

"اسلامی فرقوں میں خواہ کتنا بھی اختلاف ہو مگر آخر کار نقطہ محمدیت پر جو درجہ ہے والذین معہ کا اس میں سب شریک ہیں۔ اس لئے ان میں باہمی سخت شقاق ہے مگر اس نقطہ محمدیت کے لحاظ سے ان کو باہمی رحماء ہونا چاہیے، مرزائیوں کا سب سے زیادہ مخالف میں ہوں۔ (کیا اسی لئے ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے ہیں؟ اور مرزائن سے نکاح جائز قرار دے رہے ہیں، شدید مخالفت کا یہ عجیب مظاہرہ ہے) مگر نقطہ محمدیت کی وجہ سے میں ان کو بھی اس میں شامل سمجھتا ہوں"۔ (اخبار اہلحدیث امرتسر ص ۳، ۱۶ اپریل ۱۹۱۵ء)

چہ خوب؟ اگر غیر مقلدوں کے نزدیک اسلام کا دامن اتنا وسیع ہے تو پھر منکرین حدیث اور نیچریوں نے کیا قصور کیا ہے کہ وہ اسلام کے شرف سے محروم رہیں۔

ترک تقلید کا فساد نمبر ۹

تجددواباحیت پسندی

اس پرفتن دور میں اباحیت پسندی اور تجدد کی مرض وبا کی طرح پھیل رہی ہے جس کی وجہ سے اجتہاد اور آزادی فکر کے نام سے دین کے شعائر کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ اسلام کی بنیادوں پر کلہاڑا چلایا جا رہا ہے اور دین اسلام کے اساسی اور بنیادی عقائد و احکام کی تراش خراش اور قطع برید سے اسلام کا حلیہ مسخ کرنے کی کوششیں وسیع پیمانے پر جاری ہیں۔ آج جو لوگ سود اور قمار بازی کی حلت اور جواز ثابت کرنے کے لئے قرآن و حدیث کے حوالوں سے مضامین کے تازہ بتازہ اور لوپے تو انبار لگا رہے ہیں اور عورتوں کو پردہ کی قید سے آزاد کرنے اور رقص و سرود اور فوٹو گرافی وغیرہ کو سند جواز مہیا کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور اسلام کے آپریشن کے لئے بڑے بڑے علمی ادارے قائم کر رہے ہیں یہ سب لوگ تقلید شخصی کو حرام اور شرک قرار دے کر ہی آگے بڑھے ہیں۔ سب سے بڑی چٹان جو ان کے راستہ میں حائل تھی اور سب سے بڑی رکاوٹ جو ان کی خواہشات کے سامنے کوہ ہمالیہ کی طرح سینہ تان کر کھڑی تھی وہ تقلید سدیدہ تھی تقلید کی سد سکندری نے ان کے نئے نئے اجتہادات کا راستہ روک رکھا تھا سب سے پہلے ان لوگوں نے تقلید کے حصن حصین سے نجات حاصل کی۔ جب یہ تقلید سے آزاد ہو گئے تو ان کو من مانی کرنے کی کھلی چھٹی مل گئی اور نئے نئے اجتہادات سے اسلام کو ہدف مظالم بنایا گیا ان اباحیت پسندوں کے پیر و مرشد غیر مقلدین ہیں جو رات دن آئمہ مجتہدین کی تقلید کی حرمت کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں ان متجددین اور اباحیت پسندوں نے جسد اسلام پر چرکے لگانے اور اسلام کے

قومی اور بین الاقوامی معاملات پر قلابازی لگانے کا طریقہ غیر مقلدوں سے سیکھا ہے۔

ترک تقلید کا فساد نمبر ۱۰

اجماع کی مخالفت

ترک تقلید کے مفاسد میں سے ایک بڑا مفسدہ اجماع کی مخالفت ہے یہی وجہ ہے کہ غیر مقلد حضرات اجماع کی مخالفت میں بڑے دلیر اور بے باک ہوتے ہیں، بہت سے مسائل میں غیر مقلدین جمہور صحابہ، تابعین، تبع تابعین، آئمہ مجتہدین اور سلف صالحین سے کٹے ہوئے ہیں، جمہور سلف وخلف ایک طرف ہیں اور یہ ایک طرف ہیں، ساری امت ایک جانب ہے اور یہ دوسری جانب ہیں، اس سلسلہ میں یہ "من شذ شذ فی النار" کی وعید کو کوئی حیثیت نہیں دیتے "ید اللہ علی الجماعۃ" اور "لا تجتمع امتی علی الضلالۃ" جیسی احادیث سے انکار وفرار کرتے ہوئے ذرہ بھر خوف اور جھجک محسوس نہیں کرتے۔ سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

غیر مقلدین کی اجماع کی مخالفت کی چند مثالیں بطور نمونہ مشتے از خروارے پیش خدمت ہیں۔

مخالفت اجماع کی پہلی مثال

تراویح کے بارے میں ساری امت ایک طرف ہے اور یہ ان سے کٹے ہوئے دوسری طرف ہیں۔ عہد فاروقی سے آج تک جمہور بیس رکعت تراویح پر عمل کرتے رہے ہیں۔ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، آئمہ مجتہدین، سلف صالحین، محققین، مدققین، مفسرین، محدثین، علماء، فضلاء، فقہاء، اتقیاء، اصفیاء، اولیاء سب کے سب بیس یا بیس سے زائد رکعات تراویح پڑھتے رہے ہیں۔ ۱۲۸۴ھ تک کسی نے بھی بیس رکعت تراویح کو بدعت اور بیس رکعت پڑھنے والوں کو بدعتی قرار نہیں دیا۔ ۱۲۸۴ھ میں ہندوستان کے شہر اکبرآباد میں کسی غیر مقلد نے یہ فتویٰ دیا کہ تراویح آٹھ رکعت ہیں، خطہ پنجاب میں سب سے پہلے جس شخص نے آٹھ

رکعت سے زائد کو بدعت کہا وہ مولوی محمد حسین بٹالوی ہیں، یہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی وہ صاحب ہیں جنہوں نے ۱۸۹۲ء میں انگریز کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کی تائید میں جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ بنام "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" لکھ کر گورنمنٹ برطانیہ کے حضور پیش کیا اور انگریز بہادر سے اس کے صلے میں جاگیر پائی اور انعام حاصل کیا۔ (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص۲۹ مولانا مسعود عالم ندوی)

غیر مقلدوں نے نہ تعامل اہل مکہ کی پرواہ کی، نہ تعامل اہل مدینہ کو درخور اعتنا سمجھا، نہ تعامل اہل کوفہ کو لائق التفات تصور کیا، جمہور سلف و خلف کے خلاف ایک نیا محاذ قائم کیا اور نئے جمہور امت پر تشنت جاری کرنے لگے۔ غیر مقلدین کی بات کو مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ساڑھے بارہ سو سال تک ساری امت بدعت و ضلالت پر مجتمع رہی۔ ساڑھے بارہ سو سال تک امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیہ میں سے کوئی صحابی کوئی تابعی کوئی تبع تابعی کوئی امام کوئی مجتہد اور کوئی محدث و محقق اس بدعت کا سراغ نہ لگا سکا۔

اگر بیس رکعت تراویح کے بدعت ہونے کا علم ہوا تو تیرھویں صدی ہجری کے اواخر میں اکبر آباد کے ایک گمنام اور غیر ذی علم مولوی کو اور پنجاب میں انگریز کے انعام یافتہ وفادار مخلص مولوی محمد حسین بٹالوی کو۔

بہرحال بیس رکعت تراویح پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا تھا اور بعد کے ادوار میں ساری امت مسلمہ بیس رکعت تراویح پڑھتی رہی ہے۔

چنانچہ غیر مقلدین کے مجدد نواب صدیق حسن خان صاحب تحریر فرماتے ہیں:

وعدوا ما وقع في زمن عمر كالاجماع (عون الباری) حضرت عمرؓ کے دور مقدس میں تمام صحابہ کرام *(بلا استثناء) بیس تراویح پڑھتے رہے، علماء کرامؒ نے اس کو اجماع صحابہ قرار دیا ہے۔

مخالفت اجماع کی دوسری مثال

غیر مقلدین تین طلاقوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کو خطا کار بتلاتے ہیں اور اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کا جو اجماع ہوا ہے اس سے صرف نظر اور اعراض کرتے ہیں، اور اس بارے میں آئمہ اربعہ کے اجماع کی بھی پرواہ نہیں کرتے، امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں تین طلاق سے تین کے وقوع کا جو باب باندھا ہے۔ اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے نص قرآن، احادیث صحیحہ، اجماع صحابہؓ اتفاق آئمہ اربعہ اور امام بخاری کے تین طلاق دینے سے تین کے وقوع کا باب باندھنے سے یہ ثابت ہے کہ تین طلاق دینے سے حرمت مغلظہ ثابت ہو جاتی ہے لیکن غیر مقلدین کا دستور ہی نرالا ہے، ان کا طریق کار ہی انوکھا ہے، وہ ان سب کو ایک ایسی شاذ روایت کی آڑ میں رد کرتے ہیں جس کو تمام آئمہ حدیث اور آئمہ اجتہاد نے منسوخ یا متروک یا مرجوح قرار دیا ہے، غیر مقلدین اس سلسلہ میں مسلمانوں کو معصیت میں مبتلا کر کے ان کے نسبوں کو مشتبہ کرتے ہیں، غیر مقلدین کا یہ مذہب نص قرآنی اور احادیث صحیحہ کے منافی اور صحابہ تابعینؒ، تبع تابعینؒ، آئمہ محدثین اور آئمہ مجتہدین کے مذہب کے خلاف ہے، جس طرح بیس رکعت تراویح کو بدعت قرار دینے کی بدعت ساڑھے بارہ سو سال کے بعد پیدا کی گئی، ساڑھے بارہ سو سال تک کسی معتبر اور مستند عالم دین نے اس کو بدعت نہیں کہا، اسی طرح مجلس واحد میں تین طلاق کو ایک طلاق کے حکم میں قرار دینا، سات سو سال بعد کی ایجاد ہے، تین طلاق دینے سے ایک طلاق کے وقوع کا فتویٰ ساتویں ہجری کے اواخر یا آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں علامہ ابن تیمیہؒ نے دیا تھا۔

چنانچہ غیر مقلدین کے ایک مشہور اور جید عالم مولانا شرف الدین دہلوی نے اس مسئلہ پر تفصیل سے کلام کیا ہے، جس سے غیر مقلدین کے مذہب کا کھوکھلا پن اور ضعف خوب اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے، مولانا موصوف لکھتے ہیں:

''محدثین کی طرف مجلس واحد میں تین طلاق کو ایک شمار کرنے کی نسبت میں بھی کلام کیا ہے یہ سخت مغالطہ ہے، اصل بات یہ ہے کہ صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ سے لیکر سات سو سال تک سلف صالحینؒ و تابعینؒ و محدثینؒ سے تو تین طلاق کا ایک مجلس میں واحد شمار ہونا ثابت نہیں من ادعی فعلیہ البیان ببرهان ودونہ خرط القتاد۔

ملاحظہ ہو صحیح بخاری، موطا امام مالک، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ وشرح امام نووی، فتح الباری، تفسیر ابن کثیر، تفسیر ابن جریر و کتاب الاعتبار للامام الحازمی فی بیان الناسخ والمنسوخ من الآثار، اس میں امام حازمی نے ابن عباسؓ کی مسلم کی اس حدیث کو منسوخ بتایا ہے اور تفسیر ابن کثیر میں بھی الطلاق مرتان الآیہ کے تحت ابن عباس سے جو صحیح مسلم کی حدیث تین طلاق کے ایک ہونے کا راوی ہے دوسری حدیث نقل کی ہے، جو سنن ابوداؤد کی باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلث میں خود نقل کی ہے عن ابن عباس ان الرجل کان اذا طلق امرأتہ فھو احق برجعتھا وان طلقھا ثلثاً فنسخ ذلک فقال الطلاق مرتان فامساک بالمعروف او تسریح باحسان انتھی۔ (عون المعبود ص۲۳۵ ج۲)

امام نسائی نے بھی اسی طرح ص۱۰۱ ج۲ میں باب منعقد کیا ہے اور ان دونوں کے نزدیک یہ حدیث صحیح اور حجت ہے جب ہی تو لائے ہیں اور باب منعقد کیا ہے۔

مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی اس مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں۔

''اصل بات یہ ہے کہ مجیب مرحوم نے جو لکھا ہے کہ تین طلاق مجلس واحد محدثین کے نزدیک ایک کے حکم میں ہیں یہ مسلک صحابہؓ تابعینؒ و تبع تابعینؒ ائمہ محدثین کا نہیں ہے۔ یہ مسلک سات سو سال بعد کے محدثین کا ہے، جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتویٰ کے پابند اور ان کے معتقد ہیں، یہ فتویٰ شیخ الاسلام نے ساتویں صدی ہجری کے اخیر یا اوائل آٹھویں میں دیا تھا جو اس وقت کے علماء اسلام نے ان کی سخت مخالفت کی تھی۔

(فتاویٰ ثنائیہ ص ۲۱۷، ۲۱۹ جلد اول)

مخالفت اجماع کی تیسری مثال

قرآن کریم کی آیت کریمہ "واذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا" کے شان نزول کے بارے میں جمہور سلف وخلف ایک طرف ہیں اور غیر مقلدین دوسری طرف ہیں۔ غیر مقلدین اس بارے میں بھی صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ، تبع تابعین، ائمہ اور جمہور مفسرین ذوالمجد والکرام کی مخالفت پر کمربستہ ہیں، بلکہ شکوک پیدا کر کے علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ جمہور سلف وخلف کو مناظرہ کا چیلنج دے رہے ہیں اور ان کو مخالف قرآن اور تارک صلوٰۃ قرار دے رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت مجاہدؒ، حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت ابوالعالیہ ریاحیؒ، حضرت امام زہریؒ، حضرت عبید بن عمیرؒ، حضرت عطاء بن ابی رباحؒ، حضرت محمد بن کعب قرظیؒ، حضرت ضحاکؒ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت قتادہؒ، امام شعبیؒ، عبدالرحمان بن زید بن اسلمؒ، ابن جریر طبریؒ، حافظ ابن کثیرؒ، قاضی بیضاویؒ، علامہ ابوالسعودؒ وغیرہ تمام یہ سب اور ان کے علاوہ سینکڑوں محدثین ومفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اس پر (اس آیت کریمہ کے نماز کے بارے میں نازل ہونے کے سلسلہ میں) صحابہؓ وتابعینؒ وائمہ مجتہدین کا اجماع نقل فرماتے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

وذکر احمد بن حنبل الاجماع علی انها نزلت فی الصلوۃ وذکر الاجماع علی انها لا تجب القرأۃ علی الماموم حال الجهر (فتاوی ابن تیمیہ ص ۱۶۸ ج ۲)

امام احمد بن حنبلؒ نے اس پر اجماع نقل فرمایا ہے کہ یہ آیت کریمہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ نیز اس پر بھی اجماع نقل کیا ہے کہ مقتدی پر جہری نمازوں میں قرأۃ واجب نہیں۔

• امام ابن تیمیہ مزید فرماتے ہیں:

وقول الجمهور هو الصحيح فان الله سبحانه و تعالی قال واذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا۔
جمہور کا قول ہی صحیح ہے کہ اس آیت کریمہ کی شان نزول نماز ہے

بہر حال آپ نے ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں اس آیت کریمہ کا شان نزول نماز ہے، تابعینؒ فرماتے ہیں کہ اس کی شان نزول نماز ہے، تبع تابعینؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اس پر سلف و خلف کا اجماع نقل فرماتے ہیں۔ لیکن غیر مقلدین صحابہؓ تابعینؒ تبع تابعینؒ کے اقوال و روایات کو نظر انداز کر کے ان سب سے منہ موڑ کر چھٹی صدی ہجری کے ایک مفسر امام رازیؒ کے مرجوح قول کو سینے سے لگاتے اور گلے کا ہار بناتے ہیں۔ امام رازیؒ کا قول مرجوح یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے حالانکہ اس آیت کریمہ کو کفار و مشرکین کے بارے میں نازل قرار دینا تفسیر بالرائے اور بدعت سیئہ ہے بلکہ اس آیت مقدسہ کی حقیقت کے انکار کے مترادف ہے۔ لیکن امام رازیؒ کا یہ قول چونکہ ان کے مذہب و مسلک کے موافق تھا اس لئے قبول کر لیا گیا۔ صحابہؓ تابعینؒ و تبع تابعینؒ، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کے اقوال چونکہ ان کے مذہب کے خلاف تھے اس لئے رد کر دیئے گئے۔

ترک تقلید کا نقصان نمبر ۱۱

صحابہ کرامؓ ائمہ عظامؒ اور سلف صالحین سے اعتماد کا اٹھ جانا اور غیر مقلدین کا ان کی توہین و تنقیص میں جری و بے باک ہو جانا

جب آدمی غیر مقلد ہو جاتا ہے تو پھر وہ انتہائی دریدہ دہن، گستاخ اور بے ادب ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور ائمہ اسلامؒ کی توہین و تنقیص اس کا محبوب مشغلہ بن جاتا

ہے۔ ان کے بارے میں نا شائستہ کلمات کا استعمال اس کا شیوہ ہو جاتا ہے۔ وہ اجتہاد یا علم فاسد اور ظن کاسد میں مبتلا ہو کر غرور و تکبر اور انانیت کی وادیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ خود بینی اور مطلق العنانی کی وجہ سے وہ سلف صالحین پر تنقید اور نکتہ چینی کرنے میں بڑا دلیر اور بے باک ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام کو بدعتی اور ائمہ عظام کو ائمہ مضلین لکھتا ہے (رسالہ رفع یدین ص ۴۰ از پروفیسر عبداللہ بہاولپوری) حضرت عمرؓ کو بیس رکعت تراویح کے بارے میں بدعتی بتلاتا ہے، حضرت عثمانؓ کو دربارہ اذان ثانی مبتدع قرار دیتا ہے، تین طلاقوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کو خطا کار کہتا ہے۔

چنانچہ غیر مقلدین کے مشہور عالم مولانا قاضی عبدالاحد صاحب خانپوری اپنی جماعت کی گستاخی و بدزبانی اور انانیت و استکبار پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

”مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کر کے حضرت علیؓ اور حسینؓ کی غلو کے ساتھ تعریف کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیں اور پھر جس قدر الحاد و زندقہ پھیلائیں کچھ پرواہ نہیں، اسی طرح ان جہال کاذب اہلحدیثوں میں جو ایک دفعہ رفع یدین کرے اور تقلید کو رد کرے اور سلف کی ہتک کرے مثل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کہ جنکی امامت فی الفقہ اجماع امت کے ساتھ ثابت ہے اور پھر جس قدر کفر، الحاد و زندیقیت ان میں پھیلائے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ بھی چیں بجبیں نہیں ہوتے۔

اگرچہ علماء اور فقہائے اہل سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ہرگز نہیں سنتے اور سر اس کا یہ ہے کہ وہ مذہب عقائد اہل السنت والجماعت سے نکل کر اجماع سلف سے مستنکف و مستکبر ہو گئے ہیں فافہم و تدبر۔ (کتاب التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ ص ۲۶۲)

غیر مقلدین کے مجدد نواب صدیق حسن خان صاحب کا ارشاد گرامی

نواب صدیق حسن خان صاحب جو کہ غیر مقلدین کے نامور مجدد تھے وہ غیر مقلدین

کی بدزبانی بدکلامی اور بدتہذیبی پر روشنی ڈالتے ہوئے اور غیر مقلدوں کی آئمہ کرام کے بارے میں یاوہ گوئی ہرزہ سرائی طعن و تشنیع پر اظہار افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس زمانہ کی آفات میں سے ایک آفت یہ بھی ہے کہ تقلید کے رد و قدح میں حضرت ائمہ عظام تک طعن و تشنیع کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ یہ ایک بدبختی اور صریح گمراہی ہے۔ چند بدنام لوگ سلف صالحین کے رسوا کرنے میں اپنے منہ کو اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کرتے ہیں (نعوذ باللہ من الخذلان) اگر کوئی شخص کسی امام یا عالم پر بالتعیین طعن و تقدح کرتا ہے تو وہ مغتاب ہے اور غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔ جب احاد امت کی غیبت کرنا حرام ہے تو پھر جو ائمہ وعلماء آخرت میں جو شخص ان کی غیبت کرتا ہے تو اس کا لعن و طعن اسی مغتاب پر لوٹتا ہے۔ (مآثر صدیقی ص۲۲ تا ۲۳ ج۴)

صحابہ کی گستاخی

شہیر فی الآفاق مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی کے شاگرد رشید قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی رقمطراز ہیں۔

''مولوی عبدالحق بنارسی (بانی فتنہ غیر مقلدیت) نے برملا کہا کہ عائشہؓ علیؓ سے لڑی، اگر توبہ نہ کی تو مرتد مری، اور یہ بھی دوسری مجلس میں کہا کہ صحابہؓ کا علم ہم سے کم تھا۔ ان کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں، ہم کو ان سب کی حدیثیں یاد ہیں۔ (کشف الحجاب ص۲۲)

بانی فرقہ غیر مقلدین مولوی عبدالحق بنارسی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کی شان میں جو گستاخی کی ہے اس سے روح لرز رہی اور دل کانپ رہا ہے، یہ تہذیب اور شائستگی غیر مقلدین کا طرۂ امتیاز ہے۔

مولانا داؤد غزنوی

غیر مقلدوں کے مشہور عالم مولانا داؤد غزنوی کی طبیعت میں چونکہ اعتدال و توازن تھا اس لئے انہوں نے غیر مقلدین کے آئمہ اربعہ کی توہین و تنقیص کے خطرناک رجحان کو

بڑی شدت سے محسوس کیا اور بڑی سختی سے اس پر تنبیہ فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ ۔

"دوسرے لوگوں (مقلدین) کی یہ شکایت کہ اہلحدیث حضرات ائمہ اربعہ کی توہین کرتے ہیں، بلاوجہ نہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے علاقہ میں عوام اس گمراہی میں مبتلا ہو رہے ہیں اور ائمہ اربعہ کے اقوال کا تذکرہ حقارت کے ساتھ کر جاتے ہیں، یہ رجحان سخت گمراہ کن اور خطرناک ہے، اور ہمیں سختی کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(سوانح مولانا داؤد غزنوی ص ۳۸۸)

جماعت اہلحدیث کو امام ابوحنیفہ کی روحانی بددعا لے بیٹھی ہے

مولانا داؤد غزنوی نے ایک دفعہ اپنی جماعت کے اختلاف و افتراق اور انتشار و خلفشار کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے بڑے دردناک لہجہ میں فرمایا۔

"مولوی اسحٰق جماعت اہلحدیث کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی روحانی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے ہر شخص ابوحنیفہ ابوحنیفہ کہہ رہا ہے کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ کہہ دیتا ہے، پھر ان کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ، اگر کوئی بہت بڑا احسان کرے تو انہیں سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے۔ جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطہ نظر رکھتے ہوں ان میں یکجہتی و اتحاد کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے۔

"یا غربة الاسلام انما اشکو بثی و حزنی الی الله"

(سوانح مولانا داؤد غزنوی ص ۱۳۶)

اصاغر غیر مقلدین کی اپنے اکابر کے بارے میں دریدہ دھنی اور بدزبانی کی چند حیاسوز جھلکیاں

چونکہ غیر مقلدیت کے خمیر میں دریدہ دہنی، بدزبانی، بدکلامی، بدتمیزی، اور شوخ چشمی پائی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ غیر مقلدین جہاں دوسرے مکاتب فکر کے علماء و فضلاء پر

سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے اور انہیں اپنی خرافات اور سوقیانہ گالیوں کا ہدف بناتے ہیں وہاں اپنے فرقہ کے سلف بزرگوں، جید عالموں اور قابل احترام شخصیتوں کو بھی معاف نہیں کرتے غیر مقلد شاگرد اپنے استادوں کو ایسی بے نقط سناتے، ان پر ایسا کیچڑ اچھالتے اور ان کے بارے میں ایسی گندی، گھناؤنی اور غلیظ زبان استعمال کرتے ہیں کہ جس سے شرم وحیا کی پیشانی عرق ندامت سے تر بتر ہو جاتی ہے۔ سب وشتم میں ڈھلی ہوئی اس زبان کو ایک شریف آدمی پڑھ کر زمین میں گڑ جاتا ہے۔ اور عالم حیرت میں پوچھتا ہے، یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔

ایک ایسی جماعت (جو صرف اہلحدیث ہونے کی دعویدار بلکہ ٹھیکیدار ہے) کا قرآن وسنت کی تعلیمات و ہدایات سے اس قدر باغی وعاصی اور اس قدر دور ونفور ہونا، اور اپنی اس بدتہذیبی پر نادم اور شرمسار ہونے کے بجائے خوش اور مسرور ہونا باعث صد ملال اور موجب ہزار نکال ووبال وزوال ہے۔ چنانچہ غیر مقلدوں کے ایک مولوی ابومحمد حسین صاحب مولوی عبدالجلیل سامرودی کی بدزبانی اور دریدہ دہنی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"بدزبانی دیکھئے کہ مولانا ثناء اللہ صاحب کو جو اس کے دادا کے برابر ہیں انہیں "تو تو" کر کے خطاب کرتا ہے، یہی روش مولانا محمد (دہلوی) کے بارے میں ہے۔

(اخبار محمدی دہلی ص ۱۶، ۱۵ فروری ۱۹۳۹ء)

مولوی فقیر اللہ مدراسی (ایک غیر مقلد عالم) اپنی جماعت کے بزرگ ترین عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"حاصل مرام یہ کہ اس میں شک نہیں کہ ثناء اللہ چوتھا دجال ہے ہند کے چار دجالوں میں سے اگرچہ تین تو مرگئے [illegible] یہ چوتھا سب سے فائق مقام ہے بلکہ ان سے بڑھ کر ہے غرضیکہ ثناء اللہ زندیق و دجال وامتان اور محدث فی الدین بالیقین ہے۔ (اہلحدیث امرتسر ص ۳، ۱۶ جون ۱۹۰۶ء)

بات کا ہرگز اعتبار نہیں۔ اس سے بائیکاٹ کرنا ضروریات دین سے ہے ورنہ ایمان میں خلل ہے۔ (مظالم روپڑی ص ۵۰)

غیر مقلدین کے مشہور مولوی محمد دہلوی، حافظ عبداللہ روپڑی کے بارے میں لکھتے ہیں: "روپڑی نے معارف قرآنی بیان کرتے ہوئے رنڈیوں اور بھڑووں کا ارمان پورا کیا اور تماش بینوں کے تمام ہتھکنڈے ادا کئے"۔

(اخبار محمدی دہلی ص ۱۳، ۱۵ اپریل ۱۹۳۹ء)

غیر مقلدوں کے مشہور "اخبار محمدی دہلی" کے نائب ایڈیٹر، حافظ عبداللہ روپڑی کے ایک محرم راز، واقف اسرار اور بچپن کے رفیق اور ساتھی مولوی محمد عثمان کے ایک مکتوب کا اقتباس درج کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"جناب مولوی محمد عثمان صاحب، عبداللہ روپڑی سے دریافت کرتے ہیں کہ طالب علمی زمانے میں آپ علۃ المشائخ (علت مفعولیت) میں مبتلا تھے، اب وہ عادت چھوٹ گئی ہے یا اب بھی باقی ہے۔ قاعدہ تو یہ ہے کہ جب تک آپ میں مفعولیت رہے یہ لقب بھی نہ جائے۔ لہذا مہربانی فرما کر خدا سے ڈر کر اس کا صحیح جواب دیں اور اب بھی توبہ کرلیں۔

(اخبار محمدی دہلی ص ۱۵ کالم ۳، ۱۵ جولائی ۱۹۳۹ء)

مولوی محمد دہلوی لکھتے ہیں:

"میرا تو مشورہ یہی ہے کہ انہیں (حافظ عبداللہ روپڑی کو) بھول جائیے، انہیں بکنے دیجئے، جو چاہیں بکیں، جب تک چاندنی پھیلی ہے کتے بھونکتے ہی رہتے ہیں۔

(اخبار محمدی دہلی ص ۱۷ کالم نمبر ۱ کیم اپریل ۱۹۳۹ء)

مولوی عبدالستار دہلوی

مولوی عبدالستار دہلوی کے بارے میں مشہور غیر مقلد عالم مولوی محمد یوسف کلکتوی بعدہ کراچوی لکھتے ہیں:

"مولوی عبدالستار دہلوی اور ان کے ساتھی بے وقعت اور وحشت ہیں، مگر ادارے اس ان کو منہ نہیں لگاتے، بلکہ لوگوں کو خبردار کئے دیتے ہیں کہ بھائی ذرا ان سے بچنا تمہاری ساری متاع دنیاوی تو درکنار ایمان جیسی قیمتی شے پر بھی ڈاکہ ڈالنے سے گریز نہ کریں گے۔"

(اخبار محمدیہ کراچی یکم جمادی الاول ۱۳۸۳ھ)

غیر مقلدوں کے مشہور مولوی محمد صاحب دہلوی اپنے استاد امام جماعت غرباء اہلحدیث کے فرزند ارجمند اور نور نظر مولوی عبدالستار صاحب دہلوی کے بارے میں لکھتے ہیں "عبدالستار دہلوی اپنے مذہب میں مکے کے کافروں سے بھی بڑھا ہوا ہے۔"

(اخبار محمدی ص ۱۳، ۱۵ نومبر ۱۹۳۹ء)

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی

غیر مقلدوں کے مشہور مؤلف حکیم محمد صادق سیالکوٹی اپنے استاد خاص مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کو اپنے سوقیانہ جملوں اور بازاری گالیوں کا ہدف بناتے ہوئے بڑے فخر اور طمطراق سے لکھتے ہیں۔

"اے حضرت! اگر میں آپ کی رومانی داستانوں کی ہزاروں میل لمبی فلم شہر کے لوگوں کو دکھا دوں تو سارا شہر لیلائے امارت کے عشق میں دیوانہ ہو جائے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گدی کے جانشین کی زیارت کرنے پنجاب دوڑ آئے۔

جس شخص کی زندگی کا ایک منظر اتنا تاریک اور بھیانک ہو اسے چاہیے کہ منہ چھپا کر گوشہ مسجد میں خاموشی سے زندگی گزارتا اور رو رو کر تلافی مافات کرتا لیکن حضور اس سن کی عمر میں نئی جوانی چڑھے ہیں۔ (مدعی امارت سے شرعی استفتاء ص ۲۷، ۲۸)

ماشاء اللہ یہ ہے ایک غیر مقلد شاگرد کا اپنے استاد خاص سے انداز تخاطب!

ہر ہر لفظ سے غیر مقلدیت مترشح ہو رہی ہے اور ہر ہر حرف دریدہ دہنی اور بدزبانی کا غماز و آئینہ دار ہے۔

ترکِ تقلید کا فساد نمبر ۱۳

تجدید رفض و شیعیت غیر مقلدین اور روافض

ناظرین کرام! آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ غیر مقلدیت، رفض و تشیع کا ترقی یافتہ ایڈیشن ہے، اکثر مسائل اور خیالات و نظریات میں یہ دونوں فرقے ہم آہنگ و ہم رنگ ہیں۔ اہل سنت کا کوئی گروہ قیاس کا منکر نہیں لیکن شیعہ قیاس کے منکر ہیں۔ اور اس کو حرام قرار دیتے ہیں۔ غیر مقلدین بھی شیعہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قیاس کو حرام اور شرک قرار دیتے ہیں، روافض تقلید کے منکر ہیں۔ غیر مقلدین بھی ان کے ہم نوا ہیں، روافض تین طلاق کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں، غیر مقلدین بھی ان کے ہم صدا ہیں، روافض تراویح کا انکار کرتے ہیں غیر مقلدین بھی تراویح کے منکر ہیں، شیعہ متعہ کے جواز کے قائل ہیں غیر مقلد بھی اس کو جائز قرار دیتے ہیں، شیعہ بلا عذر جمع بین الصلوتین کے قائل ہیں غیر مقلدین بھی اس پر بڑی سختی سے کاربند ہیں۔ روافض تقیہ کرتے ہیں غیر مقلدین بھی تقیہ کرنے میں انکی نقالی کرتے ہیں۔ بعض غیر مقلدوں کے مولوی چلوک اور قصبات میں جا کر اپنے آپ کو دیوبندی یا بریلوی ظاہر کر کے امام بن جاتے ہیں پھر آہستہ آہستہ سادہ لوح عوام کو اپنی شبانہ روز تبلیغ کے ذریعے اپنے دام ہمرنگ زمین میں پھنسا کر غیر مقلدیت کی وادی میں دھکیل دیتے ہیں۔ اہل تشیع کی طرح تقیہ کا یہ طریقہ واردات ان کا بڑا کارآمد حربہ ہے۔ اور اس میں ان کے مولوی کافی مہارت رکھتے ہیں۔

روافض الحاد و ارتداد اور دہریت و زندقہ کا ذریعہ اور مدخل تھے۔ غیر مقلدین بھی الحاد، دہریت اور ارتداد کا دروازہ اور مدخل و مخرج ہیں۔ "منهم تخرج الفتنة وفيهم تعود" ۔ روافض صحابہ کرام، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کی توہین و تنقیص کرتے، ان پر گالیوں کی بوچھاڑ کرتے اور ان کو برا بھلا کہتے ہیں، غیر مقلدین بھی اس بارے میں ان کے ہم نوا اور مؤید ہیں بلکہ بعض جگہ شاگرد استاد سے بھی فائق نظر آتے ہیں۔

چنانچہ غیر مقلدوں کے مشہور عالم مولانا قاضی عبدالاحد صاحب خانپوری رقمطراز ہیں "پس اس زمانہ کے جھوٹے اہلحدیث، مبتدعین، مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ما جاء بہ الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ وروافض کے یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر ونفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ وزنادقہ کا تھے اسلام کی طرف، اسی طرح یہ جاہل بدعتی اہلحدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے بعینہ مثل تشیع کے (الی ان قال) مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کر کے حضرت علیؓ اور حضرت حسنینؓ کی غلو کے ساتھ تعریف کر کے، سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیں اور پھر جس قدر الحاد وزندقہ پھیلا دیں، کچھ پرواہ نہیں، اسی طرح ان جہال کاذب اہلحدیثوں میں ایک دفعہ رفع یدین کرے اور تقلید کا رد کرے اور سلف کی ہتک کرے مثل امام ابوحنیفہؒ کے جن کی امامت فی الفقہ اجماع کے ساتھ ثابت ہے اور پھر جس قدر بداعتقادی اور الحاد وزندقیت ان میں پھیلا دے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ متنبہ نہیں ہوتے۔ اگرچہ علماء فقہاء اہل سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ہرگز نہیں سنتے سبحان اللہ ما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ اور سر اس کا یہ ہے کہ وہ مذہب وعقائد اہل سنت والجماعت سے نکل کر اتباع سلف سے مستنکف ومتکبر ہو گئے۔ (فافہم وتدبر)

(کتاب التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ صفحہ نمبر ۲۶۲)

غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل مجدد اعظم مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی کے استاد اور خسر مولانا عبدالخالق دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

"ان (غیر مقلدین) کا مذہب اکثر باتوں میں روافض کے مذہب سے ملتا ہے۔ جیسا روافض پہلے رفع یدین اور آمین بالجہر اور قرأۃ خلف الامام کے مسئلے امام شافعی کی دلیلوں سے ثابت اور ترجیح دے کر عوام کو خصوصاً مذہب حنفی والے کو شبہ میں ڈالتے ہیں پھر جب یہ بات خوب اپنے معتقدوں کے ذہن نشین کر چکے تب آگے اور مسئلوں میں تشکی اور

منتشر و بناتے ہیں اور مسلمانوں کو گمراہ بناتے ہیں۔　　(تنبیہ الضالین ص ۵)

غیر مقلدین کے مشہور عالم اور مجدد جناب نواب صدیق حسن خان صاحب رقمطراز ہیں:

"تو پھر جو ائمہ علماء آخرت ہیں جو شخص ان کی غیبت کرتا ہے تو اس کا لعن وطعن اسی مکتاب پر عود کرتا ہے۔ یہ مذہب رفض کا شیوہ ہے نہ مذہب اہل سنت کا۔

(مآثر صدیقی ص ۲۳ جلد نمبر ۴)

غیر مقلدین چھوٹے رافضی ہیں

سید احمد شہید بریلوی کے قافلہ میں مشہور تھا کہ غیر مقلد چھوٹے رافضی ہوتے ہیں۔

(قصص الاکابر ص ۴۶، رجب المرجب ۱۴۰۶ھ)

جو ائمہ دین کے حق میں بے ادبی کرے وہ چھوٹا رافضی ہے۔

(مولانا نذیر حسین دہلوی) تاریخ اہلحدیث ص ۴۲ از مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی

شہیر فی الآفاق حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلویؒ کے شاگرد رشید مولانا قاری عبدالرحمان صاحب پانی پتی رقمطراز ہیں۔

"چنانچہ روافض کی ساری علامتیں اس فرقہ میں موجود ہیں۔ اول تراویح کا انکار کرنا اور بدعت بتانا، دوسرے صلاۃ تہجد کو غلط پڑھنا شعار روافض ایران کا ہے، جب ان کا مذہب پوچھیے تو محمدی بتادیں یہی قول روافض کا ہے۔ مذہب اور دین کو ایک جانتے ہیں۔ اہل سنت کو حنفی و شافعی ہونے سے مشرک کافر جاننا یہ عین قول روافض کا ہے۔ سنن و آثار کو چھوڑ دینا یہ عین عمل شیعہ کا ہے۔ وضو میں کہنیوں سے پانی ناخنوں کی طرف بہانا عمل روافض کا ہے۔ مخالفت اہل سنت کو مذاہب اربعہ سے دلیل حقیقت جاننا عین عقیدہ شیعہ کا ہے۔ جمع بین الصلوتین بلا عذر عین مذہب روافض کا ہے۔ ایک حدیث جہراً آمین کی لے کر قرآن کو رد کرنا یہ عین قول شیعہ کا ہے۔

بموجب "قول الحرج مد فوع بصورت غیبت شوہر شش جو دیر ہو جائے جب

آ چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان میں اتنی ہم رنگی پائی جاتی ہے کہ ''من تو شدم تو من شدی'' کا منظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن تیمیہ اپنی مشہور و معروف اور محققانہ کتاب ''منہاج السنۃ'' میں روافض کا درج ذیل اعتراض نقل کرتے ہیں جس کو غیر مقلد بڑے فخر سے اٹھائے پھرتے ہیں۔

''قال الرافضي وذهب الجميع منهم الى القول بالقياس والاخذ بالرأي فادخلوا في دين الله ماليس منه وحرفوا احكام الشريعة واحدثوا مذاهب اربعة لم تكن في زمن النبي صلى الله عليه وسلم ولا في زمن الصحابة واهملوا اقاويل الصحابة مع انهم نصوا على ترك القياس وقالوا ان اول من قاس ابليس (منهاج السنة ص۸۹ ج۱)

''رافضی کہتا ہے کہ سارے اہل سنت والجماعت قیاس اور عمل بالرائے کے قائل اور اس پر عامل ہیں۔ انہوں نے خدا تعالیٰ کے دین میں ایسی چیز داخل کر دی ہے جو دین میں نہیں اور انہوں نے احکام شریعت کو بدل ڈالا ہے۔ اور چار مذاہب بنا رکھے ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں تھے اور نہ صحابہ کرامؓ کے دور میں حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ترک قیاس کی تاکید کی ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا''۔

شیخ الاسلام کی مذکورہ عبارت سے ثابت ہوا کہ مذاہب اربعہ اور قیاس کے انکار میں روافض غیر مقلدوں کے استاد اور پیرو مرشد ہیں۔ غیر مقلدین اپنے استاد کے اعتراض کی تمام جزئیات چرا کر اس کی نوک پلک درست کر کے اس کو نئے سے نیا بنا کر اپنے کتابچوں اور رسالوں میں پیش کرتے ہیں اور اپنے پیرو مرشد کا نام لیتے ہوئے شرماتے ہیں۔

اے غیر مقلدین! جب تم نے روافض سے یہ اعتراض سیکھا ہے تو ان کا نام لیتے ہوئے کیوں ہچکچاتے ہو؟

علامہ ابن تیمیہؒ نے روافض کا مذکورہ اعتراض نقل کرنے کے بعد اس کے ایک ایک جزو کی بڑی مدلل تردید فرمائی ہے۔ جس سے اس اعتراض کی نامعقولیت اور سطحیت پوری طرح واضح اور الم نشرح ہو کر سامنے آ جاتی ہے، بہرحال روافض کو جو غیر مقلدوں کے استاد و مرشد اور پیشوا ہیں جمہور مسلمانوں کا ائمہ اربعہ کی تقلید کرنا نہایت گراں اور شاق گزرتا رہا اور گزر رہا ہے۔ اور ان کو اس سے بہت تکلیف ہوتی رہی اور ہو رہی ہے۔ غیر مقلدین بھی اپنے استاد اور مرشد کی تقلید میں اس سے بہت تکلیف اور اذیت محسوس کرتے ہیں۔ روافض کی تقلید کرتے وقت تو ان کو اذیت محسوس نہیں ہوتی لیکن ائمہ اربعہ کی تقلید سے پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ اپنی مشہور رفض توڑ اور شیعیت شکن کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" کے باب دوم میں روافض کے مکروں کا پردہ چاک کرتے ہوئے ان کا پچاسی واں مکر لکھ کر پھر اس کی تردید فرماتے ہیں، حضرت شاہ صاحب رقمطراز ہیں۔

"کید ہشتاد و پنجم آنکہ طعن کنند بر اہل سنت و جماعت کہ ایشاں مذہب ابوحنیفہؒ و شافعیؒ و مالکؒ و احمدؒ اختیار می کنند" (تحفہ اثنا عشریہ ص ۱۰۹)

شیعوں کا پچاسی واں مکر و فریب یہ ہے کہ یہ اہل سنت و جماعت پر یہ طعن توڑتے ہیں کہ یہ لوگ (اہل سنت والجماعت) امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مذاہب پر کیوں عامل اور کاربند ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ کی تقلید کرنے والے اہل سنت والجماعت ہیں اور اس سے انکار کرنے والے اہل سنت سے خارج ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ روافض کے اعتراض مذکور کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"جواب ایں کید آنکہ نبی صاحب شریعت است نہ صاحب مذہب، زیرا کہ مذہب

نام راہے است کہ بعض اقتیاں را در فہم شریعت کشادہ شود و بعقل خود چند قواعد مقرر رہ ہند کہ موافق آں قواعد استنباط مسائل شرعیہ از ماخذ آں نمایند ولہذا محتمل صواب و خطای باشند ونسبت مذہب بسوئے خدا و جبریل و دیگر ملائکہ نسبت کردن کمال بے خردی است (تحفہ اثنا عشریہ ص ۱۰۱).

اس بکر کا جواب یہ ہے کہ نبی صاحب شریعت ہوتا ہے نہ کہ صاحب مذہب کیوں کہ مذہب تو اس راہ کا نام ہے جو فہم شریعت کے سلسلہ میں بعض اشخاص پر کھولی جاتی ہے اور پھر وہ اپنی عقل و خرد سے چند قواعد مقرر کر تے ہیں۔ ان قواعد کے مطابق شرعی مسائل ان کے ماخذ (کتاب و سنت و اجماع و قیاس) سے نکالے جاتے ہیں۔ اسی لئے مسائل نکالنے میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ خدائے تعالیٰ، جبریل، ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی طرف مذہب کی نسبت نہایت بے وقوفی ہے۔ اللہ اور رسول کا دین کہا کرتے ہیں، اللہ اور رسول کا مذہب نہیں کہا کرتے، یوں کہنا کہ اللہ اور رسول کا مذہب یہ ہے صریح حماقت اور جہالت ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم مولوی وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں "جو مجتہد فوت ہو چکا ہو اس کی تقلید جائز نہیں، اس میں شیعہ ہمارے ساتھ ہیں۔ (ہدیۃ المہدی ص ۱۱۱، ۱۲۰)

فرقہ غیر مقلدین کا بانی عبدالحق بنارسی ہے

مولانا عبدالخالق صاحب استاد و خسر مولانا نذیر حسین دہلوی اپنی مشہور غیر مقلدیت شکن کتاب "تنبیہ الضالین" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"سو بانی مبانی اس فرقہ نو احداث کا عبدالحق ہے۔ جو چند روز سے بنارس میں [illegible] ہے [illegible] حضرت امیر المومنین (سید احمد شہید بریلوی) نے ایسی ہی حرکات نا[illegible] کے باعث اپنی جماعت سے اس کو نکال دیا۔ اور علماء حرمین معظمین نے اس کے قتل کا فتویٰ لکھ [illegible] سے بچ نکلا۔ (تنبیہ الضالین ص ۳)

[illegible] فرقہ غیر مقلدین کا بانی ہے، اپنی عمر کے دور ثانی حصہ میں باغی

(تشیع) ہوگیا تھا۔

نواب صدیق حسن خان صاحب جو کہ غیر مقلدوں کے مجدد اعظم ہیں، لکھتے ہیں۔

"در اواسط عمر بعض تزلزل در عقائد ایشاں و میل بسوئے تشیع و جز آں معروف است۔ (سلسلۃ العسجد فی ذکر مشائخ سند ص ۴۲)

ان (عبدالحق بنارسی) کی عمر کے درمیانی حصہ میں ان کے عقائد میں تزلزل و اضطراب اور اہل تشیع وغیرہ کی طرف ان کا رجحان دمیلان مشہور و معروف ہے۔

شیعیت سے تائب ہونے کے باوجود آخر تک ان کے دل و دماغ میں رفض و شیعیت کے اثرات پیوست رہے۔

مولوی عبدالحق بنارسی کے متعلق مولانا سید ابوالحسن صاحب ندوی کے والد ماجد مشہور محقق و مؤرخ مولانا سید عبدالحی لکھنوی متوفی ۱۳۴۱ھ اپنی بے نظیر تحقیقی و تاریخی کتاب "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" میں درج ذیل حقائق و اتہامات کا اظہار و انکشاف فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ومنهم من سلک مسلک الافراط جدًا و بالغ فی حرمة التقلید وجاوز عن الحد وبدع المقلدین وادخلهم فی اهل الاهواء ووقع فی اعراض الائمة لاسیما الامام ابی حنیفة وهذا مسلک الشیخ عبدالحق بن فضل الله بنارسی (ص ۱۰۴)

"اور ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو حد سے بڑھ گئے اور تقلید کی حرمت میں بے حد مبالغہ سے کام لے کر حد سے بھی تجاوز کر گئے۔ مقلدین کو بدعتی قرار دیا اور ان کو اہل بدعت میں داخل کیا۔ اور ائمہ کرام بالخصوص امام ابوحنیفہؒ کی توہین و تنقیص کو اپنا شعار و وطیرہ بنا لیا۔ شیخ عبدالحق بن فضل اللہ بنارسی کا یہی مسلک تھا کہ ائمہ کرام کی توہین و تنقیص کو شعار بنایا جائے اور مقلدین کو بدعتی قرار دیا جائے"۔

ناظرین کرام! یہ ایک مسلمہ اصول اور مشاہدہ ہے کہ کسی بھی جماعت کے بانی کے خیالات ونظریات، اس کے افکار وآراء اور اس کی سیرت وکردار سے اس کے متبعین لازماً متاثر ہوتے ہیں۔ بانی کے خیالات ونظریات محسوس یا غیر محسوس طور پر اس کے متبعین کے رگ وریشہ میں سرایت کر جاتے ہیں۔ نیز اس کی سیرت اور اس کے اخلاق وکردار سے اس کے ماننے والوں اور معتقدوں کا متاثر ہونا بھی ایک فطری امر ہے۔ اس اصول کی روشنی میں جب ہم غیر مقلدوں کی جماعت کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ نکھر کر ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ غیر مقلدین کی جماعت کے بانی عبدالحق بنارسی کے خیالات ونظریات اس جماعت کے افراد کے قلوب کی گہرائیوں میں پوری طرح جاگزیں اور پیوست ہو گئے ہیں۔ غیر مقلدوں کی تقریروں، تحریروں، بیانات، تصنیف، اور اخبار ورسائل میں عبدالحق بنارسی کی سیرت وکردار اور اس کے سوقیانہ اندازِ نگارش، گھٹیا طرزِ تحریر اور گستاخانہ اندازِ بیان کی جھلکیاں ہر ذی شعور شخص ملاحظہ کر سکتا ہے۔ اس پر گذشتہ صفحات واوراق میں قدرے روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

ترکِ تقلید کا فساد نمبر ۱۲

حدیث شریف سے بغاوت

غیر مقلد حضرات زبانی کلامی تو اپنے اہل حدیث ہونے کے بڑے بلند بانگ دعوے کیا کرتے ہیں اور بڑے زور وشور اور جوش وخروش سے یہ مصرعہ پڑھا کرتے ہیں۔

ما اہل حدیثیم دغا را نہ شناسیم

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ برائے نام اہل حدیث ہیں۔ غیر مقلد جب ایک نظریہ قائم کر لیتے ہیں تو پھر وہ اس پر اس قدر سختی سے ڈٹ جاتے ہیں کہ ان کے اس نظریہ کے مقابلہ میں خواہ قرآن کریم کی صریح آیات کریمہ پیش کی جائیں، خواہ سو فیصد صحیح احادیث بیان کی جائیں لیکن یہ لوگ اپنے تشدد اور تعصب کی بنا پر ان سب کو نظر انداز کر دیں گے۔

ان سب سے صرف نظر اور اعراض کریں گے، غلط توجیہات، بیہودہ تسویلات اور پھسپھسی تاویلات کرنے میں ذرہ بھر خوف خدا محسوس نہ کریں گے، اس کی تفصیل کے لئے تو ضخیم دفتر درکار ہے، اس لئے ان کی حدیث شریف سے بغاوت کی ذیل میں ایک ادنیٰ جھلک پیش کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث سے بغاوت کی مثال نمبر ۱

"واذا قرء فانصتوا" (جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو) یہ حدیث بالکل صحیح صریح مرفوع غیر مجروح اور غیر مقطوع ہے۔ اس کی صحت پر امام مسلمؒ نے محدثین کا اجماع نقل فرمایا ہے لیکن یہ حدیث چونکہ غیر مقلدین کے نظریہ اور مسلک کے خلاف ہے اس لئے غیر مقلدین اس حدیث سے جان چھڑانے کے لئے مختلف حیلے کرتے اور متعدد بہانے گھڑتے ہیں۔

کبھی اصول حدیث کے مسلمہ قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سلیمان تیمیؒ کے تفرد کا رونا روتے ہیں۔ حالانکہ یہ ثقہ ثبت اور حجت ہیں اور زیادۃ الثقۃ مقبولۃ کے تحت ان کا تفرد قطعاً مضر نہیں، اس پر مستزاد یہ کہ تین ثقہ راوی (ابو عبیدہ الحداد، عمر بن عامر اور سعیدؒ بن ابی عروبہ) ان کے متابع بھی ہیں۔

کبھی حضرت قتادہؒ کی تدلیس کا شکوہ کرتے ہیں۔ حالانکہ صحیحین میں تدلیس مضر نہیں بلکہ سماع پر محمول ہوتی ہے (نووی شرح مسلم ص ۱۸) اور کبھی اس کو ما زاد علی الفاتحہ پر محمول کرتے ہیں۔

جب آپ حضرات اہلحدیث ہیں تو اس صحیح، صریح، مرفوع اور غیر مقطوع حدیث کو مانتے نہیں، اس حدیث کو ٹھکرانے کے لئے مختلف حیلے بہانے گھڑنا کیا اہلحدیث کے شایان شان ہے؟ یا تو آپ لوگ صاف طور پر کہہ دیں کہ ہم منکر حدیث ہیں یا اس حدیث کو مان لیں، اس حدیث کو مان لینے سے آخر آپ کی جان کیوں نکلتی ہے؟ آپ حضرات صحیح احادیث کو ٹھکرائیں بھی اور اہل حدیث بھی رہیں یہ کیسے ممکن ہے؟

مثال نمبر ۲:

اس صحیح صریح اور مرفوع حدیث کا آخری جملہ واذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا آمین ہے۔(جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے تو مقتدی آمین کہیں) غیر مقلد حضرات اس حدیث کی مخالفت پر بھی ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ اور اس حدیث کی مخالفت کو اپنا مذہب بنا رکھا ہے۔ غیر مقلدین اس حدیث سے ہمیشہ بغاوت کرتے ہوئے خود غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہہ کر پھر آمین کہتے ہیں۔

حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے تو مقتدی آمین کہیں۔ عشق رسول اور عشق حدیث کے اتنے بلند و بانگ دعوے اور حدیث شریف کی مخالفت پر اتنا اصرار آخر کیوں؟

مثال نمبر ۳:

لاصلوٰۃ لمن لم یقرابفاتحۃ الکتاب فصاعدا۔(مسلم شریف ص ۱۶۹ ج ۱، مسند ابوعوانہ ص ۱۲۴ ج ۲، نسائی شریف ص ۱۰۵ ج ۱)

یہ حدیث بھی بالکل صحیح ہے صریح اور مرفوع ہے۔ لیکن غیر مقلدین اپنی مطلب برآری کے لئے ہمیشہ اس حدیث میں تحریف کا ارتکاب کرتے ہیں، اس حدیث کا آخری لفظ فصاعدا، چونکہ ان کے مذہب کی دھجیاں اڑاتا ہے اس لئے یہ لوگ اس حدیث کو پڑھتے وقت ہمیشہ اس کے آخری ٹکڑے کو کھا جاتے ہیں عوام پر اگر ان کی فریب کاری ظاہر ہو جائے تو پھر مختلف حیلوں بہانوں سے اس کو رد کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے نہیں شرماتے۔

مثال نمبر ۴:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صحیح ترین حدیث "ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ" سے غیر مقلدین تراویح کا آٹھ ہونا ثابت

کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث تراویح کے بارے میں ہے ہی نہیں۔ بلکہ یہ حدیث نماز تہجد کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ یہ حدیث تراویح کے بارے میں ہے۔ لیکن غیر مقلدین اس حدیث کو اپنے استدلال میں بڑے زور و شور سے پیش کرنے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتے۔ اس حدیث میں سارا سال نماز پڑھنے کا ذکر ہے لیکن غیر مقلد حضرات سارا سال تراویح نہیں پڑھتے صرف ایک ماہ آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ اس حدیث کے لفظ "فی رمضان" پر عمل کرتے ہیں۔ اور اس کے لفظ "فی غیرہ" سے باغی ہیں۔

اس حدیث میں آخر شب نماز پڑھنے کا ذکر ہے لیکن غیر مقلدین ہمیشہ تراویح اول شب میں پڑھتے ہیں۔ اس حدیث میں حضور علیہ السلام کے سارا سال تین وتر پڑھنے کا ذکر ہے لیکن غیر مقلد حضرات ایک وتر پڑھ کر ہمیشہ اس حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

مثال نمبر ۵:

غیر مقلدین ظہر کی نماز پڑھتے وقت ہمیشہ ابرد والی صحیح صریح مرفوع اور قوی حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس حدیث مرفوع غیر مقطوع میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی بایں الفاظ منقول ہے۔

ان شدۃ الحر من فیح جھنم فابردوا بالصلوۃ۔

(ترمذی شریف ص ۲۳ ج ۱)

"گرمی کی شدت جہنم کی حرارت کی وجہ سے ہے اس لئے ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو"۔

غیر مقلدوں نے اس حدیث کی مخالفت کو اپنا امتیازی نشان بنا رکھا ہے پھر بھی ماشاء اللہ اہل حدیث ہیں۔

مثال نمبر ۶:

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی صحیح ترین حدیث "لولا ان اشق علی امتی لامرتھم

ان یوخروا الصلوة الی ثلث اللیل "اس پر دلالت کرتی ہے کہ نمازِ عشاء میں ثلث لیل تک تاخیر مستحب ہے لیکن غیر مقلد ہمیشہ اس حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے عشاء کی نماز اول وقت میں پڑھتے ہیں۔

مثال نمبر ۷:

غیر مقلدین جہری نمازوں میں ہمیشہ بسم اللہ جہراً پڑھتے ہیں۔ حالانکہ حضرت عبداللہ بن مغفل کی صحیح ترین حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں کہ "ای بنی محدث" اے بیٹے نماز میں بسم اللہ جہراً پڑھنا بدعت ہے۔ غیر مقلد حضرات سنن کو چھوڑ کر بدعات کو اپناتے ہیں۔ پھر بھی اہلحدیث ہیں آخر کیوں؟

مثال نمبر ۸:

کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی ساری زندگی میں کبھی بھی ننگے سر نماز پڑھی ہو لیکن غیر مقلد حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اس دائمی سنت کو چھوڑ کر ننگے سر نماز پڑھنا اپنا شعار سمجھتے ہیں مگر پھر بھی محمدی ہیں۔

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

فساد نمبر ۱۵

(انکار قرآن).

غیر مقلد حضرات اپنی گروہی عقائد و نظریات میں اس قدر متعصب اور اپنے مسلک میں اتنے متشدد ہوتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے نظریہ کے خلاف "نصوص صریحہ" اور "احادیث صحیحہ" کو بھی درخور اعتنا اور لائق التفات تصور نہیں کرتے، یہ لوگ قرآن کریم کو چھوڑ دیں گے۔ احادیث صحیحہ صریحہ کے انکار پر آمادہ ہو جائیں گے لیکن اپنے غلط خیالات و نظریات کو چھوڑ دیں یہ ناممکن ہے۔ ان کا نظریاتی تشدد اور مذہبی تعصب ان کو قرآن کریم اور حدیث شریف کے

انکار تک پہنچا دیتا ہے۔ پھر مزید افسوس اور حیرت اس بات پر ہے کہ یہ لوگ اپنے اس گھناؤنے اور نا روا طرز عمل پر شرم و ندامت بھی محسوس نہیں کرتے۔ قافلہ لٹ گیا مگر اہل قافلہ احساس زیاں سے بھی عاری ہیں۔ علامہ اقبال نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

دیکھئے قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ "واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا" باجماع صحابہ و تابعین و تبع تابعین و سلف صالحین نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس میں مقتدی کو امام کے پیچھے قرأۃ سے منع کیا گیا ہے۔

چونکہ اس آیت کریمہ سے ان کے مسلک پر زد پڑتی ہے اس لئے غیر مقلدین اس کو کثرت تاویلوں کے فرا د پر چڑھا کر اس کے مفہوم و معنی کو بگاڑنے کی سعی نامشکور کرتے ہیں۔

غیر مقلدین نے نہ صرف یہ کہ اس آیت کریمہ کے معنی میں شرمناک تاویلیں کیں بلکہ اپنے مسلک کی حفاظت و صیانت کی خاطر سورۃ فاتحہ کی قرآنیت کا بھی انکار کر دیا اور کہا کہ سورۃ فاتحہ قرآن ہی نہیں "واذا قرئ القرآن" سے سورۃ فاتحہ کے علاوہ باقی سورتیں مراد ہیں۔ غیر مقلد کہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ چونکہ قرآن ہی نہیں اس لئے اس آیت کریمہ سے امام کی اقتداء میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی نفی نہیں ہوتی۔

اس لئے کہ سورۃ فاتحہ قرآن کریم کی ماں ہے۔ باقی قرآن مجید اس کی اولاد ہے۔ ماں چونکہ اولاد کا غیر ہوتی ہے اس لئے سورۃ فاتحہ بھی قرآن کریم کا غیر ہے۔

ناظرین کرام ملاحظہ فرمایئے کہ

یہ لوگ قرآن کریم سے کھیلنے میں کس قدر بے باک اور جری واقع ہوئے ہیں ویسے تو یہ لوگ قیاس کو حرام کہتے تھے لیکن یہاں نص کے مقابلہ میں شیطانی قیاس اور ابلیسی رائے پیش کرتے ہوئے ذرہ بھر خوف خدا محسوس نہیں کرتے۔ غیر مقلدین نے شیطانی قیاس سے سورۃ فاتحہ کی قرآنیت کا انکار کیا حالانکہ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ قرآن کریم

کا اولین مصداق ہے اور باقی سارا قرآن کریم ثانوی درجہ میں ہے، سورۂ فاتحہ کو جو قرآن کریم کا اولین مصداق ہے قرآن کریم سے خارج کرنا، قرآن کریم پر کتنا بڑا ظلم ہے۔ قرآن کریم کی کسی ایک آیت کی قرآنیت کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ یہاں تو تیرہ سے قرآن کریم کی پوری سات آیات (جو قرآن کریم کا خلاصہ اور لب لباب ہے) کی قرآنیت کا انکار کیا جا رہا ہے۔

غیر مقلدین سورۂ فاتحہ کی قرآنیت کا انکار کر کے درج ذیل صحیح اور صریح حدیث کا بھی مذاق اڑاتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔

والذی نفسی بیدہ ما انزلت فی التوراۃ ولا فی الانجیل ولا فی الزبور ولا فی الفرقان مثلھا وانھا السبع المثانی والقران العظیم الذی اعطیتہ۔ (ترمذی شریف)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تورات انجیل زبور اور قرآن کریم میں سورۂ فاتحہ جیسی کوئی سورۃ نہیں نازل کی گئی، یہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو میں عطا کیا گیا ہوں۔

آقائے نامدار سرور کائنات فخر موجودات ﷺ تو اس کو سبع مثانی اور قرآن عظیم قرار دیں لیکن غیر مقلدین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت میں ایسی عظیم الشان اور جلیل القدر سورۃ کو قرآن کریم سے ہی خارج کر دیں۔ اور اس کے باوجود اپنے اہل حدیث ہونے کے دعوی پر شد و مد اصرار بھی کریں۔ حدیث کا انکار بھی کریں اور سچے سچے اہلحدیث بھی رہیں۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

ترک تقلید کا باعث جذبہ اتباع حدیث نہیں بلکہ اس کے پس منظر میں سہولت نفس کا داعیہ کارفرما ہے

غیر مقلد حضرات اپنی تقریروں، تحریروں، بیانات، تصانیف، کتابوں، اور رسائل میں بڑے زور و شور، جوش و خروش اور شد و مد سے یہ بلند بانگ دعوی کیا کرتے ہیں کہ وہ

اتباع حدیث کے جذبے کے تحت تارک تقلید ہیں لیکن غیر مقلدین کا یہ دعویٰ بالکل غلط، سو فیصد جھوٹا اور سراسر دروغ بے فروغ ہے اس لئے کہ ترک تقلید کا باعث ان کی طبیعتوں کی سہولت پسندی، ان کے نفوس کی سہل انگاری اور جسم وجان کی آرام طلبی ہے۔

(۱) دیکھئے بیس رکعت تراویح پڑھنا چونکہ ان کے نفوس پر شاق تھا۔ اس لئے غیر مقلدین نے بیس کے بجائے آٹھ رکعت تراویح کو (صحابہ کرامؓ کے اجماع کے خلاف) اپنا معمول ودستور بنایا۔

(۲) تین وتر پڑھنا چونکہ ان کی طبیعتوں پر گراں تھا، اس لئے انہوں نے ایک رکعت پر (صحابہ کرام کے دائمی معمول کے خلاف) اکتفا کیا۔

(۳) ۴۸ میل سفر کرکے قصر کرنا چونکہ ان کے لئے مشکل تھا اس لئے انہوں نے تین میل پر قصر کرنا شروع کردیا۔

(۴) ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین کا وقوع چونکہ ان کی نفوس کی خواہشات کا کچومر نکالتا تھا۔ اس لئے انہوں نے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا۔

(۵) اونٹ، گائے، بیل، بھینس، بکرے اور دنبے کی قربانی پر چونکہ خطیر رقم خرچ ہوتی تھی اس لئے انہوں نے رقم بچانے کی خاطر مرغ اور انڈے کی قربانی کے جواز کا فتویٰ دیا۔

(فتاویٰ ستاریہ ص ۲۷ ج ۲)

(۶) ماکول اللحم جانوروں (یعنی وہ جانور جن کا گوشت غیر مقلدین کے نزدیک کھانا حلال ہے۔ مثلاً: بجو، چمگادڑ، کچھوا، گوہ وغیرہ) کے پیشاب، پاخانہ سے ملوث کپڑوں کا دھونا چونکہ ان کی سہل انگار طبیعتوں کی سہولت پسندی کے منافی تھا اس لئے ان کے بول وبراز سے ملوث کپڑوں میں نماز کے جواز کا فتویٰ دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ (فتاویٰ ستاریہ ص ۲۵۲ ج:)

(۷) کافر کے ذبیحہ کی حرمت سے چونکہ ان کے نفوس کی سہل انگاری متاثر ہوتی تھی اس لئے انہوں نے کافر (مرزائی، مجوسی، یہودی اور ملحد وزندیق وغیرہ) کے ذبیحہ کی حلت کا فتویٰ

دیا۔ (دلیل الطالب ص ۱۴۳)

(۸) خون آلود کپڑوں کا دھونا چونکہ ان کے لئے دشوار تھا اس لئے تمام جانوروں اور انسانوں کے خون کو پاک قرار دیا گیا۔ (دلیل الطالب ص ۲۳۱)

اور سنیئے

(۹) غیر مقلدین کے نزدیک جو شخص عورتوں اور لونڈیوں سے لواطت کرے اس کو منع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۱۱۸ از وحید الزمان)

دیکھئے کتنی سہولت اور آسانی ہے اس مذہب میں کہ ایسے قبیح و شنیع اور فظیع وحرام صریح فعل کو جائز قرار دے دیا گیا ہے، یہ شہوت پرستی کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟

(۱۰) غیر مقلدوں کے نزدیک جنبی آدمی کے لئے قرآن کریم کو چھونا، اٹھانا اور ہاتھ لگانا جائز ہے۔ (دلیل الطالب ص ۲۵۲ از نواب صدیق حسن خان صاحب)

(۱۱) غیر مقلدوں کے نزدیک مال تجارت میں زکوۃ فرض نہیں (بدور الاہلہ ص ۱۰۲)

(۱۲) غیر مقلدوں کے نزدیک چاندی اور سونے کے زیورات میں زکوۃ واجب نہیں۔ (بدور الاہلہ ص ۱۰۱)

(۱۳) غیر مقلدوں کے نزدیک ایک بکری کی قربانی سب گھر والوں کی طرف سے کافی ہے اگر چہ گھر میں سو آدمی کیوں نہ ہوں۔ (بدور الاہلہ ص ۳۳۱)

(۱۴) ..... غیر مقلدوں کے مذہب میں نجاست اور گندگی سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ تھوڑا ہو یا بہت، نجاست پیشاب ہو یا پاخانہ، ہاں اگر رنگ، بو، مزہ ظاہر ہو تو پھر ناپاک ہو جائے گا۔ (عرف الجادی ص ۹۰)

(۱۵) غیر مقلدین کے نزدیک نمازی اگر ناپاک بدن سے نماز پڑھے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ (بدور الاہلہ ص ۳۸)

(۱۶) ... حقہ کا پانی پاک ہے۔ (فتاوی علماء حدیث ص ۳۰، ۳۱، ۳۲)

(۱۷) عورت کی شرم گاہ کی رطوبت پاک ہے۔

(ترجمہ صحیح مسلم ص ۲۸۷ ج ۱، از مولوی وحید الزمان)

(۱۸)۔ سجدہ تلاوت بے وضو جائز ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ص ۵۷۱ ج ۱)

(۱۹)۔۔۔ غیر مقلدین کے نزدیک اگر کسی نے کسی جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھی تو کھانا کھاتے وقت پڑھ لے۔ اس کا کھانا جائز ہے۔ (عرف الجادی ص ۱۱)

(۲۰) غیر مقلدوں کے نزدیک وطی سے حج فاسد نہیں ہوتا اور نہ اس پر کوئی کفارہ ہے۔ (بدور الاہلہ ص ۱۳۱)

(۲۱)۔ غیر مقلدوں کے نزدیک قرأت شاذہ کے ساتھ نماز جائز ہے (ہدیۃ المہدی ص ۱۱۴)

(۲۲) غیر مقلدوں کے نزدیک شطرنج کھیلنے والے پانا کارجائز نہیں۔ (ہدیۃ المہدی ص ۱۱۸)

(۲۳)۔۔۔ غیر مقلدین کے مذہب میں خارجیوں اور رافضیوں کی اقتداء میں نماز جائز ہے (اسرار اللغۃ ص ۹۶ پارہ ہشتم)

(۲۴)۔ غیر مقلدوں کے نزدیک مرزائیوں کی اقتداء میں نماز جائز ہے۔ (فیصلہ مکہ ص ۷)

(۲۵)۔ غیر مقلدوں کے نزدیک جنبی بغیر غسل کے نماز پڑھ سکتا ہے اگرچہ شہر میں ہو۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۰۰)

(۲۶) غیر مقلدین کے نزدیک نکسیر پھوٹنے اور پچھنے لگوانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (فقہ محمدیہ ص ۶۱)

(۲۷) غیر مقلدین کے نزدیک دادی اور نانی کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

(اخبار اہلحدیث ۱۱ محرم ۱۳۳۰ھ)

(۲۸) غیر مقلدین کے نزدیک پردہ کی آیت خاص ازواج مطہرات کے لئے نازل ہوئی ہے، امت کی عورتوں کے واسطے نہیں۔ (الجون المرصوص ص ۱۶۸)

(۲۹)۔۔ غیر مقلدین کے نزدیک سونے چاندی کے زیورات میں سود نہیں جس طرح چاہے بیچے اور خریدے، کمی زیادتی جائز ہے۔ (دلیل الطالب ص ۵۷۵)

(۳۰)…… اگر کسی نے اپنی ساس سے جماع کیا تو اس کی بیوی اس پر حرام نہ ہوگی۔ (نزل الابرار ص ۲۸)

(۳۱)…… ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا وہ شخص اس کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے اگر چہ وہ لڑکی اس کے نطفہ سے ہو۔ (عرف الجادی ص ۱۰۹)

(۳۲)…… پیشاب اور جماع کے وقت ذکر کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ تحریمی نہیں۔ اگر کوئی ایسی حالت میں اللہ کا ذکر کرے تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔ (فقہ محمدیہ کلاں ص ۱۱۲ ج ۱)

(۳۳)…… چوپائے کی پیشاب گاہ میں اگر کوئی شخص اپنا ذکر داخل کر دے تو ہمارے نزدیک (غیر مقلدین کے نزدیک) حق بات یہ ہے کہ اس صحبت کرنے والے پر غسل فرض نہیں۔ (ہدیۃ المہدی ص ۲۴ ج ۳)

(۳۴)…… غیر مقلدوں کے نزدیک متعہ جائز ہے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۱۱۲)

(۳۵)…… عورت کی نماز تمام ستر چھپائے بغیر صحیح ہے۔ تنہا ہو یا دوسری عورتوں کے ساتھ یا اپنے باپ بھائی چچا اور ماموں وغیرہ کے ساتھ ہو۔ (بدور الاہلہ ص ۳۹)

(۳۶)…… ستر عورت (شرمگاہ ڈھانپنا) صحت نماز کے لئے شرط نہیں (مرد عورت ننگے ہو کر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں)۔ (حاشیہ فتاویٰ نذیریہ ص ۳۴۸ ج ۱)

(۳۷)…… نماز اور غیر نماز میں مرد کے لئے اپنے پورے جسم سے صرف آلہ تناسل اور دبر کا سوراخ ڈھانپنا فرض ہے۔ ران وغیرہ ڈھانپنا فرض نہیں ہے۔ (محلی ص ۲۱۰ ج ۳)

(۳۸)…… نمازی حالت نماز میں اور مؤذن حالت اذان میں سلام کہنے والے کو اس کے سلام کا جواب اشارہ سے دے سکتا ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ ص ۴۴ ج ۳)

(۳۹)…… پگڑی پر مسح جائز ہے۔ (فتاویٰ علماء حدیث ص ۱۰۳ ج ۱)

(۴۰)…… نمازی کے لئے کپڑوں کا پاک ہونا شرط نہیں، اگر کسی نے ناپاک کپڑوں میں بغیر کسی عذر کے قصداً نماز پڑھ لی تو اس کی نماز صحیح ہے۔ (بدور الاہلہ ص ۳۹)

(۴۱)... ناخن پالش لگانا جائز ہے۔ عورت ناخن پالش لگا کر وضو کرسکتی اور نماز پڑھ سکتی ہے۔ (فتاوی علماء حدیث ص ۲۹ ج ۱)

(۴۲) خنزیر کی کھال پر نماز جائز ہے۔ (محلی ص ۱۱۸ ج ۱)

(۴۳)... اگر جمعہ اور عید ایک دن جمع ہو جائیں تو اس دن غیر مقلدین کے لئے اختیار ہے کہ عید پڑھنے کے بعد خواہ جمعہ پڑھیں یا نہ پڑھیں اور جو شخص ایسے دنوں میں (جن دنوں عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں) جمعہ نہیں پڑھتا اور کہتا ہے کہ میں ایک مردہ سنت کو زندہ کرتا ہوں، اس کا یہ کہنا اچھا ہے۔ (فتاوی علمائے حدیث ص ۵۹ ج ۴، و فتاوی نذیریہ ص ۵۷۳، جلد نمبر ۱)

(۴۴)...... غیر مقلدین صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ سہولت نفس اور سہل انگاری کے داعیہ کے پیش نظر ایسے دن ظہر کی نماز کی معافی کا اعلان بھی فرما رہے ہیں چنانچہ مولوی عبدالجبار عمر پوری تحریر کرتے ہیں۔

"جمعہ تو رہا ایک طرف، اس دن (جس دن عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں) ظہر کی نماز پڑھنی بھی واجب اور ضروری نہیں کیونکہ جب جمعہ ساقط ہو گیا تو ظہر بھی واجب نہ رہا۔

(فتاوی علماء حدیث ص ۵۲ ج ۴)

(۴۵) مزید سہولت نفس ملاحظہ فرمائیے۔

جب گرمی کی شدت ہو تو زوال سے پہلے جمعہ پڑھنا محققین اہلحدیث کے نزدیک جائز ہے۔ (ملخص از فتاوی علماء حدیث ص ۱۰۳ ج ۴)

(۴۶)...... حائضہ عورت قرآن کریم کی تلاوت کرسکتی ہے۔ (فتاوی ثنائیہ ص ۵۱۹)

(۴۷)...... بسم اللہ پڑھ کر گولی چلائی اور ذبح سے پہلے جانور مر گیا تو جانور حلال ہوگا۔

(فتاوی ثنائیہ ص ۱۳۲ ج ۲)

(۴۸) کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے۔ (فتاوی علماء حدیث ص ۱۰۲ ج ۱)

(۴۹) کاغذ سے استنجاء کرنا اور بول و براز کے محل کو صاف کرنا جائز اور درست ہے۔
(فتاویٰ علماء حدیث ص ۴۵ جلد ۱)

(۵۰) عورتوں کو استرہ استعمال کرنا جائز ہے۔
۱ عورتیں مردوں کی طرح استرہ استعمال کر سکتی ہیں۔ (فتاویٰ ستاریہ ص ۰۰ ج ۳)
۲ عورتوں کے لئے سوئے زیر ناف اکھاڑنے سے استرہ سے مونڈنا اچھا ہے کیوں کہ (بال) اکھاڑنے سے محل ڈھیلا ہو جاتا ہے (عجیب فلسفہ ہے) الحاصل عورتوں کو استرہ کا استعمال بلا شبہ جائز ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ص ۳۵۲ ج ۳)

ناظرین کرام! اب غیر مقلدین کے ماکولات اور مرغوب ولذیذ اشیاء کی فہرست ملاحظہ فرمائیں ۔ دیکھئے غیر مقلدین کے دستر خوان پر کیسے عجیب وغریب جانور ناپاک اور نجس اشیاء، غلیظ اور مکروہ چیزیں حتی کہ کتیا اور سورنی کا دودھ اور سانپ بچھو اور دوسرے حشرات الارض کے کباب رکھے ہوئے ہیں۔

چنانچہ غیر مقلدوں کے مجدد اور امام نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی معروف کتاب بدور الاہلہ میں لکھتے ہیں۔

(۵۱) تمام جانور (جو دریا میں رہتے ہیں) حلال ہیں۔ (بدور الاہلہ ص ۳۴۹) وہ یہ جانور ہیں۔ دریائی کتا، خنزیر، انسان اور سانپ سب حلال ہیں۔
(کنز الحقائق ص ۱۸۵، از مولوی وحید الزمان)

(۵۲) ...چوہا کھانا حرام نہیں۔ (نزل الابرار ص ۸۲ ج ۳)

(۵۳) ...حشرات الارض، سانپ، بچھو اور کیڑے مکوڑے وغیرہ سب حلال ہیں۔
(کنز الحقائق ص ۱۸۶)

(۵۴) ...گدھی، کتیا اور سورنی کا دودھ پاک ہے۔ (بدور الاہلہ ص ۱۸)

(۵۵) ...کتا پاک ہے۔ (بدور الاہلہ ص ۱۶)

(۵۶) ... بجو کھانا حلال ہے۔

جماعت غرباء اہل حدیث کے امام مولوی عبدالستار صاحب تحریر فرماتے ہیں، بجو کھانا حلال ہے، جو شخص کہتا ہے کہ بجو کھانا حلال نہیں اس کے پیچھے نماز صحیح نہیں (گویا کہ امام مسجد کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ بجو کھانے والا ہو۔ (فتاویٰ ستاریہ ص۲۱ ج ۲)

(۵۷)...... غیر مقلدین کے نزدیک نہ صرف بجو کھانا حلال ہے بلکہ اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ (ماشاء اللہ کیا عجیب مذہب ہے۔ محلی ص۳۹۸)

(۵۸) ... کچھوا خواہ خشکی کا رہنے والا ہو خواہ پانی کا، حلال ہے۔ (محلی ص۴۱۰ ج ۷)

(۵۹) ... کچھوا نہ صرف حلال ہے بلکہ اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ (حوالہ مذکور)

(۶۰) ... گوہ حلال ہے۔ (محلی ص۴۳۱ ج ۷)

(۶۱) ... گوہ نہ صرف حلال ہے بلکہ اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ (محلی ص۴۳۱ ج ۷)

(۶۲) ... کتے کا گوشت، ہڈیاں، خون، بال اور اس کا پسینہ ناپاک نہیں۔ (بدور الاہلہ ص۱۶)

(۶۳) ... کتے کا پیشاب بھی پاک ہے۔ (ہدیۃ المہدی ص۴۷ ج ۳)

(۶۴)...... کتے کا لعاب اور اس کا جھوٹا بھی پاک ہے۔ (ہدیۃ المہدی ص۴۷ ج ۳)

(۶۵) خنزیر پاک ہے۔ (کنز الحقائق ص۱۳، از مولوی وحید الزمان)

(۶۶) ... منی پاک ہے۔ (عرف الجادی ص۱۰)

اہلحدیث کے نزدیک منی پاک ہے۔ (ترجمہ مسلم وحید الزمان ص۲۸ ج ۱)

(۶۷)...... اونٹ کا پیشاب اور مینگنیاں پاک ہیں۔ ان کی بیع بلا کراہت درست ہے۔ (فتاویٰ علماء حدیث ص۳۰ ج ۱)

(۶۸) شراب پاک ہے شراب کا حرام ہونا ثابت ہے، ناپاک ہونا ثابت نہیں (بدور الاہلہ ص۲۰)

(۶۹) ... خون پاک ہے، اس کی نجاست پر کوئی دلیل نہیں۔ (بدور الاہلہ ص۱۸)

(۷۰) کافر کے کتے کا شکار بھی حلال ہے۔ (عرف الجادی ص ۲۳۸)

(۷۱) سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا جائز ہے۔ (عرف الجادی ص ۹)

(۷۲) وضو میں پاؤں دھونے کی بجائے ان کا مسح بھی جائز ہے۔ (عرف الجادی ص ۱۲)

(۷۳) نماز میں گوز مارنے سے نماز کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں نماز پوری ہوگی۔

(عرف الجادی ص ۱۳)

(۷۴) خنزیر کا خون پاک ہے۔ (عرف الجادی ص ۱۰)

(۷۵) مردار پاک ہے۔ (حوالہ مذکور)

(۷۶) ہر شخص اپنی بہن، بیٹی اور بہو سے اپنی رانوں کی مالش کروا سکتا ہے اور بوقت ضرورت اپنے آلہ تناسل کو بھی ہاتھ لگوا سکتا ہے۔

(مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کا فتویٰ)

میاں نذیر حسین صاحب دہلوی جو کہ غیر مقلدین کے شمس العلماء، شیخ الکل فی الکل مجدد وقت اور آیۃ من آیات اللہ ہیں وہ اس سوال کے جواب میں کہ کیا بوڑھا آدمی اپنی کمر اور رانوں پر مالش کروا سکتا ہے یا نہیں تحریر فرماتے ہیں کہ ماسوائے عورت (شرمگاہ) کے باقی سارے بدن پر اپنی محرمات (ماں، بہن، بیٹی وغیرہ) سے مالش کروانا جائز ہے۔

بوڑھے کو بھی اور جوان کو بھی ضرورت شدیدہ کے وقت محرمات کو عورت (شرمگاہ) کی طرف نظر کرنا اور اس کا مس کرانا (مالش کروانا) بھی جائز ہے جیسے کہ طبیب کو جائز ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ص ۱۷۶ ج ۳)

ناظرین کرام! اس فتویٰ کے مضمرات و نتائج پر غور فرمائیں۔ جوان بیٹی بہو اور بہن وغیرہ سے رانوں کی مالش کروانے کی اجازت دینا (بوڑھوں کو بھی اور جوانوں کو بھی) کس قدر بری بات ہے میاں صاحب کا یہ فتویٰ کیا شرم و حیا کے تقاضوں کی پامالی کے مترادف نہیں ہے کوئی بھی حیادار باغیرت اور شریف انسان اس فتویٰ پر عمل کرنے کی جسارت نہیں

ہو سکتا ہے اس فتوی کو پڑھ کر ہر اس مسلمان کی روح یقیناً کانپ اٹھے گی جس کے دل میں شرم و حیا کی ادنی ترین رمق بھی ہوگی لیکن ہائے افسوس غیر مقلدین نے یہ فتوی تحریر فرماتے ہوئے ذرہ بھی جھجک محسوس نہ کی۔

غیر مقلدین کے اکابر و اسلاف کے یہ چند فتوے بطور نمونہ مشتے از خروارے ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیے گئے ہیں۔

غیر مقلدین کے یہ علماء ان کے نزدیک معمولی درجہ کے عالم نہ تھے بلکہ ان کو غیر مقلدین کے اکابر میں سب سے اونچا اور بلند و برتر مقام حاصل ہے اور ان کے نزدیک یہ مجددیت کے مرتبہ پر فائز ہیں۔ یہ حضرات مجتہدانہ کمالات و خصائص سے عاری تھے لیکن بایں ہمہ یہ اس ظن فاسد اور زعم باطل میں مبتلا تھے کہ ان میں اجتہاد کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس غلط گمان کا شکار ہو کر جب ان حضرات نے اجتہاد کیا تو اس میں انہوں نے جو گل کھلائے، جو موتی بکھیرے اور اجتہاد کی جس طرح مٹی پلید کی اور اس کے نتیجہ میں جو غلط اور بچگانہ فتاوی صادر کیے وہ آپ کے سامنے ہیں۔ اپنے اکابر کی تقلید میں غیر مقلدین کے اصاغر بھی دین اسلام کو اپنے اجتہاد خام کا تختہ مشق بنائے رکھتے ہیں اور آئے دن اس قسم کے عجیب و غریب فتوی صادر کرتے رہتے ہیں جن کو دیکھ کر بچے بھی ہنس دیتے ہیں۔

ناظرین باتمکین! آپ ترک تقلید کے بھیانک نتائج اور اس کے روح فرسا اور جان گداز اثرات ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ان خطرناک نتائج کے پیش نظر یہ ناچیز اپنے دینی بھائیوں سے درخواست کرتا ہے کہ ائمہ اربعہ کی تقلید کو لازم قرار دیں، ان کی تقلید سے قدم باہر نکالنے کی جسارت نہ کریں۔

اے میرے دینی بھائیو! ائمہ اربعہ کی تقلید ہی میں دین کی حفاظت و صیانت ہے اور دونوں جہانوں کی فوز و فلاح اور نجاح مضمر ہے۔

ترک تقلید الحاد و ارتداد کا پہلا زینہ ہے۔ ترک تقلید کے تلاطم خیز دریا میں کودنا بہت

سے خطرات و مفاسد کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

اگر خواہی سلامت بر کنار است

دعا ہے کہ حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ترک تقلید کی تپ دق سے بچائے رکھے، آمین یارب العالمین۔

غیر مقلدین سے چند سوالات

غیر مقلدین کے علماء کی خدمت میں درج ذیل سوالات پیش کئے جا رہے ہیں غیر مقلدوں کے علماء میں سے اگر کوئی صاحب ان سب سوالات کے مکمل و مدلل اور معقول و تسلی بخش جوابات دے دیں تو فی جواب ایک سو روپیہ نقد رائج الوقت بطور انعام حاصل کریں۔ (اہل سنن مبارز مو یہ دیا ہے)

سوال نمبرا یہ ناچیز غیر مقلدین کے علماء سے دریافت کرتا ہے کہ آپ حضرات جو اپنے آپ کو عامل بالحدیث، اہل حدیث اور مقلدین کو غیر عامل بالحدیث اور مشرک و بدعتی کہتے ہیں، اس کا سبب، منشاء اور معنیٰ کیا ہے؟ مجھے آپ حضرات سے بجا طور پر یہ سوال کرنے کا حق حاصل ہے کہ آپ حضرات کل حدیثوں پر عمل کرتے ہیں یا بعض پر؟ اگر آپ کل احادیث پر عمل کرنے کے دعویدار ہیں تو نارا ضگی معاف! آپ کا یہ دعویٰ بالکل غلط اور سو فیصد جھوٹا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ بہت سی احادیث اور آثار میں تعارض ہے۔ مثلاً رفع یدین اور ترک رفع یدین، جہر آمین اور اخفاء آمین میں دونوں طرف احادیث و آثار موجود ہیں، جن مسائل میں احادیث باہم متعارض ہوں وہاں لازماً بعض کو چھوڑا جاتا ہے اور بعض پر عمل کیا جاتا ہے، بیک وقت دونوں پر عمل کرنا ناممکن ہے لہذا ایسی صورتوں میں کل احادیث پر عمل کرنے کا دعویٰ مضحکہ خیز اور سراسر دروغ بے فروغ ہے اور اگر غیر مقلد علماء ہمارے اس سوال کے جواب میں یوں گوہر افشاں ہوں کہ عمل بالحدیث سے ہماری مراد بعض حدیثوں پر عمل کرنا ہے تو ہم جواباً عرض کریں گے کہ اس مفہوم و معنیٰ کے اعتبار سے تو

مقلدین کے چاروں گروہ (احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ) بھی عامل بالحدیث ہیں۔ اس میں آپ حضرات کی کیا خصوصیت ہے؟ آپ کو کونسا سرخاب کا پر لگا ہے کہ بعض احادیث پر عمل کرنے کی وجہ سے آپ حضرات تو عامل بالحدیث قرار پائیں اور مسلمانوں کے دوسرے طبقات (گروہ) مخالف حدیث ٹھہریں۔

اگر آپ لوگ بعض حدیثوں پر عمل کرنے کی بناء پر عامل بالحدیث ہیں تو بے چارے مقلدین نے کیا قصور کیا ہے؟ کہ وہ بعض احادیث پر عمل کرنے کے باوجود تارک حدیث، مخالف حدیث اور غیر عامل بالحدیث تصور کیے جائیں (حالانکہ یہ بعض احادیث جن پر مقلدین عمل پیرا ہیں دوسری ان احادیث کے لحاظ سے جن پر غیر مقلدین عامل ہیں، قوی ہیں اور ان کو دوسری حدیثوں پر تفوق و برتری حاصل ہے۔)

سوال نمبر۲: حدیث کی صحیح ترین کتاب بخاری شریف کی احادیث و روایات کو اگر کوئی شخص دلیل کا مطالبہ کیے بغیر صحیح مان لے، کیا فرماتے ہیں علماء غیر مقلدین بیچ اس مسئلہ کے کہ کیا اس شخص کا بخاری شریف کی روایات کو دلیل طلب کیے بغیر محض حسن ظن، کی بناء پر صحیح مان لینا تقلید کے قبیل سے ہے یا نہیں؟ اگر یہ تقلید ہے تو کیا یہ تقلید قابل مدح و ستائش ہے یا لائق مذمت و نفرت؟ اور کیا یہ تقلید موجب کفر و شرک اور باعث نکال و وبال ہے؟ یا یہ تقلید توحید خالص اور سنت محضہ ہے؟

سوال نمبر۳: مسلمانوں میں بے شمار لوگ چٹے ان پڑھ اور جاہل محض ہیں، یہ لوگ مسلمان گھرانوں میں تولد ہوئے، اپنے گھروں میں نشوونما پا کر جوان ہوئے اور پروان چڑھے اور دلائل کو جانے بغیر محض تقلید آبائی کی وجہ سے مسلمان قرار پائے، یہ لوگ نہ دلائل و براہین کو جانتے ہیں اور نہ ہی احکام و مسائل کو اور یہ لوگ اپنی حیات مستعار کے دن گزار کر اسی حالت میں عالم فانی سے عالم جاودانی کو انتقال و ارتحال کر جاتے ہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان لوگوں کا اسلام مقبول و معتبر ہے؟ یا مردود و غیر معتبر اور

کیا تقلیداً آبائی کی بناء پر معاذ اللہ یہ سب لوگ کافر و مرتد، لعنتی و جہنمی اور مخذول و مطرود ہیں یا مسلمان؟ اگر ان حضرات کا ایمان و اسلام معتبر نہیں تو امت مسلمہ کا اکثر حصہ مشرک و کافر قرار پا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نار جہنم کا حق دار ٹھہرے گا۔ اسی طرح غیر مقلدین میں بھی جہال کی اکثریت ہے جو مسائل و دلائل کے علم سے بالکل عاری اور کورے ہیں اور یہ جاہل غیر مقلدین بھی صرف تقلیداً مسلمان ہیں چونکہ یہ جاہل غیر مقلدین دلائل سے جہالت کی بناء پر صرف تقلید آبائی کی وجہ سے مسلمان ہیں۔ اے علماء غیر مقلدین فرمایئے اور بتلایئے کہ کیا یہ حضرات آپ کے نزدیک کافر و مشرک اور جہنمی و لعنتی ہیں یا نہیں؟ کیا آپ حضرات جرأت قلندرانہ کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے ان ہم مسلک افراد پر جو محض تقلید آبائی کی وجہ سے مسلمان ہیں کفر و شرک کا فتویٰ جڑ دیں گے، اگر آپ میں اتنی جرأت ہے تو اس کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان پر کفر کا فتویٰ صادر فرما کر اپنے منصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوں۔

سوال نمبر۴: اگر غیر مقلد علماء ان اَن پڑھ مسلمانوں کے حال زار پر رحم کرتے ہوئے ان کے تقلیدی ایمان کو معتبر قرار دیتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ جب ایمانیات (اسلام کے بنیادی، اساسی اور مرکزی مسائل) میں تقلید کا اعتبار ہے تو فروعی مسائل (فاتحہ خلف الامام رفع یدین، آمین بالجہر والسر وغیرہا) میں تقلید کیوں معتبر نہیں ہے؟ یہ عجیب انصاف ہے کہ ایک چیز ایمانیات و اصول میں تو توحید و سنت قرار پائے اور بعینہ وہی چیز فروع میں کفر و شرک ٹھہرے۔

سوال نمبر۵: جاہل غیر مقلدین تو بناء بر جہالت مسائل و دلائل سے ناواقف ہیں ہی بہت سے غیر مقلد علماء بھی اکثر مسائل اور ان کے براہین و دلائل سے جاہل ہیں لیکن پھر بھی اپنے آپ کو پکے موحد بلکہ جنت کے ٹھیکیدار سمجھتے ہیں۔ کیا فرماتے ہیں علماء غیر مقلدین کہ کیا انسان کی نجات کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے آپ کو غیر مقلد کہتا رہے، رفع

میں فاتحہ خلف الامام اور آمین بالجہر کی چند ضعیف احادیث اور روایات رٹ کر اپنے آپ کو محقق سمجھتا رہے باقی تمام یا اکثر اصول و فروع سے ناواقف اور بے بہرہ ہوتے ہوئے ان میں اپنے اکابر کی تقلید کر کے نجات پا جائے۔

سوال نمبر ۶: اگر کوئی کافر دلائل معلوم کئے بغیر اسلام کا قلادہ گلے میں ڈال لے۔ دولت ایمان سے بہرہ ور ہو جائے اور ساری زندگی تمام احکام اسلام کو تقلیداً اپناتا رہے۔ اور پھر اسی عالم میں عالم آخرت کو کوچ کر جائے کیا علماء غیر مقلدین کے نزدیک یہ شخص مسلمان ہے یا کافر ہی رہا اور کفر کی حالت میں آنجہانی ہو گیا۔ کیا اس شخص کا تقلیدی ایمان معتبر ہے؟ اگر غیر مقلدین اس شخص کو مسلمان قرار دیتے ہیں اور اس کے تقلیدی ایمان کو معتبر گردانتے ہیں تو پھر جزئیات اور فروعی مسائل میں ہی تقلید کیوں غیر معتبر ہے؟۔

سوال نمبر ۷: کیا تقلید صرف امام اعظم اور ابو حنیفہ کی ہی شرک ہے یا دوسرے ائمہ کرام کی بھی؟ اگر صرف امام اعظم کی ہی تقلید شرک ہے اور دوسرے ائمہ کرام کی تقلید شرک نہیں تو وجہ فرق کیا ہے، چلیے اسی امام کی تقلید کر لیجئے جس کی تقلید آپ کے نزدیک شرک نہیں اور اگر دوسرے ائمہ کی تقلید بھی شرک ہے تو فرمایئے کیا مشرک کی اقتداء میں نماز درست ہے جبکہ حرمین شریفین میں ائمہ، خطباء کی اقتداء میں آپ حضرات خود بھی نمازیں پڑھتے ہیں اور دوسروں کو بھی ان کی اقتداء میں نمازیں پڑھنے کی ترغیب دیتے اور اس فعل کو موجب اجر و ثواب بتاتے ہیں۔

سعودی حکومت کے سلاطین، وزراء اور حرمین شریفین کے علماء، خطباء اور ائمہ کرام سب کے سب امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں۔ اور اس تقلید کو اپنے لئے باعث صد افتخار سمجھتے ہیں۔ جبکہ تقلید آپ حضرات کے نزدیک کفر و شرک ہے اور سعودی عرب کے علماء و خطباء امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہونے کی وجہ سے آپ کے نزدیک کافر و مشرک ہیں تو ان کی اقتداء میں آپ کی نماز کے جواز کی کیا دلیل ہے؟ کیا آپ حضرات جلب زر اور دنیاوی